سلسلۂ تصوّف نمبر ۳۷

اُردو ترجمہ کتاب

مرصاد العباد

من المبدأ الی المعاد

مصنفہ

جناب قدوۃ الاولیا زبدۃ الاصفیا حضرت خواجہ نجم الدّین کبریٰ

رحمۃ اللہ علیہ

جو [illegible] ہجری میں تصنیف ہوئی

جسے

ملک فضل الدّین، ملک چنن الدّین، ملک تاج الدّین ککے زئی

تاجران کتب قومی

کوچہ ککے زئیاں ــــــ منزل نقشبندیہ ــــــ بازار کشمیری

[illegible]ھ

نے بصرف زرکثیر بامحاورہ اُردو ترجمہ کرا کر

نولکشور گیس پرنٹنگ ورکس لاہور میں منیجر کے اہتمام سے چھپوایا

مصنف کتاب شیخ نجم الدین رازی
وفات شیخ نجم الدین رازی در ۶۵۴ ہجری

تصوف کی بے بہا اور بے نظیر قابل دید کتابوں کا لاجواب سلسلہ

اُردو ترجمہ کتاب مقاصد السالکین

یہ کتاب جو طالب مولےٰ کیلئے بے نظیر رہنما ہے حضرت خواجہ ضیاء اللہ علیہ الرحمۃ نقشبندی کی تصنیف لطیف ہے جس سے ہر ایک کا ایک لفظ اخلاق محمدی صلے اللہ علیہ وسلم اور شریعت کی تابعداری سے پُر ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں عجیب دلکش پیرایہ میں بعبارت مقتضے الکلمی ہوئی ہے اور یہ وہی کتاب ہے جسکو جناب خواجہ خواجگان حضرت خواجہ نور محمد صاحب تیراہی نقشبندی مجددی علیہ الرحمۃ ہر وقت اپنے مطالعہ میں رکھتے تھے۔ بلکہ یہاں تک جناب کو اس کتاب سے محبت تھی کہ حضور علیہ الرحمۃ رات کو بوقت خواب اپنے سینہ مبارک پر رکھ کر آرام فرمایا کرتے تھے۔ چونکہ نیازمند کو حضور علیہ الرحمۃ کے سلسلہ میں دعوائے غلامی ہے۔ اور یہ نعمت عظمےٰ نہایت تلاش تجسس سے لی۔ لہذا فائدہ عام کے لئے عام فہم اردو میں ترجمہ کردیا ہے۔ قابل دید کتاب ہے ✠ قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۱۲ر

اُردو ترجمہ تحفہ قادریہ

اِس بابرکت کتاب میں حضرت شاہ ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ لاہوری نے جو عاشق جناب سید عبد القادر جیلانی کے ہیں۔ جناب غوث پاک کے مناقب و کرامات کو نہایت معتبر روایات سے عجیب دلکش اور پُر اثر طریق سے قلمبند فرمایا ہے اور تحریر عبارت میں جناب علیہ الرحمۃ نے اپنے سچے عشق اور بیتابی کا نہایت پُر درد الفاظ میں ثبوت دیا ہے۔ جس کے مطالعہ سے انسان پر فوری اثر نمودار ہوتا ہے۔ اس کتاب کو طالبان مولا کی خاطر عام فہم اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے ✠ قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۸ر

مثنوی تحفۃ العاشقین معہ تحفۃ العارفین

یہ دونوں کتابیں سالک حق پرست مست بادۂ الست مقبول بارگاہ احد حضرت شاہ عبد الصمد قدس سرہٗ نقشبندی مجددی کی تصنیف لطیف میں سے ہے۔ اردو زبان میں سراپا برکت اور رحمت ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ حضرت مصنف کو ان کتب کی تصنیف کیلئے خواب میں جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوا تھا۔ اور یہی وجہ ان کے مقبول عام اور فائدہ مند ہونے کی ہے۔ یہ دونوں کتابیں نہایت خوشخط چھپکر طیار ہیں ✠ قیمت ۱۲ر

اُردو ترجمہ چہل حدیث

یہ کتاب چہل حدیث مطبوعہ مصر کا اردو ترجمہ ہے۔ مؤلف علیہ الرحمۃ نے ہر ایک حدیث کا نہایت وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ بزرگان عظام و اصحاب کبار جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس خوبی سے کیا ہے کہ پڑھ کر رقت طاری ہوجاتی ہے۔ اگر ہمارا یہ کہنا غلط نکلے تو ہم حلفاً کتاب واپس لینے کے ذمہ دار ہیں۔ دل دردمندوں کے لئے تو گویا اکسیر ہے ✠ قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ عہ

اُردو ترجمہ مجمع الاسرار

جناب حضرت پیر بہادر شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں طریقہ قادریہ کے اذکار اور اوراد کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نہایت اعلےٰ درجہ کے سفید کاغذ پر خوشخط چھپ کر تیار ہے ✠ قیمت ۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

اُردو ترجمہ رسالہ نقشبندیہ

اس رسالہ نقشبندیہ میں طریقہ کے ذکر اور وظائف قلبی اور مراقبہ وغیرہ کا بیان ہے اور اس کے ساتھ طریق مراقبہ بھی بتایا گیا ہے اور دل کا نقشہ کھینچ کر ہر ایک لطیفہ بمقام دکھلایا گیا ہے ✠ قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

فہرست مضامین کتاب مرصاد العباد

مضمون	صفحہ
فصل ۱۰ - مقام شیخ اور اس کی شرائط و اوصاف	۱۵۲
فصل ۱۱ - مُرید ہونے کے شرائط اوصاف و آداب	۱۶۱
فصل ۱۲ - ذکر کی ضرورت اور خصوصاً لا اِلٰہَ اِلّا اللہ کے ذکر کی خصوصیت	۱۷۳
فصل ۱۳ - ذکر کرنے کی کیفیت اس کی شرائط اور اُس کے آداب	۱۷۵
فصل ۱۴ - مرید کو شیخ سے تلقین ذکر کی ضرورت اور اُس کی خاصیت	۱۷۸
فصل ۱۵ - خلوت کی ضرورت اور اس کے شرائط	۱۸۲
فصل ۱۶ - غیبی واقعات اور خواب کا باہمی فرق	۱۸۷
فصل ۱۷ - انوار کے مشاہدے اور اُن کے مراتب	۱۹۴
فصل ۱۸ - مکاشفات اور اس کے اقسام	۲۰۲
فصل ۱۹ - اللہ تعالیٰ کی ذاتی اور صفاتی تجلیات	۲۰۷
فصل ۲۰ - بے اتصال و انفصال حضرت خداوندی کا حصول	۲۱۷
باب ۴ چہارم	
نیک بختوں اور بد بختوں کی رُوحوں کی جائے بازگشت	
فصل ۱ - ظالم کے نفس کی جائے بازگشت	۲۲۴
فصل ۲ - نفس مقتصد یعنے ملہم کی جائے بازگشت	۲۳۶
فصل ۳ - نفس سابق یعنے نفس مطمئنہ کی جائے بازگشت	۲۴۳
فصل ۴ - بد بختوں کے نفس کے انجام - جسے نفس اَمّارہ کہتے ہیں	۲۵۶
باب ۵ پنجم	
مختلف گروہوں کے سلوک کے بیان میں	۲۶۱
فصل ۱ - بادشاہوں اور صاحب فرمانوں کے سلوک	۲۸۲
فصل ۲ - بادشاہوں کے حال - ان کے اوصاف اور رعایا کے ساتھ اُن کی شفقت	۳۰۴
فصل ۳ - وزیروں - نوابوں اور منشیوں کے سلوک	۳۱۲
فصل ۴ - مفتیوں - نوکروں اور قاضیوں کے سلوک	۳۲۰
فصل ۵ - دولتمند اور صاحب سلوک	۳۲۵
فصل ۶ - اہل تجارت کے سلوک	۳۴۱
فصل ۷ - ریاستیوں - دہقانوں اور مزارعوں کے سلوک	۳۴۴
فصل ۸ - اہل حرفہ اور اہل صنعت کے سلوک	۳۵۳
تمام شد	

اُردو ترجمہ کتاب

مرصاد العباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

بے حد حمد اور بے محدود ثناء اس بادشاہ کے لئے ہے۔ کہ جس کی بخشش کا نتیجہ یہ ساری موجودات ہے اور جس کی حمد و ثناء موجودات کا ہر وجود کر رہا ہے وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ (موجودات میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اللہ تعالٰے کی تحمید و تسبیح نہ کہتی ہو) وہ ایسا خالق ہے۔ کہ جس نے اپنی عجیب فطرۃ اور صنعِ حکمت سے محض اپنے فضل و کرم کے قلم سے نفوس کے نقوش کو عدم کے صحیفہ سے وجود کے صفحہ پر بنایا اور معرفت کے آب حیات کو انسانی خلقت کی صفات کی ظلمات میں رکھا۔ چنانچہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے وفی انفسکم افلا تبصرون ؕ (خود تمہارے نفسوں میں موجود ہے کیا تم اسے نہیں دیکھتے) اور پھر طلب کے جنگل کے پیاسوں کے لئے جو قلندروں کی طرح ہیں سکندر کی طرح صدق قدم سے صفاتِ بشریؒ کی راہ کو طے کرنا آسان فرمایا۔ اور بے بہا عنایتوں سے جو خضر کی صفت والوں کو جو آتش محبت سے جلے ہوئے ہیں معرفت کے آب حیات کے چشمے پر پہنچایا۔

اللہ تعالٰی جلشانہ فرماتے ہیں اومن کان میتًا فاحییناہ وجعلنا لہ نورًا یمشی بہ فی النّاس (وہ شخص جو کفر۔ جہل و گمراہی کے سبب مردہ تھا اسے ہم نے علم اسلام اور ہدایت سے زندہ کیا۔ اور ہم نے اسے نور دیا۔ تاکہ وہ اس نور کے ذریعہ لوگوں میں چل پھر سکے) بہت سے درود اور بے شمار آفرین سارے انبیاء علیہم السلام کی ارواح پاک اور جان بے آلائش پر ہو۔ جو جوانمردی کے عنصر اور نبوت کے منتظر تھے جو حقیقت کے رستوں پر چلنے والے اور شریعت کے مسلکوں کے مقتدا تھے کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحُكۡمَ وَالنُّبُوَّةَ۔

(یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں ہم نے کتاب حکمت اور نبوت عنایت کی) خصوصاً انبیاء کی سند کے سردار اور اولیاء کے قافلوں کے سالار محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور اس کی آل، اصحاب، ازواج، اولاد اور خلفائے راشدین اور مہتدین اور آنحضرت کے تمام اصحاب پر بہت بہت سلام ہو۔

اے ہدایت میں میرے بھائیو! اور تقوے میں میرے مددگارو!! اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ناسوتی صفات سے خالی ہونے کی توفیق عنایت کرے۔ اور لاہوتی صفات کی تجلئے مرحمت فرمائے۔ سنو کہ تمام موجودات اور مخلوقات کا خلاصہ اور مقصود انسان کا وجود ہے اور جو چیز موجود ہے وہ دونوں عالم سے انسانی وجود کی تبعیت میں ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو سب کچھ انسانی وجود ہی ہے ؎

پناہِ بلندی و پستی توئی
ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

اور انسان کے وجود سے مراد حضرت خداوند کی ذات وصفات کی معرفت مراد ہے جیسا کہ داؤد علیہ السلام نے پوچھا تھا "یا ربّ لماذا خلقت الخلق" اے پروردگار! تو نے خلقت کو کیوں پیدا کیا؟ تو جواب میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا تھا "کُنتُ کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف" (میں ایک مخفی خزانہ تھا اور میں چاہتا تھا کہ میں پہچانا جاؤں سو میں نے خلقت کو اس لئے پیدا کیا تاکہ وہ مجھے پہچانیں اور معلوم کریں) حقیقی معرفت انسان کے سوا اور کسی کے لئے مناسب نہیں۔ کیونکہ گو عبادت میں فرشتے اور جن بھی انسان کے ساتھ شریک تھے لیکن معرفت کی امانت کا بوجھ اٹھانے میں ہی سب سے ممتاز رہا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ جلشانہٗ فرماتے ہیں "انا عرضنا الامانت علی السمٰوات والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان" (بیشک ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کے پیش کیا۔ تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور ڈر گئے۔ لیکن انسان نے اسے اٹھالیا) یہاں آسمان سے مراد اہلِ آسمان یعنے فرشتے اور زمین سے مراد اہلِ زمین یعنے حیوانات جن اور شیطان۔ اور پہاڑ سے مراد اہلِ پہاڑ یعنی وحشی پرندے تھے۔ جن میں سے کوئی بھی امانت کے بوجھ کو نہ اٹھا سکا مگر انسان نے اٹھالیا۔ اس واسطے کہ سب کی پیدائش انسانی نفس سے تھی کیونکہ انسانی وجود اللہ تعالیٰ کا جمال نما آئینہ تھا۔ اور تمام الٰہی صفات کا مظہر تھا۔ جیسا کہ خود اللہ تعالےٰ جلشانہٗ فرماتے ہیں "ان اللہ خلق ادم علےٰ صورتہ" (بیشک اللہ تعالیٰ

نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا اور انسانی نفس کا خلاصہ آئینہ ہے اور دونوں جہان اس آئینے کا غلاف ہیں۔ اور حضرت الوہیت کی جلالی اور جمالی صفات کا ظہور اسی آئینے سے ہوتا ہے جیساکہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ سنریھم ایاتنا فی الآفاق وفی انفسھم (عنقریب ہی ہم اپنی قدرت انہیں آسمان کے کناروں اور خود ان کے نفسوں میں دکھائیں گے) شیخ رضی اللہ عنہ بھی اس بارے میں فرماتے ہیں

رباعی

مقصودِ وجودِ انس وجان آئینہ است منظورِ نظرِ ہر دو جہان آئینہ است

دل آئینۂ جمالِ شاہنشاہی است ویں ہر دو جہان غلافِ آں آئینہ است

چونکہ انسانی نفس آئینہ بننے کے لائق ہے۔ اس لئے اس کی تربیت ہونی چاہیئے تاکہ یہ اپنے کمال کو پہنچ جائے۔ اور تمام صفات کے ظہور کا اپنے آپ میں مشاہدہ کرسکے۔ اور اپنے نفس کو پہچان سکے۔ کہ وہ کس واسطے پیدا کیا ہے۔ جب اسے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا) کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے تو پھر اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کیا ہے اور کون ہے اور کس بھید کی وجہ سے اسے کرامت اور فضیلت حاصل ہوئی ہے چنانچہ مؤلف کتاب کہتا ہے ؎

اے نسخۂ نامۂ الٰہی کہ توئی وے آئینہ جمالِ شاہی کہ توئی

بیروں ز تو نیست ہرچہ در عالم ہست در خود مطلب ہر آنچہ خواہی کہ توئی

لیکن انسانی نفس کو صفائے آئینے کے کمال مرتبے تک پہنچنے کے لئے بہت سے خطرناک اور مہلک مقام طے کرنے پڑتے ہیں۔ اور یہ بات سوائے شریعت۔ طریقت اور حقیقت کی سیدھی راہ کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اور یہ بتدریج حاصل ہوتی ہے جیساکہ لوہے کو جب کان سے نکالتے ہیں۔ تو اس کو طرح طرح کی پکاوٹیں دیتے ہیں۔ کبھی آگ میں ڈالتے ہیں۔ اور کبھی پانی میں بجھاتے ہیں تب کہیں آئینہ بنتا ہے۔ اسی طرح انسانی وجود بھی شروع میں لوہے کی کان کی طرح ہوتا ہے۔ جیساکہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے "الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ" (انسان سونے چاندی کی کانوں کی طرح کانیں ہیں)۔ اس لوہے کو انسانی وجود کی کان سے بڑی عمدہ تدبیروں سے نکالنا چاہیئے۔ اور تربیت سے اسے آئینہ ہونے کے مرتبے تک پہنچانا چاہیئے۔ اور یہ کام آہستہ آہستہ ہوتا

ہے۔ ے

ان القناۃ الّتی شاھدت رقتھا
تنحو وتینھت انبوبًا فانبوبًا

(نیزہ جسے تو اپنے پاس کھتا ہے اور دیکھتا ہے۔ یہ نالی نالی کر کے پیدا ہوا اور اس کی نشو ونما ہوئی)

۳ پس اس کتاب میں راہِ دین کے سلوک عالم یقین اور ترتیب نفس انسانی کے وصول اور صفات ربانی کی معرفت کا بیان ہے۔ جو پانچ بابوں اور چالیس فصلوں پر مشتمل ہے

فہرست ابواب و فصول

باب اوّل

دیباچہ

باب دوم

مبدا موجودات کے بیان میں

باب سوم

معاش خلق کے بیان میں

باب چہارم

نیک بختوں اور بدبختوں کی روحوں کی جائے بازگشت کے بیان میں

باب پنجم

مختلف گروہوں کے سلوک کے بیان میں

باب اوّل

دربیان دیباچہ

{یہ باب اللہ تعالیٰ کے اس قول "وکنتم ازواجاً ثلثۃ" سے تبرکاً تین فصلوں پر منقسم ہے}

فصل ۱

{اس کتاب میں صاحب طریقت کے بیان کا کیا فائدہ ہے۔ اور سلوک کا بیان کیا چیز ہے ؟}

اللہ تعالیٰ جلشانہٗ فرماتے ہیں۔ "فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰہُ بِلِسَانِکَ لِتُبَشِّرَ بِہِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِہٖ قَوْمًا لُّدًّا" (سوائے اس کے نہیں۔ کہ ہم نے قرآن مجید کو تیری زبان میں آسان کر دیا۔ تاکہ تو پرہیز گاروں کو اس کے ذریعے خوشخبری دے اور جھگڑالو لوگوں کو خوف دلائے) اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "کلمۃ الحکمۃ ضالۃ" (حکمت کے کلمات گمراہ نہیں) نیز واضح ہو کہ حقیقت کی باتوں اور راہِ طریقت کے سلوک کے بیان سے صادق مریدوں اور محقق طالبوں کے باطن میں طلب اور شوق پیدا ہوتے ہیں۔ اور صدیقوں کے دِل میں محبت کی آگ شعلہ زن ہوتی ہے۔ خاصکر اس وقت جبکہ یہ محقق کاملوں اور صادق عاشقوں کی نظر کے منشاء سے ظاہر ہوں۔ رُباعی

آنرا کہ دِل از عشق پرآتش باشد — ہر قصہ کہ گوئید ہمہ دلکش باشد
تو قصۂ عاشقاں ہمے کم شنوی — بشنو بشنو کہ قصۂ شاں خوش باشد

اور نیز ان بے خبروں کو اس حدیث سے انتباہ حاصل ہوتا ہے۔ جن کو یہ معلوم نہیں کہ اس سعادت کا قفل کس چابی سے کھُل سکتا ہے ۔

حدیث۔ "وللاذن تعشق قبل العین احیاناً" بسا اوقات سُننے سے ہی بغیر دیکھے عشق پیدا ہو جاتا ہے ۔

ان لوگوں کو جنہوں نے پہلے یہ کہا۔ کہ "اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا" (بے شک ہم نے منادی کو یہ کہتے سُنا۔ جو لوگوں کو ایمان کی

طرف بلا رہا تھا۔ (یہ منادی یا تو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یا قرآن شریف) پس اس منادی کو ہم نے قبول کیا۔ اور ایمان لائے) اس حدیث کی دولت کا لوں سنی۔ بلکہ ابتداء میں ان کے دلوں میں " اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ " کے خطاب کی دستکاری سے عشق کا بیج بویا گیا۔ لیکن اس بیج کی تربیت کی توفیق کس صاحب دولت کے سپرد کی اور وہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ کیونکہ عشق کی جاودانی سلطنت بادشاہوں کو تو عطا نہیں ہو سکتی جیسا کہ میں کہتا ہوں۔ رُباعی

ملکِ طلبش بہر سلیماں ندہند | منشورِ غمش بہر دل و جاں ندہند
درماں طلباں ز دردِ او محروم اند | کیں درد بہ طالبانِ درماں ندہند

اگرچہ اس حدیث کے سودا سے کوئی سر بھی خالی نہیں۔ رُباعی

از دردِ تو کہ ہر مختصرے خالی نیست | از لطف تو ہر بیخبرے خالی نیست
ہر چند کہ در خلقِ جہاں می نگرم | سودائے تو از ہیچ سرے خالی نیست

لیکن ہر خواہشمند کا ہاتھ اس دولت پر نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ " لَیْسَ الدِّیْنُ بِالتَّمَنِّیْ " (دین خواہش سے ہاتھ نہیں آتا)

میں عاجز اس بارے میں کہتا ہوں۔ رباعی

تا شد دلِ خستہ فتنہ روئے کسے | باریک ترم و تازہ موئے کسے
دستِ برکس نمے رسد سوئے کسے | من خود چہ کسم ہیچ کسے کوئے کسے

سلوک کے بیان سے ایک اور غرض یہ ہے۔ کہ جھوٹے۔ خواہش پرست۔ اور چوپایوں کی سی صفت والوں پر جنہوں نے اپنی ساری ہمت چوپائیوں اور حیوانوں کی خواہشات۔ لذات اور شہوات پر صرف کر دی ہے۔ اور چوپائیوں کی طرح اسی وقت کی عیش کو ہی غنیمت سمجھا ہے۔ اور مردانِ خدا کے مشربوں کے ذوق اور مقبولوں کے مقامات کے شوق سے محروم رہ گئے ہیں۔ اور دینی کمالات اور اہل یقین کے درجات سے نماز اور روزہ کی صورت میں غافل ہو کر بے شمار آفات کی آسودگی پر قناعت کر لی ہے۔ دلیل ثابت ہو جائے۔ تاکہ قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکیں۔ کہ ہم اس حدیث کی دولت سے محروم تھے۔ اور یہ کہیں کہ " لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر " (اگر ہم سنتے یا غور کرتے تو آج دوزخیوں کے ہمراہ دوزخ میں نہ ہوتے)

جنید علیہ الرحمۃ سے لوگوں نے پوچھا۔ کہ مرید کو کلمات مشائخ اور اُن کی حکایات سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس سے مجاہدہ پر ثابت قدمی اور عہد طلب کی تجدید ہوتی ہے۔ پھر لوگوں نے پوچھا۔ کیا اس کی تائید کلام الٰہی سے ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں "وکلا نقص علیك من انباء الرسل ما نثبت به فوادك وجاءك فی هذه الحق وموعظة و ذکری للمتقین" (جو چیز پیغمبروں کے احوال سے سناتا ہوں۔ اس واسطے سناتا ہوں۔ کہ اس سے تیرا دل اطمینان حاصل کرے۔ اور تیرا الیقین بڑھ جائے)۔ اور اس سورت میں جو کچھ نازل ہوا ہے وہ سب درست اور ٹھیک ہے۔ اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت اور ذکر ہے +

نیز بزرگوں نے فرمایا ہے۔ کہ "کلمات المشائخ جنود الله فی ارضه" (یعنی مشائخ کی باتیں طالبوں کی مددگار رہیں۔ تاکہ جس عاجز کا کوئی کامل شیخ نہ ہو اور شیطان چاہتا ہو کہ طلب ریاضات اور مجاہدات کے اثنا میں کسی شبہ یا بدعت میں ڈال کر اس کی رہزنی کرے۔ تو اسے مناسب ہے کہ کلمات مشائخ سے مدد لے۔ اور اپنی دریافت کی نقدی کو ان کے شافی بیان کی کسوٹی پر پرکھے۔ تاکہ شیطانی وسوسوں اور نفسانی خطرات سے بچ جائے۔ اور سیدھی راہ اور دین کی راہ پر قائم ہو جائے۔ کیونکہ اس راہ میں انسانوں کے شیطان اور جن بہت ہیں۔ جو بے راہنما اور بغیر بدرقہ کے چلنے والوں کو جلدی ہی ہلاکت کی وادی میں لا ڈالتے ہیں۔ اس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ "وکم مثلها فارقتها وهی تصفر" (اور بہت سی ایسی چیزیں بھی ہیں جن سے تو جدا ہو کر چلا آتا ہے۔ تو وہ تجھے پیچھے سے آواز دیتی ہیں +

شیخ ابوسعید ابوالخیر فرماتے ہیں۔ کہ مرید کو ہر روز حسب فرصت اس حدیث کو سُننا یا کہنا چاہیئے اور بزرگوں نے کہا ہے۔ "من احب شیئاً اکثر ذکره" (جو شخص جس چیز سے زیادہ محبت رکھتا ہے۔ اکثر اسی کا ہی ذکر کرتا ہے)۔ انہیں مقدمات کے بموجب راہ طریقت کے بعض سالکوں اور عالم حقیقت کے بعض راہ گیروں نے جو اس دولت سے صاحب نصاب تھے۔ اور اس راہ میں راہ راست پر تھے "ان لکل شیئ زکوٰۃ" (ہر شے کی زکوٰۃ ہوتی) کے بموجب اور "ادِّ لکل ذی حق حقه" (ہر ایک ذی حق کو اس کا حق دے) کے مطابق اپنے اوپر واجب سمجھ کر حق مستحق کو دیا۔ اور معرفت کے آب حیات کے چشمہ سے بادیہ طلب کے پیاسوں کو شربت پلایا۔ تاکہ ان کا درد طالبوں کی پیاس اور شوق کو اور زیادہ کر لے ؎

من چوں دیگم غم تو چوں آب خورم ہر چند ہمے بیش خورم تشنہ ترم

فصل ۲

{اس کتاب کے بنانے اور خصوصاً فارسی زبان میں بنانے کا کیا سبب تھا؟}

اللہ تعالےٰ جل شانہ نے فرمایا ہے "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم" "ہم ہر ایک رسول کو اُس کی قوم کی زبان میں بھیجتے ہیں تاکہ اوامر و نواہی کو وہ بیان کرے تو وہ سمجھ جائیں)۔ اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں "تکلموا الناس علی قدر عقولھم" (ترجمہ) لوگوں سے اُن کی عقلوں کے موافق بات کرو۔

واضح رہے۔ کہ اگرچہ طریقت میں بہت بڑی ضخیم اور مختصر ہر دو قسم کی کتابیں ہیں۔ اور ان میں بہت سے معانی اور حقائق مندرج ہیں لیکن وہ زیادہ تر عربی میں ہیں۔ اور فارسی دانوں کو ان سے حسب منشاء فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ رُباعی

بایار نواز فہم کہن باید گفت — با اُو بزبان او سخن باید گفت
لاتفعل وافعل نکند چندیں سود — چوں با عجمی کُن و مکن باید گفت

بہت سے سچے طالب اور صادق مرید مجھ ضعیف باقلت بضاعت اور عدم الاستطاعت سے اس بات کے خواستگار تھے۔ کہ ان کے لئے فارسی زبان میں کوئی مجموعہ تیار کروں۔ اگرچہ اس سے پیشتر ہر گروہ کی استعداد اور التماس کے مطابق لکھے گئے تھے۔ لیکن یہ کچھ اس قسم کا مجموعہ چاہتے تھے جو حجم میں تو تھوڑا ہو لیکن معنوں میں زیادہ ہو۔ اور یہ کہ پیدائش کی ابتداء اور انتہا۔ سلوک کی ابتداء۔ سیر کی انتہا۔ مقصد و مقصود۔ عاشق اور معشوق کی خبر دے۔ جام جہاں نما بھی ہو۔ اور آئینہ جمال نما بھی۔ ناقص مبتدی کو بھی فائدہ دے اور کامل منتہی بھی اس سے مستفید ہو سکے لیکن جب تک میں عراق و خراسان میں رہا۔ خواہ سفر میں خواہ مقیم ہونے کی حالت میں۔ مجھے بسبب قسم قسم کی مصیبتوں اور رکاوٹوں کے فراغت اور فرصت نہ ملی۔ کہ میں اس کام کو سرانجام دے سکوں۔ کیونکہ ہر روز نئی قسم کا فساد برپا ہوتا تھا۔ جو دل کے تفرقے اور ضمیر کی پریشانی کا باعث ہوتا۔ گویا کہ خود فتنہ اس ملک میں آباد تھا۔

خواجہ علیہ السلام نے ایک مرتبہ فرمایا۔ "الفتنۃ من ھھنا واشار الی المشرق مع ھذا" مشرق کی طرف پیغمبر خدا نے اشارہ کر کے فرمایا۔ کہ فتنہ یہاں سے برپا ہوگا۔ ہم نے قضائے آسمانی اور تقدیر ربانی کو تسلیم نہ کیا۔ اور نہ ان فسادوں پر راضی تھے۔ اور نہ صبر اور تسلیم سے پیش آتے تھے۔ دین اسلام کی نعمت

کے شکر کو چھوڑ رکھا تھا۔ اور "بعض الشر اھون من بعض" بعض شرارتیں بعض شرارتوں سے آسان ہوتی ہیں۔ نہیں پڑھتے تھے اور مسلمان نعمت کا شکر بجا نہیں لاتے تھے۔ یہانتک کہ آخر کار اچانک "ولئن کفرتم ان عذابی لشدید" (اگر تم ناشکر گذاری کروگے تو یاد رکھو میرا عذاب بہت ہوتا ہے) کی سختی کے صدمات اس ولایت اور اہل ولایت کو پہنچے۔ اور فسق و فجور اور اور ظلم و تعدی کی شامت سے اس طریقہ کے مطابق "واذا اردنا ان نھلک قریۃ امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا فحق علیھا القول فدمرناھا تدمیرا" (جب ہم کسی گاؤں کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہم ان سے قطع تعلق کرتے ہیں جس کے سبب وہ طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں جب ان پر بات صادق آتی ہے۔ تو ہم اسے بالکل ملیا میٹ کر دیتے ہیں) وہ ولایت اور اہل ولایت تمام برباد ہو گئے۔ رُباعی

القصہ ہر آنچہ کرد گردوں زجفا — حق باید وگفت ویاد دوں حق ما
شکرانہ نعمتش نہ کردم ہیچ — تا لاجرمم فگند در رنج و عنا

۶۱۷ھ ہجری میں تاتار کے کافر لشکر نے خدا اسے برباد اور رسوا کرے اس ولایت پر غلبہ پایا۔ اور ان لعنتوں نے فتنہ، فساد، لوٹ مار پکڑ دھکڑ ایسی شروع کی۔ اور کئی ایک شہروں کو جلا دیا۔ کہ کسی زمانے میں کفر اور اسلام کی ولایت میں ایسا نہیں ہوا۔ اور نہ ہی کسی تاریخ کی کتاب میں لکھا دیکھا ہے۔ ہاں جو کچھ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری زمانے کے فتنوں کی بابت خبر دی ہے۔ کہ "لا تقوم الساعۃ حتی تقاتلوا الترک صغار الاعین لیس لوجوھھم ولعا الاانوف کان وجوھھم المجان المطرقۃ" وہی ان کافر ملعونوں نے کیا۔ ترجمہ حدیث۔ قیامت نہیں آئیگی جب تک کہ تم ترکوں کے ساتھ قتل و خونریزی نہ کروگے۔ ترک ایک ایسی قوم ہے۔ جس کی آنکھیں چھوٹی۔ ناک چپٹی اور چہرے سرخ ہونگے۔ اور فراخ چہرہ اس طرح ہونگے جیسے ڈھال پر سے چمڑہ اتار لیا گیا ہو۔ اور نیز فرمایا "ویکثر الھرج" جب آنجناب سے پوچھا گیا کہ ہرج کے کیا معنی۔ تو آنحضرت نے فرمایا "قتل القتل" یعنی قتل بہت ہوگا۔ درحقیقت یہ وہی واقعہ ہے۔ جسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نور نبوت سے چھ سو سال پہلے فرما دیا۔ اس زمانے کی قتل اور خونریزی کا اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ صرف ایک شہر رے میں جو مجمہ غریب کی جنم بھوم تھا ستر ہزار آدمی قتل ہوئے۔ اور بہت قید کر لئے گئے۔ ان ملعونوں کا فتنہ و فساد تمام اہل اسلام پر اس سے کہیں بڑھ کر ہے جو عبارت میں نہیں سما سکتا۔ اور اس واقعہ کی

شرح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ خود زیادہ مشہور ہے۔ اگر عیاذاً باللہ اسلامی حمیت و غیرت بادشاہوں اور شاہنشاہوں کے دلوں میں جوش زن نہ ہوئی۔ جن کے ذمے مسلمانی اور مسلمانوں کی رعایت ہے۔ کہ "الامیر راع علی رعیتہ وھو مسئول عنھم" (امیر اپنی رعیت کا چرواہا ہوتا ہے اور وہ ان کی نسبت سوال کیا جائیگا)۔ یا اگر دین کی جولیت اور حمیّت نے انکی جان کا دامن نہ پکڑا۔ تاکہ متفق ہو کر جمع ہوں۔ اور "انفروا خفافا وثقالا وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ" (با ہتھیار اور بے ہتھیار دونوں حالتوں میں نکل کھڑے ہوا کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و مال سے کوشش کرو) کی تابعداری پر کمربستہ ہوں اور اپنی جان و مال اس فساد کے مٹانے پر خرچ کریں۔ تو یہ امید کی جاسکتی ہے کہ مسلمانی یکبارگی جڑ سے اکھڑ جائیگی جس طرح اور اسلامی شہر برباد ہوئے ہیں۔ یہ جو باقی رہ گیا ہے یہ بھی برباد ہو جائیگا۔ اور جہان میں کفر پھیل جائیگا۔ رباعی

شاہانِ جہان بجملگی بشتابید تا بود کہ بعین زدین دریابید

اسلام زدست رفت بس بیخبرید بگرفت جہاں کفر وشما درخوابید

اب اس بات کا ڈر ہے۔ کہ جو نام اور رسم مسلمانی کی رہ گئی ہے۔ وہ بھی ان بے معنی مدعیوں کی شامت سے ایسی مٹ مٹا جائے۔ کہ نام تک باقی نہ رہجائے۔ اور "بدا الاسلام غریبا و سیعود غریبًا مرحبًا للغرباء" کی غربت کے پردوں کی طرف منہ کرے۔ "اللھم نبّھنا عن نومۃ الغافلین ربنا لا تؤاخذنا بسوءِ اعمالنا ولا تسلط علینا من لا یرحمنا ربنا لا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا علی القوم الکافرین"۔ ترجمہ: اے پروردگار! ہمیں غفلت کی نیند سے جگا۔ ہمارے بُرے اعمال کی بابت ہمیں مواخذہ نہ کر۔ اور ہم پر ایسے شخص کو حاکم نہ بنا جو ہم پر رحم نہ کرے۔ اور ایسی چیز ہم پر نہ رکھ جس کے اُٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں ہمیں معاف کر دے اور بخش دے اور ہم پر رحم کر۔ تو ہمارا مالک ہے۔ کافروں پر ہمیں فتح نصیب کر یا کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔

مختصر یہ کہ جب ان ملعونوں اور رسوائیوں کا غلبہ اور قہر شروع ہوا۔ تو میں تقریباً سال بھر عراق میں صبر کئے بیٹھا رہا۔ کہ شاید اس فتنہ و فساد کی سیاہ رات کے بعد امن و امان کی صبح نمودار ہو۔ اور سعادت کا خورشید طلوع کرے۔ میں ہر قسم کی تکلیفات اور مصیبات برداشت

کرتا رہا۔ پھر مجھے خیال آیا۔ کہ بال بچوں اور عورتوں کا خیال چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور دوستوں اور عزیزوں سے جدا ہو جانا چاہیئے۔ اور وطن کو چھوڑ جانا چاہیئے۔ لیکن ان کے چھوڑنے کو نہ ہی جی چاہتا تھا اور نہ اپنے عیال و اطفال کو باہر لے جا سکتا تھا۔ آخر جب محنت اور سختی حد درجے کو پہنچ گئی اور جان تنگ آ گئی۔ تو "الضرورات تبیح المحظورات" (ضرورتیں دلی خیالات کو ظاہر کرتی ہیں) پڑھا۔ اور اس فرمان کی پیروی کی۔ کہ "یا ایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم" (مسلمانو! تم اپنی خبر رکھو۔ جب تم راہ راست پر ہو تو کوئی بھی تمہیں گمراہ کر لے تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا)۔ تمام متعلقین کو چھوڑ چھاڑ "ومن بخلوا براسہ فقد ربحہ" (جس نے اپنی جان بچا لی اس نے سینکڑوں پائے) کو غنیمت جانا۔ اور "الفرار مما لا یطاق من سنن المرسلین" (جس کے برداشت کرنے کی طاقت نہ ہو اس سے بھاگ جانا مرسلوں کا طریقہ ہے) کے طریقے کو اختیار کیا۔ اور عزیزوں کو مصیبت کے سپرد کر کے رباعی

بے بلا نازنین شمرد او را چوں بلا دید در سپرد او را
تا بدانی کہ وقت پیچا پیچ ہیچکس مرترا نباشد ہیچ

شہر ہمدان سے جہاں میں رہا کرتا تھا۔ چند خدا کے پیاروں اور درویشوں کو لیکر رات کے وقت باہر نکلا لیکن ہم معرض خطر میں تھے۔ اربیل کی راہ لی۔ بعد میں خبر ملی۔ کہ میرے چلے آنے کے بعد کافروں نے خدا انہیں غارت اور رسوا کرے شہر ہمدان کا محاصرہ کر لیا ہے اور یہ کہ اہل شہر نے حتی الوسع کوشش کی۔ اور بہت سے لوگ شہید ہوئے۔ اور بچوں اور عورتوں کی اُنہوں نے بیحرمتی کی۔ اور خراب و تباہ کیا۔ اور میرے متعلقین اور اعزہ و اقربا کو جو شہر رے میں رہتے تھے پہلے ہی شہید کر چکے تھے ؎

بارید بباغ ما تگرگے در گلبن ما نماند برگے

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جب وطن مالوف سے اُمید بالکل منقطع ہو گئی۔ تو دین و دُنیا کی بہتری اسی میں دیکھی۔ کہ اب کسی ایسے شہر میں مسکن بنانا چاہیئے۔ جہاں اہل سنت و جماعت رہتے ہوں۔ جو بدعت۔ حرص اور تعصب سے پاک ہو۔ جہاں امن و انصاف ہو۔ جہاں ذریعہ معاش آسانی سے دستیاب ہو سکے۔ اور اس میں بادشاہ دیندار۔ دین پرور۔ عالم۔ عادل اور منصف ہو۔ تاکہ اہل دین کی قدر دانی کرے۔ اور اہل فضل کی حق شناسی کرے۔ جب مَیں نے اس بات کی جستجو کی۔ تو تمام صاحب نظر اور تجارپیشہ نے جنہیں مختلف ملکوں اور شہروں کی واقفیت

ہوتی ہے۔متفق الرائے ہو کر یہ کہا۔ کہ آجکل ان صفات سے موصوف اور ان خصوصیات سے مخصوص روم کی ولایت ہی۔ کیونکہ ان کا مذہب بھی اہل سنت وجماعت سے آراستہ ہے۔ اور وہاں پر عدل، انصاف اور امن چین اور ارزانی بھی ہے۔ اور خدا کا شکر ہے۔ کہ وہاں کا بادشاہ بھی آل سلجوق کا بقیہ اور اس مبارک خاندان کی یادگار ہے۔ کیونکہ اہل اسلام کو جو آرام اور آسائش اور امن اور فراغت حاصل ہوئی ہے۔ وہ سب اسی خاندان کے زیر سایہ ہوئی ہے۔ اور جو خیرات اور نیک کام ان دیندار اور دین پرور بادشاہوں کے مبارک عہد میں (خدا ان کی براہین کو روشن کرے) ہوئے ہیں۔ اور جو مذہبی لڑائیاں۔ فتوحات۔ کافروں کے قلعوں کی تسخیر۔ مدرسوں۔ خانقاہوں۔ پلوں۔ رباطوں۔ شفاخانوں اور دوسرے خیراتی مقامات کا بنانا۔ علماء کی تربیت اور عزت۔ زاہدوں اور عابدوں کو مبارک سمجھنا۔ رعایا پر شفقت اور رحم کھانا۔ اور اللہ تعالیٰ سے قسم قسم کے تقربات کا حاصل ہونا۔ ان کے عہد میں ہوا ہے کسی عہد میں نہیں ہوا۔ اس کے بیان کرنے کی چنداں حاجت نہیں۔ کیونکہ یہ خود اظہر من الشمس ہے۔ اور ترکستان۔ فرغانہ۔ ماوراء النہر۔ خوارزم۔ خراسان۔ غور۔ غرجستان۔ غزنی۔ ہندوستان۔ کابل۔ زابل۔ سیستان۔ کرمان۔ پارس۔ خوزستان۔ عراقین۔ دیار بکر۔ شام مصر وروم کے ساحل اور امن وغیرہ ولایتوں میں ان کی اور ان کے غلاموں کی خوبیوں کے آثار ظاہر ہیں۔ اور اہل اسلام کی زبان اس مبارک خاندان کی ثناء اور تعریف سے ماہر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی نرمی شفقت، مرحمت اور عاطفت کو درجات کا وسیلہ اور قربات کا سبب بنائے۔ اور ان کی دین پروری اور عدل گستری کی برکتیں قیامت تک اس مبارک خاندان میں باقی رکھے۔ جب مجھے یہ بات تحقیقاً معلوم ہو گئی۔ تو میں نے جان لیا۔ کہ اس مبارک ولایت کے سوا اور کہیں فراغ دلی دل جمعی۔ علم کے پھیلانے اور لوگوں کو راہ خدا کی طرف بلانے کے اسباب۔ اور اصحاب خلوت کی رعایت اور درویشوں اور عزیزوں کی خدمت میسر نہیں ہو سکیگی۔ خصوصاً اس مبارک خاندان کی پناہ میں مجھے ہونا چاہئے۔ کہ جس کی دعا گوئی آباؤ اجداد سے مجھے بطور وراثت ملی۔ اور جس کی نعمتوں کے حقوق میرے اور نیز تمام اہل اسلام کے ذمے ہیں اسلئے میں نے دل میں ٹھان لی۔ کہ جلدی ہی اس خطۂ مبارک کی طرف روانہ ہونا چاہیئے۔ اور ان ممالک کے حریم میں مقام بنانا چاہیئے۔ خدا کرے کہ ہر روز ترقی کرے۔ اور کافروں کے مکر وشر سے محفوظ اور بچا رہے۔ اور اس زبردست سلطنت کی دعا گوئی میں (خدا اسے ثابت رکھے) مشغول ہونا چاہیئے۔ جب خوش

قسمتی نے میری مدد کی۔ اور توفیق میری رفیق تھی۔ تو میں مع عزیزوں کی ایک جماعت کے گرتا پڑتا اس مبارک ولایت کی حدود میں پہنچا۔ اتفاق حسنہ سے شہر ملطیہ[۱] میں شیخ الشیوخ۔ علامہ عالم قطب الوقت بقیۃ الوقت السلف۔ شہاب الملۃ والدین شیخ الاسلام والمسلمین (اللہ تعالیٰ انہیں عمر دراز عنایت فرما کر ہمیں فائدہ پہنچائے۔ اور انکے انفاس ولقا کی برکت کو ہم سے دور نہ کرے) کی تشریف آوری کی صورت میں لاکھوں سعادتوں اور دولتوں نے میرا استقبال کیا۔ اور اسے بڑی سعادت اور عجیب دولت سمجھا۔ اور عمدہ فال خیال کیا۔ اور جب میں ان کی خدمت کے شرف سے مشرف ہوا۔ تو میں بزرگوار کو ان عنایتوں بخششوں اور توفیقات میں رطب اللسان پایا۔ جو بادشاہ اسلام سلطان السلاطین خلد اللہ سلطانہٗ نے اسے اس کی شان اور قدر ومنزلت کے موافق عطا کی تھی۔ اور نیز وہ شیخ اس پاکیزہ عرق اور روح مصور کی فضیلتوں اور خصلتوں سے دل خوش کر رہا تھا۔ کہ اس اثنا میں گفتگو کے اندر اس نے اس بات کی طرف اشارہ کیا۔ اور فرمایا۔ کہ چونکہ تو اپنے وطن مالوف کو بے اختیار چھوڑ آیا ہے۔ اور دل جمعی کو برباد کیا ہے "عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم"۔ شاید تم اس سے متنفر ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ اس مبارک ولایت میں آ جا اور ان ممالک کی چار دیواری میں قیام کر۔ "واذا المشیت فانزل" (اور جب شام کا وقت ہو تو یاد الٰہی میں مشغول ہو اور عمل کر۔ اگرچہ دنیا دیرپا نہیں اور بے وفا عمر دیر تک قائم نہیں رہتی۔ لیکن پھر بھی باقی عمر تو بادشاہ جواں بخت اور پیر صفت۔ اور سلطان دین پرور نیک سیرت کی دولت کی پناہ میں تخت پر" (واذا اصبحت فالزم" (اور جب تو پالے تو اسے لازم جان) پڑھ۔

اگرچہ اس گروہ مشائخ کا طریق یہ ہے۔ کہ وہ گوشہ نشینی قطع تعلق۔ خوف اور خلوت اختیار کرتے ہیں۔ اور بادشاہوں اور سلاطین کی صحبت اور میل جول سے کنارہ کشی کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسے توفیق دیئے گئے بادشاہ سے جو علم سے بھی پورے طور پر بہرہ ور ہے۔ اور ریاضتوں اور مجاہدوں میں بھی کامل نصاب رکھتا ہے۔ اور اہل علم اور اہل دل کا محب اور مربی ہے۔ بالکل قطع تعلق نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اپنے تئیں اور خلقت کو آنحضرت کے فائدوں اور نفعوں سے محروم نہیں رکھنا چاہیئے۔ اسی قسم کی اور کچھ باتیں کیں۔ اور اس ارادے سے اس نے استخارہ کیا۔ اور اس بارے میں حضرت کی نبوت کی چند باتیں لکھیں۔ اور فرمایا کہ بارگاہ الٰہی میں مشورہ اور استخارہ کے بعد یہ معلوم ہوا ہے۔ میں نے اس بزرگوار کے اشارے کو اشارہ حق جانا۔ اور اس کے کہنے سے تجاوز نہ کیا۔ اور جس وقت کہ وہ بزرگ خورشید کی طرح نکلا۔ اور ہوا کی طرح حرکت کرنے لگا میں

آنکھوں میں آنسو بھر کر اور پھر آتش دل کو لیکر اسے بادل کی طرح جو سمندر کے کنارے سے گراں بار ہو کر لوٹتا ہے آسمان کی بلندی والی درگاہ کی طرف متوجہ ہُوا۔ کچھ تو اس سمندر کے فوائد کی گرانباری اور کچھ ہجر کی مُصیبت کی گرانباری لئے ہوئے تھا لیکن سعادت کا فرشتہ غیبی لاکھوں دوستوں کی خوشخبری دیتا تھا۔ اور اقبال سلطنت جابر کی بارگاہ کی تلاش میں ہر جگہ قدم رکھتا تھا۔ اور مجھ ناتوان کو آواز دیتا تھا۔ کہ بادشاہوں کے لائق کوئی تحفہ لے جانا چاہئے۔ لیکن تو مفلس اور بے سروسامان ہے اور وہ درگاہ عالیشان ہے۔ میں نے کہا اگرچہ داناؤں نے کہا ہے ؎

چارۂ عشاق در بیچارگیست | مے کُنم جاں با ہمہ بیچارگیست

بے شک وہ درگاہ عالیشان ہے۔ لیکن سلیمانی بارگاہ سے بڑھ کر نہیں۔ اور میں اگرچہ ناتواں اور کمزور اور بے سروسامان ہوں۔ لیکن چیونٹی کی حالت میں کم نہیں۔ اس سلیمان جیسی بارگاہ والے کے لئے چیونٹی جیسا تحفہ لے جاؤنگا۔ اور یہ دو شعر اپنی عاجزی اور عذر کے طور پر پیش کروں گا۔ رُباعی

شاہا بر تو بہ تحفہ صد جاں بردن | کمتر بود از زیرہ بکرماں بردن

لیکن دانی کہ رسم موراں باشد | پائے ملخ نزدِ سلیماں بردن

مجھ عاجز نے اس تحفہ کی طلب میں بہت کچھ سوچ بچار کی۔ اور اندیشے کے سمندر میں غوطے لگائے۔ اور دنیاوی دستگاہ اور اُخروی پائگاہ کے گرد پھرا۔ لیکن کچھ نہ بن پڑی۔ کہ جس کے وسیلے اس درگاہ میں جاؤں ؎

گرد ہمہ دستگاہ خود بر گشتم | پائم بسفالِ پارہ در نائد

جب میں سب طرف سے عاجز رہ گیا۔ تو "فانھم عدو لی الا رب العالمین۔" (اللہ تعالےٰ کے سوا باقی سب وہ میرے لئے دشمن ہیں) پڑھا۔ اور بڑی عاجزی۔ جبرانی۔ عجز و انکسار سے کریم علی الاطلاق اور معبود باستحقاق (اللہ تعالیٰ) کی بارگاہ کا رُخ کیا۔ اور نیاز کی زنبیل ہمت کے ہاتھ میں لئے ہوئے روزانہ عادت کے موافق گداگری کے لئے گیا۔ تو فوراً بخشش کرنے والی بارگاہ نے اپنی بخشش "ادعونی استجب لکم" (تم مجھے بلاؤ میں جواب دونگا) کے موافق فضل کے خزانوں کے دروازے کھول دئے۔ اور ہر قسم کی نعمتیں مجھ ضعیف کو دکھلائیں اور فرمایا کہ ان خزانوں اور دفینوں میں سے جو کچھ چاہتے ہو۔ لے لو۔ آئندہ کو دل میں غم نہ لانا۔ میں نے عرض کی۔ اے بارِ خدایا! اگر میں دُنیاوی نعمتیں لوں۔ تو وہ اس بارگاہ میں پہلے ہی سے

بے شمار ہیں۔ اور اس صاحب دولت کی نظر میں بے اعتبار ہیں۔ اور اگر دینی معاملات سے کچھ لیجاؤں تو وہ بھی وہاں ڈھیر کے ڈھیر موجود ہیں۔ اور اس کی ہمت کی کشتی اطاعت کے بوجھ سے بھرپور ہے اگر میں کسی قسم کا علم لیجاؤں۔ تو اس بارگاہ میں علم اور عالم موجود ہیں۔ اور قسم قسم کے علوم وہاں بکثرت ہیں۔ چونکہ اللہ تعالےٰ کی مہربانی مجھ ضعیف کی بلند ہمتی کو پہچانتی تھی اس لئے اس نے ہزاروں لطف وکرم سے میری نوازش فرمائی۔ اور فرمایا۔ اسے ہمارے محمود کی بارگاہ کے ایاز!! اور اسے ہمارے معبودیت کے آستانہ کے مخلص عابد!! اور اسے ہمارے جمال کے نور کے جلے ہوئے عاشق!! اور ہمارے جلال کی شمع کے جلے ہوئے پروانے!!! "ان من العلم کھیئۃ المکنون لا یعلمھا الا العلماء باللہ فاذا انطقوا بہ لم ینکرہ الا اھل العزۃ باللہ" (ترجمہ) بعض علم چھپے خزانوں کی طرح ہیں جنہیں عارف باللہ علماء کے سوا اور کوئی نہیں پہچان سکتا۔ اور جب وہ عالم ان علوم کا ذکر کرتے ہیں تو سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ تعالےٰ سے انکار ہے انکار نہیں کرتے۔ ہمارے خزانہ میں اَن بندھے موتی ہیں۔ اور ابھی تک کسی جوہری نے نہیں چھوا تک نہیں۔ اور غیب کے پردوں کے پیچھے ایسی کنواریاں چھپی ہوئی ہیں۔ کہ جن کی عصمت کے دامن تک کسی داماد کا ہاتھ نہیں پہنچا۔ "لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان" (اس سے پیشتر نہیں نہ کسی انسان نے چھوا نہ جن نے)۔ ان قیمتی موتیوں کی چند لڑیاں یا ان حورالعین کنواریوں میں سے چند ایک کو بطور تحفہ ہماری بارگاہ کے برگزیدہ بندے۔ اور ہمارے عرج عروج دئے ہوئے بادشاہ ۔ ہماری غالب بارگاہ کے اس یوسف کے سے مرتبے والے۔ بلا لطف ایوب کے سے صابر ہمارے امیر ہمارے اسم ذاتی کے سائے۔ ہماری صفات کے معانی کے مظہر۔ ہمارے اولیاؤں کے مددگار ہمارے دشمنوں پر غالب۔ علاؤ الدنیا والدین غیاث الاسلام والمسلمین۔ آل سلجوق کے افتخار اور بقیہ ابوالفتح کیقباد بن کیخسرو بن قزل ارسلان (خدا اس کی سلطنت کو زیادہ کرے۔ اور دین و دنیا میں اس کی شان کو زیادہ کرے۔ اس کے لشکروں اور مددگاروں کو غالب کرے۔ اور اس کی حجت و برہان کو قوی کرے) لے جا کیونکہ اس کی عقیدت کے بازار میں اس قسم کے اسباب کا رواج نہیں ہوا۔ اور سیرت و سیرت کا کوئی موتی اس تحفہ کی برابری نہیں کرسکتا۔ فتح و فتوح کی اس حالت کی کرامت سے یہ بات ماہ رمضان ۶۱۸ھ ہجری کو وقوع میں آئی۔ شہر قیصریہ میں جبکہ رحمت کے خزانوں سے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ اور بخشش کا عام دسترخوان بچھا ہوا تھا۔ اور "ھل من سائل

وھل من داعٍ" (کیا کوئی سوالی یا دعا کرنے والا ہے) کا آوازہ دے رکھا تھا۔ میں نے اس سعادت کو غنیمت جانا۔ اور قلم کی باگ غیب کے تصرف کے ہاتھ سونپی۔ تاکہ جو قیمتی موتی غیب کے خزانہ سے دل کی کمین گاہ میں پہنچے۔ قلم کی زبان اسے عبارت میں لائے۔ اور ورق کے تختے پر رکھے۔ اور اسے پھر بطور تحفہ اس بارگاہ میں لیجاؤں۔ اور یہ کہوں "یٰاَیُّھَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَاَھْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَۃٍ مُّزْجٰۃٍ" (اے زبردست! مجھے اور میرے اہل و عیال کو تکلیف پہنچتی ہے میری مدد کر۔ اور میں گھٹیل سرمایہ لیکر آیا ہوں)۔ پس مجھ ضعیف نے اسی موسم شریف میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ اس حالت کی اثنا میں مجھے اپنے عزیز طالبوں کی بات یاد آگئی۔ جو اُنہوں نے اس قسم کے مجموعہ کے لئے التماس کی تھی۔ پس اللہ تعالے کی بارگاہ میں استخارہ کرنے اور مدد طلب کرنے کے بعد اس غیبی دُلھن کو بادشاہ دین پرور سلطان عدل گستر۔ آسمان کے چتر والے۔ آل سلجوق کی یادگار اور باعث افتخار (خدا اس کے جلال کو زیادہ کرے اور مشرق و مغرب میں اسکے سائے کو پھیلائے) کے مبارک لقب سے زینت دی۔ اور آراستہ کیا ؎

خدائے جہاں را فراواں سپاس | کہ گوہر سپردم بگوہر شناس
بداند چو از جاں درو بنگرد | چہ جاں کندہ ام تا کہ جاں پرورد

اللہ تعالے کی بے نہایت بخشش اور بے علت کرم کی عنایت سے اُمید کرتا ہوں۔ کہ مجھ ضعیف کے بیان اور بنان کو بھول چوک اور خطا و لغزش سے محفوظ اور مصئون رکھیگا۔ اور غیبی دفینوں کے خزانوں کے دروازے میرے دل و زبان پر کھول دیگا۔ اور سید اولین و آخرین کی متابعت کے قانون کے موافق میرے اس مقصود کو سرانجام دیگا۔ اور ہمیں اور پڑھنے والوں کو دونوں جہان میں نافع اور شافع بنائیگا۔ اور مقبول دل اور منظور نظر بنائے گا۔ "انشاء اللہ تعالیٰ العزیز وھو حسبنا وعلیہ توکلنا ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب ہ" (اگر خدا نے چاہا۔ اور وہ ہمارے لئے کافی ہے۔ اور اسی پر ہم بھروسہ کرتے ہیں۔ اے پروردگار! ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو غفلت آلود نہ بنا۔ اور اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا کر۔ تو بے شک بہت بخشنے والا ہے)۔

فصل ۳

{ یہ کتاب کس طریق پر لکھی گئی ہے }

اللہ تعالیٰ جلشانہ فرماتا ہے۔ "وَهُوَ الَّذِي يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ" (وہ ذات ہے جو خلقت کو پیدا کرتا ہے اور پھر اسے لوٹاتا ہے) ؛

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "يَمُوتُ النَّاسُ عَلَىٰ مَا عَاشُوا وَيُحْشَرُ عَلَىٰ مَا مَاتَ عَلَيْهِ" (انسان جس طرح زندگی بسر کرتے ہیں اسی طرح مرتے ہیں۔ اسی حالت میں ان کا حشر ہوتا ہے) ؛

اس آیت اور اس حدیث سے تین حالتیں ثابت ہوتی ہیں:۔ اوّل۔ فطرت کا شروع جسے مبدا کہتے ہیں۔ دوم۔ زندگی کا عرصہ جسے معاش کہتے ہیں۔ سوم۔ روح کا قالب سے جدا ہونا اضطرار سے یا صفات قالب سے اختیار کے ساتھ۔ اس کو معاد کہتے ہیں پس یہ کتاب تین اصولوں پر مبنی ہے۔ یعنی مبدار۔ معاش اور معاد۔ اور ہر ایک اصول الگ الگ۔ ایک ایک باب میں بیان کیا جائیگا۔ جس میں چند ایک فصلیں ہونگی۔ تاکہ ہر ایک مقام پر مختصر کے موافق انسانی احوال کا کچھ ذکر ہو۔ چنانچہ مبدا کے باب میں ہدایت فطرت سے ارواح۔ اشباح۔ ملک اور ملکوت کی شرح کی جائیگی۔ اور معاش کے باب میں انسانی تربیت اور اس کا سیر و سلوک۔ بشریت کے اطوار۔ روحانیت کے انوار۔ اخلاق کی تبدیلی۔ صفات کا تغیر اور اور مختلف احوال جو اثنائے روش میں پیش آتے ہیں۔ اور اسباب تربیت کی ضرورت کا ذکر ہوگا۔ اور معاد کے باب میں اولیاء اور انبیاء کے سلوک کے قانون کے موافق نیک بختوں اور بدبختوں کے نفوس کی واپسی اور بازگشت اور ہر ایک قسم کے مرجع و معاد کا بیان ہوگا۔ اور ایک باب مختلف طائفوں کے سلوک کے بیان میں ان کے ساتھ ملایا جائے گا۔ تاکہ ہر ایک طائفہ اس کتاب کے فوائد سے محظوظ اور بہرہ مند ہو سکے۔ اور ایک باب کتاب کے دیباچے میں مذکور ہو چکا ہے۔ ساری کتاب میں پانچ باب اور چالیس فصلیں ہیں۔ جیسا کہ فہرست مندرجہ صفحہ ۴-۵ و ۶ سے ظاہر ہے۔ اور پانچ بابوں میں اسے بطور تبرک اور یمن تقسیم کیا گیا ہے اس واسطے کہ اسلام کی بنا پانچ رکنوں پر ہے۔ اوّل شہادت اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً رسول الله۔ دوم۔ نماز۔ سوم زکوٰۃ۔ چہارم ماہ رمضان کے روزے۔ پنجم بشرط استطاعت

جمع کرنا۔ اور چالیس فصلوں پر منقسم کرنے کی یہ وجہ ہے۔ کہ انسان کی تربیت میں چالیس کے عدد کو خاص دخل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "واذ واعدنا موسیٰ اربعین لیلۃ" (جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا)۔ اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے۔ "من اخلص للہ اربعین صباحاً ظہرت ینابیع الحکمت من قلبہ علے لسانہ" (جو شخص چالیس روز صبح کو اللہ تعالےٰ سے اخلاص سے پیش آئے تو حکمت کے چشمے اس کے دل سے اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں)۔ ہر ایک فصل کے شروع میں قرآن مجید کی ایک آیت اور رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث اس فصل کے مناسب بیان کی جائے گی۔ تاکہ کتاب اور سنت کا وسیلہ ہو جائے۔ اور چونکہ اس میں ابتدا سے لیکر انتہا تک انسانی کمال اور نقصان کی شرح۔ اور ایک حالت سے دوسری حالت میں اور ایک مقام سے دوسرے مقام میں اس کی پرورش اور روش کا حال لکھا جائیگا۔ اس لئے یہ کتاب راہ حقیقت و طریقت کے مدعیوں اور سلوک اور معرفت والوں کے لئے بمنزلہ کھسوٹی کے ہوگی۔ تاکہ اپنے وقت کی نقدی کو اس پر پرکھ سکیں۔ اگر ان مقامات میں سے کسی ایک مقام کی علامات اور نشانات اپنے آپ میں معلوم کریں۔ تو امیدوار رہیں اور پناہ جوئی کریں۔ کیونکہ وہ حق کی راہ پر ہیں۔ اور سیدھی راہ چل رہے ہیں۔ اور اگر ان باتوں میں سے اپنے آپ میں کچھ نہ پائیں۔ تو شیطانی غرور اور نفسانی پھسلاوے میں نہ آجائیں۔ اور مغرورانہ خیال دماغ سے نکال دیں۔ اور راہ طلب میں سچی راہ پر قدم رکھیں۔ اور بوسیدہ خرقوں پر مغرور نہ ہوں۔ رباعی

اے میان تہی زسر بیروں کن | واز ناز نگاہ در نیاز افزوں کن
استاد تو عشق است چو آنجا برسی | او خود بزبان حال گوید چوں کن

اور کتاب کا نام کتاب کے احوال کے مطابق مرصاد العباد من المبدا الی المعاد رکھا گیا ہے۔ اور اسے سلطان کیقباد کے نام ڈیڈیکیٹ کیا ہے خدا اسے اپنے خاص بندوں سے بنائے نیکی کی راہ کا سلسلہ بنائے۔ اور ثمود اور عاد کی طرح اسکے دشمنوں کو ہلاک کرے ٭

جب سچا مرید اور عاشق طالب از روئے صدق و تحمل نہ از روئے حرص و خواہش اسے مطالعہ کریگا۔ تو اُس پر واضح ہو جائیگا۔ کہ وہ کون ہے۔ کہاں سے آیا ہے۔ کہاں جائیگا؟

کس طرح جائیگا۔ اور اس کا مقصد اور مقصود کیا ہے؟ رباعی

جانا دلِ عاقلانِ عالم ریش است — زیں یک منزل کہ جملہ راد پیش است
از تیغ اجل بُریدہ در طشتِ فنا — زیں غم سرِ صد ہزار زیرک پیش است

اور اسے یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ کہ نورانی اور اعلےٰ اور پاک روح کو تاریک سفلی اور خاکی قالب کی صورت میں لانے میں کیا حکمت ہے۔ اور پھر روح کو قالب سے جدا کرنے اور صورت کو بگاڑنے کا کیا مطلب ہے۔ اور پھر حشر میں قالب کو نشر کرنا اور اسے روح کا لباس بنانا کس واسطے ہے۔ اِس کتاب کے پڑھنے سے " اولئک کالانعام بلہم اضل" یہ ڈھور ڈانگروں کی طرح ہے بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ' کے زمرہ سے نکلکر انسانی مرتبہ کو پہنچیگا۔ اور " یعلمون ظاہرا من الحیوۃ الدنیا وھم عن الاٰخرۃ ھم غافلون۔" (وہ صرف دنیا کی زندگی کی ظاہرا باتوں کو جانتے ہیں۔ اور آخرت سے بالکل غافل ہیں) کی غفلت کے حجاب سے خلاصی پائیگا۔ اور ذوق اور شوق سے راہ سلوک میں قدم رکھیگا۔ یہاں تک کہ جو آنکھوں دیکھیگا اسے طے کرے گا۔ نظر کا ثمرہ ایمان ہے اور قدم کا ثمرہ عرفان۔ بیچارے فلسفی۔ دہریہ اور طبائعی کو جو ان دونوں مقامات سے محروم۔ سرگشتہ اور گم گشتہ ہیں۔ کسی ایک فاضل کے پاس جو ان کے نزدیک فضیلت۔ حکمت۔ اور دانائی میں معروف اور مشہور ہے۔ اور وہ عمر خیام ہے۔ جاکر ان شعروں کی جنس کو کہنا چاہیئے۔ اور اندھے پن کا اظہار کرنا چاہیئے۔ نظم

در دائرہ کامدن و رفتنِ ماست — آنرا نہ بدایت نہ نہایت پدیراست
کس مینزند دمے دریں عالم راست — کیں آمدن از کجا رفتن بکجا است
دارندہ چوں ترکیبِ طبائع آراست — باز آنچہ قبل فگندش اندر کم وکاست
گر زانکہ بدآمد ایں صور عیب است — ور نیک آمد خرابی از بہر چراست

" فانہا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔" (ان کی ظاہری آنکھیں اندھی نہیں۔ بلکہ سینوں کے اندر دِل اندھے ہیں) کی نابینائی کے سرگشتہ کو یہ خبر ہی نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں۔ جنہوں نے سید اولین و آخرین کی مطابعت میں تمام کائنات کا عبور حاصل کیا ہے۔ اور " قاب قوسین" سے گذر کر " او ادنیٰ" کے ستر میں اپنی تمام ہستی کو گم کر دیا ہے۔ اور بصیرت کی آنکھوں میں " ما زاغ البصر وما طغیٰ"

دنہ آنکھ چوکی اور نہ نافرمانی کی) کا سرمہ لگا کر "لقد رای من آیات ربه الکبری" (بیشک اس نے اپنے پروردگار کی بڑی نشانیاں دیکھیں) کا مطالعہ کر کے "یھدی اللہ بنورہ من یشاء" (اللہ تعالیٰ اپنے نور کی ہدایت جسے چاہتا ہے کرتا ہے) کے انوار میں سے ایک نور سے فائدہ اٹھا کر اس نور سے "بی یبصر" (مجھ سے دیکھتا ہے) کے مقام میں عالم امر کا جو کہ ارواح کا مبداء ہے مشاہدہ کیا ہے۔ اور پھر یہ بھی دیکھا ہے۔ کہ کس طرح ہر چیز عدم کے پردہ سے وجود کے صحرا میں ظاہر ہوتی ہے اور ہوگی۔ پھر جہان کی دید اور ہر ایک کے وجود کا سر معلوم کیا۔ اور موجودات کی ہر قسم کی انتہاء کو پہچانا۔ اور ہر ایک گروہ کے مرجع و معاد کا معائنہ کیا۔ اور ابد کی کھڑکی سے ازل کو دیکھا۔ اور پرکار کی طرح اول اور ابد کے دائرہ کے گرد پھرے۔ اور کئی مرتبہ وجود سے عدم کو گئے۔ اور عدم سے وجود میں آئے۔ کبھی موجود سے معدوم ہوئے۔ اور کبھی معدوم سے موجود ہوئے۔ اور کبھی نہ موجود ہی رہے اور نہ معدوم ہی رہے۔ ان بے نواؤں کے پردے نیچے بہت اسرار ہیں۔ ان باتوں کو وہ عقل جو حرص و ہوا سے آلودہ ہے نہیں سمجھ سکتی۔ زیادہ تر خلقت اسے وہم و خیال جانتی ہے۔ ہر ایک میں بڑا بھاری سربستہ بھید ہے۔ جسے اہل غیب کے سوا کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ کیونکہ گونگے کے اشارے گونگے کی ماں ہی جانتی ہے۔ شیخ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ؎

صد بار زیادہ بعدم باز شدم — تا با غم عشق تو ہم آواز شدم
رازے بودم کنوں ہمہ راز شدم — زانسوئے عدم نیز بسے تنمودم

اب وہ اندھے گمراہ کہاں ہیں۔ اگر ان میں بینائی کی طلب کی اور کچھ بھی باقی ہوتی۔ تو تائید الٰہی سے تھوڑے ہی عرصے میں طریقت کی مدد سے ان کی حقیقت بین آنکھ کے سامنے سے خود بینی کا پردہ اٹھ جاتا۔ اور بشرط التسلیم "صم بکم عمی فھم لا یعقلون"۔ (وہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں۔ اسلئے وہ نہیں سمجھتے) کے کفر کے اندھے پن سے خلاصی پا جاتے۔ اور بعد ازاں "لو کشف الغطاء ما ازددت یقیناً"۔ (اگر پردہ بھی اٹھ جاتا تو بھی یقین زیادہ نہ ہوتا) کی ساری لافیں مارتے +

چونکہ میرا مدعا یہ تھا۔ کہ اس کتاب کے فائدے کے دسترخوان پر خواص و عوام بھی بیٹھیں۔ اور مختلف طبقوں کی طرح طرح کی خلقت مقربوں کے مقامات سے محروم نہ رہ جائے۔ اور اولیاء اللہ کے مشارب سے بے چاشنی نہ رہ جائے۔ اور تا کہ صنعت و حرفت اور اپنے لباس اور

زینت کو نہ چھوڑ بیٹھیں۔ اور خلقت کی ضروری حاجات میں خلل نہ آئے +

پانچویں باب میں ہر ایک گروہ کے سلوک کا بیان کیا جائیگا۔ کیونکہ کوئی ایسا گروہ نہیں جسکی صنعت و حرفت سے اللہ تعالیٰ کی طرف راہ نہیں۔ یا بہشت و دوزخ کی طرف راہ نہیں۔ بلکہ ہر شخص کے قدم سے تین راہیں نکلتی ہیں۔ لیکن صراطِ مستقیم وہی راہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف جاتی ہے۔ بہشت کی راہ اس راہ سے دائیں طرف ہے اور دوزخ کی راہ بائیں طرف ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وکنتم ازواجاً ثلاثۃ فاصحاب المیمنۃ ما اصحاب المیمنۃ واصحاب المشئمۃ ما اصحاب المشئمۃ والسابقون السابقون اولئك المقربون" (اور تم لوگوں کی بھی تین قسمیں ہونگی۔ ایک تو داہنے ہاتھ والے سو داہنے ہاتھ والوں کا کیا کہنا۔ اور ایک بائیں ہاتھ والے سو بائیں ہاتھ والوں کا کیا ہی بُرا حال ہے۔ اور تیسرے جو سب سے آگے اور سلامتی بڑھائے گئے ہیں۔ سو یہ آگے ہی بڑھانے کے لائق ہیں۔ کیونکہ یہ بارگاہِ الٰہی کے مقرب ہیں۔ اور مشائخ علیہم الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں۔ "الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق" (اللہ تعالیٰ کی طرف اتنی راہیں ہیں جتنے خلقت کے سانس ہیں)۔ یہاں انفاس خلق سے مراد قدمگاہ۔ اور صنعت و حرفت ہے۔ جہاں وہ سانس لیتے ہیں۔ اس کی مثال کعبہ کی راہ کی سی ہے۔ کہ جہاں کہیں لوگ ہوتے ہیں۔ سب کعبہ کی طرف آتے ہیں۔ "ومن حیث خرجت فول وجھك شطر المسجد الحرام" (جہاں کہیں سے تم نکلو مسجد حرام کی طرف رُخ کرو) +

لیکن پہلا خروج بڑی بھاری شرط ہے۔ جب یہ ہو چکے تو دوسری شرط کعبہ کی طرف توجہ کرنا ہے تاکہ نماز درست ہو سکے۔ لیکن حج اس وقت تک ٹھیک نہیں ہوتا۔ جب تک کہ تیسری شرط پوری نہ ہووے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ دُور کی مسافت کو طے کرے۔ جب یہ تینوں شرطیں بجا لائی جائیں۔ تو حج نصیب ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر ایک اہل صنعت و حرفت کو چاہیئے کہ پہلے اپنے حظِ نفس اور اپنے حصے کو چھوڑ دے۔ اور ہر ایک کام میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرے۔ اور سچے قدموں سے ہستی کی مسافت کو طے کرنا واجب سمجھے۔ تاکہ وہ وصال کے کعبے تک پہنچ سکے۔ "اینما تولوا فثم وجہ اللہ" (جس طرف رُخ کرو اسی طرف اللہ کا چہرہ ہے) + رباعی

باخود منشیں کہ ہمنشیں ہزل تست ۔۔۔ وز خویش ببر کہ آفتِ تو تنِ تست

گفتی کہ زمن بدو مسافت چند است ایدوست زتو بدو مسافت تن تست

ہر ایک گروہ کے معاملہ کا حق اختصار کے طور پر ذکر کیا جائیگا۔ اور پیچیدہ عبارت عجیب وغریب الفاظ اور مسجعات اور تکلفات وغیرہ سے پرہیز کی جائیگی تاکہ مبتدی اور منتہی دونوں کے لئے مفید ہو سکے۔ اور خاص و عام کے لئے بھی "رَبِّ اشْرَحْ لِی صَدْرِی وَیَسِّرْ لِی اَمْرِی وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِی یَفْقَھُوا قَوْلِی" (اے پروردگار میرے سینے کو کھول۔ میرے کام کو آسان کر۔ میری لکنت کو دور کر تاکہ وہ میری بات سمجھ سکیں) کے موافق ہو وصلے اللہ علے محمدٍ وآلہٖ اجمعین +

باب دوم

{موجودات کے مبداء کے بیان میں}

اس تبرک وتیمن کے لحاظ سے کہ فریضہ نمازیں پانچ ہیں۔ اس باب کو بھی پانچ فصلوں پر منقسم کیا ہے +

فصل ۔ ا

{ارواح کی فطرت ۔ اُن کے مراتب اور ان کی معرفت کے بیان میں}

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا ہے ۔ "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویمٍ ثم رددناہ اسفل السافلین" (ہم نے انسان کو بہتر ساخت کا پیدا کیا۔ اور پھر ہم اس کو (بوڑھا کرکے) کمتر سے کمتر مخلوق کے درجے میں لوٹا لائے)۔ اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ "ان اللہ خلق الارواح قبل الاجساد اربعۃ الاف سنۃ" (بیشک اللہ تعالیٰ نے روحوں کو جسموں کی نسبت چار ہزار سال پہلے پیدا کیا)۔ اور ایک اور روایت میں ہے۔ کہ دو ہزار سال۔ اس حدیث سے صاف ثابت ہے۔ کہ پہلے انسانی ارواح پیدا ہوئے۔ اور پھر جسم اور وجود +

واضح رہے۔ کہ تمام مخلوقات اور موجودات کا مبداء انسانی ارواح تھے۔ اور انسانی ارواح کا مبداء محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی روح پاک جیسا کہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔ اول

ما خلق اللہ تعالیٰ روحی" (جو چیز سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میری روح تھی) اور ایک اور روایت کے مطابق یہ ہے کہ وہ میرا نور تھا۔ چونکہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم موجودات کا خلاصہ اور کائنات کے درخت کا پھل ہیں۔ جیسا کہ "لولاک لما خلقت الافلاک" (اے محمد! اگر تجھے نہ پیدا کرتا۔ تو میں آسمانوں کو بھی پیدا نہ کرتا) سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی موجوات کا مبداء ہوئے۔ اور آنحضرتؐ کے سوا اور کوئی ہو بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ تمام پیدائش درخت کی طرح ہے۔ اور سرور کائناتؐ اس درخت کا پھل ہیں۔ اور درخت حقیقت میں بیج سے پھل لاتا ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا۔ تو پہلے احدیت کے نور کے پرتو سے روح محمدی کے نور کو پیدا کیا۔ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ "انا من اللہ والمؤمنون منی" (میں اللہ تعالیٰ سے ہوں۔ اور مومن مجھ سے ہیں) اور بعض روایتوں کے مطابق یوں بھی ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے محبت کی نگاہ سے نور محمدی کو دیکھا۔ تو اس نور پر حیا نے غلبہ کیا۔ اور اس سے پسینے کے قطرے گرے۔ جن سے نبیوں کی روحیں پیدا ہوئیں۔ بعد میں انبیاء کے ارواح کے نور سے اولیاء اللہ کی روحیں بنیں۔ اور اولیاء اللہ کے نور سے مومنوں کی روحیں پیدا ہوئیں۔ اور مومنوں کی ارواح کے نور سے عاصیوں اور گنہگاروں کی روحیں پیدا ہوئیں۔ اور عاصیوں کی روحوں سے کافروں کی رُوحیں بنیں اور پھر منافقوں کی۔ ارواح انسانی کے انوار کے بعد فرشتوں کی ارواحیں پیدا کیں۔ اور فرشتوں کی ارواح کے انوار سے جنوں کی رُوحیں پیدا کیں۔ اور جنوں کی رُوحوں سے شیطانوں کی روحیں پیدا کیں۔ اور پھر مردود وغیرہ کی ان کے حسب حال اور مراتب پیدا کیں۔ اور ان کی ارواح کی تلچھٹ سے مختلف حیوانات کی روحیں پیدا کیں۔ اور پھر قسم قسم کی ملکوتیات اور نباتات کے نفوس پیدا کئے۔ اور مفرد۔ مرکب اور عنصر بنائے۔ پھر عالم اجسام کے مراتب مقرر کئے۔ جن کی شرح انشاء اللہ دوسری اور تیسری فصل میں کی جائیگی ٭

مندرجہ بالا مراتب کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی حلوائی پہلے گنے سے سفید گڑ بنالے اور پھر اسے پہلی مرتبہ جوش دیکر اس سے سفید شکر بنائے۔ اور دوسری مرتبہ جوش دیکر کھانڈ بنائے۔ اور تیسری مرتبہ جوش دیکر سرخ شکر۔ اور چوتھی مرتبہ جوش دیکر شکر سفید۔ اور پانچویں مرتبہ جوش دیکر سیاہ قوام۔ اور چھٹی مرتبہ جوش دیتا ہے تو پیچھے تلچھٹ رہجاتی ہے۔ جیسے

قطارہ (شیرہ) کہتے ہیں۔ جو نہایت ہی سیاہ اور سیلا ہوتا ہے۔ قند سے لیکر قطارہ تک صفائی اور سپیدی بتدریج گھٹتی چلی آتی ہے۔ حتیٰ کہ بالکل سیاہ سی چیز باقی رہ جاتی ہے۔ اب اگر کسی شخص کو حلوائی کے کام سے واقفیت نہ ہو۔ تو وہ گُڑ سے اس قدر چیزیں نہیں نکال سکتا۔ وہ صاف انکار کر جائیگا اور کہیگا۔ کہ قند سفید سے قطارہ (شیرہ) ہرگز نہیں نکلتا۔ لیکن اسے یہ معلوم نہیں۔ کہ قند سفید کے اجزا میں یہ سیاہی اور تاریکی رکھی گئی ہے ؎

زاں مے خورم کہ یار من زاں بیخورد   اورا رُخ سُرخ گشت و مارا رخ زرد

اور حقیقت میں مناسب بھی یہی ہے۔ کہ گُڑ کے وجود میں تاریکی اور سیاہی رکھی گئی ہو۔ تاکہ قند اپنے قند کے مرتبہ پر اس خاصیت سے جو کدورت اور تاریکی کی رکھی گئی ہے۔ بقدر ضرورت اپنا حصہ لے۔ اور جب مصری کے مرتبہ کو پہنچے۔ تو مصری اس میں سے اپنا حصہ لے لے۔ اور اسی طرح اگر شکر کے مرتبہ کو پہنچے۔ تو شکر اس میں سے اپنا حصہ لیلے اسی طرح ہر ایک مقام پر اپنے مناسب حال اور بقدر ضرورت سیاہی اور کدورت کا حصہ ہر ایک لے لیتا ہے۔ جو کہ گُڑ کے وجود میں رکھی گئی ہے۔ اور باقی حصہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ قطارہ (شیرہ) میں سفیدی اور صفائی بہت تھوڑی اور باقی سب سیاہی اور کدورت رہجاتی ہے۔ اب جس طرح مصری میں تاریکی اور کدورت کو ظاہری آنکھ سے تو دیکھ نہیں سکتے۔ لیکن فی الحقیقت اس میں تاریکی اور کدورت موجود ہوتی ہے۔ اِسی طرح شیرے میں بھی سفیدی اور صفائی نہیں دکھائی دیتی حالانکہ اس میں ہوتی ضرور ہے قند سے لیکر قطارہ تک تمام مراتب میں یہ فرق سفیدی صفائی اور میل کا ضرور ہوتا ہے اور ہر ایک میں خاص خاصیت ہوتی ہے اور اس میں کمال ہوتا ہے جو اسی فرق کے سبب سے ہوتا ہے وہ کسی اور میں نہیں پایا جاتا۔ اور جہاں ہر ایک درکار ہوتی ہے وہاں دوسری کام نہیں دے سکتی۔ جیسا کہ جہاں مصری کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہاں مصری کی بجائے طبیب کھانڈ نہیں بتلاتا۔ اور جہاں کھانڈ درکار ہوتی ہے وہاں مصری نہیں بتلاتا۔ اس میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کا قائم مقام نہیں ہوسکتا پس معلوم ہوا کہ ہر ایک کو بذات خود ایک خاص کمال حاصل ہے۔ جو کسی دوسرے میں نہیں پایا جاتا۔ جیسا کہ خود فرمایا ہے ”الذی احسن کل شیئٍ خلقہ“ (وہ ذات پاک ہے جس نے ہر ایک شے کو عمدہ پیدا کیا ہے) +

پس اس مثال میں یہ سمجھ لو کہ صاف قند تو محمدی روح مبارک ہے۔ جو حقیقت میں ارواح

کی آدم ہے۔ جس طرح حضرت آدم علیہ السّلام ابوالبشر ہیں۔ اسی طرح حضرت محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم ابوالارواح ہیں۔ جیسا کہ خود سرور کائنات فرماتے ہیں "نحن الاٰخرون السابقون" (ہم گو بعد میں ظاہر ہوئے لیکن ہیں پہلے) یعنی اگرچہ ہماری صورت جسم بعد میں بنی۔ لیکن ہماری روح تمام روحوں سے پہلے بنی۔ انبیاء علیہم السلام کی رُوحیں رُوح مبارک محمدی سے اس طرح نکلیں جس طرح قند سے نبات۔ اور اولیاء اللہ کی ارواح کو سفید شکر کی طرح نکالا۔ اور مومنوں کی ارواح کو سُرخ شکر کی طرح اور مسلمانوں کی ارواح کو طبرزد کی طرح اور کافروں اور منافقوں کی ارواح کو سیاہ قوام کی طرح نکالا۔ اسی طرح فرشتوں کے ارواح سے جن اور شیطان وغیرہ کی ارواح کا نکلنا قیاس کرلو۔ اب جو تلچھٹ باقی رہ گئی جسے قطارہ (شیرہ) کہتے ہیں۔ جو اس میں سے لطیف حصہ تھا۔ اس سے حیوانی اور نباتی ارواحیں بنائیں۔ اور جو تاریک حصہ تھا۔ اس سے مفرد مرکب اور عناصر بنائے۔

یہاں سے ایک غیبی لطیفہ ظاہر ہوتا ہے جو نہایت ہی لطیف ہے۔ اور غالباً پہلے کسی نے اسے نہیں لکھا۔ وہ یہ ہے تاریکی اور میلاپن جو قند میں رکھے گئے ہیں۔ تاریکی حرارت کی وجہ سے ہے اور میلاپن کثافت کی وجہ سے۔ قند سے بنائی ہوئی مختلف صُورتوں یعنی نبات، شکر، طبرزد، قوالب اور قطارہ وغیرہ میں یہ پائی جاتی ہیں۔ شکر میں نبات کی نسبت حرارت اور کثافت زیادہ ہے۔ اِس لئے وہ نبات کی نسبت ایک درجہ کم ہے۔ اور زیادہ کثیف ہے۔ باقیوں کو بھی بتدریج اِسی طرح قیاس کرلو۔ حرارت آگ کی صفت ہے۔ اور آگ تجبّت کا سرمایہ ہے۔ کثافت خاک کی صفت ہے۔ اور خاک عاجزی اور علیمی کا سرمایہ ہے۔ آگ کی خاصیّت سرکشی اور علو مرتبہ کی خواہش کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان نے سرکشی کی۔ اور یہ کہا۔ کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ اور خاک کی خاصیت عاجزی اور فروتنی ہے۔ اسی واسطے حیوانات رقیق طبع اور کم ہمت ہوتے ہیں۔ اور فانی اور سفلی غذاؤں کی خواہش کرتے ہیں۔ جنکی اصل خاک سے ہے۔ آتشی صفت سے ظلم پیدا ہوتا ہے اور خاکی صفت سے جہالت۔ اور جب دونوں صد درجے کو پہنچ جاتی ہیں۔ تو ظلومی اور جہولی ہوتی ہیں۔ جو دونوں مبالغے کے لفظ ہیں۔ پس اگرچہ یہ دونوں صفتیں ظلمت اور کدورت قند میں موجود تھیں۔ لیکن ظاہر دکھائی نہ دیتی تھیں۔ نہ انہوں نے قند میں ظہور پایا۔ نہ مصری

وغیرہ میں۔ آخر کار قطارہ (شیرے) میں دونوں آ ظاہر ہوئیں۔ جو آخری تلچھٹ تھی۔ اور جس میں صفائی اور سفیدی بہت کم تھی۔ صفائی اور سفیدی نبات میں بدرجہ کمال تھی۔ اور ظلمت اور کدورت بہت کم۔ ارواح نورانی میں تھوڑی حرارت تھی۔ جو محبت کا سرمایہ ہے اور تھوڑی کدورت تھی جو تواضع اور فروتنی کا سرمایہ ہے۔ مگر چونکہ یہ دونوں صفتیں اس میں بدرجہ کمال نہ تھیں۔ اس لئے معرفت کی امانت کے بوجھ کا متحمل نہ ہوا۔ اور قطارہ میں حیوانی آب و گل زیادہ تھی۔ اور روحانیت کا نور اور صفائی کم۔ اس لئے چونکہ دونوں صفتیں بدرجہ کمال نہ تھیں۔ اس لئے یہ بھی بار امانت کا متحمل نہ ہو سکا۔ اب روحانی اور جسمانی دو عالم کا ایک ایسا مجموعہ چاہیئے۔ جو محبت کا آلہ بھی ہو۔ اور بندگی بھی بدرجہ کمال اس میں پائی جاتی ہو۔ اور علم و معرفت کا آلہ بھی ہو۔ تاکہ امانت کے بوجھ کو بہادروں اور عاشقوں کی طرح جان پر جھیلے۔ اور یہ بات انسانی دورنگی ولایت کے سوا اور کہیں نہ تھی۔ جیساکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین وحملها الانسان انّہ کانَ ظلومًا جهولًا" (ہم نے امانت آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں کے پیش کی۔ تو انہوں نے انکار کر دیا۔ لیکن انسان نے جو ظلوم اور جہول تھا اسے اُٹھا لیا) اسلئے ظلومی اور جہولی انسان کے لازم حال ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ امانت کے بوجھ کو ظلومی اور جہولی کی قوت کے بغیر اٹھا ہی نہیں سکتے۔ اگرچہ اسے روحانی صفائی اور نور کے سوا نہیں دیکھ سکتے۔ فرشتوں نے روحانی صفائی اور نور سے اسے دیکھ تو لیا تھا۔ لیکن ان میں جسمانی استعداد اور قوت نہ تھی۔ اسلئے بار امانت نہ اُٹھا سکے۔ حیوانات میں جسمانی قوت اور استعداد تو موجود تھی۔ لیکن روحانی صفائی اور نور نہ تھا۔ اسلئے ان کو بھی یہ شرف حاصل نہ ہوا۔ چونکہ انسان روحانی اور جسمانی دونوں عالم کا مجموعہ تھا۔ اس لئے اسے اس شرف سے مشرف کیا۔ جیساکہ "ولقد کرمنا بنی ادم" (ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی) سے ظاہر ہوتا ہے۔ ماہیت روح کی معرفت کی بابت اگرچہ متقدمین نے زیادہ شرح نہیں کی لیکن یہاں کچھ تھوڑا سا اس کا بھی ذکر کیا جائے گا +

واضح رہے۔ کہ جس طرح قند میں سات صفتیں یعنی سفیدی۔ سیاہی۔ صفائی۔ کدورت لطافت۔ کثافت اور مٹھاس رکھی گئی ہیں۔ اسی طرح روح میں بھی جو ربانی لطیفہ ہے۔ اور جسے "من روحی" ہونے کی خصوصیت کا شرف حاصل ہے۔ حسب ذیل سات صفتیں رکھی

بیان معرفت روح انسانی

گئی ہیں۔ یعنی نورانیت۔ محبت۔ علم۔ حلم۔ اُنس۔ بقا اور حیات۔ جب روح کا قالب کے ساتھ تعلق پیدا ہوتا ہے۔ تو ان صفات سے اور صفتیں پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ نورانیت سے سمیع۔ بصیر اور متکلم ہونے کی۔ محبت سے شوق۔ طلب اور صدق۔ علم سے ارادت اور معرفت۔ حلم سے وقار۔ حیا۔ تحمل اور سکون۔ اُنس سے شفقت اور رحمت۔ بقا سے ثبات اور دوام۔ اور حیات سے عقل۔ فہم اور دوسرے ادراکات پیدا ہوتے ہیں ❖

ان صفتوں کے علاوہ اور بہت سی صفات پیدا ہوتی ہیں بعض روح اور قالب کے تعلق سے پہلے اور بعد ہیں۔ جن کی شرح بڑی طول طویل ہے۔ لیکن ان سب کی جڑ بھی وہی سات صفتیں ہیں۔ اور روح کی ہر ایک صفت قند کی ہر ایک صفت کے مقابلہ میں ہے چنانچہ نورانیت سفیدی کے مانند ہے اور محبت ظلمت کے مانند ہے۔ مناسب شرح پہلے ہو چکی ہے۔ علم صفائی کے مشابہ۔ اور حلم کدورت کے مشابہ۔ اور اُنس لطافت کے مشابہ۔ اور بقا کثافت کے مشابہ اور حیا مٹھاس کے مشابہ ہے۔ اب جس طرح قند میں ہر ایک صفت کا اثر تھوڑا تھوڑا سا ہے۔ اسی طرح رُوح میں بھی اس صفت کا ظہور تھوڑا تھوڑا ہے۔ اگر اس صفت کو بدرجہ کمال پہنچانا چاہیں۔ تو اسے کسی کان میں لے جانا چاہئے۔ تاکہ وہ صفت بدرجہ کمال اس میں ظاہر ہو۔ مثلاً اگر مصری کو جس میں سیاہی کی صفت بہت کم ہے۔ اس صفت کو بدرجہ کمال پہنچانا چاہیں۔ تو اس کو شیرے میں ملانا چاہیئے۔ جو کہ سیاہی کی کان ہے۔ تاکہ نبات نسبتاً سیاہ ہو جائے۔ پس چونکہ روح میں محبت کی صفت بہت تھوڑی تھی۔ جو بمنزلہ نبات میں سیاہی کے ہے۔ اور اسے بدرجۂ کمال ظاہر کرنا چاہا۔ اِس لئے روح کو قالب سے جو کہ سیاہی کی کان ہے تعلق دیا۔ تاکہ محبت کی صفت کی پرورش بدرجہ کمال ہو۔ روح کو جسم کے ساتھ تعلق دینے کا ایک بھید یہ بھی ہے۔ چونکہ فرشتوں کی ارواح کو جسمانی ظلمانی قالب کا تعلق نہ تھا۔ اِس لئے انکی محبت کا بیج کمال درجے تک پرورش نہ پا سکا۔ تاکہ "یحبہم ویحبونہ" (وہ انہیں محبت کرتا ہے اور وہ اسے محبت کرتے ہیں) کا ثمر ہوتا ❖

اگر کوئی یہ اعتراض کرے۔ کہ جب تو نے یہ کہا ہے۔ کہ محمدی روح پاک کے قندِ نور میں ظلمت۔ کدورت اور کثافت پہلے سے موجود تھی۔ اور یہ کہ انسانی ارواح کو ان صفات

کی ضرورت تھی۔ کیونکہ ہر ایک نے اپنے نئے مقام پر معرفت الٰہی چاہی تھی۔ اور یہ کہ رُوح محمدیؐ نور احدیت کا پرتو ہے۔ تو اس سے تو یہ لازم آتا ہے۔ کہ یہ صفات نور احدیت میں بھی موجود ہونگی۔ اگر موجود ہیں۔ تو اس کا بھی ثبوت چاہئے۔ اور اگر نہیں۔ تو اس صورت میں نور محمدیؐ میں جو نور احدیت کا پرتو ہے۔ کہاں سے آگئیں۔ اس کا جواب حسب ذیل تین وجوہات سے دیتا ہوں +

وجہ اول۔ پہلی وجہ یہ ہے۔ کہ اگرچہ محمدیؐ روح پاک کی قند نور احدیت کے پرتو کے گنے سے تھی۔ لیکن اس میں حدوث (نیا پیدا ہونا) کی صفت پائی جاتی تھی جو نور احدیت میں نہ تھی (کیونکہ نور احدیت قدم ہے) اور جو محدث ہے۔ اس کے لئے خلقیت کی ظلمت ضروری ہے۔ اور مطلق نور خاص خداوندی صفت ہے۔ جیسا کہ "اللہ نور السموات والارض" سے ظاہر ہے۔ اور ظلمت خاص خلقیت کی صفت ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے "ان اللہ خلق الخلق فی ظلمتہ" (اللہ تعالیٰ نے خلقت کو اپنی ظلمت میں پیدا کیا) پس ضروری ہے۔ کہ ظلمت۔ کدورت اور کثافت خلقیت اور حدوث کی صفت ہو +

وجہ دوم۔ دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ چونکہ ذاتِ احدیت جل وعلا لطف اور قہر کی صفات سے موصوف ہے۔ اِس لئے کہہ سکتے ہیں۔ کہ ارواح میں جو نورانیت اور صفائی ہے۔ وہ لطف الٰہی کا پرتو ہو۔ اور جو ظلمت اور کدورت ہے۔ وہ قہر الٰہی کا پرتو ہو +

وجہ سوم تیسری وجہ یہ ہے۔ کہ چونکہ ہم نے قندیں ظلمت کو رُوح میں آتش محبت کے بمنزلہ کہا ہے۔ اِس لئے اس میں شک نہیں۔ کہ محبت کا بیج ارواح کے وجود میں سب صفات سے پہلے رکھا گیا ہو۔ جیسا کہ میں کہتا ہوں رُباعی

ما شیر ومئے عشق تو با ہم خوردیم — با عشقِ تو در طفولیت خو کردیم
نے نے غلطم چہ جائے ایست کہ ما — با عشقِ تو در ازل ہم پروردیم

اور یقین ہے۔ کہ روح کو تمام صفات سے پہلے محبت کی صفت عطا ہوئی۔ اِس واسطے کہ روح کے لئے محبت "یحبہم" کی تشریف کا نتیجہ تھی۔ اگر "یحبہم" پہلے نہ ہوتا۔ تو کسی کی جرأت نہ تھی۔ کہ "یحبونہ" پر محبت کی لاف مارتا۔ اِس معاملے کا بھید "یحبہم" کے

انبساط سے ظاہر ہوا + فرد

گستاخ تو کردہ مرا لب خویش   ورنہ من بیچارہ کجا مرد تو ام

پس "یحبہم" قدیمی صفت ہے۔ اور "یحبونہ" میں ہی ذوق ہے۔ روح کے لئے اس صفت کا مقابلہ اور صفت کب کر سکتی ہے۔ کیونکہ روح میں محبت کے سوا اور کوئی صفت قدیمی نہیں۔ اس نکتہ میں بہت سے اسرار پوشیدہ ہیں۔ جن کی شرح کئی کتابوں میں بھی نہیں لکھی جا سکتی۔ "فذروہ فی سنبلہ" (اس کو سنبل ہی میں رہنے دو) تمام فرشتوں نے اور روحوں نے محبت کا دم نہ مارا۔ کیونکہ وہ محنت کا بوجھ نہ اٹھا سکے۔ اس واسطے کہ محنت اور محبت ایک ہی مقام سے ہیں۔ اور محبت اور خوشی ایک دوسرے سے ناآشنا +

شیخ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محنت نے محبت کی گفتگو کا جواب دیا۔ کہ میں اس شخص کی غلام ہوں۔ جس نے اپنی ملکیت کا پانی دیا۔ ابن آدم نے اپنی ظلومی اور جھولی کی وجہ سے اس بوجھ کو اختیار کیا۔ جس کے اٹھانے سے دونوں جہان والے جی چرا گئے۔ اور اس نے دیدہ و دانستہ ہمیشہ کی محنت اختیار کی۔ اور دونوں جہان کی خوشی چھوڑ دی۔ یہ ضعیف (مصنف کتاب) کہتا ہے رباعی

عشق است کہ لذت جوانی ببرد   عشق است کہ عیش جاودانی ببرد
عشق ارچہ کہ آب زندگانی ولاست   لیکن ز دل آب زندگانی ببرد

فصل ۔ ۲

{ملکوتیات کی شرح اور ان کے مدارج کے بیان میں}

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیئٍ والیہ ترجعون"۔ (پاک ہے۔ وہ ذات۔ جس کے ہاتھ ہر شے کی سلطنت ہے۔ اور اسی کی طرف وہ سب چیز رجوع کرنیوالی ہیں) اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "اول ما خلق اللہ تعالیٰ العقل"۔ "جو چیز سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ عقل ہے" +

واضح رہے۔ کہ جس طرح عالم ارواح کا مبدا حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک ہے۔ جیسا کہ پہلی فصل میں مفصل بیان ہو چکا ہے۔ اسی طرح عالم ملکوت کا مبداء عقل کل ہے۔ جہان کے باطن کو ملکوت اور جہان کے ظاہر کو ملک کہتے ہیں ۔

درحقیقت ہر چیز کا ملکوت اسکی جان ہوتی ہے۔ جس سے وہ چیز قائم رہتی ہے۔ تمام چیزوں کی جان بلحاظ صفت قومیت خدا قائم ہے۔ جیساکہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "بیدہٖ ملکوت کل شیئٍ" ہر چیز قائم بالذات نہیں۔ بلکہ ذاتِ خداوندی کسی ذریعے قائم ہے۔ ہر چیز کا ملکوت اس چیز کے مناسب ہوتا ہے۔ جیساکہ اللہ تعالےٰ جل شانہٗ نے فرمایا ہے "اولم ینظروا فی ملکوت السموات والارض" کیا وہ آسمانوں اور زمینوں کے ملکوت کو نہیں دیکھتے آسمان کی ملکوت آسمان کے مناسب ہے۔ اور زمین کی ملکوت زمین کے مناسب۔ لیکن ملکوتیات کی دو بڑی قسمیں ہیں +

ایک وہ جو عالم ارواح کی قسم سے ہیں۔ ان کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک علوی دوسری سفلی۔ علوی جیسے انسان اور فرشتوں کی روحیں۔ اور سفلی جیسے جنوں۔ شیطانوں اور حیوانوں کی روحیں۔ اور نباتات کی نامیہ روحیں۔ اس قسم کی روحوں کا مبداء و منشاء حضرت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک ہے۔ جیساکہ پہلی فصل میں بیان ہو چکا ہے +

دوسری قسم عالم نفوس کی قسم ہے۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک علوی دوسری سفلی۔ علوی جیسے ستاروں۔ آسمانوں اور برجوں کے نفوس۔ اور سفلی جیسے زمینی جسموں کے نفوس۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مفرد دوسری مرکب۔ مفرد جیسے اربعہ عناصر اس کی خاصیتیں اور طبائع سے ملکوت ہوتی ہیں۔ جیسے پانی کی طبیعت رطوبت اور سردی ہے۔ اور اس کی خاصیت پیاس کو دور کرتا ہے۔ آگ کی طبیعت خشک اور گرم ہے۔ اور جلا دینا اس کی خاصیت ہے۔ خاک کی طبیعت خشک اور سرد ہے۔ اور چیزوں کا اگانا اسکی خاصیت ہے۔ اور ہوا کی طبیعت رطوبت اور حرارت ہے۔ اور اس کی خاصیت روح کو مدد دینا ہے۔ اور مرکب کی دو قسمیں ہیں۔ جمادات اور نباتات۔ جمادات کے ملکوت کی الگ خاصیتیں اور طبیعتیں ہیں۔ جیساکہ مختلف پتھروں کی خاصیتیں اور انکی طبیعتیں۔ اسی طرح اور جمادات کی خاصیتوں اور طبیعتوں کو قیاس کر لو۔ نباتات کا ملکوت نفس نامیہ (بڑھنے والا) ہے۔ اور اس کی بھی خاصیتیں اور طبیعتیں ہیں۔ اس قسم کے عالم کا منشاء عقل ہے۔ ارواح اور نفوس کی ملکوتیات نباتات میں جمع ہیں یہی وجہ ہے۔ کہ نباتات کی ملکوت کو روح نامیہ اور نفس نامیہ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ عالم حیوانی اور جمادی کے مابین وسیلہ ہے۔ اس میں نشو و نما کی خاصیت

جو حیوانات میں ہے لیکن جمادات میں نہیں۔ اس واسطے اسے ذوات الروح کی قسم سے شمار کرتے ہیں۔ اور ان کی ملکوت کو روح نامیہ کہتے ہیں۔ اور چونکہ اس میں حس اور حرکت نہیں جو جمادات کی خاصیت ہے۔ اس واسطے اس کو ذوات النفوس کی قسم سے شمار کیا گیا ہے اور اس کی ملکوت کو نفس نامیہ کہتے ہیں۔ علوی اور سفلی ارواح کی ہر طرح کی ملکوت میں دوسرے ملکوت کی خاصیتیں بھی پائی جاتی ہیں جیسا کہ ارواح کی ملکوت میں ملکوت نفوس کی خاصیتیں پائی جاتی ہیں اور ملکوتِ نفوس میں ارواح کی ملکوت کی خاصیتیں پائی جاتی ہیں لیکن چونکہ ہر ایک میں وہ خاص قسم غالب ہے۔ اس لئے دوسری قسم کا خیال نہیں کیا گیا ان میں سے ہر ایک کی شرح بہت طول طویل ہے۔ لیکن تمام قسم کی مخلوق دو قسم پر منقسم ہے۔ ملک اور ملکوت جسے خالق اور امر بھی کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان سب کا ذکر ایک آیت میں کر دیا ہے۔ "ان ربکم الذی خلق السمٰوات والارض..... الا له الخلق والامر" (تیرا پروردگار وہ ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ..... خبردار! اسی کے لئے پیدا کرنا اور حکم ہے)

عالم امر سے مراد اجسام کی ضد ہے۔ جو کہ ناپ۔ تقسیم اور تجزی کے قابل نہیں۔ اور دوسرے یہ کہ کن کے کہنے سے بے توقف موجود ہو گیا ہے۔ اور عالم خلق سے مراد وہ لطیف یا کثیف اجسام مراد ہیں۔ جو ناپ تقسیم اور تجزی کے قابل ہیں۔ اگرچہ وہ بھی کن کے کہنے سے پیدا ہو گئے ہیں لیکن وسیلے سے اور مدت کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "خلق السمٰوات والارض فی ستۃ ایام" (اس نے زمینوں اور آسمانوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا) لیکن امر میں ارواح کی ملکوتیات بھی شامل ہیں اور ملکوتیات نفوس بھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی" (اے محمد تجھ سے روح کی بابت سوال کرتے ہیں سو کہدے۔ کہ روح امر ربی ہے) اور نیز فرمایا ہے "والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ" (سورج۔ چاند اور ستارے اسکے حکم سے مسخر ہیں) لیکن انسانی روح "من روحی" کے لگاؤ کے اختصاص کے شرف سے مشرف ہے۔ اسی واسطے "ولقد کرمنا بنی آدم وحملناھم فی البر والبحر" (ہم نے عزت دی بنی آدم کو اور اٹھایا اُسے جنگل اور سمندر میں) کرامت فرمایا ظاہری معنے تو آیت کے آپ نے سن لئے۔ اب ذرا باطنی معنے بھی سنیئگا۔ کیونکہ قرآن کے ظاہری معنے

بھی ہوتے ہیں اور باطنی بھی - یہ جو فرمایا ہے - کہ ہم نے اس کو اُٹھایا ہے - اس میں جنگل سے مراد عالم اجسام ہے - اور بحر سے مراد عالم ملکوت ہے - سمندر اور جنگل آدمی کو نہیں اُٹھا سکتے - کیونکہ اس پر امانت کا بوجھ ہے - جس بوجھ کو سمندر اور جنگل نہ اُٹھا سکے - جیسا کہ " فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان " (پس انہوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کیا اور عاجز رہ گئے - پس انسان نے اسے اُٹھا لیا) سے ظاہر ہوتا ہے - اسے انسان نے اُٹھایا - پھر سمندر اور جنگل انسان کو مع اِس بوجھ کے کس طرح اُٹھا سکتے ہیں - چونکہ انسان نے باوجود عاجزی اور کمزوری کے ہمارا بوجھ اُٹھا لیا - اِس لئے ہم بھی اپنی قوت - قدرت اور مہربانی سے اُس کا بوجھ اُٹھاتے ہیں - اِس واسطے کہ ہم معشوق کے عاشق ہیں - جو انسان کو ہم سے یا ہم کو انسان سے تعلق ہے - وہ نہ کسی اور کو ہم سے یا ہم کو کسی اور سے ہوا ہے ؎

گر دل بہوائے چوں توئی بحر و شد　　　صد ترکہ بروعرضہ کنی ہنبوشد

عاشق اور معشوق کے مابین کسی کی بھی سمائی نہیں ہو سکتی - معشوق کے معشوقی کے ناز کا بوجھ صرف عاشق ہی اُٹھا سکتا ہے - اور عاشق کی عاشقی کے ناز کا بوجھ فقط معشوق ہی سہار سکتا ہے - جس طرح معشوق عاشق کے لئے ضروری ہے - اسی طرح عاشق معشوق کے لئے ضروری ہے - عاشق کے نزدیک معشوق کا مدعا اپنے مدعا سے بڑھ کر ہوتا ہے - بہ نسبت اسکے برخلاف بلکہ معشوقانہ ناز و ادا عاشق کو مناسب ہے - اس واسطے کہ عاشق اپنے وجود سے پہلے معشوق کا مرید نہ تھا - لیکن معشوق عاشق کے وجود سے پہلے عاشق تھا - جیسا کہ خرقانی قدس اللہ روحہ العزیز فرماتے ہیں - اسے خواہش پیدا ہوئی تو ہمیں چاہا - رُباعی

شمع ازلی و دل منت پروانہ　　　جانِ ہمہ عالمے سرا جانانہ
از شور سر زلف پُر زنجیر تو خاست　　　دیوانگی دلِ من دیوانہ

اگرچہ حقیقت میں عاشق اور معشوق کے مابین بیگانگی اور دوگانگی نہیں - تو میں اور میں تو - جامے کا سر تو اور جز ہم - بلکہ جامہ عشق کا تانا بھم اور بانا بچھونہ ہے - اِس حدیث کے فساد کا سر رشتہ " فاجبت ان اعرف " (میں چاہتا تھا کہ میں پہچانا جاؤں) اُٹھ گیا - لیکن یہ بات ہونٹوں سے نہیں کہہ سکتے - یہاں موسوی تیزی اور سختی چاہیئے - تاکہ " ان ھی الا

فتنك" (یہ تیرا ہی برپا کیا ہوا فساد ہے) کہہ سکے۔ اگرچہ اسے بھی لن ترانی کی چوٹ سے سزا دی۔ اور فرشتوں نے بھی کوہِ طور پر "یا ابن النسّاء الحیض ما للتراب ورب الارباب" "اسے ناپاک عورت کے بیٹے! مٹی اور رب الارباب میں کیا نسبت" کا طعنہ دیا۔ لیکن حضرت موسیٰ بالکل چپ رہے۔ اور یہ نہ کہا۔ کہ مجھے تو "ما التراب ورب الارباب" کہتے ہو۔ لیکن اسے کیوں نہیں کہتے "ما الرب الارباب والتراب" "رب الارباب اور مٹی میں کیا نسبت۔ ہم خاکی مقام میں راضی تھے۔ اور پہلے ہی استغفار کہکر دُوری کی بدبختی کے گوشے کی گودڑی کو سلامتی کے کندھوں پر رکھ کر فراغت کے کونے میں ہمت کے پاؤں تسلیم کر دامن میں لپیٹکر "والحزم سوء الظن" (بدظنی احتیاط ہے) پڑھتے تھے۔ اور جانتے تھے۔ کہ اگرچہ بادشاہوں کے قرب میں بے شمار فائدے ہیں لیکن مصیبتیں بھی بے شمار ہی ہیں ؎

وما السلطان الا البحر عظماً — وقرب البحر محذور العواقب

از روئے عظمت بادشاہ بے شک بڑے سمندر کی طرح ہے۔ لیکن سمندر کے قرب میں انجام سے ڈر لگتا ہے۔

اور ہم اس بات سے ڈرے۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ سرمایہ ہاتھ سے جاتا رہے۔ اور نفع ہاتھ نہ آئے۔ آخر کار پانی ہیں خاکی مرتبہ نہ طلب کرنا پڑے۔ جیسا کہ "یا لیتنی کنت ترابا" کاش کہ میں خاک ہوتا۔

ہمیں اسی کی بے علت عنایت گمنامی اور بدبختی کے گوشے سے بغیر ہمارے اختیار کے نکال لائی۔ اور "بیدی" کی تخمیر کی کرامت سے مخصوص کیا۔ اور "من روحی" کی اضافت کی خلعت ہمارے وجود کو پہنائی۔ اور "جعلنا کم خلائف الارض" "ہم نے تمہیں زمینوں پر اپنا خلیفہ بنایا" کی خلافت کے تخت پر بٹھایا۔ اور "یحبہم" کا تاج ہمارے سر پر رکھا۔ اور تمام فرشتوں سے ہمارے تخت کے سامنے سجدہ کرایا۔ اور ملک اور ملکوت میں ہمیں "الذین اصطفینا من عبادنا" (یہ ہمارے برگزیدہ بندے ہیں) کی آواز دی۔ ہماری معشوقی کے جس قدر سامان ہیں۔ اگر ان سب کو گنا جائے۔ تو کس میں سننے کی تاب ہے۔ دونوں جہان اور مشرق اور مغرب میں ہمارے ناز کی بارگاہ کے کس قدر خزانے بھرے پڑے ہیں۔ رباعی

چنداں بار است ز عشقِ تو در سر من | کاندر غلطم کہ عاشقے تو بر من
یا خیمہ زند وصالِ تو در بر من | یا در سر ایں غلط شود ایں سر من

اب ہم " وحملناهم فی البر والبحر " کی بابت کچھ بیان کرتے ہیں۔ بَر سے مراد عالم ملک ہے۔ اور بحر سے عالم ملکوت ہے۔ جس طرح جہاں جنگل ہے۔ وہ سمندر کی سطح پر ہے۔ اِسی طرح جہاں ملک ہے۔ وہ ملکوت کی سطح پر ہے یعنی آدمی کو ملک اور ملکوت میں ہم نے اُٹھایا۔ اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ خواہ ملک ہے خواہ ملکوت ہم نے اسے اِسکی عقل اور روح کے نور کے پرتو سے پیدا کیا ہے تاکہ جتنے ذی روح ہیں سب اس کے روح کے نور کے پرتو سے زندگی پائیں۔ جیسے فرشتے۔ جن شیطان حیوان۔ نباتات اور جو ذی نفوس ہیں مثلاً ستارے۔ آسمان۔ عناصر۔ جمادات۔ نباتات آسمان اور زمین سب کے سب اس کی عقل کے نتیجہ سے نفوس کا سرمایہ حاصل کئے ہوئے ہیں۔ مگر عقل روح کے لئے ایسی ہے۔ جیسی آدم کے لئے حوا۔ یعنی اس کے بائیں پہلو سے پیدا کی گئی ہے۔ اِسی بات کی طرف قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اور پیغمبرِ خدا فرماتے ہیں۔ " شاورھن وخالفوھن " (یعنی کاموں میں عورتوں سے مشورہ کرو۔ لیکن جو کچھ وہ کہیں اُسکے برخلاف عمل کرو۔ کیونکہ ان کے خلاف ہی درست رائے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پہلو کی ہڈی سے بنائی گئی ہیں۔ جو ٹیڑھی ہے۔ کہ جو کچھ وہ کہیں اس کے برخلاف عین ٹھیک ہوتا ہے۔ یہاں پر بھی روح کی بائیں پسلی سے عقل پیدا کی گئی ہے۔ اسکے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں مشورہ کرنا چاہیئے۔ اور اس معاملہ میں جہاں تک اس کی رسائی ہو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ اور اس کی رائے کے برخلاف ہے جیسا کہ عقل کہتی ہے۔ بلکہ اس کی ذات کو اسی سے معلوم کر سکتے ہیں " عرفتُ ربی بربی ولولا فضل ربی ما عرفت ربی " (میں نے اپنے پروردگار کو اپنے پروردگار کے وسیلے سے پہچانا۔ اگر فضل ربی نہ ہوتا۔ تو میں اپنے پروردگار کو نہ پہچان سکتا) ؞

اب یہاں ایک نہایت عجیب وغریب غیبی لطیفہ ظاہر ہوتا ہے۔ جو پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ " اوّل ما خلق اللہ تعالیٰ القلم " " اول ما خلق اللہ تعالیٰ العقل " اور " اول ما خلق اللہ تعالیٰ روحی " یعنی اللہ تعالیٰ

نے جو چیز سب سے پہلے پیدا کی وہ عقل تھی ۔ قلم تھا۔ اور میری روح تھی ۔ یہ تینوں ٹھیک ہیں۔ اور تینوں اصل میں ایک ہیں۔ اور بہت لوگ اس میں حیران ہیں۔ کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے ۔ جو فرمایا ہے ۔ کہ " اوّل ما خلق اللہ القلم " اس قلم سے مراد ہمارا قلم نہیں بلکہ خداوندی قلم ہے ۔ اور خدا کا قلم خدا کی عظمت اور جلال کے مناسب ہوگا۔ اور وہ روح محمدی ہے ۔ اور جس وقت روح محمدی کے نور کو ہیبت کی نگاہ سے دیکھا تو اس پر حیا کا غلبہ ہو گیا۔ اور روح حیا سے پھٹ گئی ۔ عقل اس کی ایک شق ہو گئی ۔ یہی سبب ہے ۔ کہ جہاں عقل ہوتی ہے وہاں حیا ہوتی ہے ۔ اور جہاں عقل نہیں ہوتی ۔ وہاں حیا بھی نہیں ہوتی ۔ " وسر الحیاء شعبۃ من الایمان " حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔ قلم حق کی دو شاخوں میں سے ایک روح محمدی تھی اور دوسری عقل ۔ ایک ہی قلم کے دو شق تھے اس قلم نے قدرت خداوندی کے ہاتھ میں جو چاہا ملک اور ملکوت کی نسبت لکھ دیا۔ اور اسی کی قسم بھی کھائی ۔ " ن والقلم ما یسطرون " (اور اس قلم کی قسم ہے جو لکھتا ہے) اور اسی اظہار قدرت پر اللہ تعالےٰ نے ثنا کہی " اولیس الذی خلق السموات والارض بقادر علی ان یخلق مثلہم بلی وھو الخلاق العلیم انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیئ والیہ ترجعون " وصلے اللہ علیٰ محمد وآلہ وسلم (کیا جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا ہے وہ اس بات پر قادر نہیں ۔ کہ ان جیسی اور پیدا کر سکے ۔ اور وہ بہت بڑھ کر پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے ۔ جس وقت کسی بات کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے ۔ کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے پس وہ ذات پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر شے کی حکومت ہے ۔ اور سب اسی کی طرف لوٹ جائینگے ۔

فصل ۳

{ ملک اور ملکوت کے مختلف عوالم کے ظہور کے بیان میں }

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا ہے " ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنہار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السما من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتہا وبث فیہا من کل دابۃ وتصریف

الرّیاح والسحاب المسخر بین السّماء والارض لایات لقوم یعقلون" زمین اور آسمان کے پیدا کرنے اور دن رات کے اختلاف سمندر میں کشتی کے تیرنے جس سے انسان نفع اٹھاتا ہے۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اُتارا۔ اور اس سے زمین کو اس کے مُردہ ہونے کے بعد زندہ کیا۔ اور اس میں ہر قسم کے چوپائے پھیلائے۔ اور ہواؤں کا چلنا اور بادلوں کو زمین و آسمان کے مابین مسخر رکھنا ان لوگوں کے لئے اُس کی قدرت کی نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں ✤

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں "خلق اللہ التراب التربۃ یوم السبت وخلق الجبال فیھا یوم الاحد وخلق الشجر یوم الاثنین وخلق المکر یوم الثلثاء وخلق النور یوم الاربعاء وبث فیھا الدواب یوم الخمیس وخلق آدم بعد العصر من یوم الجمعۃ فی آخر ساعۃ فیما بین العصر و اللیل" اللہ تعالیٰ نے قبر کی مٹی ہفتے کے روز پیدا کی۔ اور پہاڑ اتوار کو۔ اور درخت سوموار کو منگل کو مکر۔ بدھ کو نور بنایا۔ اور جمعرات کو اس میں چوپائے وغیرہ پھیلائے۔ اور جمعہ کے روز عصر کے بعد دن کے آخری حصے میں عصر اور شام کے مابین آدم کو پیدا کیا ✤

واضح ہے۔ کہ عالم ارواح کے مبداء سے لیکر عالم اجسام کے انتہا تک اللہ تعالیٰ نے دُنیا آخرت اور ملک اور ملکوت وغیرہ سے مختلف عالم پیدا کئے۔ اور ہر عالم میں ایک خاص قسم کی روحانی اور جسمانی مخلوق پیدا کی۔ اور پھر ان سے علیحدہ علیحدہ اقسام بنائے۔ اور ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ خاصتیں عنایت فرمائیں۔ جیساکہ فرشتوں کی کئی ایک قسمیں بنائیں مثلاً کروبی روحانی اور عرش کے اُٹھانے والے۔ ہر ایک آسمان کے فرشتے الگ الگ قسم کے ہیں سفرہ۔ بررہ۔ اور کرام کاتبین۔ اور ہوا کے فرشتے جن کے ماتحت بادل۔ مینہ۔ گرج۔ اور بجلی ہے۔ یہاں تک مروی ہے۔ کہ ہر ایک بوند پر ایک فرشتہ مؤکل ہے۔ تاکہ اس قطرے کو اسی مقام پر پھینکے۔ جہاں پر اللہ تعالیٰ نے حکم کیا ہے۔ وہ فرشتے جو دریاؤں پر موکل ہیں زمین کے فرشتے دن اور رات کی حفاظت کے فرشتے۔ ذکر کی مجلسوں اور حلقوں کے فرشتے رحموں کے فرشتے۔ وہ فرشتے جو لوگوں کے دِلوں میں خطرات ڈالتے ہیں۔ وہ فرشتے جو اِنسان سے شیطانوں کو دفع کرتے ہیں۔ وہ فرشتے جو بچوں کی حفاظت کرتے ہیں منکر نکیر جو سوال کرتے ہیں۔ وہ جو خوشخبری دینے والے ہوتے ہیں۔ اور وہ جو عذاب دینے دینے والے

ہوتے ہیں۔موت کے فرشتے جو روح قبض کرتے ہیں۔ زندگی کے فرشتے جو کرنا پھونکتے ہیں۔ وہ فرشتے جو روزی پر موکل ہیں۔ وہ فرشتے جو ایلچی کا کام دیتے ہیں۔اور وہ جن کا صرف ایک پر ہے یا دو ہیں یا تین ہیں۔ یا چار ہیں۔اور وہ جو بہشت کے داروغے ہیں۔اور وہ جو بہشت کے خادم ہیں۔اور وہ جو دوزخ پر مامور ہیں۔اور دوزخ کے مالک ہیں۔اور دوزخ کے خدمتگار اور موکل ہیں۔اور وہ جو دوزخ کے مختلف طبقوں پر موکل ہیں۔ زمین کے فرشتے اور وہ فرشتے جن کے متعلق زمینوں اور آسمانوں کی رگیں ہیں۔اور وہ فرشتہ جس پر زمین کی گائے اور مچھلی ہے۔اور فرشتہ روح جو ایک صف میں ہونگے۔اور باقی اور تمام فرشتے ایک صف میں ہونگے۔اور آسمان زمین اور دین اور آخرت میں ان کے علاوہ اور کئی قسم کے فرشتے ہیں۔جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا پس جبکہ مختلف عالموں میں سے ایک عالم یعنی عالم فرشتگان کی یہ کیفیت ہے۔اور ہر ایک میں خاص خاص صفت ہے۔ تو اب قیاس کرنا چاہیئے۔کہ باقی جتنے عالم ہیں۔ان میں کس قدر مخلوق ہوگی مثلاً انسان۔ بری اور بحری حیوان۔جن اور شیاطین کے متعلق۔ ابالہ۔مردہ۔غول خناس اہل جابلقا۔جابلسا۔یاجوج ماجوج۔اور دوسری قسمیں جن کا ذکر قصے کہانیوں میں ہے۔ اور ہمیں انکی حقیقت معلوم نہیں۔حور۔غلمان۔صیفتان اور بہشتی بچوں کے اقسام نباتات جمادات۔معدنی چیزوں کی مختلف جنسیں۔کثیف۔لطیف۔بسیط۔اور مفرد و مرکب۔ اور عناصری جسم۔نور اور تاریکی کی قسمیں۔جوہر۔عرض۔رنگ۔طبیعتیں۔خواص۔صفات۔ نتائج۔شکلیں۔ہئیتیں۔حقیقی تصور۔اسرار۔حقائق۔لطائف۔اور ظاہری حواس جیسے سننا۔دیکھنا۔سونگھنا۔چکھنا اور چھونا۔اور باطنی حواس جیسے عقل۔دل۔سر۔روح اور خفی۔اور بشری قوائے جیسے قوت متخیلہ۔متوہمہ۔متذکرہ۔حافظہ۔مدبرہ۔حس مشترکہ۔اور دوسری قسم کی قوتیں جیسے جاذبہ۔ماسکہ۔ہاضمہ۔دافعہ اور اور قسم کی قوتیں اور عمل جن کی شرح ہو ہی نہیں سکتی۔اور علویات کی قسم سے مثلاً عرش۔کرسی۔لوح۔قلم۔ برج۔آسمان۔فلک الافلاک۔ستارے۔سیارے۔منزلیں۔بیت المعمور۔سدرۃ المنتہیٰ۔ قاب قوسین۔لامکان۔اور قسم قسم کی موجودات اور مخلوقات کی کس طرح شرح بیان کرسکتے ہیں۔جن سے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی واقف نہیں۔جیساکہ "وما یعلم جنود ربک الا ھو" (الہٰی لشکروں کو وہ خود ہی جانتا ہے) سے ظاہر ہے۔ ہاں مختلف

عالموں کی تعداد بعض روایتوں کے بموجب اٹھارہ ہزار ہے۔ اور بعض روایتوں کے بموجب ستر ہزار ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق تین سو ساٹھ ہزار ہے۔ لیکن سب کی سب دو عالموں یعنی عالم امر اور خلق میں جنہیں عالم ملک اور عالم ملکوت بھی کہتے ہیں۔ مندرج ہیں۔ جیسا خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اور اپنی خداوندی کی تعریف کی ہے۔ " الا لہ الخلق والامر تبارک اللہ رب العالمین " (اسی کے واسطے خلق اور امر ہے اہل جہان کا پروردگار برکت والا ہے) لیکن ملک و ملکوت کے مدارج اور مراتب سے اول درجہ اور مرتبہ ارواح انسانی کا ہے۔ جیسا کہ پہلی فصل میں مفصل بیان ہو چکا ہے۔ اس کے بعد ارواح جن کا پھر ارواح شیاطین کا۔ پھر ارواح حیوانات کا پھر نفوس نامیہ کے ارواح کا جو نباتات سے متعلق ہیں۔ اور جنہیں روح نامیہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے بعد مفردات اور عناصر کی تمامیتوں اور طبیعتوں کا۔ مگر نفوس کے مراتب جن کا مبداء عقل کل ہے۔ عقلوں کے بعد عرش و کرسی اور لوح و قلم کے نفوس کا مرتبہ ہے۔ اس کے بعد نفوس سماوی مثلاً افلاک در بروج کا مرتبہ ہے۔ پھر ستاروں۔ سیاروں وغیرہ کا پھر مرکزوں کے نفوس کا مرتبہ ہے۔ جیسے مرکز اثیر جو آگ کا مرکز ہے۔ اور ہوا جو باد وزاں کا مرکز ہے۔ اور سمندر جو پانی کا مرکز ہے۔ اور زمین جو خاک کا مرکز ہے۔ ان کے بعد معدنیات کے نفوس کا مرتبہ ہے۔ ان کے بعد مرکبات کے نفوس کا مرتبہ ہے۔ ان کے بعد عناصر اور مفردات کے نفوس کا مرتبہ ہے۔ یہ سب مختصر طور پر مختلف عالموں کے ملکوتیات کے مراتب اور مدارج بیان کئے گئے ہیں۔ اور یہ سب وہ ہیں۔ جو صاحب بصیرت سالک کو " سنریھم ایاتنا فی الآفاق وفی انفسھم " (عنقریب ہی ہم اپنی نشانیاں آفاق میں اور ان کی جانوں میں انہیں دکھائینگے) کے مقام میں کشف ہوتے ہیں۔ اگر ان مراتب میں تقدیم و تاخیر ہو جائے۔ تو یہ پس و پیش عالم کشف کے سہو کے سبب نہیں ہوتی۔ بلکہ یا تو وہ غیبی معانی کے ادراک کرنے میں نفس کی نظر کی خطا سے واقع ہوتی ہے۔ یا قوت متخیلہ کے سہو سے جو عالم غیب اور شہادت کی سفیر ہے ہوتی ہے۔ اس واسطے کہ جو روح کی نظر کو عالم غیب میں منکشف ہوتا ہے۔ وہ قابل فرق و نقصان نہیں ہوتا۔ خاص کر اس وقت جبکہ روح کی نظر کو نور الٰہی کی مدد ہو۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ " اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ " (مومن کی فراست سے ڈرو۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے) مگر چونکہ غیب کے معنوں سے جو کچھ نفس کا نصیبہ ہوتا ہے۔ وہ روح کی تابعداری

سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کی رہگذر قوت متخیلہ اور متوہمہ ہوتی ہے۔ اس لئے اس میں کمی بیشی کا فرق ممکن ہے۔ اور یہی سبب ہے۔ کہ جن معنوں اور مراتب کا اوپر ذکر ہو چکا ہے انکی بابت اہل طریقت اور اہل حکمت کا ہر ایک گروہ مختلف الرائے ہے ؎

نظارہ کناں روئے خوبت　　چوں در نگرند از کرانہا

در روئے تو روئے خویش بینند　　زینست تفاوت نشانہا

لیکن عوالم ملک کے ظہور کے مراتب کو ابن عباس رضی اللہ عنہ اس طرح روایت فرماتے ہیں۔ "لما اراد اللہ ان یخلق ھذا العالم خلق جوھرا فنظر الیہ بنظر الھیبۃ فذاب فصار نصفین من ھیبۃ الرحمٰن نصفہ نار ونصفہ ماء جری النار علی الماء فصعد منہ دخان فخلق من ذالک الدخان السموات وخلق من زبدۃ الارض" (جب اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو پیدا کرنا چاہا۔ تو پہلے جوہر کو پیدا کیا۔ اور پھر اسے ہیبت کی نگاہ سے دیکھا۔ تو لرزا اور اس کے دو حصے ہو گئے۔ ایک آگ اور دوسرا وہ جو پانی پر ہوتا ہے۔ پس اس سے دھواں اٹھا۔ اس دھوئیں سے آسمان بنائے۔ اور اس کی جھاگ سے زمین) آسمان اور زمین ایک ہی جوہر سے اس وجہ اور اس ترتیب سے پیدا ہوئے ہیں جیساکہ پہلی فصل میں حدیث نبوی کے اندر اس کا ذکر آیا ہے۔ اور آیت شریف میں بھی انہیں معنوں کو بیان کیا ہے لیکن مجمل طور پر۔ اسکی تفصیل پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ کہ زمین کو ہفتے کے روز پیدا کیا۔ اور یہ اس کے جہان کے دنوں میں سے پہلا دن ہے۔ اس واسطے کہ دن زمانے کا نتیجہ ہے۔ اور زمانہ آسمان کی گردش کا نتیجہ ہے جب آسمان بنائے اور انہیں گردش دی۔ تو دن پیدا ہوئے۔ پس سب سے پہلے دن کو ہفتہ دشنبہ قرار دیا۔ دوسرے روز یعنی اتوار کو پہاڑ بنائے تاکہ زمین پانی پر قائم رہ سکے۔ اور سوموار کے روز نباتات اور درخت وغیرہ پیدا کئے۔ اور منگل کے روز ہر قسم کے رنج اور مکروہ پیدا کئے۔ بدھ کے روز انوار پیدا کئے۔ اور جمعرات کو ہر قسم کے حیوانات بنائے۔ اور جمعہ کے روز آخیر وقت میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ یہ مراتب تو ظاہری طور پر قرآن شریف سے تو نے سُنے۔ اب ان کی حقیقت بھی سُن +

واضح رہے۔ کہ محمدی نور کے پرتو نے ارواح کی ملکوتیات کے مراتب سے لیکر آخر موجودات یعنی عناصر مفردہ کے ملکوت تک گذر کیا۔ اور جس نے نفوس کی ملکوتیات پر گذر

کیا۔ وہ بھی نورِ محمدی کا پرتو تھا۔ جسے ہم نے عقل کہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ پرتو عناصر کے ملکوت تک پہنچ گیا۔ جیساکہ پرکار جب دائرے کے گرد پھرتی ہے۔ اور جب انتہا کو پہنچتی ہے۔ تو دونوں ایک ہی نقطے پر آملتے ہیں۔ اور ایک ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ دونو لطیفے یعنی رُوح اور عقل جب ارواح کی ملکوتیات اور نفوس کی ملکوتیات کے مختلف عوالم کے گرد پھرے۔ تو آخر کار عناصر کے ملکوت میں آکر دونوں مل گئے۔ اور لطیفوں میں جو صاف چیز تھی۔ وہ علوی اور سفلی مراتب میں خرچ ہو چکی تھی۔ ٹھیک اسی طرح جیساکہ ہم قند کی مثال میں بیان کر آئے ہیں۔ اور جو تلچھٹ قطارہ (شیرے) کی طرح رہ گئی۔ اس سے جوہر پیدا کیا۔ جیساکہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ "خلق جوھرا فنظر الیہ بنظر الھیبۃ فذابہ" (پس اس جوہر کو ہیبت کی نگاہ کی تاثیر سے دو ٹکڑے کر دیئے۔ ایک سے آگ پیدا ہوئی۔ اور دوسرے سے پانی۔ پھر آگ کو پانی پر غلبہ دیا۔ تو پانی سے دھواں اُٹھا۔ جو بسبب گرم اور لطیف ہونے کے اوپر چڑھ گیا۔ اور پانی بسبب کثیف ہونیکے نیچے رہ گیا۔ یہ لطیفہ سنو۔ کہ جب اس جوہر کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نظر سے مشرف کیا۔ تو وہ حصہ جو نورِ محمدی سے اُٹھا اس جزو سے علیحدہ ہو گیا۔ جو عقل سے اُٹھا۔ اور اس نے اللہ تعالیٰ کی نظر سے شوق کی غذا حاصل کی۔ اور پھر اوپر جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن جو کچھ عقل سے اُٹھا۔ وہ تردامنی کے باعث وہیں رہ گیا۔ اور یہ اختلاف اس واسطے وقوع میں آیا۔ کہ روحِ محمدی میں مختلف صفات پائی جاتی تھیں۔ جیساکہ پہلے کسی فصل میں بیان ہو چکی ہیں۔ ان صفات میں سے ایک صفت محبت بھی ہے۔ اور ایک جلانے والی آگ کی محنت اور بھڑکا ہوا تنور۔ پس وہ لطیفہ جس نے روحِ محمدی کے نور سے ارواح کے مراتب پر گذر کیا۔ وہ محبت کا نتیجہ تھا۔ اور وہ جو عقل سے اُٹھا۔ اور مراتب نفوس پر گذر گیا وہ نور تھا۔ اسی واسطے محبت اور عقل میں مخالفت اور ناسازش ہے۔ یہ کبھی آپس میں موافقت نہیں کرتے۔ جہاں محبت ڈیرے ڈالتی ہے عقل وہاں سے کوچ کر جاتی ہے۔ اور جہاں عقل مقام کرتی ہے۔ محبت وہاں سے جنگل کی راہ لیتی ہے۔ نظم

عشق آمد و کرد عقل غارت — اے دل تو بجاں بریں بشارت
ترک عجب است عشق جادو — کز ترک عجب نیست غارت
مے خواست کہ در عبارت آرد — وصفِ رُخِ او باستعارت

نورِ رُخِ او زبانہ زد　　　　ہم عقل بسوخت و ہم عبارت

چونکہ وہاں ملکوت عناصر میں محبت کئی پردوں کے پیچھے تھی۔ اور ارواح ملکوت اور مراتب پر گذر کر چکی تھی۔ اور اپنے محبوب سے دُور پڑی تھی۔ اِس لئے ملکوت عناصر میں اِس لطیفہ عقل کو دیکھ کر اور اس سے آشنائی کی بُو سُونگھ کر کیونکہ عقل بھی اسی ولایت سے آئی تھی اگرچہ یہ بادشاہ تھی۔ اور وہ دربان لیکن آشنائی اور ہم ولایت ہونے کے سبب "حب الوطن من الایمان" کے شوق نے اُس کے وجود میں جوش مارا۔ اور خود بخود زبان سے نِکل گیا۔ رباعی

بوئے جوئے مولیاں آید ہمے　　　　بُوئے یارِ مہربان آید ہمے
آبِ جیحوں از نشانِ روئے دوست　　　　خنگ مارا تا میاں آید ہمے

اپنے محبوب کے غلبۂ محبت کی وجہ سے ٹھٹھری ہوئی عقل کی گردن میں باہیں ڈالیں اور کہا۔ رُباعی

بر یادِ لبت لعل نگیں مے بوسم　　　　دانم چو بدست نیست این مے بوسم
دستم چو بدست بوس تو مے نرسد　　　　میگویم و خدمت زمین مے بوسم

لیکن اس مقام میں جب حقیقی محبوب کی نظر کا ذوق اُس کی جان کے حلق میں پڑا۔ تو اِس میں شوق کی آگ لگ گئی۔ اور عقل کی گردن سے ہاتھ ہٹا لئے۔ اب یہاں پر جوہر کے دو حصے ہو گئے۔ وہ حصہ جو عقل کا تھا۔ وہ ڈرا اور ڈر کے مارے پِگھل گیا۔ اور پانی بن گیا۔ اور دوسرا آدھا جو محبت کا تھا اسے محبوب کی نظر سے غذا مل گئی۔ اور شوق نے اس پر غلبہ پایا۔ محبت کی آگ بھڑک اُٹھی۔ اور اس شعلے سے آگ پیدا ہوئی۔ جس طرح آگ اور پانی میں میں دُشمنی اور مخالفت ہے۔ اِسی طرح عقل اور عشق بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ پس عشق نے عقل سے موافقت نہ کی۔ اور اسے دُور پھینک دیا۔ اور چھوڑ دیا۔ اور اپنے محبوب کا ارادہ کیا۔ رُباعی۔

عقل را با عشق کارے نیست زودش پیِ کن　　　　تا چہ خواہی کرد آں اُشتر دل جولاہ را
عقل از پیِ عشق را با خود تواند بود دپے　　　　نزد شاہنشاہ چہ کار ریا و باش لشکرگاہ را

پس اس حصے سے جس نے اوپر کا رُخ کیا۔ افلاک ستارے وغیرہ بنائے گئے۔ اور وہ حصہ جو نیچے رہ گیا۔ اِس سے زمین پہاڑ سمندر یا اور اور جنسیں پیدا ہوئیں۔ پس اُس لطیفہ کو جو رُوح محمدی کی محبت کی صفت سے پیدا ہوا۔ پہلے ملکوت ارواح کے پاس لائے۔ اور پھر اسے

جو ہریت کے دروازے سے باہر لائے۔ اور پھر عالم ملک کے تمام ممالک کی سیر کرائی۔ کہ ملک ملکوت اور کائنات کا کوئی ایسا ذرہ نہ رہ جائے جس میں اسرار محبت سے کوئی سر نہ ہو۔ اس واسطے کہ کوئی مخلوق اپنے خالق کی محبت سے اپنی استعداد کے موافق خالی نہ رہ جائے۔ اور یہ کہ اسی محبت کی وجہ سے اپنی زبان حال سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کہے۔ "وان من شیئ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم" (کوئی ایسی چیز نہیں جو اُس کی تعریف اور پاکیزگی نہ بیان کرتی ہو۔ لیکن عام لوگ انکی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے)۔ رُباعی

گر عرضہ دہند عاشقاں را   ہر ذرہ کہ ہست در شمار آید

طاؤس و مگس بیک محل باشد   چوں بازِ غمِ تو در شکار آید

اے فرشتو! تم تسبیح پڑھنے کی لاف زنی نہ کرو۔ اور اپنے تئیں ہستی کے مقام میں خیال نہ کرو۔ کہ "نحن نسبح ونقدس لک" (ہم ہی تیری پاکیزگی اور تسبیح بیان کرتے ہیں)۔ وہ کون اور کیا ہے۔ جو ہماری پاکیزگی اور تسبیح بیان نہیں کرتا۔ "سبح للہ ما فی السموات وما فی الارض وھو العزیز الحکیم" (جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے سب اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتا ہے۔ وہ پروردگار غالب اور حکمت والا ہے) اور ہماری غالب بارگاہ اس حمد و ثنا سے جو کوئی کر سکتا ہے اعلےٰ اور برتر ہے۔ اہل زمین اور اہلِ آسمان جو تسبیح اور تقدیس کر رہے ہیں۔ اور کائنات کے ہر ایک ذرے سے مشاہدہ ہوتی ہے۔ یہ سب ہماری جلالت مآب بارگاہ کی حمد و ثنا کا پرتو ہے" سبحان ربک رب العزت عما یصفون" (تیرا صاحب غلبہ پروردگار اس سے پاک ہے۔ جس سے وہ اسے موصوف کرتے ہیں) لیکن یہ سب کچھ لوح محمدی کے آئینے کے وسیلے سے ہُوا ہے۔ جس نے کائنات کے ہر ذرے پر عکس ڈالا۔ سب کے سب تسبیح اور تقدیس کرنیوالے تو ہو گئے۔ لیکن سب نے یہ خیال کیا۔ کہ یہ ثنا گوئی اس کی عبودیت کا خاصہ ہے۔ مگر انہیں یہ معلوم نہ ہوا۔ کہ اس حمد و ثنا کا منشا اور منبع کہاں ہے۔ جب خلاصۂ موجودات (سرور کائنات) کی باری آئی۔ تو اس کی طینت کے نقطہ کی پرورش کے بعد جو کہ کائنات کے درخت کا بیج ہے۔ پرکار کی طرح ملک اور ملکوت کے گرد پھرایا۔ اور تب درخت کی شاخ پر پھل لگا۔ چنانچہ قاب قوسین سے یہی مراد ہے۔ اور پھر او ادنیٰ کے تصرف سے اسکی حقیقت میں آنکھ کھولی۔ یعنی دونوں جہان کے غلاف سے اُسکی ذات کو جو جمال حق کا آئینہ ہے۔ باہر لائے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہوا۔

کہ اے محمد! تو بھی باقی موجودات اور ملائکہ کی طرح ہماری بارگاہ کی ثنا کہہ +

ابن علیؒ فرماتے ہیں۔ کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اس عکس کے آئینے میں دیکھ لیا تھا کہ اس بارگاہ سے جو ثناء گوئی تمام کائنات کو حاصل ہوئی ہے یہ مستعار ہے۔ آنجناب کی شریعت یہ تھی۔ کہ "العاریۃ مردودۃ" (جو چیز مستعار لی جائے وہ ضرور واپس دیجاتی ہے) ۔اس لئے آنجناب صلعم نے "ان اللہ یامرکم ان تردوا الامانات الی اھلھا" (اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم کرتا ہے۔ کہ تم امانت والوں کو انکی امانتیں واپس دو) کے مطابق وہ امانت واپس دی۔ اور عرض کی۔ کہ لکنت والی حادث زبان سے تیرے جیسی قدیم ذات کی صفت کب ہو سکتی ہے "لا احصی ثناء علیك" (میں تیری صفت کما حقہ' بیان نہیں کرسکتا) تیری بیمثال ذات کی ثناء تیری باکمال صفات سے ہی ہو سکتی ہے "انت کما اثنیت علیٰ نفسك" (تو ویسا ہی ہے جیسا تو نے خود اپنی تعریف کی ہے) یہاں پر نہ صرف فرشتے جو کہ آدم کے مکتب کے نوآموز شاگرد ہیں۔ جیساکہ "یا آدم انبئھم باسمائھم (اے آدم انہیں ان کے نام بتلاؤ) سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے نام تک نہیں جانتے۔ بلکہ آدم بھی جو ان کا معلم ہے مع اپنے تمام فرزندوں کے ثنا خوانی محمد کے جھنڈے کے تلے ہونگے "آدم ومن دونہ تحت لوائی یوم القیامۃ ولا فخر وبیدی لواء الحمد ولا فخر" (آدم اور اس کے سوا جتنے ہیں سب کے سب قیامت کے دن میرے جھنڈے تلے ہونگے۔ یہ کوئی فخر کی بات نہیں۔ وہ جھنڈا الحمد کا ظاہر ہوگا۔ نہ کہ فخر کا) +

یہاں سے تحقیق ہوتا ہے۔ کہ موجودات کا بیج بھی حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور موجودات کے درخت کا پھل بھی آنحضرت صلعم ہی تھے۔ حقیقت میں وجود محمدی ہی ہے۔ فرد

الحق شگرف مرغے کز تو دو کون بیضہ شد ۔۔۔ نہ بال باز کردہ نہ ز آشیاں پریدہ

جو ملکوتیات ہیں۔ انہیں اس درخت کی جڑھیں فرض کرلو۔ اور جو جسمانیات ہیں انہیں تنہ سمجھو۔ اور انبیاء علیہم السلام اس درخت کی شاخیں ہیں۔ اور فرشتے اس درخت کے پتے ہیں۔ لیکن اس درخت کا پھل درحقیقت عبارت میں نہیں سما سکتا۔ اور دو زبان قلم سے دو رُخے کاغذ پر نہیں لکھ سکتے۔ فرد

قصہا سے نوشت خاقانی ۔۔۔ قلم اینجا رسید سر بشکست

پس جس طرح درخت پھل میں ہوتا ہے۔ اسی طرح پھل درخت میں ہو گیا۔ درخت کا کوئی ذرہ ایسا نہیں۔ جو درخت کے وجود سے خالی ہو۔ اور یہ ایک بڑا بھاری بھید ہے۔ چونکہ بیج کی اصل نور احدیت کا پرتو تھی۔ اس لئے درخت اور پھل کا کوئی ذرہ نورِ احدیت کے پرتو سے خالی نہیں۔ یہاں پر "نحن اقرب الیہ من حبل الورید" (ہم اس سے شاہ رگ کی نسبت زیادہ نزدیک ہیں) اور "ھو معکم" (اور وہ تمہارے ساتھ ہے) کا بھید معلوم ہو جاتا ہے۔ اور "اللہ نور السموات والارض" (آسمانوں اور زمینوں کا نور اللہ ہے) کی خاصیت ظاہر ہوتی ہے۔ اور "مایعزب عن ربک من مثقال ذرۃ فی الارض ولا فی السماء" (آسمان اور زمین کی چیزوں سے ایک ذرہ بھر بھی خدا سے پوشیدہ نہیں) کی حقیقت یہاں ظاہر ہوتی ہے ✦

واضح رہے۔ کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے عالم معانی میں ظاہر کیا ہے۔ عالم صورت میں بھی اسکی ایک خاص صورت بنائی ہے۔ پس ملک و ملکوت کے معانی عوالم کی تمام صورت آنحضرت صلعم کا وجود مبارک ہے۔ نور احدیت کے پرتو کی صورت لاالہ الا اللہ ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ کی شریعت توحید کے بیج کو دلوں کی زمین میں بونے کے واسطے ہے جیسا کہ "الدنیا مزرعۃ الاخرۃ" (دنیا آخرت کی کھیتی ہے) سے ظاہر ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آنحضرت نے فرمایا ہے۔ "امرت ان اقاتل الناس حتیٰ یقولوا لا الٰہ الا اللہ" (مجھے اس بات کا حکم ہوا ہے۔ کہ لوگوں سے لڑوں۔ جھگڑوں۔ جہاں تک کہ وہ لاالہ الا اللہ کہدیں)۔ یہ اشارہ ہے دلوں میں تخم توحید کے بونے کی طرف "ضرب اللہ مثلا کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء" (اللہ تعالیٰ نے مثال دی ہے۔ کہ کلمہ طیب طیب درخت کی طرح ہے۔ جس کی جڑ ثابت ہے۔ اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں) اسی کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں کلمہ طیب سے مراد لاالہ الا اللہ ہے۔ اور شجرہ طیب سے محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہے ✦

فصل ۴

{قالب انسان کی پیدائش کے شروع میں}

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "انی خالق بشرا من طین" (میں انسان کو مٹی سے پیدا

کرنے والا ہوں) اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "قال اللہ تعالیٰ خمرت طینۃ آدم بیدی اربعین صباحا" (اللہ تعالیٰ نے آدم کی مٹی کو اپنے ہاتھ سے چالیس روز تک خمیر کیا)+

واضح ہے۔ کہ چونکہ انسانی قالب کو چار عنصروں پانی۔ آگ۔ ہوا اور مٹی سے پیدا کرنا چاہا۔ اس واسطے ان عناصروں کو عناصر کی حالت میں نہ رہنے دیا۔ بلکہ ان کو ادنےٰ درجوں میں تبدیل کر دیا۔ پہلے انہیں مرکب کے درجے میں لے گئے۔ کیونکہ عنصر مفرد جب تک مفرد ہونے کے مقام میں ہے۔ وہ عالم ارواح سے نزدیک ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اب چونکہ اسے مرکب بنانا ہے۔ اس لئے اسے مفرد ہونیکے مقام کو ضرور چھوڑنا چاہیئے۔ اور مرکب ہونے کی حالت میں آنا چاہیئے۔ پس اس لئے وہ ارواح سے ایک درجہ پہلے کی نسبت دور جا پڑا۔ اور جب نباتات کے مرتبہ پر پہنچیگا۔ تو ضرور ہے۔ کہ وہ جمادی اور مرکبی کو چھوڑ دے۔ اس لئے پھر ایک اور درجہ عالم ارواح سے دور جا پڑا۔ اور اسی طرح جب نباتی سے حیوانی مرتبہ میں آیا۔ تو ایک درجہ اور عالم ارواح سے دور جا پڑا۔ اور حیوانی مقام سے انسانی مقام میں آیا۔ تو ایک درجہ اور عالم ارواح سے دُور جا پڑا۔ اب قالب انسانی سے نیچے درجہ کوئی نہیں۔ اسلئے اسے اسفل السافلین کہا۔ یہ بات صرف اس لحاظ سے ہے۔ کہ عنصر تبدیل ہو کر ان درجوں کی کمی کو پہنچا ہے۔ ورنہ اگر ملکوت جمادی کی طرف خیال کیا جائے۔ جس طرح یہ انسانی مراتب کو پہنچا ہے۔ تو یہ درجوں کی کمی نہیں۔ بلکہ درجوں کی ترقی ہے۔ اور ہر ایک مقام میں عالم ارواح سے بجائے دور ہونے کے نزدیک ہوتا گیا ہے۔ لیکن چونکہ ہم عالم عناصر کی بابت گفتگو کر رہے ہیں۔ جو عالم ملک سے ہے نہ کہ ملکوت سے۔ پس اس اشارے کے موافق جو کیا گیا ہے۔ اور جو بیان اوپر ہو چکا ہے۔ اس کے مطابق انسانی قالب تمام پیدائش سے ادنےٰ ہے۔ اور اسفل السافلین اس کی حقیقت ہے۔ اور "ثم رددناہ اسفل السافلین" (پھر ہم نے اسے ادنےٰ سے ادنےٰ مخلوق کی حالت میں لوٹا دیا) اس واسطے ہے۔ کہ روح کو قالب سے تعلق دیا گیا ہے۔ پس یہاں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ روح انسانی تمام مخلوقات سے اعلےٰ ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اور قالب انسانی اسفل السافلین ہے۔ اس مقام پر مندرجہ ذیل شعر

کے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ فرد

جہاں را بلندی و پستی توئی ندانم کئی ہر چہ ہستی توئی

مجھ ضعیف کے شیخ سلطان وقت مجد الدین بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصانیف کے مجموعہ میں فرماتے ہیں "سبحان من جمع بین اقرب الاقربین والابعد الابعدین بقدرتہ" (پاک ہے وہ ذات جس نے قریب سے قریب اور بعید سے بعید کو اپنی قدرت کاملہ سے ایک جا جمع کر دیا) انسانی قالب اسفل السافلین اور روح انسانی اعلیٰ سے اعلیٰ ہونے میں یہ حکمت ہے۔ کہ چونکہ انسان نے معرفت کی امانت کا بوجھ اُٹھانا تھا۔ اِس لئے اس میں دونوں عالموں کی قوتیں بدرجہ کمال ہونی چاہئے تھیں۔ تاکہ دونوں عالموں میں اس کی قوت کے مقابل اور کوئی چیز نہ ہو۔ اور یہ کہ امانت کے بوجھ کا متحمل ہوسکے۔ اور یہ قوت اسے ازراہ صفات حاصل ہو۔ نہ کہ ازراہ صورت۔ اِس واسطے جو قوتِ انسانی روح میں اعلیٰ علیین ہونے کی وجہ سے ہے۔ جو عالم ارواح میں فرشتوں اور شیطانوں وغیرہ میں سے کسی کو حاصل نہیں اور جو قوت انسانی نفس میں بلحاظ اسفل السافلین ہونیکے ہے۔ وہ عالم نفوس میں چارپاؤں درندوں وغیرہ میں سے کسی کو حاصل نہیں۔ اور یہ چاروں عنصر جن سے انسان بنایا گیا ہے۔ یہ بھی ارواح کی تلچھٹ سے بنائے گئے ہیں۔ جو کہ شیرے کی طرح قند سے رہ گیا تھا۔ اور جس کا مفصل حال پہلی فصل میں لکھا گیا ہے۔ وہاں پر جو صفت ارواح میں تھی۔ اسے ہم نے قند فرض کیا۔ اور جو باقی رہ گئی اسے قطارہ (شیرہ) جیسا کہ مختلف عوالم کے ظہور کی فصل میں بیان ہوا۔ اس لطیفہ کی روش کچھ اس قسم کی تھی۔ کہ موجودات کا کوئی ذرہ عالم ارواح کی صفات کی چاشنی کے بغیر نہ رہا اور وہ چاروں عنصر اگرچہ عالم ارواح سے باقی تمام موجوات کی نسبت زیادہ دُور تھے۔ لیکن ان میں بھی عالم ارواح کے اوصاف پائے جاتے تھے۔ اور اِن عنصروں کا باقی تمام وجود عالم ارواح میں تھا۔ اگرچہ آدم کی مٹی کے خمیر میں تمام شیطانی۔ حیوانی۔ نباتی اور جمادی صفات موجود تھیں۔ لیکن چونکہ (بیدی) کے لگاؤ سے مخصوص ہؤا۔ اِس لئے ان صفات ذمیمہ میں سے ہر ایک کے عوض صفات الوہیت سے ایک ایک سیپی موتی کی طرح عنایت ہوئی۔ پس جبکہ آفتاب کی نظر کے تصرف سے سخت

پتھر لعل۔ یاقوت۔ زبرجد۔ زمرد۔ فیروزے اور عقیق بنجاتا ہے۔ تو تخمیر طینت آدم بیدی،
کی خصوصیت سے چالیس روز کے عرصے میں جس کا ہر دن ایک روایت کے مطابق ہزار سال
کے برابر تھا۔ آدم کی آب و گل کی سیپی میں کس قسم کا گوہر پیدا ہوا ہوگا۔ یہ شرف آدم کو روح کے
داخل ہونیسے پیشتر حاصل تھا۔ اور صرف قالب کے بنانے میں چالیس ہزار سال خرچ ہوئے
خدا جانے اس میں اللہ تعالیٰ نے کیا کیا خزانے رکھے ہونگے۔ دنیاوی بادشاہوں کا قاعدہ ہے
کہ جب کوئی عمارت بنواتے ہیں۔ تو پہلے خدمتگاروں کو اس پر لگاتے ہیں۔ تاکہ خود مٹی سے
ہاتھ آلودہ نہ کریں۔ لیکن جب خزانہ رکھنے کا موقع آتا ہے۔ تو تمام ملازموں کو ہٹا کر خود اپنے
ہاتھ سے مٹی کھود کر خزانے کے موافق جگہ تیار کر کے اپنے ہاتھ سے خزانہ رکھتے ہیں۔ اور
خزانے پر طلسم بناتے ہیں۔ تاکہ دوسروں کی دست برد سے محفوظ ہے۔ اسی طرح
اللہ تعالیٰ نے بھی جب دنیا آخرت بہشت۔ دوزخ وغیرہ ہر قسم کی موجودات تیار
کرانی چاہی۔ تو ہر موقع اور ہر مقام پر مختلف اپنے کارگذار چھوڑے۔ لیکن جب آدم
کی پیدائش کا وقت نزدیک آیا۔ تو فرمایا "انی خالق بشراً من طین" (میں مٹی سے
آدم بنانا چاہتا ہوں) آدم کا پتلا مٹی سے میں خود بنانا چاہتا ہوں۔ سب کو شبہ ہوا۔ اور
کہنے لگے۔ کیا آسمانوں اور زمینوں کو تو نے پیدا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہاں
پر ایک خاص خصوصیت ہے۔ کیونکہ باقی سب کو میں نے کن کے کہنے سے بنا کیا ہے "انما
قولنا الشیٔ اذا اردناہ ان نقول لہ کن فیکون" (جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہم آ
کہدیتے ہیں کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے) لیکن اس کو میں خود بغیر وسیلہ اپنے ہاتھ سے بناؤنگا۔ کیونکہ اس
میں گنج معرفت کھنا ہے۔ پس جبرائیل علیہ السلام کو فرمایا۔ کہ روئے زمین پر جا کر تھوڑی سی مٹی لا۔
جب جبرائیل نے مٹی اٹھانی چاہی۔ تو خاک نے پوچھا کہ اے جبرائیل یہ کیا؟ جبرائیل علیہ السلام
نے کہا میں تجھے بارگاہ الٰہی میں لیجانا چاہتا ہوں تاکہ تجھ سے خلیفہ تیار کیا جائے۔ خاک
نے قسم دی۔ کہ تجھے پروردگار کی قسم مجھے نہ لیجا۔ کیونکہ مجھ میں آدم کے قرب کی تاب نہیں۔
میں نے بڑی دوری اختیار کر رکھی ہے۔ تاکہ قہر الوہیت کی سختی سے خلاصی پاؤں۔ کیونکہ
قرب میں بہت خطرہ ہوتا ہے "المخلصون علی خطر العظیم" (مخلصوں کو بڑا خطرہ رہتا
ہے) ؎

نزدیکاں را بیش بود حیرانی کہ ایشاں دانند سیاست سلطانی

جب جبرائیلؑ نے قسم سنی۔ تو پھر واپس بارگاہ الٰہی میں آکر عرض کی۔ کہ اے پروردگار! تو جانتا ہے۔ کہ خاک اس بارے میں انکار کرتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میکائیل کو فرمایا کہ تو جاکر لا۔ وہ بھی یہی قسم سن کر واپس چلے آئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے عزرائیل کو حکم دیا۔ کہ اگر نرمی اور تابعداری سے آجائے تو بہتر ورنہ اسے قہراً اور جبراً لے آؤ۔ عزرائیل نے آکر زبردستی زمین سے ایک مٹھی خاک اٹھالی۔ ایک روایت میں مندرج ہے۔ کہ اس نے تمام روئے زمین سے چالیس ہاتھ مٹی اٹھالی۔ اور اس میں تمام ذریات آدم کے فیصے آگئے۔ اور جس وقت کوئی آدمی فوت ہوتا ہے۔ تو اسی جگہ دفن ہوتا ہے۔ جہاں سے اس کی مٹی لی گئی تھی۔ پس حکم ہوا۔ کہ اس مٹھی بھر خاک کو مکہ اور طائف کے درمیان نعمان کی وادی میں اتارا جائے۔ اب عزرائیل بھی واپس چلا گیا۔ ابھی تخمیر کا بھید ظاہر بھی نہ ہوا تھا کہ عشق فوراً آموجود ہوا۔ رباعی

خاک آدم ہنوز نا بیختہ بود — عشق آمدہ بود و در دے آمیختہ بود
ایں بادہ چو شیر خوارہ بودم خوردم — لیکن مے شیر در دوے ہم آمیختہ بود

پہلا شرف جو خاک کو حاصل ہوا۔ وہ یہ تھا۔ کہ اسے اس قدر قاصد بلانے کے لئے گئے۔ اور وہ ناز کر کے کہتی رہی ؎

حدیث من ز مفاعیل و فاعلات بود — من او کجا سخن سر مملکت ز کجا

لیکن چونکہ قاعدے کی بات ہے۔ کہ جس قدر کوئی شخص عشق کا منکر ہوتا ہے جب وہ عاشق ہوتا ہے۔ تو عاشقی میں وہ اعلیٰ رتبہ ہوتا ہے۔ ابھی ٹھیرو۔ تاکہ قلب کا معاملہ پیش آئے ؎

منکر بودم عشق بتاں را یک چند — آں انکارم مرا بدیں روز افگند

تمام فرشتے یہ حالت دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ کہ یہ کیا بھید ہے۔ کہ ذلیل خاک کو بارگاہ الٰہی میں بڑی عزت کے ساتھ بلایا جاتا ہے۔ اور خاک باوجود ذلیل اور حقیر اور خوار ہونیکے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس قدر ناز کرتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی باوجود کمال عزت اور غیرت کے اسے نہیں چھوڑا۔ اور دوسرے کو اس کے عوض نہیں بلایا۔ یہی باتیں آپس میں کر رہے تھے۔ رباعی

ہم سنگ زمین و آسمان غم خوردم — نہ سیر شدم نہ یار دیگر کردم

آہو بمثل رام شود با مردم / تو مے نشوی ہزار حیلت کردم

کہ الٰہی لطف اور ربی حکمت نے فرشتوں کو فرمایا۔ کہ "انی اعلم ما لا تعلمون"۔ (تمہیں کیا معلوم ہے) کہ ہمیں اس مٹھی بھر خاک سے ازل سے لیکر ابد تک کیا کیا کام درپیش ہیں ؎

عشقے است کہ او دل مرا در سر بود / کاریست کہ تا ابد مرا درپیش است

تم معذور ہو۔ کیونکہ تمہیں عشق سے پالا نہیں پڑا۔ تم حظائر قدس کے صومعہ نشین خشک زاہد ہو۔ تمہیں خرابات عشق کے گرم رووں کی کیا خبر۔ سلامتیوں کو ملامتیوں کی حلاوت کے ذوق کا کیا مزا۔ رباعی

قدر مل و گل بادہ پرستاں دانند / نے تنگ دلاں و تنگ دستاں دانند

از بیخبری خبر نداری معذوری / تربیت دریں میاں کہ مستاں دانند

تم تھوڑے دن صبر کرو۔ تاکہ میں اس مٹھی بھر خاک پر اپنی کاریگری کروں۔ اور اسکی فطرت کے آئینہ کے چہرہ پر سے خلقیت کی تاریکی کا زنگار دور کروں۔ اسلئے کہ تم اس آئینہ میں قسم قسم کے نقش دیکھ سکو۔ اور یاد رکھو۔ کہ یہ وہ نقش ہوگا۔ جسے تم سب سجدہ کرو گے۔ پس کرم کے بادل سے رحمت کا مینہ آدم کی خاک پر برسا۔ اور اس خاک کا کیچڑ بنا۔ اور اللہ تعالیٰ نے دستِ قدرت سے اِس مٹی میں مٹی کا دِل بنایا۔ اور دِل میں اس قدر فتنہ اور شور بھر دیا۔ رُباعی

از شبنم عشق خاکِ آدم گل شد / صد فتنہ و شور در جہاں حاصل شد

سر نشتر عشق بر رگِ روح رسید / یک قطرہ فرو چکید نامش دل شد

تمام کروبی اور روحانی فرشتے اِس حالت کو دیکھ کر حیران تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ چالیس روز تک اپنے دستِ قدرت سے آدم کی مٹی کو بنا رہا ہے۔ اور کوزہ گر کی طرح اس مٹی کو بناتا سنوارتا ہے۔ اور اس کا خمیر کر رہا ہے "خلق الانسان من صلصال کالفخار" (ٹھکرکھری مٹی سے انسان پیدا کیا) اس کے ہر ذرہ میں دِل بنایا ہے۔ اور نظرِ عنایت سے اس کی پرورش کر رہا ہے۔ یہ دیکھ کر حکمت ازلی نے فرشتوں کو کہا۔ کہ تم مٹی کی طرف نہ دیکھو۔ بلکہ دِل کی طرف دیکھو ؎

گر من نظرے بہ سنگ بر گمارم / از سنگ دلِ سوختہ بیروں آرم

بعض روایتوں کے بموجب چالیس ہزار سال مکہ اور طائف کے درمیان آدم کی آب و گل پر دستِ قدرت کی دستکاری ہوتی رہی۔ اور اس کے اندر با ہر مناسب صفات خداوندی کی نشان بنائے۔ تاکہ ہر ایک اس صفت کا مظہر ہو سکے۔ یہاں تک کہ مشہور قول کے موافق ایک ہزار ایک نشان ایک ہزار او رایک صفت کے موافق بنائے۔ صاحب جمال کے پاس اگرچہ جواہرات۔ موتی اور لباس زیادہ ہوں پھر بھی اسکے نزدیک آئینہ سے بڑھ کر قابل اعتبار کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اگر صاحب جمال کے موتی یا لباس میں کسی قسم کا خلل آجائے۔ تو بغیر آئینہ وہ خود اسے ٹھیک نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر تھوڑا سا غبار آئینے پر ہو۔ تو فوراً لطف وکرم کی آستین سے وہ غبار دور کردیتا ہے۔ اگرچہ گھر میں ہزاروں قسم کے جواہرات۔ موتی اور لباس ہوں یا اس کے ہاتھ میں ہوں یا کان میں۔ سب سے مُنہ پھیر کر آئینے کو ضرور دیکھتا ہے۔ رباعی

تا فتنہ بر توایم تو فتنہ بر آئینہ　　　　ما را نگہدارہ تو اندر آئینہ
تا آئینہ جمالِ تو دیدی تو حسنِ خویش　　　　تو عاشق خودی زتو عاشق تر آئینہ

ہر ایک آئینہ جو آدم کے وجود میں رکھا گیا۔ وہ جمال نما آئینہ کو جمال بین آنکھ عنایت کرتا تھا۔ تاکہ جب وہ آئینہ میں اپنی ایک ہزار ایک کھڑکیاں دیکھے۔ تو آدم بھی اسے ایک ہزار ایک آنکھ سے دیکھ سکے ؎

در من نگری ہمہ تنم دِل گردد　　　　در تو نگرم ہمہ تنم دیدہ شود

یہاں پر عشق برعکس ہو جاتا ہے اگر معشوق عاشق سے دُور ہونا چاہے۔ تو وہ ہزار ہاتھ سے اس میں لٹکتا ہے۔ وہ کیا تھا جو پہلے تو بھاگتا تھا۔ اور اب وہ کیا ہو گیا ہے۔ جو اِس سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ ہاں وہ اسی واسطے بھاگتا تھا کہ آج اسے لٹکنا نہ پڑے ؎

توسنی کردم ندانستم ہمے　　　　کز طپیدن سخت تر گردد کمند

اس روز وہ مٹی تھی جو دوڑتی تھی۔ آج وہ مٹی دل بن گئی ہے۔ اِس لئے وہ تعلق پیدا کرنا چاہتی ہے۔ اگر اس روز ایک دِل سے دوست نہ رکھتا۔ تو آج ہزار دل سے دوست نہ رکھنا پڑتا ؎

ایں طرفہ نگر کہ خود ندارم یک دل　　　　وانگہ بہزار دِل ترا دارم دوست

اسی طرح چالیس ہزار سال تک آدم کا قالب مکہ اور طائف کے درمیان پڑا رہا۔ اور ہر لحظہ اس میں غیبی خزانوں کے موتی اور آبدار گوہر رکھتے رہے۔ یہاں تک کہ غیبی خزانوں کی تمام نفیس چیزیں اس میں رکھی گئیں۔ جب دل کی باری آئی۔ تو دل کی مٹی بہشت سے لائی گئی۔ اور ابدی آب حیات سے اسے گوندھا گیا۔ اور تین سو ساٹھ نظر رحمت سے اس کی پرورش کی۔

یہ لطیفہ سن۔ کہ تین سو ساٹھ عدد کی خصوصیت کیوں ہے؟ اس واسطے کہ چالیس ہزار سال کا عرصہ تخمیر ہوتے ہوئے گذرا۔ اس عرصے میں تین سو ساٹھ ہزار اربعین ہوتی ہیں۔ ہزار ہزار اربعین کے بعد وہ ایک نظر رحمت کا مستحق ہوتا رہا۔ اور اس پر نظر رحمت کی گئی۔ چونکہ تین سو ساٹھ ہزار اربعین کا عرصہ گذرا۔ اس لئے وہ تین سو ساٹھ نظر عنایت کا مستحق ہوا ؎

یک نظر از تست صد ہزار سعادت　　　منتظرم تا کہ وقت آں نظر آید

جب دل کا کام اس کمالیت کو پہنچ گیا۔ تو ایک موتی کی بابت جو غیب کے خزانے میں تھا۔ اور جو ملکوتی خزانچیوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ اور جس کی خزانہ داری خود اللہ تعالٰی نے کی تھی۔ فرمایا کہ اس کے لائق آدم کے دل کے سوا اور کوئی خزانہ نہیں۔ وہ موتی محبت کا موتی تھا۔ جسے معرفت کی امانت کی سیپی میں رکھا ہوا تھا۔ اور تمام ملک اور ملکوت کو دکھلایا گیا۔ لیکن کوئی بھی اس کا خزانچی بننے کا مستحق نہ ٹھہرا۔ اس کا خزانچی ہونا آدم کے دل کے لئے مناسب تھا۔ کیونکہ اس نے نظر رحمت الٰہی سے پرورش پائی تھی۔ اور آدم کی جان اس کی خزانہ داری کے لائق تھی۔ کیونکہ اس نے کئی ہزار سال جلال احدیت کی صفات کے نور کے پرتو سے پرورش پائی تھی ؎

با آں نگار عشق من از روز افتاد　　　آدم میانِ مکہ و طائف فتادہ بود

تعجب تو یہ ہے۔ کہ بے علت عنایت سے ہزار ہا لطف و عنایات آدم کے دل اور جان پر ہو رہی تھیں۔ لیکن مقرب فرشتوں میں سے کسی کو خبر تک نہ تھی۔ اور نہ ہی وہ اسے پہچانتے تک تھے۔ ایک ایک کر کے آدمؑ کے پاس آتے اور دیکھ کر کہتے کہ یہ بڑا عجیب نقش بنایا جا رہا ہے۔ یہ کونسی عجیب چیز ہے جو پردہ غیب سے ظہور میں لا رہے ہیں۔ آدم بدل میں ہی کہتا۔ کہ اگرچہ تم تو مجھے نہیں پہچانتے۔ لیکن میں تمہیں پہچانتا ہوں۔ ذرا صبر کرو۔ مجھے اسے خواب خوش سے جاگنے دو۔ پھر میں ایک ایک کا نام تمہیں بتلا دونگا۔ کیونکہ جو جواہرات

مجھ میں رکھے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک تمام اسماء کا علم بھی ہے " وعلم آدم الاسماء کلھا "
آدم کو ان سب کے نام سکھلائے گئے ۔ فرشتے بہتیری دیکھ بھال و جانچ پڑتال کرتے۔ لیکن انہیں کچھ بھی
میں نہ آتا۔ کہ یہ کس قسم کا مجموعہ ہے۔ ایک مرتبہ مکار شیطان آدم کے گرد پھیر رہا تھا۔ اور کن انکھیوں
سے غور کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ کہ اس نے آدم کے منہ کو کھلا ہوا پایا۔ یہ دیکھ کر فرشتوں کو کہنے لگا۔
کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔ میں ابھی اس مشکل کو حل کئے دیتا ہوں ۔ میں اس سوراخ کی راہ اندر جا کر دیکھتا ہوں
کہ یہ ہے کیا چیز۔ جب اندر جا کر دیکھ بھال کی۔ تو آدم کے وجود میں وہ تمام چیزیں دیکھیں۔ جو عالم
بزرگ میں پائی جاتی ہیں۔ اسے آدم کا سر آسمان کی طرح معلوم ہوا۔ آسمان کے ساتوں پردوں کی بجائے
یہاں سات قویٰ بشری مثلاً متخیلہ۔ متوہمہ۔ متفکرہ۔ حافظہ۔ ذاکرہ۔ مدبرہ اور حس مشترک دیکھیں
جیسے آسمان میں فرشتے ہیں۔ اسی طرح آدم کے وجود میں دیکھنے۔ سونگھنے۔ سننے۔ چھونے
اور چکھنے کی طاقت پائی۔ اور سارے بدن کو زمین کی طرح پایا۔ اور جس طرح زمین میں درخت
گھاس ندیاں۔ اور پہاڑ ہوتے ہیں۔ اسی طرح آدم کے بدن میں بعض بال بڑے بمنزلہ
درخت کے۔ اور بعض چھوٹے بمنزلہ گھاس کے۔ اور رگیں بمنزلہ ندیوں اور ہڈیاں بمنزلہ پہاڑوں
کے دیکھیں۔ عالم کبریٰ میں چار فصلیں ہوتی ہیں گرمی۔ سردی۔ بہار۔ برسات۔ اسی طرح آدم
میں بھی چار طبع حرارت۔ برودت۔ رطوبت اور یبوست چار چیزوں صفرا۔ سودا۔ بلغم اور
خون میں ملی ہوئی پائیں۔ اور جس طرح عالم کبریٰ میں چار ہوائیں باد بہاری۔ باد تابستانی۔
باد خزانی۔ باد زمستانی ہوتی ہیں۔ تاکہ باد بہاری سے درختوں میں پھل لگیں۔ اور پتے نکلیں
اور سبزیاں پیدا ہوں۔ اور گرمی کی ہوا انہیں پکائے۔ اور موسم خزاں کی ہوا۔ انہیں سکھائے۔
اور جاڑے کی ہوا انہیں گرا دے۔ اسی طرح آدم کے وجود میں جو کہ عالم صغریٰ ہے
چار ہوائیں یعنے جاذبہ۔ ہاضمہ۔ ماسکہ۔ اور دافعہ تھیں۔ تاکہ قوت جاذبہ حلق میں طعام گذار کر
ہاضمہ کے سپرد کرے۔ اور وہ غذا کو پکا کر ماسکہ کے سپرد کرے تاکہ اس میں سے مفید مفید لے
لے۔ اور باقی فضلہ قوت دافعہ کے حوالے کرے اور قوت دافعہ باہر پھینک دے۔ اور جس طرح
ان چار ہواؤں میں سے اگر ایک عالم کبریٰ میں نہ ہو تو جہان خراب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح
اگر عالم صغریٰ میں ان چار ہواؤں میں سے ایک نہ ہو۔ تو انسانی قالب کا قوام ٹھیک نہیں
رہ سکتا۔ اور جس طرح عالم کبریٰ میں چار قسم کا پانی آب شور۔ آب تلخ۔ آب منتن اور آب خوش
ہوتا ہے۔ اسی طرح انسانی وجود میں بھی چار قسم کا پانی ہوتا ہے۔ اور قدرت کاملہ سے

ایک خاص مقام پر ہر ایک کو رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ آبِ شور آنکھ میں رکھا ہوا ہے۔ کیونکہ آنکھ میں جو پیہ ہے وہ آبِ شور ہی سے قائم رہ سکتا ہے۔ اور پیہ سے آنکھ کی حفاظت ہوتی ہے۔ اور آنکھ سے سفیدی کی حفاظت ہوتی ہے۔ اور سفیدی سیاہی کی حفاظت کے لئے ہے۔ اور سیاہی آنکھ کی پتلی کی حفاظت کرتی ہے۔ اور آنکھ کی پتلی کو نظر کا مقام ٹھیرایا۔ اور نظر کو دیکھنے کا سبب ٹھیرایا۔ اور چونکہ دیکھنا قوت باصرہ کے نور پر منحصر تھا۔ اسلئے آنکھ کے نو مختلف طبقے پیہ کے بنائے۔ تاکہ یہ چربی قوتِ باصرہ کو مدد دے سکے۔ جیسا کہ شمع کی روشنی کو موم کی مدد پہنچتی ہے اور کڑوے پانی کو کان میں رکھا۔ تاکہ کیڑے کوڑے کان کے اندر نہ جا سکیں۔ اور آبِ منتن کو ناک میں رکھا۔ تاکہ جو دماغی فضلہ ہو۔ وہ ناک کی راہ بہ جائے۔ اور آبِ خوش کو منہ میں رکھا۔ تاکہ منہ خوشبودار رہے۔ اور زبان باتیں کر سکے۔ اور طعام کے لئے بیچنے کا کام دے۔ اور حلق تک پہنچائے۔ ہر ایک بات میں بیشمار حکمتیں ہیں۔ اگر سب شمار کی جائیں۔ تو کتاب کے طویل ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ مختصر یہ کہ جب شیطان نے اچھی طرح دیکھ بھال کر لی۔ تو سب باتوں کو یاد رکھا۔ لیکن جب دل کے قریب پہنچا۔ تو اسے ایک محل کی طرح پایا۔ جس کے سامنے سینے کا میدان بنایا ہوا ہے بہتیری کوشش کی۔ لیکن دل کے اندر جانے کی راہ نہ ملی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ شیطان دل کے اندر نہیں جا سکتا۔ یہ دیکھ کر شیطان کہنے لگا۔ کہ پہلے جو کچھ میں نے دیکھا ہے۔ وہ تو سہل کام تھا۔ اب مشکل یہاں آن پڑی ہے۔ اگر مجھے انسان سے کسی قسم کی تکلیف پہنچی بھی تو یہیں سے پہنچیگی۔ اگر اللہ تعالٰے کو آدم سے کچھ سروکار ہے۔ تو فقط اسی مقام (دل) سے ہے۔ اور اگر کچھ رکھنا ہے تو بھی اسی میں رکھیگا۔ شیطان لاکھوں دلیلیں سوچتا ہوا ناامید ہو کر واپس آیا۔ چونکہ شیطان کو دل کے اندر جانے کی راہ نہ دی گئی۔ اور اسے دور ہی رکھا گیا اس لئے تمام جہان کا مردود بن گیا۔ اس واسطے مشائخ طریقت نے فرمایا ہے۔ کہ جس شخص کو ایک دل رد کر دے۔ وہ تمام دلوں کا مردود ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ دل واقعی دل ہو۔ کیونکہ بہت سے لوگ نفس اور دل میں تمیز نہیں کر سکتے ؎

آں بود دل کہ وقتِ پیچا پیچ — جز خدا اندرو نباشد ہیچ

جب شیطان شرمندہ ہو کر اور خسارہ اٹھا کر باہر آیا۔ تو فرشتوں کو کہنے لگا۔ کہ یہ شخص اندر سے کھوکھلا ہے۔ اس کو غذا کی ضرورت پڑے گی۔ دوسرے حیوانوں

کی طرح صاحب شہوت ہوگا۔ اسی لئے آسانی سے اس پر قبضہ کیا جا سکیگا۔ لیکن اس کی صدر گاہ میں ایک محل ہے۔ جس کا کوئی دروازہ نہیں۔ اُسکے اندر جانے کی مجھے راہ نہیں ملی۔ اور نہ ہی مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ وہ ہے کیا چیز۔ فرشتوں نے کہا۔ کہ ابھی مشکل حل نہیں ہوئی۔ جو اصل بات تھی۔ وہ تو ہمیں معلوم ہی نہیں ہوئی۔ پھر بارگاہ الٰہی میں واپس آئے۔ اور عرض کی۔ کہ اے پروردگار! مشکلوں کو تو ہی حل کرتا ہے۔ اور گرہیں تو ہی کھولتا ہے۔ علم تو ہی بخشتا ہے۔ اور جہالت بھی تو ہی عنایت کرتا ہے۔ مُدّت سے تُو اس مٹھی بھر خاک پر اپنی کاریگری کر رہا ہے۔ اور اس سے تو نے ایک اور چھوٹا جہان بنا لیا ہے۔ اور اس میں بہت سے خزانے مخفی رکھے ہیں۔ لیکن ہمیں اس امر کی بالکل اطلاع ہی نہیں۔ اور نہ تو نے کسی کو اس سے واقف کیا۔ ازراہِ عنایت یہ تو فرمائیگا۔ کہ یہ بنیگا کیا؟ جناب الٰہی سے حکم ہوا۔ کہ "انی جاعل فی الارض خلیفہ" (میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں) لیکن ابھی وہ مکمل نہیں ہوا۔ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو۔ اور اسے نہیں پہچانتے۔ یہ ابھی صرف اس کا گھر منزل گاہ اور تخت گاہ ہے۔ جب میں سب ٹھیک ٹھاک کر لونگا۔ اور اسے تخت سلطنت خلافت پر بٹھاؤنگا۔ تو تم سب کو اسے سجدہ کرنا ہوگا۔ "فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین" (جب میں نے اسے ٹھیک بنا لیا۔ اور اس میں اپنی رُوح پھُونک دی۔ تو سب نے اسے سجدہ کیا) فرشتے آپس میں کہنے لگے۔ کہ اب تو مشکلات اور بھی زیادہ ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سے اسے سجدہ کرائیگا۔ اور اسے اپنا نائب بنائیگا۔ ہمیں تو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ کوئی اور شخص بھی اس کی نیابت اور خلافت کے لائق ہے یا یہ اس کے سوا کوئی اور مسجود ہونیکے لائق ہے۔ ہم تو یہی سمجھتے تھے۔ کہ پاک پروردگار بے یار۔ بے شریک۔ بے مثل بے مانند اور بے خویش و بے پیوند ہے۔ اچھا۔ اب پھر جا کر خوب غور سے اسکے گرد پھرتے ہیں اور اس گھر کو (آدم کو) دیکھتے ہیں۔ چنانچہ ایک ایک نے آدمؑ کے قالب کے گرد پھرنا شروع کیا۔ اور غور سے دیکھتے رہے۔ سب یہی کہتے تھے۔ کہ ہمیں تو سوائے پانی اور مٹی کے یہاں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اس سے خلافت کا جمال تو ظاہر نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اس میں مسجود ہونے کا استحقاق نظر آتا ہے۔ اسی خیال میں تھے۔ کہ غیب سے اشارہ ہوا۔ فرد

معشوقہ بچشم دیگراں نتواں دید ۔۔۔ جاناں مرا بچشم من باید دید

سب نے یہ کہا۔ کہ کچھ سمجھ میں تو آتا نہیں۔ لیکن شاید یہ استحقاق اسے صفات کی وجہ سے حاصل ہو اس لئے اس کی صفات کو دیکھنا چاہئے۔ جب انہوں نے صفات کی طرف غور کی۔ تو انہیں معلوم ہوا۔ کہ آدم کا قالب چار عنصروں۔ خاک۔ باد۔ آب اور آتش سے بنا ہوا ہے۔ جب چاروں عنصروں کی صفات کی طرف غور کی۔ تو خاک میں سکونت کی خاصیت اور ہوا میں حرکت کی خاصیت دیکھی۔ اور خاک کو ہوا کی ضد پایا۔ پانی کو سفلی اور آگ کو علوی پایا۔ اور یہ بھی ایک دوسرے کی ضد تھیں۔ پھر جب انہوں نے غور کی۔ تو خاک کی طبع خشک۔ اور ہوا کی تر۔ پانی کی سرد اور آگ کی گرم پائی۔ سب کی سب ایک دوسرے کی ضد دیکھیں۔ آپس میں کہنے لگے۔ کہ جہاں دو ضدیں جمع ہوں۔ وہاں ضرور فساد برپا ہوتا ہے " لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا " (اگر اس میں اور خدا بھی ہوتا۔ تو بڑا فساد برپا ہوتا) چونکہ عالم کبرے میں ضدین کے باعث فساد ہوتا ہے۔ اس لئے عالم صغرے میں بھی ضدین کے باعث فساد کا ہونا لازمی ہے۔ یہ سوچ کر پھر بارگاہ الٰہی میں لوٹ آئے۔ اور عرض کرنے لگے۔ کہ " اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفك الدماء ونحن نسبح بحمدك ونقدس لك " (کیا تو زمین میں ایسے شخص کو پیدا کرنیوالا ہے۔ جو خونریزیاں کریگا اور فساد برپا کریگا۔ حالانکہ ہم تیری تعریف بیان کرتے ہیں۔ اور تیری پاکیزگی کا ذکر کرتے ہیں) خلافت کا حق ہمارا ہے۔ اور ہم اس سے بہتر ہیں۔ ایک روایت میں یہ ہے۔ کہ ابھی وہ یہ بات ختم بھی نہ کرنے پائے تھے۔ کہ جلال و عظمت کے پردوں سے آگ نکلی اور ان میں سے بہتوں کو تو جلا کر خاک کر ڈالا ؎

چراغ را کہ ایزد برفروزد ہر آں کش تف کند ریشش بسوزد

پہلا شخص جسے ملامت کیگئی۔ وہ آدمؑ تھا۔ اور اول ہی اول جس نے ملامت کی وہ فرشتے تھے۔ اگر سچ پوچھو تو پہلے پہل اللہ تعالیٰ پر ہی انہوں نے اعتراض کیا۔ کہ " اتجعل فیھا من یفسد فیھا " اس سے ظاہر ہے۔ کہ عشق بازی کی بنا ملامت پر رکھی گئی ہے ؎

عشق آں خوشتر کہ بملامت باشد آں زہد بود کہ باسلامت باشد

زبانِ حال سے آدم کی جان نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی۔ کہ ہم نے امانت کا بوجھ ملامت کی رسی میں باندھ کر پیٹھ پر اٹھا لیا ہے۔ اور سلامتی بیچ کر ملامت خرید لی ہے۔ ایسی باتوں کا ہمیں کوئی ڈر نہیں ؎

بل تا بدارند پوستینم ہمہ پاک　　از بہر نوائے یار عیار چالاک
در عشق یگانہ باش از خلق چہ باک　　معشوق ترا او بہ سر عالم خاک

کیا آدم کے لئے یہ شرف کافی نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمینوں اور اُن کی ساری چیزوں کو چھ دن رات میں بنایا۔ " خلق السموات والارض فی ستۃ ایام " (آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں بنایا) اور 'بیدی' کا شرف نہ عنایت کیا۔ حالانکہ وہ عالم کبرائے تھا۔ لیکن یہاں آدم کو جو عالم صغریٰ ہے۔ چالیس روز میں خود اپنے دست قدرت سے بنایا۔ یہ صرف اس واسطے ہے۔ تاکہ بے خبروں اور طعن کنندوں کو یہ واضح ہو جائے۔ کہ آدمی کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ اختصاص حاصل ہے۔ جو موجودات میں سے کسی اور کو نہیں۔ دوسرے یہ کہ آدمؑ کی پیدائش میں " بیدی " کی خصوصیت میں ایک خاص بھید ہے۔ کہ تمام موجودات پیدائش میں اس بھید کے تابع ہیں۔ یہ سارا شرف ابھی قالب کو حاصل ہے جو عالم صغریٰ ہے۔ اور روح کو جو " ونفخت فیہ من روحی " (اور اس میں میں نے اپنی روح پھونکدی) کا اختصاص حاصل ہے۔ اس کے مقابلے میں دنیا اور آخرت اور جو کچھ اس میں ہے سب عالم صغرا ہے۔ یہاں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ رُوح کو کسی قسم کا شرف حاصل ہوا ہوگا۔ کیونکہ وہ قرب حق میں کئی ہزار سال رہ چکا ہے۔ اور پھر جب روح کا تعلق قالب سے پیدا کیا ہوگا۔ تو کیا کیا سعادتیں اس پر نثار کی ہونگی۔ اس شخص کی حالت قابل رحم ہے۔ جو اپنے کمال سے محروم ہے۔ اور چشم حقارت سے اپنے آپ میں دیکھتا ہے۔ اور انسانیت کے مرتبہ کی استعداد جو موجودات میں سب سے اشرف ہے۔ حیوانی خواہشات کے حاصل کرنے میں جو کہ موجودات میں سب سے ادنے درجے کی ہیں۔ صرف کرتا ہے۔ اور اپنی قدر نہیں جانتا۔ رُباعی

ترا از دو گیتی بر آوردہ اند　　بچندیں میانجی بپروردہ اند
نخستیں فطرت پسیں می شمار　　توئی خویشتن را ببازی مدار

فصل - ۵

{رُوح کا انسانی قالب سے تعلق پیدا ہونے کے آغاز میں}

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا ہے۔" فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین"
جب میں نے اسے بالکل ٹھیک ٹھاک کر لیا۔ اور اس میں اپنی روح پھونکدی تو انہوں نے (فرشتوں نے) م

اسے سجدہ کیا) - اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں " ان خلق احدکم یجمع فی بطن امہ اربعین یوماً نطفۃً ثم یکون علقۃ مثل ذالک ثم یکون مضغۃ مثل ذالک ثم یبعث اللہ الیہ ملکان باربع کلمات قال یقول کتب رزقہ وعملہ واجلہ وشقیا ام سعیداً ینفخ فیہ الروح وان احدکم لیعمل بعمل اھل النار فیدخلھا وان احدکم لیعمل بعمل اھل النار حتی ما بینہ وبینھما الا ذراع فختم لہ بعمل اھل الجنۃ فیدخلھا " حدیث متفق علی صحتہ، (ترجمہ) اللہ تعالیٰ جب تم میں سے کسی کو پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تو اسے اسکی ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک بحالت نطفہ رکھتا ہے۔ پھر وہ نطفہ علقہ کی صورت اختیار کرتا ہے پھر گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اُس کی طرف دو فرشتے مع چار کلمات کے بھیجتا ہے یعنی اس میں رزق۔ عمل۔ موت اور بدبخت یا نیک بخت ہونا مندرج ہوتا ہے۔ پھر اس میں رُوح پھُونکتا ہے۔ اور پھر اگر تم میں سے کوئی بہشتیوں کا سا کام کرے یہاں تک کہ اسکے اور بہشت کے مابین چند گزوں کا فاصلہ ہے۔ پھر وہ اس میں داخل کیا جاتا ہے ؀

واضح ہے۔ کہ جب انسانی قالب بالکل تیار ہو گیا۔ تو اس عرصے میں اللہ تعالیٰ نے آدم کی مٹی کو خمیر کرتے وقت کسی کو دخل نہ دینے دیا۔ اور بذاتِ خود مشغول ہو رہا۔ اسی طرح اس میں روح پھُونکتے وقت بھی کسی کو وسیلہ نہ بنایا۔ بلکہ یہ کام بھی خود ہی کیا۔ یہاں پر ایک نہایت لطیف اشارہ اور شریف بشارت ہے۔ کہ رُوح کا بدرقہ خاص اپنی پھُونک کو بنایا ہے۔ اِس میں یہ حکمت تھی۔ کہ چونکہ اسے عالم ارواح کے اعلےٰ مرتبے سے ادنےٰ درجوں میں بھیجتے ہیں۔ مسافت دُور کی ہے۔ اور دوست و دُشمن راہ میں بھرے پڑے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ دوست و دشمن سے مشغول ہو جائے۔ اور مجھے بھُول جائے۔ اور محبت کے ذوق سے جو اس نے ہماری بارگاہ سے حاصل کیا ہے محروم رہجائے۔ کیونکہ رستے میں لٹیرے بہت ہیں۔ مصرعہ ؏ دشمنان حسود و زدوستان غیور

جب ہماری پھونک کا اثر اُس کے ہمراہ ہو گا۔ تو اس سکے جان کے حلق سے ہماری اُنس کا ذوق کسی کو نہ لینے دیگا۔ اور نہ ہی کسی مقام میں کسی دوست یا دشمن سے اسے تعلق پیدا کرنے دیگا۔ دوسرے یہ کہ رُوح کو ہم نے تین سو ساٹھ ہزار رُوحانی۔ جسمانی۔ ملکی اور ملکوتی عوالم

سے گذارا ہے۔ اور ہر عالم کے اس میں خزانے رکھے ہیں۔ اب اسے خلیفہ بنا کر عالم اجسام میں بھیجتے ہیں۔ اس لئے سب خزانے وغیرہ اسکے ہمراہ کرتے ہیں۔ ان خزانوں وغیرہ کی کسی کو اطلاع نہیں دی۔ کہ "ما اشہدتہم خلق السموات والارض" (آسمان اور زمین کی مخلوق میں سے کسی کو اطلاع نہیں دی) سب کی سب میں نے خود رکھی ہیں۔ میں ہی جانتا ہوں۔ کہ کیا کچھ رکھا ہے۔ اور کہاں رکھا ہے۔ اور میں ہی جانتا ہوں۔ کہ ان خزانوں کو کس طرح لے سکتے ہیں۔ ہر ایک مقام میں روح کا رہنما میں ہی ہوں۔ اب جو کچھ خزانہ وغیرہ کی اسے اس جہان میں ضرورت ہوگی یا واپس آتے ہوئے اسے درکار ہونگے سب اس میں رکھ دیئے گئے ہیں۔ اور وہ طلسمات جو غیروں کی نظر کے لئے اس راہ میں بنائے گئے ہیں۔ تاکہ ہر ایک مدعی اس لاف وگذاف سے اس بارگاہ میں نہ پہنچ سکے میں نے اسے دکھلا دیئے ہیں۔ اور ان طلسموں کا کھولنا اور بند کرنا سب کچھ بتلا دیا ہے۔ تاکہ آتی دفعہ راہ اس کے لئے آسان ہو جائے۔ اور رستے کے تمام نیک وبد سے اسے اطلاع دیئے دیتا ہوں۔ اور نیز یہ کہ میں اسے خلیفہ بنا کر بھیجتا ہوں۔ اور ولایت بخشتا ہوں۔ اور مدت سے جہان میں مشہور ہے۔ کہ "انی جاعل فی الارض خلیفہ" (میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں) اور سب دوست دشمن۔ آشنا اور بیگانے۔ سبھی اس کی تشریف آوری کے منتظر ہیں۔ اس لئے اسے بڑی عزت کے ساتھ بھیجنا چاہیئے۔ اپنی بارگاہ کے مقربوں کو میں نے حکم دیا ہے۔ کہ جب وہ خلافت کے تخت پر بیٹھے۔ تو سب کے سب اس کے تخت کے سامنے سجدہ کرو۔ یہ اس لئے ہے۔ کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ہم نے آدم کی کس قدر عزت اور قدر ومنزلت کی ہے۔ اور یہ دیکھ کر نیک کام کرنے کی ان میں رغبت پیدا ہو۔ پس روح پاک کو اس نے ہزار سال حضرت قدس کے خلوت خانہ میں گذرنے اور بے واسطگی کے مقام میں منظور نظر عنایت ہونے اور اپنے خداوند اور مغلوب کی نیابت کی رسومات۔ شرائط اور خلافت کے آداب سیکھنے کے بعد (کیونکہ جب تک ظاہری بادشاہ کا خلیفہ یا نائب بادشاہ کے حضور میں جانداری کی رسوم کی تربیت حاصل نہ کر لے اور اس کے احوال اور افعال کی اچھی طرح نگہبانی نہ کر لے اسے خلافت اور سیاست کی لیاقت حاصل نہیں ہوتی) "ونفخت فیہ" کے خاص گھوڑے پر سوار کیا۔ رباعی

ہم عقل دویدہ در رکابش ہم عشق خزیدہ در پناہش
مہ طاسکِ گردنِ سمندش شب طرۂ پرچم سپاہش

اور "من روحی" کا نگاؤ دیکر اسے تمام فرشتوں اور روحانی اور جسمانی ممالک سے گذارا۔ اور ہرایک منزل اور مقام پر جو اس مقام کے خزانوں اور دفینوں کا خلاصہ تھا۔ اس کی سواری کے ہمراہ روانہ کیا۔ اور اسے انسانیت کی سلطنت میں خلافت کے تخت پر بٹھایا۔ اسی وقت تمام کروبیوں اور روحانیوں نے اس کے قالب کے تخت کے سامنے سجدہ کیا "فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون" (تمام فرشتوں نے سجدہ کیا) جبرائیلؑ اس درگاہ میں دربان بنا۔ میکائیلؑ خزانچی اور تمام فرشتوں اور آسمانوں کے سپرد خاص خاص کام کئے گئے جب سیاست کے قاعدہ کو تمہید دینی چاہی۔ تو ایک کو سولی چڑھایا۔ تاکہ ملک اور ملکوت میں کوئی اور اس خلافت کی مخالفت کا دم نہ مارے۔ وہ مغرور سیہ پوش جو ایک مرتبہ بےاجازت چوری چوری آدمؑ کے قالب میں گیا تھا۔ اور اس کی خلافت کی سلطنت کو چشم حقارت سے دیکھا تھا۔ اور چاہا تھا۔ کہ اس کے دل کے خزانہ کو نقب لگائے۔ لیکن اس سے نہ ہو سکا۔ اسے چوری کی تہمت دیکر پکڑ لیا۔ اور بدبختی کی رسی سے اس کی مشکیں کس کر باندھیں اور سجدہ کے وقت جب سارے فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اس سے نہ ہو سکا۔ کیونکہ اسی روز اسے بدبختی کی رسی سے باندھا ہوا تھا۔ اس واسطے کہ وہ بغیر اجازت کارخانہ غیب میں گیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق یہ ہے۔ کہ قیامت کے روز جب خلقت میدان میں حاضر کی جائیگی "یوم یکشف عن ساق ویدعون الی السجود" (جس دن پردہ اُٹھایا جائیگا۔ اور لوگ سجدے کے لئے بلائے جائینگے) تو اللہ تعالیٰ کا ایک نور چمکیگا۔ جسے ساری مخلوق سجدہ کرنا چاہیگی۔ لیکن وہی سجدہ کرسکیگا۔ جس نے دنیا میں کیا ہوگا۔ اور جس نے دُنیا میں دنیاوی خواہشات اور بتوں کو سجدہ کیا ہے۔ وہ نہیں کرسکیگا۔ اس واسطے کہ ان کے سر بدبختی کی رسی سے باندھے گئے ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کے برخلاف عمل کیا کرتے تھے۔ اور سجدہ نہیں کیا کرتے تھے۔ اس رسی کو ہم ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ جس کی باطنی آنکھ کھلی ہو۔ وہی اسے دیکھ سکتا ہے۔ اسی لئے وہ توبہ اور استغفار کی قینچی سے اس رسی کے بند کاٹتا ہے۔ اگر دُنیا میں اس کی فکر نہ کرے۔ تو قیامت کو انہیں زنجیروں اور طوقوں میں گرفتار عرصات کے بازار میں لایا

جائیگا۔ جیساکہ " اذ الاغلال فی اعناقہم والسلاسل" (اب انکی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہیں) سے ظاہر ہے۔ پس مکار ابلیس کا سر جس نے تمام فرشتوں سے گستاخی کی باندھا گیا۔ اور یہی کارخانہ غیب میں بلا اجازت گیا۔ اور اس حکم کی خلاف ورزی کی۔ کہ لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یوذن لکم" (نبیؐ کے گھروں میں نہ داخل ہوتا وقتیکہ تمہیں اجازت نہ ملجائے) اسی واسطے قہر کی رسی سے اس کا سر باندھا گیا۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ وہ انسان کو سجدہ نہ کرسکا۔ جیساکہ " الا ابلیس ابیٰ واستکبر" (مگر شیطان نے جس نے انکار کیا۔ اور اپنے تئیں بڑا جانا) سے ظاہر ہے۔ اور لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اس نے سجدے کے وقت انکار کیا۔ اور اپنے تئیں بڑا خیال کیا۔ واقعی ظاہر اطور پر تو یہ بات سجود کے وقت ظہور میں آئی۔ جو درخت کے پھل کی طرح ہے۔ لیکن اس انکار اور استکبار کی حقیقت جو بمنزلہ بیج کے ہے۔ وہ اسی روز شیطان کی بدبختی کی زمین میں بوئی گئی۔ جس روز اس نے ادب سے انکار کیا۔ اور بے اجازت خانۂ غیب میں گیا۔ اور جب باہر نکلا۔ تو اپنے تئیں بڑا خیال کیا۔ اور کہا " خلق اجوفا لا یتمالك" (اندر سے کھوکھلی شے بنائی ہے۔ اس کی تو کچھ حقیقت ہی نہیں ہے۔ بزرگی کی آنکھ سے اپنے تئیں دیکھا۔ اور یہ بسبب تکبر کے حقارت کی نگاہ سے خلیفۂ حق کو دیکھا۔ اسی واسطے وہ بیج بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ سجدہ کے وقت اسی استکبار کا پھل نمودار ہوا۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ بدبختی کی رسی سے لعنت کی سولی پر لٹکا یا گیا۔ " وان علیك لعنتی الی یوم الدین" (بے شک قیامت کے دن تک تجھ پر میری لعنت رہیگی)۔ اور ابد تک اسے سولی سے نہیں اُتارا جائیگا۔ تاکہ بعد ازاں تمام فرشتوں میں سے کسی کو اس بات کی جرأت نہ ہو۔ کہ خلیفۂ حق کی بے حرمتی کرے۔ اور جو اس لعین کی متابعت کریگا۔ وہ بھی اسی زنجیر میں جکڑا ہوا دوزخ میں بھیجا جائیگا۔ " لاملئن جھنم منك وممن تبعك منھم اجمعین"۔ (البتہ میں دوزخ کو تجھ سے اور تیرے تمام تابعین سے پُر کرونگا)۔

کہتے ہیں۔ کہ جس وقت رُوح آدمؑ کے قالب کے پاس آئی۔ اور بدن کے تمام مسامات کو پھر کر دیکھا۔ تو اسے وحشت ناک تاریک گھر پایا۔ کہ جس کی بنیاد چار متضاد چیزوں (آگ۔ پانی۔ ہوا اور مٹی) پر رکھی گئی ہے۔ روح کو یہ بات معلوم ہوگئی۔ کہ یہ باقی نہیں رہیگا۔ اس لئے اس پر کچھ دل نہ لگایا۔ اور جب اور بھی غور سے دیکھا۔ تو اس میں حشرات الارض۔ سانپ۔ بچھو اور طرح طرح کے درندوں۔ چوپاؤں اور کتوں وغیرہ کے ہزارہا اقسام آپس میں گتھم گتھا

دیکھے۔ اور دیکھا۔ کہ اس پر حملہ کیا چاہتے ہیں۔ اور ہر طرف سے ایک ایک زخم لگا دیتے ہیں۔ اور تکلیف دیتے ہیں۔ نفس امارہ کو دیکھا۔ کہ سات سر والے ایک اژدہا کی طرح مُنہ کھولے اسے نگلنے کو دوڑتا ہے۔ اسکے سات سر حسب ذیل تھے۔ حرص۔ حسد۔ شہوت۔ غضب بخل۔ کینہ اور کبر۔ نازنین روح جس نے کئی ہزار سال رب العالمین کے قرب میں ہزارہا ناز سے پرورش پائی تھی۔ ان وحشتوں سے بہت ہی گھبرا گئی۔ اور اللہ تعالیٰ کے انس کی قدر و منزلت جو اسے اس وقت تک معلوم نہ تھی۔ اب معلوم ہوگئی۔ اور نعمت وصال میں ہمیشہ مستغرق رہنے کے باوجود اس کا ذوق اسے معلوم نہ ہوتا تھا۔ اب معلوم ہوا۔ اور مفارقت کی آگ اس کی جان میں بھڑک اٹھی۔ اور جدائی کا درد اس کے سر پہ غالب ہوا۔ رُباعی

امروز غم غریبی و فرقتِ یار ... دمے با ہمۂ عشق و خوش روئے نگار
جاں بر سرِ امروز نہم و لے دربازآ ... اے گردش ایام ترا ہر دو یکے است

فوراً اس وحشت سے اس کا سر پُر ہوگیا۔ اور چاہا۔ کہ جس راہ سے آئی تھی۔ اسی راہ واپس چلی جائے ؎

خود آمدن چہ بود کہ پائیم شکست باد ... ع۔ مم درست گشت کز ینجا کنم رحیل

واپس جانیکے لئے نفخہ کی سواری طلب کی۔ تاکہ اس پر سوار ہو کر جائے۔ کیونکہ وہ سوار ہو کر آئی تھی اور پیدل نہیں جا سکتی تھی۔ سواری نہ پا کر بڑی شکستہ دِل ہوئی۔ اسے کہا گیا۔ کہ ہمیں بھی شکستہ دِلی مطلوب ہے۔ اس سے اس پر قبض غالب آئی۔ اس نے ٹھنڈا سانس لیا۔ تو اسے کہا گیا۔ کہ ہم سے اسی سرد آہ کے لئے تجھے بھیجا تھا۔ اس آہ کا بخار اس کے دماغ کی چھت پر پہنچا۔ اور فوراً آدمؑ کو چھینک آئی۔ اور اس میں حرکت پیدا ہوگئی۔ اس کی آنکھیں کھُل گئیں۔ عالم صُورت کا فراخ کوچہ دیکھا۔ اور آفتاب کی روشنی کا مشاہدہ کیا۔ اور کہا۔ "الحمد للہ" بارگاہِ الٰہی سے خطاب ہوا "یرحمک اللہ" یعنی ہماری حمد و ثنا کرنا تیرے لئے ہماری رحمت کا موجب ہے۔ جب خطاب کا ذوق پایا۔ تو قدرے تسلی اور سکونت کی۔ لیکن پھر بھی جس وقت اللہ تعالیٰ نزدیکی اور محبت کا اسے خیال آتا اور عالم ارواح کی فضاء کی وسعت اور بے واسطہ رزق کی یاد کا خیال آتا۔ تو چاہتی کہ قالب کے پنجرے کو توڑ ڈالے اور آب و گِل کے لباس کو پھاڑ کر اپنے اصلی گھونسلے کو اُڑ جائے ؎

دانش بشکستنِ قفس مے نرسد ... از لبل محبوس کہ نامش جان است

جسطرح بچوں کو رنگین چیزوں گیندوں اور نقل اور میووں سے بہلاتے ہیں۔ اسی طرح آدم عؑ کو فرشتوں کی معلمی۔ ان کے سجدے۔ آسمانوں پر لیجانے منبر پر کھڑا کرنے۔ اور آسمانوں کے گرد پھرانے اور ان قصوں سے جو مشہور ہیں بہلایا۔ تاکہ جمال حضرت کے اشتیاق کی آگ کی چنگاری مدہم پڑجائے۔ اور کسی اور چیز سے دل لگی پیدا کرے۔ اور جدائی کی وحشت اس سے جاتی رہے وہ زبانِ حال سے کہتا تھا۔ رُباعی

ہرگز نشود اے بت برگزیدۂ من مہرت ز دل و خیالت از دیدۂ من

گر از پس مرگ من بجوئی یابی مہر تو در استخوانِ بوسیدۂ من

جنابِ الٰہی سے خطاب ہوا۔ کہ اے آدمؑ! تو بہشت میں جا کر سکونت اختیار کر۔ اور جو چاہتا ہے کھا پی۔ اور سو۔ اور جس سے چاہتا ہے انس پیدا کر۔ جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے "ادم اسکن انت وزوجك الجنة وكلا منها رغدًا حيث شئتما" (اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور جہاں اور جو چاہو حسب منشاء کھاتے رہو) اگرچہ بارگاہ الٰہی سے تو یہ حکم ہوتا۔ لیکن آدم علیہ السلام عرض کرتے۔ رُباعی

حاشا کہ دلم از تو جدا اندشد یا باکس دیگر آشنا اندشد

از مہر تو گسلد کرا دار دوست وز کوئے تو بگذر د کجا اندشد

چونکہ آدم علیہ السلام کی وحشت کسی طرح کم نہ ہوتی۔ اور نہ کسی سے محبت کرتے۔ اس لئے انہیں کی جان سے حوا پیدا کی گئیں۔ اور آدم علیہ السلام کی بغل میں بٹھایا۔ تاکہ اپنے ہمجنس کو دیکھ کر اس سے اُلفت پیدا کرلے۔ جیسا کہ "جعل منها زوجها ليسكن اليها" (اسی سے اس کی زوجہ بنائی تاکہ اس سے اُلفت کرے) جب آدم علیہ السلام نے حضرت حواؑ کے جمال کو دیکھا۔ تو جمالِ حق دکھائی دیا۔ کیونکہ "كل جميل من جمال الله" (ہر ایک جمیل جمالِ الٰہی سے ہوتا ہے) جب اس جمال کا ذوق پایا۔ تو کہا۔ رُباعی

اے گل تو برفتے دلربائی مائی وے مئے تو زیارِ من بجائے مائی

وے بخت ستیز کار سر دم با من بیگانہ تری باآشنائے مائی

اس حدیث کی بُو پر شاہد بازی کرنے لگے۔ چنانچہ سویا ہوا نفس جاگ اُٹھا۔ اور اس معاملے کا ذوق پھر پایا۔ شہوت کا ناگ جنبش کرنے لگا۔ اور اس صفت کا غلبہ ہوا۔ جو کہ حیوانی صفات میں کامل ہے۔ اور اس سے بڑے پردے حائل ہو جاتے ہیں۔ اس کا پردہ رُوح اور

بارگاہ الٰہی کے انس کے بیچ میں حائل ہوگیا۔ پھر عمدہ کھانے اور مزے سے سونے کے سبب باقی مادہ حیوانی صفات نے ہوائے نفس اور اقتضائے طبیعت کے موافق غلبہ کیا۔ اب حجاب اور بھی بڑھ گئے۔ اور اسی قدر بارگاہ الٰہی کی محبت کم ہوگئی۔ کیونکہ جس قدر حیوانی لذتوں اور خواہشوں سے انسانی نفس ذوق حاصل کرتا ہے۔ اور اس سے الفت کرتا ہے۔ اسی قدر الٰہی الفت اس کے دل سے دور ہو جاتی ہے۔ اور یہ بات ابتداء میں بڑی بھاری معلوم ہوتی ہے۔ اور اس سے کوئی ہی خلاصی پاتا ہے۔ ہاں وہ شخص نجات پاتا ہے۔ جو آدمیت سے عدمیت کو پہنچ جائے۔ پس آدم علیہ السلام کو بہشت۔ لذتوں اور شہوتوں سے اس قدر الفت ہوگئی۔ کہ جب ابتداء میں "ولا تقربا ھذہ الشجرۃ" (اس درخت کے پاس نہ جانا) کا حکم ہوا۔ تو شیطان نے کہا۔ کہ آدم علیہ السلام بہشتی درختوں۔ پھلوں۔ اور نہروں میں مشغول ہے۔ اس کو اسی کے وسیلے بہکانا چاہیئے۔ چنانچہ شیطان نے کہدیا "ھل ادلک علی شجرۃ الخلد وملک لا یبلی" (کیا میں تجھے ہمیشہ رہنے والا درخت اور نہ خراب ہونے والا ملک بتاؤں؟) اور شیطان کے بہکانے اور حرص کی زیادتی کی وجہ سے رحمانی فرمان کی نافرمانی کی۔ اسی وقت غیرت حق حملہ آور ہوئی۔ کہ اے آدم کیا تجھے نفسانی خواہشات اور حیوانات کی طرح چرنے چگنے کے لئے پیدا کیا تھا۔ "افحسبتم انما خلقناکم عبثاً وانکم الینا لا ترجعون" (کیا تم یہ خیال کرتے ہو۔ کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا۔ اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹنے والے نہیں؟) اب تو اس بات کا ڈر ہے۔ کہ ابھی تو تجھے آدھا دن بہشت میں رہنے دیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تو مجھے بھول گیا۔ اور ہمارے غیر میں مشغول ہوگیا۔ اور ہمارے غیر سے الفت پیدا کر لی۔ اور بے فرمانی کر کے ممنوعہ درخت کا پھل کھایا۔ اگر میں تجھے سارا دن رہنے دوں۔ تو شاید تو مجھے بالکل ہی بھول جائے۔ اور یگانگت بیگانگت سے مبدل ہو جائے۔ اور ہماری مہربانیوں کو بالکل ہی فراموش کر دے۔ رباعی

پائے کہ ہمیشہ در وفائے ما بود — کارش ہمہ جستن رضائے ما بود

بیگانہ چناں شد کہ نمیداند کس — کو در ہمہ عمر آشنائے ما بود

اے آدم! بہشت سے باہر ہو جا۔ اے حوا! تو اس سے جدا ہو جا۔ "اھبطوا منھا جمیعا" (تم سب اس سے نکل جاؤ) اے تاج! تو آدم کے سر سے الگ ہو جا۔ اے بہشتی لباس! تو آدم کے بدن سے اتر جا۔ اے حور! آدم پر دو رویہ ہو کر تالیاں

بجاؤ۔ کہ "عصیٰ ربہ فغوی" (اس نے خدا کی نافرمانی کی اور بہک گیا) یہ کس واسطے ہے کہ ہم ملامت کا پتھر سلامتی کے شیشے پر مارتے ہیں۔ اس واسطے کہ آدم کی خود پرستی کے روغن کو زمین پر عبودیت کی ذلت سے گرائیں۔ اور اس کی ہمت کی تلوار کو پتھر پر ماریں۔ رُباعی

این کوئے ملامت است و میدان ہلاک   وایں راہ مقامران بازندہ پاک
مردے باید قلندرے دامن چاک   تا برگزرد عیار وار و چالاک

جب آدم علیہ السلام کو دُنیا کی وحشت سرائے میں پھینکا گیا۔ اور یار و آشنا سے جدا کیا گیا۔ ؎

نے ہم نفسے نہ ہمدمے نے یارے   مشکل دردے طرفہ غمے توش کارے

اور اسی حالت میں چند روز تک سرگردان رہے۔ اور کوئی فریادرس نہ پایا۔ تو پھر پہلے درد کا ورد معلم غیب نے اُس کے پہلے عشق کی ابجد کی تختی پر لکھدیا۔ رُباعی

تختۂ عشق در نوشتم باز   در نویس اے نگار تختۂ ناز
تا بر استاد عاشقی خوانیم   روز کے چند با ناز و نیاز

دوبارہ گو دڑی پہنی۔ "ربنا ظلمنا انفسنا" (اے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا) کہنا شروع کیا۔ خطاب ہوا۔ کہ اے آدم! ؎

اے برا چوں فاروق آئی زمہ   معشوقہ روزنے نوا بیت منم

آدم علیہ السلام نے عرض کی۔ اے پروردگار! میرے لئے یہ سرگردانی ضروری تھی تاکہ میں تیری مہربانیوں کی قدر کرتا۔ اور تیرا خداوندی حق پہچانتا۔ میرے لئے یہ خواری اور بے عزتی مناسب تھی۔ تاکہ میں عزت اور کرامت کا درجہ پہچانتا۔ اور مجھے معلوم ہو جاتا۔ کہ ایک مٹھی خاک پر الطاف الٰہی کس قدر ہوئے ہیں۔ اور کس ادنیٰ درجے سے اعلیٰ مرتبے پر پہنچایا ہے۔ اور "خلقتك فرد الفرد" (تجھے فرد الفرد بنایا) کی شرافت عنایت فرمائی ہے۔ اور عزت سے دوسرے سے لگاؤ دور کرنے کو فرمایا۔ کہ "کن لی اکن لك" (تو میرا ہو جا میں تیرا ہو جاؤں گا) پس میں عاجزوں کی طرح تیری بخشش کے دروازے پر واپس آپڑا ہوں۔ اگرچہ غلام کی زبان گونگی ہے۔ رباعی

روزے دوسہ گر بے توشکیب آوردم   صد عذر لطیف و لفریب آوردم

جانا ز غمت سر بہ نشیب آوردم در یاب کہ پائے در رکیب آوردم

ایک روایت کے مطابق آدم علیہ السلام کو اسی تضرع اور زاری میں چار سو سال تک سرگشتہ اور حیران وغمناک رکھا گیا۔ اور غیرت ربوبیت بہ سبب عظمت وکبریا راس غمناک جان اور دردمند دل کو اس طرح مخاطب کرتے۔ کہ میں نے تجھے ذلیل مٹی کی ایک مٹھی سے پیدا کیا۔ اور عزت میں فرشتوں سے بڑھا دیا۔ اور ایسا بنا لیا۔ کہ سب نے تجھے سجدہ کیا۔ اور سب نے تجھ پر حسد کیا۔ اور خود جائے اعتراض بنا۔ کہ "اتجعل فیھا الخ" (کیا تو اس میں وہ بناتا ہے ....الخ) اور تیری دوستی کے سبب عزازیل کو دشمن بنا لیا۔ اور تیری خلافت کے تخت کے آگے اسے لعنت کی سولی پر چڑھایا گیا۔ اور تجھے ایک سجدہ نہ کرنے سے اس کے ہزارہا سال کی عبادت کو رد کر دیا۔ اور "فاخرج منھا" کی چوٹ سے اپنے گرد ونواح سے نکال دیا۔ تو ان نعمتوں کا شکر بجا نہیں لاتا۔ اور میرا حق نہیں پہچانتا۔ اور اپنی قدر نہیں جانتا۔ تو دوست کو دشمن بناتا ہے۔ اور دشمن کو دوست خیال کرتا ہے۔ اور اپنی مراد کو دوست و دشمن کی زبان میں ڈالتا ہے۔ اب ضرور ہے۔ کہ جب ہماری قہاری کی تیزی نے بمقتضائے "لئن کفرتم ان عذابی لشدید" (اگر تم نے ناشکر گذاری کی۔ تو بیشک میرا عذاب سخت ہے) لوٹ مار مچائی۔ تو چاہیئے۔ کہ پہلے حملے میں صبر سے کام لے اور رنجیدہ او ناراض نہ ہو۔ کیونکہ "الصبر عند الصدمۃ الاولیٰ" (صدمے کے وقت صبر کرنا بہتر ہے)۔ رباعی

روزے کہ زمانہ در نہیبت باشد بایدکہ دراں روز شکیبت باشد
نے پائے ہمیشہ در رکیبت باشد بد تیز چونیک در حسیبت باشد

آدم علیہ السلام اس روز پشیمان ہوئے۔ اور عاجزی کا جھنڈا بلند کر کے نیاز کے قلم سے تقصیر کے صحیفہ پر عذر کی تصویر بنانی شروع کی۔ اور جلے دل اور روتی ہوئی آنکھوں سے آپ کی زبان حال یہ کہتی تھی ؎

دنہ واگیری ابروسام اوسر آنند مویم کہ گیرہ لام اوسر
ارم خوانی ورم رانی پذیرم میاں آنہمہ کار اینم اوسر

اے پروردگار! ہم نے ٹھیک ٹھیک دیکھ لیا ہے۔ کہ ہم سب عاجز ہیں۔ تو ہی قادر ہے ہم سب فانی ہیں صرف تو ہی باقی ہے۔ ہم سب عاجز ہیں۔ تو ہی فریاد کو سننے والا ہے۔

ہم سب بکس ہیں۔ تو ہمہ کس ہے۔ جس کو تُو نے اُٹھایا۔ اسے نہ گرا۔ اور جسے تُو نے بنایا۔ اسے نہ توڑ۔ جس کو تو نے اپنا عزیز بنایا۔ اسے تُو بے عزت نہ کر۔ اپنے خوشی میں پالے ہوئے کو غمگین نہ کر۔ چونکہ تُو نے اسے بنایا۔ تُو ہی اسے قائم رکھ۔ ہمیں ہم کو سونپ۔ اور ہماری بے وقوفی کو معاف کر۔ کیونکہ یہ بیج تو نے ہی بویا ہے۔ اور یہ مٹی تو ہی سے نے ساقی ہے ؎

اگر باغ خار است خود کشتۂ ۔۔۔ وگر پرنیاں است خود رستۂ

جب آدم علیہ السلام کی آہ وزاری حد سے گذر گئی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔ تو "فتلقی ادم من ربہ کلمات فتاب علیہ" (پھر آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کئی ایک باتیں سیکھ لیں۔ اور توبہ کی) کے اقبال کا آفتاب اس مطلع سے طلوع ہوا۔ اور اس کی ہجر کی سیاہ رات کو وصالِ باسعادت کی صبح صادق سے مبدل کیا۔ اور ربوبیت کے الطاف سے عبودیت آدم کو یہ خطاب ہوا ؎

باز آے کہ از آنچہ بودی افزوں باشی ۔۔۔ مرا تا بکنوں نبودی اکنوں باشی
اکنوں کہ بوقتِ جنگ جانی وجہاں ۔۔۔ بنگر کہ بوقت آشتے چوں باشی

"مضی ما مضی واستانف الودبیننا" (جو کچھ ہُوا سو ہوا۔ پھر از سر نو ہمارے درمیان محبت ہوئی) فرمایا۔ تاکہ "وعصیٰ ادم ربہ فغویٰ" کے آوازہ کی بجائے "ان اللہ اصطفیٰ ادم" (بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو برگزیدہ کیا) کی منادی کی جائے۔ اور "ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ" سے جہان گونج اُٹھا۔ اور نیز اللہ تعالیٰ کی بخشش دوست اور دشمن کے لئے اس کے جرم کی عذر خواہی ہیں۔ کہ "فنسی ولم نجد لہ عزمًا" (وہ ہمیں بھُول تو ضرور گیا لیکن اس نے اراداً نہیں کیا) بعد ازاں طعنہ کی زبان بند کر لو۔ اور آدم کی مہر لبوں پر لگا لو۔ اور انکار کا زنگار اس کام کے آئینے کے چہرے پر سے دُور کر دو ؎

معشوق بساماں شد تا باد چنیں باد ۔۔۔ کفرش ہمہ ایمان شد تا باد چنیں باد

یہ قسم قسم کے تصرفات صرف اس وجہ سے تھے۔ کہ آدم علیہ السلام کی پرورش ہم خلافت میں کر رہے تھے۔ اور اس کی محبت کے نقطے کو ہم نے ان آزمائشوں میں کمال کے درجے کو پہنچا دیا۔ "ان البلاء مؤکل بالانبیاء ثم الاولیاء ثم الامثل فالامثل" وصلی اللہ علیٰ محمد والہٖ (بیشک مصیبت انبیاء کے سپرد کی جاتی ہے۔ اور پھر اولیاؤں

پر اور پھر وغیرہ وغیرہ پیدا ہے

باب سوم (۳)

{در بیان معاش خلق}

اللہ تعالیٰ کے اس قول "ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین" (اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں۔ تو دو سَو پر غالب آئینگے) کے موافق تبرکاً اس کو بیس فصلوں پر منقسم کیا ہے ✦

فصل ۱

{رُوح انسانی کے ان حجابوں اور اس کی آفات کے بیان میں
جو قالب سے اس کا تعلق ہونے کے سبب لاحق ہُوئے۔}

اللہ تعالیٰ جلشانہٗ نے فرمایا ہے۔ "والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات" (مجھے عصر کی قسم۔ کہ انسان البتہ نقصان میں ہے۔ مگر وہ۔ جنہوں نے ایمان لانیکے بعد نیک عمل کئے) اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "ان اللہ تعالیٰ سبعین الف حجاب من نور وظلمۃ" (اللہ تعالیٰ نور اور ظلمت کے ستر ہزار پردوں میں ہے) ✦

واضح رہے۔ کہ جب انسانی روح کو رب العالمین کے قرب وجوار سے قالب کے عالم اور عناصر کی تاریکی اور دنیا کی وحشت سرائے سے تعلق دیا۔ تو اسے ملک اور ملکوت کے تین سو ساٹھ ہزار عالم سے گذارا۔ اور ہر عالم سے جو اس کا خلاصہ اور عمدہ چیز تھی۔ وہ اس کے ہمراہ کی۔ اور ہر ایک عالم سے جو کچھ باقی رہ گیا یا اس میں نفع تھا یا ضرر نفع حاصل کرنے کا نظری انس تھا یا تکلیف کا دُور کرنے کے لئے انسانی طبیعت کا یہ خاصہ ہے۔ کہ منفعت بخش چیز کو لیتا ہے۔ اور مضر کو دُور کرتا ہے۔ پس اتنے ہزار رُوحانی اور جسمانی عالموں سے عبُور کرتے ہُوئے قالب سے ملنے تک رُوح کو ستر ہزار نورانی اور ظلمانی حجاب حاصل ہوئے نورانی حجاب روحانیات کے عالم سے حاصل ہُوئے۔ اور ظلمانی حجاب جسمانیات کے عالم سے۔ کیونکہ ہر عالم میں ہر ایک چیز کو اس کا دیکھنا اگرچہ دوسری حالت میں اس کے کمال اور ازخواہش تھی

لیکن اس وقت ہر ایک روح کے لئے حجاب ہوگیا۔ جس کے سبب وہ ملکوت کے مطالعہ جمال حق کے مشاہدہ۔ احدیت کے مخاطبہ کے ذوق اور قربت کے شرف سے محروم رہا۔ اور قربت کے اعلیٰ علیین سے طبیعت کے اسفل السافلین میں آگرا ؎

آسودہ بودم با تو فلک نہ پسندید　　　　خوش بود مرا با تو زمانہ نگذاشت

اور روح اور جسم کے چند روزہ تعلق میں باوجود خلوت خاص میں ہزار سال قربت سے مشرف ہونیکے اسقدر حجاب ظاہر ہوئے۔ کہ ان دوستوں کو بالکل فراموش ہی کر ڈالا۔ " نسوا اللہ فنسیھم " (انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا۔ اور اس نے اُن کو بھلا دیا)۔ اور آج کتنا ہی اس عالم کی بابت سوچتا ہے۔ لیکن کچھ بھی یاد نہیں آتا۔ اگر حجابوں کی آفت میں مبتلا ہوتا۔ تو ایسا فراموش کار نہ ہو جاتا۔ اور اُنس کی جو دولت حاصل کی تھی۔ وہ وحشت سے مبدل نہ ہوتی۔ اور حقیقی جان کو برباد نہ کرتا ؎

لولا مفارقت الاحباب ماوجدت　　　　لھما المنایا علی ارواحنا سبلا

(اگر دوستوں کی جدائی نہ ہوتی۔ تو خواہشیں ہمارے روحوں کا رستہ نہ پا سکتیں)

انسان کا نام انس سے مشتق ہے۔ جو پہلا نام اسے بارگاہ الٰہی سے ملا۔ اور کہا گیا ہے کہ " ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئاً مذکوراً " (انسان پر ایک ایسا وقت بھی تھا۔ کہ وہ قابل ذکر چیز نہ تھا) یعنی حظائر قدس میں تھا۔ اور اس عالم سے پیوستہ تھا۔ اور ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ " لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم " (البتہ ہم نے انسان کو عمدہ صورت کا بنایا) یعنی عالم ارواح میں اور جب اس عالم سے ملا۔ اور وہ انس فراموش کر دیا۔ تو پھر ایک اور نام اس کی فراموش کاری کے مناسب رکھا۔ اور چونکہ زمانہ حال اور مستقبل میں خطاب کرتا ہے۔ اس واسطے اسی کے مناسب اس کا نام رکھا۔ کہ " یاایھا الناس " یعنی اے فراموش کار! شاید کہ تو انس کے زمانے کی نسبت کچھ یاد کرے اور کہا گیا ہے۔ " سمی الانسان ناساً لانہ ناس " (انسان کا نام ناس اسواسطے رکھا گیا ہے کہ وہ بھول جانے والا ہے) اور یہی وجہ ہے۔ کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں " وذکرھم بایام اللہ " یعنی ان لوگوں کو جو دنیاوی روزگار میں مشغول ہیں۔ خدا کے دنوں کی یاد دلا۔ جبکہ وہ مقام قرب اور بارگاہ الٰہی کے قرب وجوار میں تھے۔ شاید اس یاد دلانے سے وہ مہر و محبت ان کے دلوں میں جنبش کرے۔ اور دوبارہ اصلی گھونسلے اور حقیقی وطن کا

قصد کریں۔ جیسا کہ "لعلهم یتذکرون لعلهم یرجعون" (ہوسکتا ہے کہ وہ یاد کریں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ واپس لوٹیں) سے ظاہر ہے۔ اگر اس وطن کی محبت ان کے دلوں میں جنبش کرے۔ تو عین ایمان ہے۔ کیونکہ حب الوطن من الایمان مشہور ہے۔ اور اگر واپس ہونے کا قصد کرے اور جس راہ سے آیا ہے۔ اسی راہ پھر واپس چلا جائے۔ تو یہ ایقان کا مرتبہ ہے۔ اور اگر اپنے اصلی وطن میں پہنچ جائے۔ تو یہ احسان کا مقام ہے۔ اور اگر اصلی وطن سے گذر جائے۔ تو یہ عرفان کی چوکھٹ ہے۔ اور اگر وہاں پر نہ ٹھیر کر بارگاہ الٰہی میں وصول کا قدم رکھے۔ تو یہ درجہ عیان ہے۔ اس کے بعد نہ وصف کی حد ہے اور نہ عالم بیان۔ اور اگر اس اصلی وطن محبت دل میں جوش زن نہ ہو۔ اور واپسی کا قصد نہ کرے بلکہ دل کو اس جہان کی دولت اور مال سے لگائے۔ اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کرے تو یہ ایمان کا نسیان ہے۔ اور کفر کا سب سے ادنےٰ درجہ۔ جیسا کہ "ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ھواہ فمثلہ کمثل الکلب" (جس نے روئے زمین پر ہمیشہ رہنا چاہا۔ اور اپنی خواہش کی پیروی کی۔ پس اس کی مثال کتے کی سی ہے۔) جو شخص انہیں حجاب ہیں ا۔ اور ان آفتوں میں گرفتار ہوگیا۔ وہ "والعصر ان الانسان لفی خسر" (مجھے عصر کی قسم بے شک انسان نقصان میں ہے) کے ابدی نقصان میں ا فسیبہ کہتا ہے۔ کہ انسانی روح قالب کے تعلق کی وجہ سے نقصان کی آفتوں میں گرفتار ہے۔ مگر وہ شخص جنہوں نے ایمان اور عمل صالح کے وسیلے روح کو ان آفتوں اور صفات قالب کے حجابوں سے خلاص دی۔ اور اصلی جائے قرار پر آپہنچے۔ قالب سے انسانی روح اور اسکی آفات کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی شخص کے پاس بیج ہو۔ اگر وہ اس کو بوئے اور اس کی پرورش کرے۔ تو ایک سو یا سات سو جاتے ہیں۔ اگر وہ بیج اسی طرح رہے۔ تو بھی اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ لیکن جب بیج زمین میں بو کر اسکی پرورش نہ کرے۔ تو مٹی کی یہ خاصیت ہے کہ بیج سڑ جائے۔ اور بیج کے پھوٹ نکلنے کی استعداد کو باطل کر دے۔ پس انسانی روح کا بیج پیشتر اس کے کہ قالب کی زمین میں ڈالا گیا۔ اس میں کلام حق کے سننے کی قابلیت تھی۔ جیسا کہ "الست بربکم" کے عہد سے معلوم ہوتا ہے۔ اور "بلیٰ" کے جواب کی لیاقت اس میں تھی۔ اگرچہ یہ کاشتکاری اس واسطے کی۔ کہ روح کے بیج کو بینائی، شنوائی اور گویائی جو اس میں پہلے سے موجود ہے۔ سو گنی یا سات سو گنی ہو جائے۔ لیکن جب تک اس بیج کو ایمان

کا پانی اور عمل صالح کی تربیت نہ کی جائے ۔ اسکی حالت نقصان پذیر رہتی ہے ۔ اور اس حقیقی بینائی شنوائی ۔ اور گویائی سے محروم رہجاتا ہے ۔ اور جب اسے ایمان کا پانی دیا جائے ۔ اور عمل صالح سے اسکی تربیت کی جائے ۔ تو بیج پھل لاتا ہے ۔ اور بشریت کی زمین کے نشیب سے عالم عبودیت کی بلندی کا قصد کرتا ہے ۔ اور نقصان کے ادنٰے درجوں سے خلاصی پاجاتا ہے اور مدد اور تربیت کے موافق جو اسے ملتی ہے ۔ نجات کے درجوں کو جس سے مراد بہشت ہے پہنچ جاتا ہے ۔ اور اگر کم ہمتی اور بے وقوفانہ طبع سے درخت کی تربیت نہ کرے اور پھل کی طلب نہ کرے ۔ اسے کب اہل جنت کے درجات مل سکتے ہیں ۔ " ان اکثر الجنة البلہ " (بہت سے اہل جنت بیوقوف ہیں) اگر پھل لانیکے مرتبہ کو پہنچ جائے ۔ جو کہ معرفت کا مرتبہ ہے ۔ تو وہ اہل اللہ اور خاصانِ خدا سے ہوجاتا ہے ۔ اور اگر نعوذ باللہ روح کے بیج کو ایمان کا پانی اور عمل صالح کی تربیت نہ ہو ۔ تو بشریت کی زمین میں سڑ جائے گا ۔ اور خاکی طبیعت قبول کریگا ۔ اور " ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ھواہ " (مگر اس نے زمین پر ہمیشہ رہنا چاہا ۔ اور اپنی خواہش کی پیروی کی) کی خاصیت سے مخصوص ہوجاتا ہے ۔ اور " خالدین فیہا ابداً ابداً " (اس میں ابدالآباد تک رہیگا) کے مطابق نقصان میں رہتا ہے ۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے ۔ اور ابھی حجاب مضبوط نہیں ہوتے ۔ اور قرب حق کا عہد ابھی تازہ ہی ہوتا ہے ۔ اور انس حق کا ذوق ابھی باقی ہوتا ہے ۔ اس لئے جب ماں سے جدا ہوتا ہے ۔ تو اسی وقت رونے لگتا ہے ۔ اور ہر گھڑی جب بارگاہ الٰہی کا شوق غالب ہوتا ہے ۔ تو فریاد اور آہ وزاری کرتا ہے ۔ اور اس عالم کے رنج مفارقت میں بے تاب رہتا ہے ۔ اور رنجور دل اور مہجور جان کے سبب زبانِ حال سے بڑی عاجزی کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں عرض کرتا ہے ۔ رُباعی

آں دِل کہ تو دیدۂ فگارست ہنوز — وز عشق تو با نالۂ زارست ہنوز
از آتش دِل بر کار است ہنوز — وز آب دو دیدہ بر قرار است ہنوز

ہر لحظہ اس کو اسکی نظری حس کے مناسب اور اسکی طبع کو خوش کرنے والی چیزوں میں مشغول کرتے ہیں ۔ اور اس کا دِل بہلاتے ہیں ۔ تاکہ وہ اس عالم کو فراموش کر دے ۔ اور اس عالم سے محبت پیدا کرے ۔ دوسری مرتبہ جب اسے ایک لحظہ چھوڑ دیتے ہیں ۔ تو ہندوستانی ہاتھی خواب میں دیکھتا ہے ۔ تو پھر رونے لگتا ہے ۔ اور ایسا رات کے وقت زیادہ ہوتا ہے

اس واسطے کہ ان کے وقت اس کی نگاہ محسوسات میں مشغول رہتی ہے۔ اور رات کو کم مشغول ہوتی ہے اسی لئے رات کو گریہ وزاری زیادہ کرتا ہے۔ رُباعی

آمد شب باز گشتم اندر غم دوست ہمہ با سر گریہ کہ چشم را خواست

از خونِ دلم ہر مژہ کز پلک فرواست سیخے است کہ پارۂ جگر بر سر اوست

پھر مہربان ماں پستان بچے کے منہ میں ڈالتی ہے۔ تو دودھ کا مزہ چکھتا ہے۔ اور اس طرح ہوتے ہوتے وہ دودھ سے مانوس ہو جاتا ہے۔ اور اصلی اُنس کو بھول جاتا ہے یہاں تک کہ حد بلوغ تک پہنچتے پہنچتے عالم محسوس سے پورے طور پر مانوس ہو جاتا ہے اور عالم غیب بالکل فراموش ہو جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ ہر حیوان کا بچہ تھوڑی مدت میں پرورش پا جاتا ہے۔ اور اپنی مصالحت سے قیام کرتا ہے۔ اور جلدی اپنی جنسیت کے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ اور قوت حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس کا بدن بالکل مکمل ہو جاتا ہے۔ اور آدمی کا بچہ مدت تک اپنی مصالحت سے قیام کرتا ہے۔ اور پندرہ سال میں بلوغت کی حد کو پہنچتا ہے۔ اور چالیس سال میں اپنی کمالیت کو پہنچتا ہے۔ اور اس کا بدن مکمل ہوتا ہے۔ اور پوری طاقت حاصل کرتا ہے۔ یہ محض اس واسطے ہے۔ کہ آدمی کے بچے کو دوسرے عالم سے انس ہے۔ اور غیب کے مشرب کا انس اسے حاصل ہے اور اس عالم کے فراق کا بوجھ اُسکی جان ہے۔ اس عالم سے وہ آشنا نہیں ہو سکتا۔ اور اپنے تئیں اس عالم کے حوالے نہیں کر سکتا۔ لیکن عرصہ دراز میں۔ تاکہ بتدریج عالم علوی سے اُسکی طبیعت غیر مانوس ہو کر مشارب غیبی فراموش ہو جائیں۔ پھر اسے مشارب حسی کے ذوق حاصل ہوتے ہیں۔ پھر اس عالم کی ایک طرف میں ہوتا ہے یعنی غیب و شہادت کی دورنگی میں ہوتا ہے۔ اس وقت تک زیادہ نشوونما نہیں کرتا۔ اور اپنے جسمانی کمال کو نہیں پہنچتا۔ جب اس عالم کو بالکل بھول جاتا ہے اور اس کا بدن اپنی پوری طاقت حاصل کر چکتا ہے۔ تو پھر دنیاوی نفع حاصل کرنے اور دنیاوی تکلیفوں کو دور کرنے کیلئے بہت سے ایسے حیلے اور مکر سوچتا ہے اور کرتا ہے۔ کہ کوئی حیوان یا شیطان نہیں کر سکتا۔ لیکن چونکہ حیوانات کو دوسرے عالم کی خبر نہیں ہوتی۔ اور اس عالم کی ایک طرف پڑے ہیں۔ اس واسطے اپنی ساری ہمت اپنی بہتری پر صرف کرتے ہیں۔ اور بڑی خواہش سے حسی لذتوں کو پورا کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ اور اسی لئے جلدی پرورش پا جاتے ہیں۔ اور اپنے کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ غرضیکہ روح

انسانی سے روحانی اور جسمانی حجاب جو قالب کے تعلق اور ملاکسا ور ملاکوت کے عبور سے اسے حاصل ہوتے ہیں۔ جو قولی اور فعلی حرکت ظاہر و باطن میں طبع کے موافق ظہور میں آتی ہے۔ وہ سب اس کی جہالت ظلمت۔ دوری اور حجاب کا باعث ہوتی ہے۔ اور عالم غیب سے اس کے حرمان کا سبب ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس عالم کی نسبت ایسا بے خبر ہو جاتا ہے۔ کہ خواہ ہزار سچے مخبر اسے خبر دیں۔ کہ تو ایک وقت اس عالم میں تھا۔ تو بھی وہ قبول نہیں کرتا۔ اور اس پر یقین نہیں کرتا۔ لیکن وہ لوگ جو منظور نظر عنایت ہو گذرے ہیں یا نہیں ان میں اس اُنس کا اثر جو انہیں بارگاہ الٰہی سے حاصل تھا۔ باقی ہے۔ اگرچہ وہ اپنی عقل سے نہیں جانتے۔ کہ ہم کسی وقت دوسرے عالم میں تھے۔ لیکن جب کوئی سچا مخبر انہیں کہتا ہے۔ تو اس مخبر کے صدق کے نور کا اثر اور وہ انس جو سننے والے کے دل میں باقی ہوتا ہے۔ آپس میں ملجاتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال لیتے ہیں۔ اس واسطے کہ دونوں کا اصلی وطن ایک ہی ہے۔ ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں۔ اس موافقت کا اثر جس دل پر پڑتا ہے۔ سب کے سب فوراً اقرار کر لیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ جہاں کہیں اس انس سے کچھ بھی نشان باقی ہے۔ اور وہی ایمان کا بیج ہے۔ وہ جلدی ایمان لاتا ہے۔ اور جس کے دل میں وہ اُنس باقی نہیں رہا۔ اور اس کا دل عالم غیب سے بالکل وابستہ نہیں۔ وہ ہرگز ہرگز ایمان نہیں لاتا۔ جیسا کہ اس آیت شریف سے ظاہر ہے۔ "وسواءٌ علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون ہ ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ" (ان کے لئے یکساں ہے۔ خواہ تو انہیں ڈرائے یا نہ ڈرائے۔ وہ کبھی ایمان نہیں لاتے۔ اللہ تعالیٰ نے انکے دلوں پر مُہر لگا دی۔ اُنکے کانوں پر اور انکی آنکھوں پر گمراہی کے پردے چھائے ہوئے ہیں) +

بعض سالکوں کے لئے اثنائے سلوک میں حجاب انکی نظروں سے دور کر دئے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ رُوحانی اور جسمانی تمام مقامات جن سے اُس نے عبور کیا تھا۔ پھر دیکھے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ بعض کی روح کو قالب سے تعلق دیتے وقت نسیان سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اور اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار اور محبت کا اثبات ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اسکو پہلا مقام اور تمام موجودات پر عبور کرنا۔ باپ کی پیٹھ میں پہنچنا۔ ماں کے رحم میں داخل ہونا۔ اور اس جہان سے ملنا سب کچھ یاد ہوتا ہے۔ اور اس کا نقشہ اُسکی آنکھوں کے سامنے جما رہتا ہے۔

چنانچہ شیخ محمد کوفی رحمۃ اللہ علیہ نے نیشاپور میں ایک حکایت بیان فرمائی۔ کہ شیخ علی مؤذن سے جب میری ملاقات ہوئی۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ میں عالم ارواح میں تھا۔ اور جب میں عالم ارواح سے اس عالم میں آیا۔ تو میری روح کو آسمان پر پھرایا گیا۔ جس آسمان پر میں جاتا۔ وہاں کے رہنے والے میری حالت پر رو دیتے۔ اور کہتے کہ اس بیچارے کو پھر مقام قرب سے عالم بعد میں بھیجتے ہیں۔ اور انس سے وحشت میں بھیجتے ہیں۔ اور اعلیٰ سے اسفل میں لاتے ہیں۔ اور خطائر قدس کے فراخ کوچے سے دنیا کے تنگ کوچے میں پہنچاتے ہیں۔ میری اس حالت پر وہ افسوس کرتے تھے۔ اور میرے لیئے بخشش مانگتے تھے۔ انکو حکم الٰہی ہوا۔ کہ یہ خیال نہ کرو۔ کہ اسکو اس عالم میں بھیجنا اس کے لیئے خواری کا باعث ہے۔ مجھے اپنی خداوندی کی قسم ہے کہ اس جہان میں اپنی ساری عمر میں ایک دفعہ بھی کسی کنوئیں پر کسی بڑھیا عورت کے گھڑے میں ایک ڈول پانی نکالکر ڈالے۔ تو اس سے بہتر ہے۔ کہ لاکھ سال خطائر قدس میں سبوحی اور قدوسی میں مشغول رہے۔ تم "کل حزب بما لدیھم فرحون" (ہر گروہ اپنی حالت میں مست ہے) کی گوڈری میں سر لپیٹے پڑے رہو اور ہماری خداوندی کا کام ہمارے ہی سپرد رہنے دو۔ کیونکہ "انی اعلم ما لا تعلمون" (جو کچھ تم نہیں جانتے میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں) صلی اللہ علیٰ محمد و آلہ اجمعین ؎

فصل ۔ ۲

{ روح کو قالب کے تعلق دینے کی حکمت اور اس کے فوائد کے بیان میں }

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا ہے۔ "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ای لیعرفون" (میں نے جنوں اور انسانوں کو اس واسطے پیدا کیا ہے۔ کہ وہ میری عبادت کریں یعنی مجھے پہچانیں) اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ فرماتے ہیں "الدنیا مزرعۃ الاٰخرۃ" (دنیا آخرت کی کھیتی ہے) واضح رہے۔ کہ جس طرح دنیاوی زمین کو اللہ تعالیٰ نے یہ قابلیت عطا فرمائی ہے۔ کہ جب کوئی دانہ وغیرہ اس میں بویا جاتا ہے۔ اور اسکی پرورش کی جاتی ہے۔ تو ایک کے سو یا سات سو ہو جاتے ہیں جیسا کہ اس آیت شریف سے ظاہر ہے "کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضاعف لمن یشاء" اس کی مثال اس دانے کی سی ہے۔ جو اُگے اور اس میں سات خوشے لگیں۔ اور ہر خوشے میں

سودانے ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ جسکے لئے چاہتا ہے اس سے بھی کئی گنا کر دیتا ہے ۔

اسی طرح دنیاوی قابلیت میں بھی یہ قابلیت رکھی ہے۔ کہ وہ آخرت کی کھیتی بن سکے اور اس میں نیک عملوں کے بیج بوئے جائیں۔ تاکہ قیامت کے دن ایک کے سو یا سات سو حاصل کر سکیں۔ جیساکہ "حسنۃ بعشر امثالھا الی سبعمائۃ ضعف" (نیکی کی ویسی ہی دس سے لیکر سات سو تک نیکیاں ملتی ہیں) سے ظاہر ہے۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ انگنت اور بے شمار حاصل ہوں۔ جیساکہ "انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب" (بیشک صابروں کو بغیر حساب کے اجر ملتا ہے) سے ظاہر ہے۔ اس طرح انسانی قالب کی زمین کو یہ استعداد عنایت کی ہے۔ کہ جب "ونفخت فیہ من روحی" (اور اس میں میں نے اپنی روح پھونکی) کی روحانیت کا بیج اس میں بوئیں۔ اور عبادت کے پانی اور شریعت کے آفتاب سے اسکی پرورش کریں۔ تو اس سے قرب اور معرفت کے اسقدر پھل حاصل ہوتے ہیں۔ جو کسی مخلوق کے وہم اور فہم سے باہر اور کسی کہنے والے کا بیان اسکی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن اس قدر کہ فرمایا "اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر" (میں نے اپنے پرہیزگار بندوں کے لئے وہ کچھ تیار کیا ہے۔ جسے نہ آنکھوں نے دیکھا۔ نہ کانوں نے سنا۔ اور نہ ہی کسی انسان کو اس کا خیال آیا) ۔

جس طرح دنیاوی بیج کو اسکے کمال تک پہنچانے کے لئے اس قدر اسباب آلات اور اوزار درکار ہیں۔ جیساکہ زمین جس میں بیج ڈالتے ہیں۔ اور آسمان کہ جس سے پانی اور حاصل ہوتے ہیں۔ اور ہوا جو زمین کی سردی اور آفتاب کی گرمی کو معتدل کرتی ہے۔ اور نیز دوسرے اسباب اور آلات مثلاً کوئی آدمی جب بیج بوتا ہے۔ تو اسے بیلوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور نیز لوہا۔ لکڑی اور رسی درکار ہوتی ہے۔ ان کے لئے بڑھئی۔ لوہار۔ اور رسے بٹنے والے درکار ہیں۔ جو ان آلات کو درست کر سکیں۔ اور نیز ان شخصوں کو بھی بہت سی خلقت درکار ہے۔ تاکہ وہ اپنا کام چلا سکیں۔ جیسے نانبائی۔ قصاب۔ بنئے باورچی۔ سبزی فروش۔ کاتنے والے۔ بننے والے۔ دھونے والے اور سینے والے وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر ان کو بھی اور لوگوں کی ضرورت ہے۔ تاکہ یہ اپنے کام میں اچھی طرح مشغول ہو سکیں۔ جیسے چکی چلانے والے۔ چرانے والے۔ سوداگر اور جانور اور ساربان وغیرہ غرضیکہ

ہر ایک قسم کے شخصوں کو دوسرے پیشہ وروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ اپنی مصلحت کو قائم رکھ سکیں۔ اور ان سب باتوں کے بعد ایک عادل بادشاہ کی ضرورت ہے۔ تاکہ خلقت کو مساوی طور پر خیال کرے۔ اور زبردستوں کی زبردستی اور ظلم کو کمزوروں سے روکے۔ اور رعیت کا حامی اور نگہبان ہے۔ تاکہ ہر ایک شخص امن اور فراغت سے اپنے کام میں مشغول ہو سکے۔ جب تو غور کی نگاہ سے دیکھیگا۔ تو تجھے معلوم ہو جائیگا۔ کہ دنیا میں آسمان۔ ستارے۔ زمین۔ چاند۔ سورج۔ مفرد۔ عناصر۔ مرکبات۔ نباتات۔ حیوانات۔ فرشتے۔ جن۔ انسان۔ کاریگر۔ اہل حرفہ۔ تاجر۔ عالم۔ امین۔ بادشاہ۔ وزیر۔ اور بڑے بڑے آدمی سب کو ایک دنیاوی بیج کی خاطر کام میں مشغول رہنا پڑتا ہے۔ پس خیال کرو۔ کہ جہاں پر روحانیت کے بیج کی کھیتی باڑی ہوگی۔ جو کہ من روحی کے خاص انبار سے نکالکر ونفخت فیہ کے طعنہ کے بغیر انسانی قالب کی زمین میں بویا گیا ہے۔ اِس کی پرورش میں اسے درجہ کمال یعنی مقام معرفت تک پہنچانے کے لئے کس قدر آلات۔ اوزار اور اسباب درکار ہونگے۔ پس جب تو حقیقت کو غور سے دیکھے۔ تو تجھے معلوم ہو جائیگا۔ کہ دُنیا۔ آخرت۔ آٹھوں بہشت۔ اور ساتوں دوزخ اور جو کچھ ان میں ہے۔ سب کچھ اس بیج کی پرورش کے لئے درکار ہے۔ تاکہ یہ معرفت کا ثمرہ حاصل کر سکے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدونؔ ای لیعرفون" جنوں اور انسانوں کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے یعنی پہچاننے کے لئے۔ پس روح اگرچہ عالم ارواح میں اللہ تعالےٰ کے قرب وجوار سے ذوق حاصل کرتا تھا۔ اور اس عالم کی مناسب معرفت اِسے حاصل تھی۔ اور حق تعالیٰ کے مکاشفہ۔ مشاہدہ اور مکالمہ سے بے بہرہ تھا۔ لیکن ان مقامات کا کمال اور ان سعادتوں کی کمالیت قالب کے تعلق اور اس کی پرورش سے پائی۔ اِس واسطے کہ یہ بیرونی اور اندرونی آلات اور اوزار جنکی ضرورت اسے معرفت حاصل کرنے میں تھی۔ یہاں پر میسر ہیں۔ مثلاً نفس۔ دِل۔ سر۔ خفی اور قوائے بشری کے مددگار۔ باطنی وغیرہ۔ اور پانچ حواس ظاہری یعنی سننا۔ دیکھنا۔ سونگھنا۔ چکھنا اور چھونا۔ کیونکہ اگرچہ روح کو عالم غیب میں روحانی نور حاصل تھا۔ جس سے اس عالم کا ادراک اسے حاصل تھا۔ اور اس مقام کے مناسب اسے عقل بھی تھی۔ لیکن غیبی اور شہادتی مدرکات جو دونوں جہان کی جزئیات اور کلیات کا ادراک کرے اِسے حاصل نہ تھی۔ وہ یہاں پر حاصل تھی۔ اور حقیقی معرفت کا استحقاق ان آلات اور اوزاروں کے وسیلے پایا۔ اور معرفت حقیقی سے مراد

اللہ تعالےٰ کی ذات وصفات کی معرفت مراد ہے - جیساکہ فرمایا ہے " فاحببت اَن اعرف"
(پس مجھے خواہش ہوئی - کہ میں پہچانا جاؤں) ؛

معرفت کی تین قسمیں ہیں معرفت عقلی - معرفت نظری - اور معرفت شہودی - معرفت عقلی تو تمام لوگوں کو حاصل ہے - اور اس میں کافر مسلمان - یہودی - آتش پرست - ملحد فلسفی طبائعی اور دہریے سب شریک ہیں - اس واسطے کہ یہ سب عقل میں ایک دوسرے کے شریک ہیں اور سب کے سب اللہ تعالیٰ کے وجود کا یقین کرتے ہیں - ان میں جو خلاف ہے - تو وہ صرف صفات الوہیت کے بارے میں ہے نہ کہ ذات میں - اور یہی خلاف مسلمانوں میں بھی باہم ہے - لیکن ذاتِ الوہیت کے سب معترف ہیں - جیساکہ اللہ تعالےٰ نے کفار کے حق میں فرمایا ہے - " ولئن سئلتہم من خلق السموات والارض لیقولن اللہ " (اور اگر ان سے یہ پوچھا جائے کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا - تو یہی کہینگے کہ خدا نے) اور وہ لوگ جو بت پرستی کرتے تھے - وہ بھی کہتے تھے - کہ " دما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ - "
(ہم اُن کی پرستش صرف اس واسطے کرتے ہیں - کہ وہ ہمیں اللہ تعالےٰ کے قریب کردیں - لیکن اس قسم کی معرفت نجات کا موجب نہیں - لیکن انہیں نجات حاصل ہے - جنکی نظر عقلی ایمان کے نور سے مدد لیکر نبوت کا اقرار کرگئی - اور جو شرع کے اوامر اور نواہی پر قائم ہیں - کہ جس میں روح کے بیج کی تربیت ہوتی ہے - تاکہ بیج پھل لاسکے - اور معرفت عقلی میں حواس ظاہری اور قوائے بدنی - اور نظر عقلی کے مدرکات کی ضرورت ہے - تاکہ ظاہری حواس سے عالم محسوسات کو دیکھ سکے - اور قوائے باطنی سے عقلی نظر استعمال کرے - عقل فوراً یہ نتیجہ نکالتی ہے - کہ اس مصنوع کا صانع ضرور ہونا چاہئے - اور جب آہستہ آہستہ موجودات کی ہر نوع کو غور سے دیکھتا ہے - تو قدرت کی خردکاری اور صنعت بازی کو دیکھتا ہے - اور پھر اس نتیجے پر پہنچتا ہے - کہ ایسا فعل ضرور کسی قادر - حی - حکیم - عالم - سمیع - بصیر - متکلم اور مرید سے ظاہر ہونا چاہئے - پس جس شخص کی نظر زیادہ درست اور عقل زیادہ صاف ہو - اور حجاب کم ہوں اور ریاضت اور سوچ زیادہ ہو - اس کی استدلالات مصنوع سے صانع کے اثبات پر زیادہ تر ہونگی - اور اسکی دلایل اور براہین وحدانیت پر زیادہ واضح ہونگی - لیکن واضح رہے کہ روح کو قالب میں اس قسم کی معرفت کے لئے نہیں بھیجا گیا - اس واسطے کہ اس قسم میں دلیل کا طلب کرنا ہے - اور دلیلوں میں بڑا فرق ہوجاتا ہے - یہاں تک کہ کافر - ملحد - اور فلسفی وغیرہ ہر ایک اپنے

کفر پہ دلیلیں مل سکتا ہے۔ جب بہت سی دلیلیں پیش ہوں۔ تو ان میں سے کسی ایک کا قبول کرلینا واجب نہیں۔ تاوقتیکہ اسے دوسری دلیلوں پر ترجیح نہ ہو۔ اور اگر ترجیح ایک طرف کی ثابت ہو جائے۔ اور ٹھیک بھی ہو۔ تو معقول دلائل سے بھی صانع کے اثبات سے بڑھ کر نہیں۔ خود روح کو قالب سے تعلق پیدا ہونیسے پیشتر معرفت حق میں ان مقامات سے بڑھ کر دلیلیں حاصل تھیں۔ جو کچھ آج وہ عقلی سنتا ہے۔ اس روز وہ بلاوسیلہ خود حق تعالیٰ سے سنتا تھا۔ کیونکہ "الست بربکم" "کا جواب "بلیٰ" دیتا تھا۔ "لیس الخبر کالمعاینۃ" یہاں ٹھیک بیٹھیں آتا۔ تاکہ دیکھی ہوئی چیز کی خبر دیوے۔ اور عیان کو بیان کرے۔ یہ ٹھیکا اسی قسم سے ہے۔ کہ کہتے ہیں۔ اسے چھوڑ دو۔ یہ پھر سامنے آجائیگا +

معرفت نظری خواص کو حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ اس طرح پر ہوتا ہے۔ کہ جب روح کا بیج بشریت کی زمین میں شریعت کے قانون کے موافق طریقت کی پرورش اس طرح پاتا ہے۔ جس طرح کہ تخلیہ روح کی فصل میں انشاء اللہ بیان کیا جائیگا۔ اور انسانی درخت کو پھل لانے کی نوبت آپہنچتی ہے۔ تو پھل میں وہی خاصیت آجاتی ہے جو بیج میں تھی۔ اور نیز اور بھی بہت سی چیزیں اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس کی مثال زرد آلو کی سی ہے۔ کہ جب سے اسے بوتے ہیں۔ تو اس سے سبزہ۔ درخت۔ شاخ۔ شگوفہ اور زرد آلو ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک بیج بو کر اس سے اسی قسم کے ہزار بیج بعینہٖ پیدا ہو سکتے ہیں۔ اور زرد آلو کا چھلکا۔ پتے۔ شاخیں۔ درخت اور جڑ جو بیج میں پہلے نہ تھیں اپنے ساتھ اور بڑھالیں۔ اور ان میں سے ہر ایک میں ایک خاص خاصیت ہوتی ہے۔ جو دوسرے میں نہیں ہوتی۔ جو چھلکے میں مزا اور خاصیت ہوتی ہے۔ وہ مغز میں نہیں ہوتی۔ پہلے اس بیج سے صرف منہ کو مزا حاصل ہوتا تھا۔ اور اب اس پھل اور درخت سے منہ کو بھی مزا حاصل ہوتا ہے اور آنکھوں کو بھی۔ کیونکہ "الخضرۃ تزید فی البصر" (سبزی سے بینائی زیادہ ہوتی ہے) مشہور ہے۔ اور سونگھنے کی طاقت کو اسکے شگوفے سے حظ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں بڑی خوشبو ہوتی ہے۔ اور نیز ہاتھ کو حظ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی لکڑی کا عصا بناتا ہے۔ اور نیز پاؤں کو حظ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی لکڑی سے جوتیاں تیار کی جاتی ہیں۔ اور ان کے علاوہ اس میں اور بہت سی خاصیتیں۔ فائدے اور مصلحتیں ہیں۔ جو کہ بیج میں نہ تھیں۔ اگرچہ اس میں پوشیدہ طور پر موجود تھیں۔ پس اسی طرح

روح کے بیج سے بدن کا درخت ظاہر ہوتا ہے۔ اور نفس اور صفات نفس کی شاخیں اس میں لگتی ہیں۔ اور دوسری طرف پر دل اور اسکی صفات کی شاخیں نکلتی ہیں۔ اور حواس ظاہری کے پتے نکلتے ہیں۔ اور قوائے باطنی کی جڑھیں نکلتی ہیں۔ اور سر کا شگوفہ پھوٹتا ہے۔ اور خفی کا اکھوک اس میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور معرفت کا زرد آلو اس میں لگتا ہے۔ پس روح کو پھل لانیکے مقام پر قسم قسم کے آلات اور ادراکات ظاہر ہوتے ہیں۔ جو پہلے نہ تھے۔ ظاہری اور باطنی مدرکات۔ ظاہری جیسے دیکھنا۔ سننا۔ سونگھنا۔ چکھنا اور چھونا جن سے سارے عالم شہادت کا جسے عالم ملک بھی کہتے ہیں مع اسکی زنگت چیزوں کے ادراک کر سکتے ہیں۔ اور حس کا یہ پانچواں حواس ادراک نہیں کر سکتیں۔ اسے عالم ملکوت کہتے ہیں۔ اور وہی عالم غیب ہے۔ جس کے بہت سے مدارج اور مراتب ہیں۔ ان کا ادراک حواس خمسہ باطنی کر سکتے ہیں۔ حواس خمسہ باطنی یہ ہیں :۔ عقل۔ دل۔ سر۔ روح اور خفی اور جس طرح ظاہری حواس ایک دوسرے کے مدرک میں دخل نہیں دے سکتیں۔ جیسا کہ سننے کی طاقت دیکھنے والی چیزوں میں کام نہیں آ سکتی۔ اور دیکھنے والی قوت سننے والی چیزوں میں کام نہیں آ سکتی۔ اسی طرح حواس خمسہ باطنی بھی ایک دوسری کے مدرکات میں تصرف نہیں کرتیں۔ جیسے عقل دل کی مرضیات میں دخل نہیں دے سکتی۔ اور دل معقولات عقل میں دخل نہیں دے سکتا۔ اسی طرح باقیوں کو بھی قیاس کر لو۔ پس وہ لوگ جو معقولات میں عقلی نظر سے دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ انہیں دل کے مراتب اور دوسرے مراتب کی ذرا خبر نہیں ہوتی۔ اور حقیقت میں خود دل ہی انکے پاس نہیں۔ انہوں نے چاہا۔ کہ عقل کو دل۔ سر اور خفی کے عالم میں جولان دیں۔ مجبوراً عقل کو فلسفی اور زندیقیہ عقدوں میں لاڈالا۔ لیکن صاحب سعادت جب " واتوا البیوت من ابوابھا " (گھروں میں دروازوں کی راہ داخل ہو) کے دروازے سے اندر آتا ہے۔ تو روح کے بیج کی پرورش شریعت کے قانون کے موافق کرتا ہے۔ یہ مدرکات اسے کمال کو پہنچا دیتے ہیں۔ اور جو کچھ عالم ملک اور ملکوت وغیرہ میں تین سو ساٹھ ہزار عالم ہیں۔ انہیں ظاہری اور باطنی مدرکات کے وسیلے ادراک کرتا ہے ۞

یہاں تک کہ جس طرح عالم غیب میں کلیات کا عالم تھا۔ اسی طرح اب وہ غیب و شہادت دونوں کے جزئیات اور کلیات کا عالم ہو جاتا ہے۔ اور ان عوالم کا ہر ایک ذرہ جو صفات الٰہی میں سے

ایک صفت کا مظہر ہے۔ اور الٰہی نشانیوں میں سے ایک نشانی اس میں رکھی ہوئی ہے۔ حجاب کا نقاب چہرے سے اُٹھا دیتا ہے۔ اور آیت حق کا جمال اسے دکھاتا ہے۔ اور "وفی کل شئی له اٰیۃ۔ تدل علی انه واحد"۔ (ہر ایک شے میں اُسکے لئے نشانی ہے اور اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ وہ (خدا) ایک ہے) عالم ایقان کی دہلیز ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "وکذٰلک نری ابراهیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین"۔ (اور اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو زمین و آسمان کی سلطنت دکھا دی۔ تاکہ اسے یقین آجائے) یہاں پر حق کی ذات پاک کو وحدانیت سے پہچان سکتے ہیں۔ اور الوہیت کی صفات کو عین الیقین سے دیکھ سکتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جسکی نسبت وہ بزرگ فرماتے ہیں۔ "ما نظرت فی شئی الا ورایت اللہ فیه" (جس چیز کو میں نے دیکھا۔ اسی میں مجھے اللہ تعالیٰ دکھائی دیا) یہ مرتبہ اگرچہ بہت بلند ہے۔ اور یہ مقام بہت شریف ہے۔ اور یہ خواص کا مرتبہ اور مقام ہے۔ لیکن روح کو اس عالم میں بطور بیج کے اسقدر معرفت کی نظر کے لئے جو ابھی انسانیت کے درخت کا شگوفہ ہے بھیجا گیا۔ پس جن خواص کو استعداد کا کمال اور تربیت کی خوبی عنایت فرمائی۔ ان کو اس درخت کے شگوفے ہی میں نہیں چھوڑا۔ بلکہ حقیقی پھل کے درجے پر پہنچا دیا۔ اور وہ معرفت شہودی ہے۔ اور کائنات کو پیدا کرنے کا خیال بھی اسی معرفت کی خاطر تھا۔ جیسا کہ خود فرماتا ہے۔ "فخلقت الخلق لاعرف" (پس میں نے خلقت کو اس واسطے پیدا کیا۔ کہ میں پہچانا جاؤں) لیکن اس سے پہلے انبیاء اور اولیاء میں کی کسی مشاطہ نے غیب کی اس پردہ نشین چہرے سے عزت کا نقاب نہیں اُٹھایا۔ اور ہمیشہ اسے غیرت کے گنبدوں اور پردوں میں پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ تاکہ نامحرموں اور غیروں کی نظر اس کے جمال کے کمال پر نہ پڑے۔ اور ہر اہل و نااہل کی نظر نہ لگ جائے۔ کیونکہ نظر کا اثر برحق ہے۔ رباعی

آتش در زن زکبر باد رکویش — تارہ نبرد ہیچ فضولی سویش
آنروئے چو ماہ را بپوش از ہوش — تا دیدۂ ہر خسے نہ بیند رویش

چاند پر چھائیاں اِس واسطے پڑ گئیں۔ کہ وہ ہر لائق و نالائق کا انگشت نما ہوا۔ اور نظر لگ گئی۔ سورج نے جب یہ واقعہ دیکھا۔ تو "دور باش نور باش" (دور رہ نور رہ) کے مقولے پر عمل کیا۔ اور چہرہ ناراضگی سے گرم کر لیا۔ تاکہ اگر کسی خام طبع کی آنکھ کی پتلی اُس کو

دیکھے۔ تو وہ اسے شعاعوں کی تلوار سے دُور کر دے۔ اسی وجہ سے وہ سلامت رہا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ چاند کو دیکھنے والوں کی نظر لگ گئی۔ اور سورج نے دیکھنے والوں کیلئے تلوار سونت لی مصرعہ که از خورشید جز گرمی نیابد چشم نابینا

حاصل کلام یہ کہ یہاں تک مشائخ عزت کا برقع غیب کی کنواریوں کے چہروں پر ڈالتے تھے۔ اور غیرت کے پردوں کو بیان کے ہاتھ سے نہیں اٹھاتے تھے۔ تاکہ عرفان کا جمال ظاہر نہ ہو جائے۔ یہ سب کچھ اس واسطے تھا۔ کہ عبودیت کی رجولیت ایک گروہ میں وہ مشاہدہ کرتے رہتے۔ اور تحیت سے بعضوں سے جھگڑے بھی +

حسین منصور کی ایک بہن تھی۔ جو اس راہ میں رجولیت کا دعوے کرتی تھی۔ اور خوبصورت تھی۔ وہ کبھی کبھی شہر بغداد میں آتی۔ تو آدھا چہرہ ڈھانک لیتی اور آدھا کھلا رہنے دیتی۔ ایک بزرگ نے اس سے پوچھا۔ کہ تو سارا چہرہ کیوں نہیں ڈھانپتی۔ اس نے کہا۔ اگر تو مرد دکھائے۔ تو میں ڈھانپ لوں۔ بغداد بھر میں صرف حسین ایک نیم مرد ہے۔ یہ صرف اس کی خاطر ہے۔ اگر وہ بھی نہ ہوتا۔ تو یہ آدھا چہرہ بھی نہ ڈھانپتی +

پس آج اگر معرفت کا چاند غیرت کے ہالہ سے باہر نکلے تو انگشت نما لوگوں کے آسیب نظر سے فارغ ہے۔ کیونکہ انگشت نما خود انگشت نما ہو گئے ہیں۔ اور اگر وحدت کا خورشید غیرت کی تلوار لئے اثنینیت کے پہاڑ پیچھے سے نکلے۔ تو اغلب ہے۔ کہ وہ آنکھوں والے سیمرغ کی طرح "بدا الاسلام غریبا وسیعود کما بدا" (اسلام غربت سے ظاہر ہوا۔ اور عنقریب ہی جس طرح ظاہر ہوا۔ اسی طرح عود کر جائیگا) کی غربت کے پہاڑ پیچھے غروب ہو جائیں۔ اور اگر غیب کی پردہ نشین "کشف القناع" پڑھے۔ تو وہ غیروں کی ملامت سے بچ جائے۔ کیونکہ وہ شریف جو گرد و نواح میں رجولیت کی لاف زنی کرتے تھے۔ اعراف کی طرف بوریا بدھنا لے گئے ہیں۔ کہ "وعلی الاعراف رجال سبحان اللہ مضوا وانقضوا" (اور اعراف پر کئی ایک لوگ ہیں۔ سبحان اللہ وہ ایسے گئے۔ کہ ان کا نشان تک نہیں پایا جاتا) ؎

گوئی آں قوم خود ہماں بودند	کآخر از نسل شاں یکے ننماید

لیکن معرفت شہودی خاص الخاص کی معرفت ہے۔ جو موجودات کا خلاصہ اور کائنات کا لب لباب ہیں۔ دونوں جہان انکے وجود کی تابع ہیں۔ اور حقیقت میں دائرہ ازل و ابد کا نقطہ وہی ہیں۔ جیسا کہ یہ ضعیف کہتا ہے۔ رباعی

آں دم کہ نہ بود بود من بودم و تو — سرمایۂ عشق و سود من بودم و تو
امروز و دے ز و ولذو ودی ہست کہ چوں — نے دیر بُد و نہ زود من بودم و تو

روح کو قالب سے تعلق دینے کا فائدہ بھی اصل میں اسی معرفت کی حقیقت تھی۔ اس واسطے کہ بشری ارواح کو فرشتوں کی طرح ربوبیت صفات سے بہرہ حاصل تھا۔ لیکن بعد از اں اتنے ہزار نورانی حجاب وسیلہ تھے۔ کہ اگر ایک حجاب اُٹھا دیتے۔ تو تمام ارواح جبرائیل کی طرح جو کہ روح القدس تھا۔ فریاد کر اُٹھتے۔ کہ "لو دنوت انملۃ لاحترقت" (اگر میں ایک انگل آگے بڑھوں۔ تو میں جل جاؤں) یہ بھی حجاب کے انوار کا پرتو ہے۔ جہاں پر صفاتِ الوہیت کی تجلیات کی حقیقت ظاہر ہو۔ کہ معرفت شہودی جس کے شہود کا نتیجہ ہے۔ تو وہاں پر ارواح مجازی کا وجود اس شہود کی حقیقت سے "وجاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا" (حق آیا اور باطل زائل ہوگیا۔ تحقیق باطل زائل ہو جانے والا تھا) پڑھے۔ معرفت کا بہرہ کسکو حاصل ہو۔ اور یہ اس سبب سے ہے۔ کہ روح نہایت لطیف ہے۔ صفات الوہیت کی تجلیات کے عکس کو قبول نہیں کر سکتی۔ اور اسی طرح فرشتے بھی۔ حیوانات کو عقل۔ دل۔ سر۔ روح اور خفی کے مدرکات نہیں دیئے گئے۔ کہ ان سے صفات الوہیت کی تجلیات کے انوار کا ادراک کر سکیں۔ پس حکمت بے نہایت اور قدرت بے غایت اس بات کی مقتضی ہوئی۔ کہ آدم کی مٹی کو خمیر کرتے ہوئے آدم کے باطن میں جو کہ غیب کے گھر کا خزانہ تھا۔ قدرت کے ہاتھ سے ایک دل قندیل کی شکل کا بنائے۔ جو نہایت ہی صاف ہو۔ اور اس کو تاریک جسم کے چراغدان میں رکھے۔ اور دل کی قندیل میں ایک چراغ بنائے۔ جیسا کہ "المصباح فی زجاجۃ" سے ظاہر ہے۔ اور اسے سر کہتے ہیں۔ اور اس چراغ میں خفی کی بتی رکھے۔ پس روح کے روغن کو جو "من روحی" کے مبارک درخت سے لیا گیا ہے۔ اور نہ عالم ملکوت کے شرق میں پایا جاتا ہے۔ اور نہ عالم ملک کے مغرب میں دل کی قندیل میں رکھا۔ روغن چونکہ نہایت صاف اور نورانی تھا۔ اس لئے چراغ کی سی روشنی دینی چاہتا تھا۔ اگرچہ ابھی اس سے اس کا تعلق نہیں ہوا تھا۔ "یکاد زیتھا یضیٔ ولو لم تمسسہ نار" (قریب ہے کہ اس کا تیل روشنی دیوے۔ اگرچہ آگ نے اسے نہیں چھوا) روغن روح کے نہایت نورانی ہونے کی وجہ سے دل کی قندیل کو "الزجاجۃ کانھا کوکب دریّ" (قندیل ہے کہ گویا چمکتا ہوا ستارہ ہے) کی نورانیت کا کمال حاصل ہوا۔

اس نورانیت کا عکس قندیل کی اندرونی ہوا پر پڑا۔ تو منور ہوگئی۔ جسے نورانیت عقل کہتے ہیں۔ مشکوٰۃ کی اندرونی ہوا کو جو قندیل کی نورانیت کے عکس کا قالب بنی قوائے بشریہ کے نام سے نامزد کیا۔ اور جو پرتو مشکوٰۃ کے اندر سے مشکوٰۃ کے سوراخوں پر پڑا۔ اسے حواس خمسہ کہا۔ اور جب تک ان اسباب اور اوزاروں نے اُس وجہ سے مدرکات الٰہی کو بدرجہ کمال نہ پہنچا لیا۔ تب تک "کنت کنزاً مخفیاً" کا بھید ظاہر نہ ہوا یعنی اس چراغ کے نور کا ظہور ان اسباب اور آلات سے ہونا چاہئے تھا۔ اور جب تک یہ چراغ نہ ہو۔ اگرچہ نار الٰہی تمام کائنات کے ذروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ جیسا کہ "الا انہ بکل شیٔ محیط" سے ظاہر ہے۔ لیکن "کنت کنزاً مخفیاً" اس وقت تک مخفی ہی رہتا ہے۔ اس چراغ کے لئے اس نار الٰہی کے نور کے ظہور کے واسطے ان آلات کا ہونا ضروری ہے۔ چونکہ عالم ارواح میں صرف روحانیت کا روغن ہی تھا۔ اسلئے وہ نار کی نورانیت کو قبول نہیں کرسکتا ہے۔ اور چونکہ عالم حیوانات میں مشکوٰۃ اور قندیل تو تھی۔ لیکن چراغ۔ روغن اور بتی نہ تھی۔ اس لئے وہ بھی نار کی نورانیت کو قبول نہیں کرسکتا تھا۔ اسی واسطے ان دونوں عالموں سے ایک مجموعہ بنایا جس سے مراد آدم ہے۔ اسکے جسم کو مشکوٰۃ اس کے دل کو قندیل۔ اس کے سر کو چراغ اور اس کے خفی کو بتی اور اس کی روح کو روغن بنایا۔ پس حقیقت میں نور الٰہی کی آگ نے اس مشکوٰۃ میں اس چراغ پر اپنی تجلی کی۔ جیسا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم اس بھید کی خبر فرماتے ہیں۔ کہ "ان اللہ خلق ادم فتجلی فیہ" (بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو بنایا۔ اور اس میں تجلی کی) خود اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں فرمایا ہے۔ "اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح" (اللہ تعالےٰ زمین و آسمان کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے قندیل میں چراغ) یہاں تک کہ یہ بھی فرمایا۔ "نور علی نور یہدی اللہ لنورہ من یشاء" (نور علی نور ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے۔ اسکی طرف رہنمائی کرتا ہے) یعنی مصباح کا نور نور الٰہی ہے علی نور یعنی) روح کے روغن کا نور الٰہی نور سے چراغ کو منور کرے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ چراغدان اور چراغ ہر شخص کو مہیا ہے۔ لیکن نور الٰہی ہر چراغدان اور چراغ میں نہیں۔ ہر ایک چراغ روح کے روغن کے نور سے منور ہے۔ اور ہر شخص کے دل کا چراغدان اس نورانیت سے روشنی حاصل کرتا ہے جسے عقل کہتے ہیں۔ اور اس نور

کا عکس جو چراغدان کے اندر اور باہر پڑتا ہے۔ وہ قوائے بشری اور حواس خمسہ سے منور ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ سرگشتہ محروموں کا گروہ جس کی انتہا عقل اور معقولات پر ہے۔ خیال کرتا ہے کہ اس کا چراغ نور حقیقی سے منور ہے۔ لیکن اسے یہ معلوم نہیں۔ کہ جو نورانیت وہ اپنے آپ میں دیکھتے ہیں۔ وہ فقط روغن روح کے نور کے عکس کی وجہ سے ہے۔ اور یہ کہ وہ نور مجازی ہے۔ کہ "یکاد زیتہا یضی ولو لم تمسسہ نار" یکاد کے معنی یہ ہیں۔ کہ اس نے روشن کرنا چاہا لیکن نہ کیا۔ اِس گروہ کا چراغ نور الہٰی کی آگ سے بجھا ہوا ہے۔ اور ان کو خبر ہی نہیں۔ کیونکہ یہ خبر صرف اسے معلوم ہو سکتی ہے۔ جس کا چراغ کبھی وقت حقیقی نور سے روشن رہ چکا ہو۔ اور وہ اس کا ذوق حاصل کر چکا ہو۔ جب وہ پاک صاف ہوتا ہے۔ تو پھر اسے خبر ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ دونوں گروہوں کی بابت خبر دیتا ہے۔ ایک وہ جنکے چراغ نور الہٰی سے منور ہوئے ہیں۔ اور دوسرے وہ جن کے چراغ اس نور سے محروم ہیں "او من کان میتا فاحییناہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات لیس بخارج منہا" (کیا ایک شخص جو پہلے مردہ تھا۔ پھر ہم نے اس میں جان ڈال دی۔ اور اس کو ایک نور عطا فرمایا جس کی مدد سے وہ لوگوں میں خاص طرح چلتا پھرتا ہے۔ کیا وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے۔ کہ کہ اندھیروں میں گھر اپڑا ہے۔ وہاں سے نکل نہیں سکتا)۔ یہ ہے معرفت شہودی کی شرح جس قدر کہ عبارت میں ادا ہو سکتی ہے "عرفہا من عرفہا وجہلہا من جہلہا" جس نے اس نور سے دیکھ لیا ہے۔ وہ سمجھ جاتا ہے اور پا لیتا ہے۔ اور اسے اس کی خبر ہو جاتی ہے۔ کہ "لینذر من کان حیا" (جو زندہ ہوتا ہے وہ ڈرتا ہے) لیکن جو شخص اس نور سے مردہ ہے۔ خواہ تو اسکے پاس اِس قسم کے ہزار دفتر بھی پڑھے۔ تو بھی وہ ایک حرف نہیں سنتا کہ "انک لا تسمع الموتیٰ" (مردے تیری بات نہیں سُنینگے)۔

پس واضح ہے۔ کہ قالب سے روح کا تعلق ہونے کا یہی سبب تھا۔ اگر یہ تعلق نہ ہوتا۔ تو روح کو یہ غیبی اور شہادتی مدرکات حاصل نہ ہوتے۔ یہ تعلق اِس واسطے تھا۔ کہ وہ صفاتِ الوہیت کی تجلیات کے قابل بن جائے۔ اور خداوندی ذات و صفات کی معرفت میں چراغ ہونے کا ذوق حاصل کرے۔ کیونکہ اگر لاکھ عاقل چراغ کی ناریت اور نورانیت کی بابت خبر دینا چاہیں۔ تو بھی جو کچھ وہ کہیں گے سب کا سب مجازی ہو گا حقیقی

اسی کی ہوگی۔ جس کو بتی اور تیل بھی دیا گیا ہے۔ اور جس نے ان دونوں کو وجود پر خرچ کیا ہے۔ اور نورانیت اور ناریت کی معرفت کے ذوق کو حاصل کیا ہے۔ رُباعی

اے شمع بخیرہ چند بر خود خندی — تو سوز دل مرا کجا مانندی
فرق است میانِ سوز کز جان خیزد — تا آنچہ بریسمانش بندی

یہ ایک عجیب بھید ہے۔ رُوح کے روغن کو وجود کے لئے خرچ کرنے کے لئے یہ سارے وسیلے استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ فتیلہ بھی ایک سیلہ ہے۔ تاکہ مجازی وجود کی روح کو حقیقی وجود میں تبدیل کر سکے۔ اور حقیقی ناریت کے وجود کو جو مخفی اور غیر مرئی ہے۔ ظاہر اور مرئی کر دے۔ پس حقیقت میں جس طرح روغن آگ پر عاشق ہے۔ تاکہ مجازی وجود کو حقیقی بنائے اسی طرح آگ بھی روغن پر عاشق ہے۔ تاکہ پوشیدہ خزانے کو ظاہر کرے۔ "یحبہم ویحبونہ" کا یہی بھید ہے۔ اور "کنت کنزاً مخفیا فاحببت ان اعرف" کی بھی یہی کیفیت ہے۔ یہ سارے فائدے رُوح اور قالب کے باہمی تعلق سے حاصل ہوئے۔ تاکہ وہ حق کی ذات پاک کو واحدانیت سے پہچان لے۔ اور الوہیت کی تمام صفات کو جان لے۔ جو جاننے کے لائق ہے۔ وہ دیکھنے کے لائق ہے۔ جو دیکھنے کے لائق ہے وہ پہنچنے کے لائق ہے جو پہنچنے کے لائق ہے وہ چکھنے کے لائق ہے۔ اور جو چکھنے کے لائق ہے وہ ہونے کے لائق ہے۔ اور جو ہونے والی ہے وہ نابود ہونے والی ہے۔ اور جو نابود ہونے والی ہے وہ بود ہونے والی ہے ؎

چوں ندیدی شبے سلیمان را — تو چہ دانی زبانِ مرغاں را

اگر روح قالب کے تعلق کی وجہ سے ان مدرکات کو حاصل نہ کرتی۔ اور یہ آلات اسباب اور استعداد اسے میسر نہ ہوتی۔ تو غیبی اور شہادتی سے ہرگز عالم الغیب والشہادۃ کی ذات و صفات کی معرفت اور توحید میں اس مقام پر نہ پہنچ سکتی۔ نہ ہی اس میں یہ اخلاق ہوتے۔ نہ یہ صفات ہوتیں۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی خلافت اور نیابت کے لائق ہوتی۔ اور نہ ہی امانت کے بوجھ کو اٹھاتی۔ اور نہ ہی اسے جمال حق کا آئینہ ہونے کا استحقاق حاصل ہوتا۔ اور نہ ہی کوئی "کنت کنزاً مخفیاً" کے خزانہ کے پاس پہنچتا۔ رباعی

در کوئے تو رہ بنور رہ ما کردیم — در آئینہ بلا نگہ ما کردیم
مارا خوش بود عیش ما کردیم — کس را گنہے نہ بدگنہ ما کردیم

وصلے اللہ علیٰ محمد وآلہ واصحابہ وسلم +

فصل ۔ ۳

{انبیاء علیہم السلام کی احتیاج اور انسان کی پرورش کے بیان میں}

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ۔ "اولئک الذین ھدی اللہ فبھدھم اقتدہ" (یہ وہ لوگ جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے ۔ پس تو بھی انکی رہنمائی کی پیروی کر) اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔ "الانبیاء قادۃ والعلماء سادۃ" (آگے پیچھے کھینچنے والے یعنی نبی رئیس ہیں ۔ اور عالم پیچھے سے ہانکنے والے ہیں) +

واضح ہے ۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے عالم ملک اور ملکوت کے طلسم کو بنایا ۔ تو روح کو قالب انسانی سے تعلق دیکر اس طلسم کو ایسا مضبوط اور مربوط کر دیا ۔ اور اسکے بند اسقدر سخت کر دئے ۔ کہ خواہ انسان یا فرشتہ کتنا ہی عقلی نظر سے کوشش کرے ۔ وہ کبھی کھل نہیں سکتا اس واسطے کہ وہ ستر ہزار نورانی اور ظلمانی پردوں سے بنایا گیا ہے ۔ اگر وہ کھل سکتا ۔ تو لطیف روح دنیا کے قید خانے "الدنیا سجن المومن" میں ہرگز نہ ٹھیرتی ۔ جب کوئی بادشاہ کسی شخص کو قید خانے میں بھیجتا ہے ۔ تو قید خانے کا دروازہ اس طرح بند کرتا ہے ۔ کہ قیدی اسے کھول نہ سکے ۔ وہ طلسم اعظم جو اس نے خود اپنی خداوندی سے بنایا ۔ اور کسی کو اسکی اطلاع نہ دی ۔ "مااشھدتھم خلق السموات والارض ولا خلق انفسھم" (ہم نے انہیں زمین و آسمان کے بنانے اور نیز انکی اپنی جانوں کی پیدائش کے متعلق ذرا خبر نہیں کی) اس کا کھولنے والا بھی خود ہی ہے ۔ اور ان سب کی چابی بھی اسی کے ہاتھ ہے "لہ مقالید السموات والارض" (آسمانوں اور زمین کی چابیاں اسی کے ہاتھ ہیں) اور پھر اگر کھولنا چاہے ۔ تو یا وہ خود کھول سکتا ہے یا جس کے ہاتھ میں وہ چابی دے +

پس واضح رہے ۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا ۔ کہ بنی آدم زمین پر اسکے خلیفے بنیں ۔ تو پہلے آدم علیہ السلام کو مٹی سے بغیر ماں اور باپ کے پیدا کیا ۔ اور حوا کو بغیر ماں کے صرف باپ سے پیدا کیا ۔ تاکہ جوڑا بنجائے ۔ پھر ان سے اولاد پیدا کی ۔ اسی طرح جب چاہا ۔ کہ بشریت کے طلسم اعظم کو کھولے ۔ اور انسانی روح کو قالب میں بند رہنے کی قید سے خلاصی دے ۔ اور پھر اسے عالم قرب میں پہنچائے ۔ مع بہت سے فوائد کے جو اس نے اثنائے سفر میں حاصل کئے

ہوں۔ اور بہت سی غنیمتوں کے جو اس کے ہاتھ آئی ہوں۔ جیسا کہ "سافروا تصحوا اغتنموا" (سفر کرو صحت کرو۔ اور غنیمت کا مال لو) کا مقتضا ہے۔ جو ہر قرن اور ہر عہد میں چند ایک کو اپنی خلقت سے برگزیدہ کیا۔ اور اپنے تمام بندوں میں سے ممتاز فرمایا۔ اور نظر عنایت سے مخصوص کیا ہے

نظرے کردی روزے بمن سوختہ دل ہرچہ من یافتہ ام جملہ ازآں یافتہ ام

لیکن اس سعادت کا بیج بیواسطگی کے مقام پہ عالم ارواح میں رکھا تھا۔ تبھی اسے یہاں قبولیت اور قرب کا ثمرہ ملا۔ جیسا کہ خود فرمایا ہے "الارواح جنود مجندۃ" (ارواح جمع کیا ہوا لشکر ہے)۔ عہد اول ہی میں ارواح کی چار صفیں کی گئیں۔ پہلی صف میں انبیاء علیہم السلام کی ارواح تھیں جو بیواسطگی کے مقام پر تھیں۔ دوسری صف میں اولیاء اللہ کی ارواح تھیں۔ تیسری صف میں مومنوں کی اور چوتھی میں کافروں کی پس انبیاء علیہم السلام کی روحیں جو پہلی صف میں تھیں۔ بیواسطگی کے مقام ہونیکے سبب خاص نظر سے انہیں فیض حق پہنچتا رہا جس کی وجہ سے ان میں یہ استعداد اور قابلیت ہوگئی۔ کہ دنیا میں بے واسطہ غیب کے رقعے انہیں ملیں۔ اور فضل حق کا فیضان جاری کریں۔ اور بشریت کی طلسم کشائی کی چابی حقتعالی سے حاصل کریں۔ اور آدم کے طلسم اعظم کو کھولیں۔ اور لوگ بھی ان کی رہنمائی سے اس طلسم کو کھولیں۔ کہ "اولئك الذين هدى الله فبهداهم اقتده" یعنی انبیاء کو میں نے خود بلا واسطہ طلسم کشائی کا علم سکھایا۔ اس واسطیکہ وہ کئی سال بیواسطگی کے مقام میں رہ کر ہماری نظر عنایت کی تابش حاصل کر چکے ہیں۔ اور اس قابل ہو گئے ہیں۔ کہ جذبات الوہیت کے تصرفات سے غیب کی راہ ان کے لئے طلسمات کا دروازہ کھولیں۔ اور ان کو "الرحمن علم القرآن" کے مدرسہ میں طلسم کشائی کے اسرار کی تعلیم دوں "اولئك الذين آتيناهم الكتاب والحكم والنبوة" (یہ وہ لوگ ہیں جن کو کتاب حکمت اور نبوت دی گئی ہے۔ اور وہ لوگ جو عالم ارواح میں دوسری صف میں تھے۔ اور ارواح انبیاء کے حجاب کے پیچھے ان کو ہمارے فضل کا فیضان حاصل ہوا۔ آج بغیر وسیلہ ہماری بارگاہ کی راہ نہیں چل سکتے۔ اور ہمارے بنائے ہوئے طلسم کو نہیں کھول سکتے۔ "سنة الله التي قد خلت من قبل ولن تجد لسنة الله تبديلا" (اللہ تعالی کا وہی طریق ہے جو پہلے گذر چکا ہے۔ اور اللہ تعالی کے طریق میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں تو پائے گا)

تاکہ قبولِ دعوت کی دُکان میں شاگردی کریں۔ اور "ان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ" (یہی میری سیدھی راہ ہے۔ تم اسکی پیروی کرو۔ اور دوسرے رستوں کی پیروی نہ کرو۔ کیونکہ وہ تم کو اس کی راہ سے جُدا کر دینگے) کی استقامت کی شرط بجا لائیں۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔ مصرعہ وصل عروس بایدت خدمت پیش کارہ کن حقائق انبیاء کے مدرسہ میں پہلے شریعت کی الف بے سیکھنی چاہیئے۔ کیونکہ شرع کا ہر ایک امر اس طلسم اعظم کی بندشوں کی چابی ہے۔ جس کی شرح اسکے اپنے مقام پر انشاء اللہ کی جائیگی اور جب اوامر و نواہی میں سے ہر ایک امر کی واقعی طور پر اس کے اپنے مقام میں پابندی کریگا تو طلسموں کی بندشیں کھلجائینگی۔ اور الطاف حق کے نفحات کی نسیم اسی راہ سے تیری جان کے دماغ میں پہنچیگی۔ کہ "ان اللہ فی ایام دھرکم نفحات الا فتعرضوا لھا" (بے شک امید کے لئے تمہارے زمانے کے دنوں میں خوشبوئیں ہیں۔ دیکھو ان کے درپے ہو) نفحات سے تعرض شرع کے اوامر و نواہی کو بجا لانا ہے۔ ہر ایک قدم کے بدلے جو شرع میں متابعت کے قانون کے موافق رکھا جاتا ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں قرب حاصل ہوتا ہے۔ یعنی جس عالم سے تُو آیا ہے۔ اُس کی ایک منزل طے ہو جاتی ہے۔ "لن یتقرب الی المتقربون بمثل اداء ما افترضت علیھم" (مقرب میری طرف اِس طرح قریب نہیں ہوتے جیسا کہ وہ فرائض کو ادا کرتے ہیں۔ اور جب اس راہ پر تو صدق سے قدم رکھیگا۔ تو عنایت الٰہی تیرا استقبال کریگی تیری دستگیری اور فریاد رسی کریگی۔ "من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا ومن تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا ومن اتانی یمشی اتیتہ ھرولا" (جو میری طرف بالشت بھر قریب ہوتا ہے۔ میں اُسکی طرف ہاتھ بھر بڑھتا ہوں۔ اور جو میری طرف ہاتھ بھر بڑھتا ہے میں دو گز بڑھتا ہوں۔ اور جو میری طرف آہستہ چلکر آتا ہے۔ میں اُس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں ؎

گر در رہ عاشقی قدم راست نہی   معشوقہ بادل قدمت پیش آید

جب معلوم ہوگیا۔ کہ انسانی وجود کے بند شریعت کی چابی کے سوا نہیں کھل سکتے۔ اور یہ بھی تحقیق ہوگیا۔ کہ شریعت کیلئے کوئی صاحب شریعت ہونا چاہیئے۔ اور وہ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ باقی وجوہات انشاء اللہ احتیاج شیخ کی فصل میں بیان کی جائینگی۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ جب شیخ کی ضرورت ہے۔ تو پیغمبر کی اس سے بدرجہ اولیٰ ضرورت ہے۔ وصلے اللہ علیٰ

محمد و آلہ اجمعین *

فصل - ۴

{مختلف دینوں کے نسخ اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم نبوت ہونیکے بیان میں}

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ "ماکان محمد ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین" (محمد صلے اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی کا باپ تو نہیں۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہُوا ہے۔ اور خاتم النبیین ہے) *

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "فضلت علی الانبیاء بستٍ جعلت لی الارض مسجدًا وترابھا طھورًا واحلت لی الغنائم ونصرت بالرعب واعطیت الشفاعۃ وبعثت الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون" (مجھے تمام انبیاء پر چھ چیزوں کے سبب فضیلت حاصل ہے میرے لئے زمین مسجد اور اُسکی مٹی پاکیزہ بنائی گئی۔ غنیمت کا مال میرے لئے حلال کیا گیا۔ حسب منشا میری مدد کی گئی۔ شفاعت کا درجہ مجھے عطا کیا گیا۔ تمام خلقت کی طرف میں بھیجا گیا۔ اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا (میں خاتم النبیین ہونگا) واضح رہے۔ کہ پاک پروردگار آنحضرت صلعم کی نسبت کو آدم علیہ السلام اور اور لوگوں سے منقطع کرکے عالم نبوت اور رسالت سے ملاتا ہے۔ کہ "ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" *

محمد صلے اللہ علیہ وسلم تم سے یا تمہارے عالم سے نہ تھے۔ بلکہ رسول خدا اور خاتم انبیاء تھے تمام جہان آنحضرتؐ ہی کے انوار سے روشن ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آب و گل سے کیا آشنائی۔ یہ اس واسطے ہے تاکہ خلقت کو معلوم ہو جائے۔ کہ حضرت محمدؐ آدمؑ کے بچے نہ تھے۔ بلکہ آدم علیہ السلام حضرت محمد صلعم کے بچے تھے۔ جیسا کہ مُصنّف کہتا ہے۔ رباعی

تا ظن نبری کہ ماز آدم بودیم	کاندم کہ نبود آدم آندم بودیم
بے زحمت عین و شین و قاف و گل و دل	معشوقہ و ما و عشق ہمدم بودیم

اگر کوئی باز بادشاہ کے ہاتھ پر بیٹھا ہو۔ اور کسی شکار کی طلب میں اڑے اور اسی اثناء میں آرام کرنے کے لئے کسی بڑھیا کی دیوار پر جا بیٹھے۔ تو اس سے وہ باز بڑھیا کی ملکیت نہیں ہو جاتا۔ خواہ وہ وہاں کتنی ہی دیر کیوں نہ ٹھیرا رہے۔ جب ڈھول کی یا سیٹی سنیگا۔ فوراً

اُڑ کر بادشاہ کے ہاتھ پر آبیٹھیگا۔ مصنف کہتا ہے۔ رُباعی

باشمع رخت وسے چو دمساز شوم　　پروانہ مستمند جاں باز شوم
واں روز کہ ایں قفس بیابد پرداخت　　چوں شہبازے بدست شہ باز شوم

رباعی

آں روز کہ کار وصل راساز آید　　وایں مُرغ از ایں قفس بپرواز آید
از شہ چو سفیر ارجعی رُوح شنید　　پرواز کناں بدست شہ باز آید

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "مالی وللدنیا انما مثلہ کمثل راکب راح فی یوم صائف فترک فی ظل شجرۃ فاستراح ثم رکب وراح" (مجھے دُنیا سے کیا سروکار۔ اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی سوار گرمی کے دنوں میں سفر کرے اور کسی درخت کے سائے میں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد سوار ہو کر چلدے) میں کہاں اور دُنیا کہاں میں وہ شخص ہوں۔ کہ مقام سدرہ میں میرے روبرو ملک اور ملکوت کے تمام جواہرات اور نفیس چیزیں جو خزانہ غیب میں تھیں لائی گئیں "اذ یغشی السدرۃ ما یغشی" (جبکہ سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا) لیکن میں نے آنکھ اُٹھا کر بھی کسی چیز کی طرف نگاہ تک نہ کی "ما زاغ البصر وما طغیٰ" (نہ آنکھ جھپکی نہ نافرمانی کی) بلکہ اپنے وجود کی نقدی بھی اسی قمار خانہ میں ہار دی۔ اور عدم کے دروازے سے اُڑتا ہوا "او ادنیٰ" کے اصلی گھونسلے میں پہنچ گیا۔ رُباعی

بازے بودم پریدہ از عالم ناز　　تا بو کہ برم زشیب صیدے بفراز
اینجا چو نیافتم کسے محرم راز　　زاں در کہ در آمدم بدرفتم باز

میں نے اپنا نسب دُنیا۔ آخرت اور بہشت سے اُس روز قطع کر لیا تھا۔ جبکہ "انا من اللہ" کا نسب اپنے لئے درست کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جو نسب حادث (نو پیدا شدہ) سے متعلق ہے۔ وہ ضرور منقطع ہو جائیگا۔ لیکن میرا نسب باقی رہیگا۔ "کل حسب ونسب ینقطع الا حسبی ونسبی" (میرے حسب ونسب کے سوا باقی سارے حسب ونسب منقطع ہونے والے ہیں) اور دوسروں کی نسبت فرمایا۔ "فلا انساب بینہم یومئذ ولا یتساءلون" (اس دن ان میں حسب ونسب نہیں ہوگا۔ اور نہ وہ آپس میں پوچھینگے) اور ہر میدان میں سب پر فائق رہا۔ اگر فطرت میں پہلے تھا۔ تو سب سے پہلا پھل جو فطرت کے درخت پر تھا میں ہی تھا۔ "اول

خلق اللہ نوری" (سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور تھا) قیامت کے میدان میں بھی جو موتی سب سے پہلے مٹی کی سیپی سے نکلیگا۔ میں ہی ہونگا۔ "انا اول من تنشق عنہ الارض یوم القیامۃ" (قیامت کے دن سب سے پہلے میں ہی زمین سے نکلوں گا) اگر شفاعت کا مقام ہو گا۔ تو سب سے پہلا شخص جو گناہ کے دریا کے غرق شدوں کی شفاعت کرے گا میں ہی ہونگا۔ "انا اول شافع مشفع" (سب سے پہلے شفاعت کرنے والا میں ہوں)۔ اور پل صراط پر بھی میں ہی پیشوا اور رہنما بنوں گا۔ اور سب سے پہلے ہی اسی پر قدم رکھونگا۔ "انا اول من یجوز الصراط" (سب سے پہلے میں ہی پل صراط کو عبور کرونگا) اور بہشت میں صدر جنت بھی میں ہی ہونگا۔ "انا اول من یفتح لہ ابواب الجنۃ" (سب سے پہلا شخص جس کیلئے بہشتی دروازے کھولے جائینگے میں ہونگا) اور عاشقوں کا سردار اور مشتاقوں کا پیشوا بنکر سب سے پہلے میں ہی معشوق کی دولت وصال حاصل کروں گا۔ "انا اول من یتجلی لہ الرب" (سب سے پہلا شخص میں ہی ہونگا جس کے لئے اللہ تعالےٰ تجلی کریگا)۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ سب کچھ تو میں ہونگا۔ مگر مجھ میں مَیں نہ ہوگی۔ "اما انا فلا اقول انا" (ہوں تو سب کچھ میں ہی لیکن مَیں نہیں کھتا)۔ رباعی

چو آمد روئے مہ رویم کہ باشم من کہ من باشم | کہ آنگہ خوش بوم با او کہ من بے خویشتن باشم
مرا گر سایۂ بینی بداں کاں سایۂ او باشد | برو گر سایۂ بینی بداں کاں سایہ من باشم

یہ جو مشہور ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کا سایہ نہ تھا بالکل ٹھیک ہے۔ اسکی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ آنحضرت صلعم آفتاب تھے۔ چنانچہ آپ کے حق میں سراجاً منیراً آیا ہے۔ اور آفتاب کا سایہ نہیں ہوتا۔ اس لئے آنجناب کا سایہ بھی نہ تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ آنحضرتؐ دین کے بادشاہ تھے۔ اور بادشاہ خود سایہ ہوتے ہیں۔ "السلطان ظل اللہ" (بادشاہ خدا کا سایہ ہوتا ہے) اور سائے کا سایہ ہو نہیں سکتا۔ جب آنحضرت صلعم کو خلقت سے سروکار ہوتا۔ تو وہ بمنزلہ نور بخشنے والے آفتاب کے ہوتے۔ پہلی اور آخری خلقت کو آنجنابؐ ہی کے نور سے پیدا کیا گیا۔ اور آنجناب ہی کے نور سے انہوں نے ہدایت پائی۔ اور جب اللہ تعالےٰ سے سروکار رہتا۔ تو آنحضرت صلعم بارگاہ الٰہی کے سایہ ہوتے۔ تاکہ گمراہی کے جنگل کا بھولا بھٹکا حق کی طرف بھاگنا چاہے۔ تو آنحضرتؐ کی تابعداری اور دولت کی پناہ میں جائے "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" (جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرتا ہے۔ وہ

در اصل خدا کی تابعداری کرتا ہے) اور جس وقت اپنے آپ کا خیال ہوتا۔ اس وقت سایہ حق کی طرف گریز کرتے "لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل" (اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا ایک ایسا وقت ہے۔ جس میں کوئی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل میری برابری نہیں کرسکتا)۔ ؎

چوں سایۂ دو دیدم زپیش روزے چند　　وز سایۂ او بسایۂ او خرسند

آنحضرت صلعم اگرچہ اہل عالم کے آفتاب تھے۔ لیکن "ابیت عند ربی" (میں اپنے پروردگار کے ہاں رہا) کے پرورش یافتہ تھے۔ اور "یطعمنی" کے دستر خوان سے نوالہ حاصل کرتے تھے اور "یسقینی" کے جام سے شراب نوش جاں فرماتے تھے۔ نظم

خوانِ تو ابیت عند ربی　　خواب تو ولاینام قلبی
خاکِ قدم تو اہلِ عالم　　زیرِ علمِ تو نسل آدم
طاؤسِ ملایکہ برید ست　　سرخیل مقربان مرید ست
چوں نیست بضاعتے زطاعت　　از ماگنہ وز تو شفاعت

اگرچہ "تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض" (یہ سب رسول ہیں۔ ہم نے بعض کو بعض پر بزرگی عنایت کی ہے) کے بموجب انبیاء علیہم السلام میں سے ہر ایک۔ ایک ایک امت کا قافلہ سالار ہو گذرا۔ اور سب کے سب برگزیدہ تھے۔ ہر ایک کسی خاص امت کا پیشرو تھا۔ اور قیامت کے روز اسی امت کو باہر لیجائیگا۔ لیکن پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم ان سب کے قافلہ سالار ہیں۔ جنہوں نے نہایت مہربانی سے عدم سے قدم باہر رکھا۔ اور موجودات کے قافلے کی پیش روی کی۔ اور وجود کے صحرا میں لاڈالا۔ "نحن الاخرون السابقون" (ہم سب سے بعد میں آنے والے ہیں لیکن سب سے سابق ہیں) آنحضرت صلعم کو تمام انبیاء پر چھ چیزوں سے فضیلت دی۔ "فضلت علی الانبیاء بست" (چھ چیزوں سے مجھے تمام انبیاء پر فضیلت حاصل ہے)۔ اور قافلے کی واپسی کے وقت جو پیشرو ہوتا ہے وہ سب سے پیچھے ہوتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہوئے۔ جس طرح پہلے پہل نبوت کا خطبہ آسمانوں میں آپ کے اسم مبارک سے تھا۔ "کنت نبیا وآدم بین الماء والطین" (میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی میں تھے) آخر میں بھی تمام روئے زمین پر ختم نبوت کا سکہ آنحضرت صلعم کے اسم مبارک پر ضرب کیا گیا۔ ہاں کوئی

تعجب کی بات نہیں۔ کہ ختم نبوت آنحضرت صلعم پر ہی ہو۔ اس سے پیشتر ہم شرح بیان کر آئے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم آفرینش کے درخت کا بیج بھی تھے اور پھل بھی اور باقی انبیاء اس درخت کے پتے اور شاخیں تھے۔ اور جب تک پتے اور شاخیں نہیں نکلتیں پھل نہیں لگتا۔ اور جب پھل آتا ہے تو پھر کوئی شاخ یا پتہ نہیں نکلتا پھل سب سے آخیر ہوتا ہے۔ اور پتوں اور شاخوں کا نکلنا اس پر ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر یہودی اور آتش پرست ہم سے یہ سوال کریں۔ کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر ہونے کی کیا دلیل ہے۔ اور اگر یہ بھی ثابت ہو جائے کہ آنحضرت صلعم پیغمبر تھے۔ تو یہ کس طرح لازم آتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کا دین باقی مذہبوں کا ناسخ ہے۔ اور یہ کس طرح لازم ہو سکتا ہے۔ کہ مختلف اُمتوں کے لوگ اپنے اپنے مذہب کو چھوڑ کر آنحضرت صلعم کی پیروی کریں۔ چونکہ ہر پیغمبر کے پاس خدا کا کلام موجود ہے۔ وہ کس طرح منسوخ ہو سکتا ہے۔ اور بات لازم کیوں نہیں۔ کہ ہر شخص اپنے مذہب کا پابند رہے جیسا کہ دوسرے نبیوں کے وقتوں میں ہوتا رہا ہے۔ تاکہ تمام مذاہب اور کتب سماوی برقرار رہیں۔ اس کا **جواب** دو طرح پر دیا جا سکتا ہے۔ ایک از روئے عقل اور دوسرا از روئے حقیقت۔

از روئے عقل تو یہ ہے۔ کہ ہم یہ کہدیں۔ کہ یہی سوال تم پر بھی ہو سکتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ تم کس دلیل سے موسیٰ علیہ السلام کا پیغمبر ہونا ثابت کرتے ہو۔ حالانکہ تم نے ان کو یا ان کے معجزوں کو نہیں دیکھا۔ ان کا جواب دو طرح سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ یا تو یہ کہینگے۔ کہ ہمیں سلسلہ وار موسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کی خبر پہنچتی رہی۔ اور تواتر علم کا موجب ہے۔ اور معجزہ نبوت کے صحیح ہونے کا موجب ہے۔ یا یہ کہینگے۔ کہ چونکہ ہمیں دلی تصدیق حاصل ہوگئی ہے جو نور ایمان کا نتیجہ ہے۔ اس لئے ہمیں کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں۔ تو ہم بھی کہینگے کہ ہماری دلیل بھی بعینہ یہی ہے۔ کیونکہ ہم نے بھی حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات تواتر سے معلوم کئے ہیں۔ اور دلی تصدیق جو نور ایمان کا نتیجہ ہے۔ وہ فی الحقیقت ہمیں حاصل ہے۔ کیونکہ اس پر تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی کتابوں کا ایمان ہے۔ نہ تمہاری طرح کہ بعض انبیاء اور بعض کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور بعض پر نہیں جیسا کہ یہودی حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر اور انکی کتاب کا یقین نہیں کرتے۔ اور عیسائی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور انکی کتاب پر ایمان نہیں لاتے۔ اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ کا فرزند اور ثالث ثلاثہ کہتے ہیں۔ "تعالی اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً" (اللہ تعالےٰ کی نسبت جو کچھ

کہتے ہیں۔ وہ اس سے بالکل پاک ہے اور اعلیٰ اور بڑا ہے) اور دوسرے یہ کہ ہر ایک پیغمبر کا معجزہ اسی کے عہد میں ہوتا رہا۔ اور جب عہد گذر گیا۔ تو معجزہ ساتھ ہی چلا گیا۔ لیکن دین محمدی کی یہ خاصیت ہے۔ کہ آنحضرتؐ کے بعد بھی قرآن مجید کا معجزہ جو از اں جملہ ایک تھا۔ جب تک جہان باقی ہے۔ وہ بھی باقی رہیگا۔ قرآن کا اعجاز یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے زمانے سے لیکر آج تک عرب اور ایران کے تمام فصحا جو آنحضرتؐ سے دشمنی رکھتے آئے ہیں۔ کوئی بھی ویسی مثال پیش نہ کر سکا جیساکہ خود قرآن میں اس معجزہ کی خبر اس طرح پر ہے " قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا " (اے پیغمبر! انہیں کہدے۔ کہ اگر انسان اور جن سب متفق ہو کر اس قرآن کی مثال پیش کرنا چاہیں۔ تو بھی اس کی مثال پیش نہ کر سکینگے۔ خواہ بعض بعض کی مدد ہی کیوں نہ کریں) اس سے بڑھ کر اور عجیب معجزہ کیا ہو سکتا ہے۔ کہ باوجود اس قدر دشمنوں اور حاسدوں کے جو شرق اور غرب میں تھے۔ اور عرب وعجم کے بڑے بڑے فصحا اور بلغا اور اہل کتب وفلسفہ اور زندیقی حکماء جو عالم کو قدیم جانتے تھے۔ اور حشر ونشر کے منکر تھے۔ اور قرآن مجید کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھتے تھے۔ انہوں نے بھی اس عظمت کا دعوےٰ کیا۔ لیکن سب کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ آج بارہ سو سال گذر گئے۔ لیکن کسی نے قرآنی دعوے کو باطل نہ کیا۔ اور ایسی کتاب پیش نہ کر سکے نہ اکیلے اور نہ ملکر۔ اور نہ ایک دوسرے کی مدد سے۔ اور ان خبروں کی سچائی جو عین معجزہ ہے۔ خود بخود عیاں ہے۔ یہی حال ان خبروں کا سمجھ لو۔ جو خواجہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی ہیں۔ سب کی سب ایک ایک کر کے ظاہر ہو جائینگی۔ خصوصاً تاتاری ملعون کافروں کا واقعہ (خدا انہیں غارت کرے) اس کی نسبت آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ اُس وقت تک قیامت نہیں آئیگی۔ جب تک میری اُمتیں ترک قوم سے جنگ نہ کرینگی۔ اور ترک لوگوں کی یہ پہچان ہے۔ کہ انکی آنکھیں چھوٹی اور ناک چپٹی۔ اور چہرے چوڑے جیسے کہ ڈھال پر سے چمڑا اُتار لیا گیا ہو۔ اور قتل بہت ہوگا۔ یہ فرمان بالکل ٹھیک نکلا۔ ابھی ہمیں بے فکر نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کی حدیثوں میں اور بہت سی خبریں مندرج ہیں۔ تاحال جو ظاہر نہیں ہوئیں۔ " اللھم انا نسئلک العفو والعافیۃ والعافات فی الدین والدنیا والخاتمۃ المرضیۃ بجودک وکرمک " (اے پروردگار! ہم دین ودنیا میں تجھ سے معافی عافیت اور رنج وبیماری سے خلاصی چاہتے ہیں۔ اور تیرے فضل وکرم سے تیری حسب منشا اپنا

خاتمہ چاہتے ہیں) +

پس اہل کتاب نے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو انکے معجزات کی متواتر خبروں سے مان لیا ہے۔ اگر دشمنی نہ کرتے تو مناسب تھا۔ کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر بھی ایمان لاتے کیونکہ عہد بھی زیادہ قریب ہے اور خبریں بھی متواتر اور جھوٹ سے خالی ہیں۔ اور قرآنی معجزہ اور خواجہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اخبارات ظاہر ہیں۔ لیکن بات اصل میں یہ ہے۔ کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا ایمان عقلی نظر اور تصدیق کے نور کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ محض انہوں نے اپنے والدین سے بغیر بیّن دلیلوں کے بطور تقلید حاصل کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے "انا وجدنا اباءنا علی امۃ وانا علی اثارھم مقتدون" (ہم نے اپنے آبا و اجداد کو ایک اُمت کے طریقے پر پایا۔ اور ہم بھی انہیں کے قدموں کی پیروی کرتے ہیں)۔ اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "کل مولود یولد علی الفطرت فابواہ یھودانہ وینصرانہ ویمجسانہ" (ہر ایک بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اسکے والدین خواہ اسے یہودی بنائیں یا نصرانی یا مجوسی)۔ اور جو دین تقلید سے بغیر ایمانی نور اور عقلی نظر کے حاصل کیا جائے وہ کفر ہے۔ دوسرا جواب اِس بات کا کہ جب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہوگئی۔ تو اِس سے یہ کس طرح لازم آیا۔ کہ یہ دین دوسرے دینوں کا ناسخ ہے؟ اس طرح پر ہے۔ کہ جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت مسلّم ہوگئی۔ تو اسے صادق القول سمجھنا چاہیئے۔ اور آنحضرت صلعم کی کتاب کو قبول کرنا چاہیئے۔ اور قرآن مجید میں جو آنحضرت کی کتاب ہے لکھا ہے کہ "ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولوکرہ المشرکون" (وہ ذات حق ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دیکر بھیجا۔ تاکہ باقی دینوں پر اسے ظاہر کر دے۔ خواہ مشرک لوگوں کو یہ ناگوار گذرے) یعنی آنحضرت کے دین سے باقی تمام دین منسوخ ہو گئے۔ کتابوں اور دینوں کے منسوخ ہونیسے یہ مراد ہرگز نہیں۔ کہ انہیں باطل سمجھا جائے۔ اور انہیں سچ نہ سمجھا جائے۔ اور یہ کہ ان پر ایمان نہ لایا جائے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے۔ کہ جو مختلف حقائق دوسری کتابوں میں تھے اور جو اسرار مختلف شریعتوں میں متفرق پڑے تھے ان سب کو قرآن مجید اور شریعت محمدی میں ایک جگہ اکٹھا کر دیا گیا ہے "ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین" (سب خشک و تر اس ظاہر کتاب میں موجود ہے)

اور جو دینی نعمتوں کا کمل کرنے والا ہے ۔ کہ حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی خاص پرورش سے تعلق رکھتا تھا۔ اسی سے کرتے ہیں ۔" واتممت علیکم نعمتی" (تم پر میں نے اپنی نعمت پوری پوری کردی) تاکہ اگر ہر ایک اُمت کسی خاص پیغمبر کی مقتدی ہوتی ۔ اور ایک صاحب دولت کی تابعداری کا پھل اُٹھاتی ۔ تو یہ اُمت تمام انبیاء کی مقتدی بن سکے ۔ اور سب کی پیروی کا پھل اُٹھائے یہ اولئك الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ" (یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی پس تو انکی ہدایت کی پیروی کر) آنحضرت صلعم کی نبوت کو دوسری نبوتوں کے ساتھ وہی نسبت ہے ۔ جو آفتاب کو ستاروں سے ہے ۔ ابتداء میں جبکہ دین نے کمال حاصل نہیں کیا تھا ۔ خلق خدا دین کی رات میں تھی ۔ اور ہر ایک امت ہر قرن میں کسی خاص نبوت کے ستارہ سے راہ حاصل کرتی رہی "و بالنجم ھم یھتدون" (ستاروں سے وہ راہ حاصل کرتے ہیں) لیکن جب دین کے کام نے "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا" (آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین مکمل کر دیا ۔ اور اپنی نعمتیں تمہیں پورے طور پر دے چکا ۔ اور تمہارے مذہب اسلام کو پسند کیا) کا کمال حاصل کیا ۔ تو وجود محمدی کے آفتاب کو آفتاب کی طرح خلقت میں بھیجا گیا ۔ " وما ارسلناك الا كافة للناس بشيراً و نذيراً" (ہم نے نہیں بھیجا تجھے مگر سب انسانوں کیلئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانیوالا) اس وقت دین کی راہ دن میں تبدیل ہو گئی ۔ اور مالک یوم الدین کی صفت ظاہر ہوئی ۔ ستاروں کی راہبری اور راہنمائی اسی وقت تک قائم رہتی ہے جب تک کہ آفتاب نہ نکلے ۔" اذا اطلع الصباح استغنی عن المصباح" (جب صبح ہو جائے تو چراغوں کی ضرورت نہیں رہتی) جب سیاروں کا بادشاہ اپنا جمال دکھاتا ہے ۔ تو شعاعوں کی تلواروں سے ستاروں کی روشنی کے سر جدا کر دئے جاتے ہیں ؎

ہر کجا آفتاب طالع شد — ماہ در حال چہرہ در چلیند

از روئے حقیقت اس سوال کا جواب یہ ہے کہ موجودات کے پیدا کرنے سے اصلی مقصود انسانی وجود تھا ۔ اور انسانی وجود سے معرفت مقصود تھی ۔ اور جسے اللہ تعالیٰ نے امانت فرمایا ہے وہ معرفت ہی ہے اور اس امانت کا بوجھ اُٹھانیکے قابل انسان ہی ہوا ۔ اور معرفت دین میں ہے جسقدر آدمی کو دین سے زیادہ برخورداری حاصل ہوتی ہے ۔ اسی قدر اسے معرفت زیادہ حاصل ہوتی ہے ۔

جس شخص کو دین سے بہرہ حاصل نہیں وہ معرفت سے بھی بے نصیب ہے۔ اور دین کی کمالیت کے بوجھ کا متحمل مطلق انسان ہو سکتا تھا۔ نہ کہ ایک مقررہ شخص جس طرح پھل کو درخت سہار سکتا ہے نہ کہ ایک شاخ۔ ابتداء میں جب ایک شاخ زمین سے نکلتی ہے۔ تو اس پر پھل نہیں آتا۔ تاوقتیکہ سارا درخت پورا مکمل نہ ہو لے۔ پس انسانی وجود دنیا میں ایک ہے۔ اور ہر ایک شخص اس وجود کے لئے بمنزلہ ایک خاص عضو کے ہے۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ اس وجود کے اعضائے رئیسہ ہیں۔ اعضاء رئیسہ سے وہ اعضاء مراد ہیں۔ جن کے بغیر انسانی زندگی ناممکن ہے جیسے کہ سر۔ دل۔ جگر۔ پھیپھڑا وغیرہ ان سب میں حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم بمنزلہ دل کے ہیں۔ دِل ہر ایک شخص میں ہوتا ہے۔ اور یہی انسانی وجود کا خلاصہ ہوتا ہے۔ اِس واسطے کہ انسانی وجود میں وہ مقام جو انوار روح کا مظہر ہوتا ہے۔ اور اس میں جسمانیت ہوتی ہے وہ یہی دِل ہوتا ہے۔ اکیلا دِل دین میں مشغول نہیں ہو سکتا جو کہ معرفت کا پھل لاتا ہے۔ اِسے ضرور دوسرے اعضاء کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن جو دین کا ثمرہ ہے وہ معرفت سے دِل ہی میں پیدا ہوتا ہے۔ اور معرفت کی کمالیت کا ثمرہ بھی دِل ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ گو دوسرے اعضاء کو بھی اس میں سے حصّہ ملتا ہے اور دِل میں وہ خاصیت ہے۔ جو کسی دوسرے عضو میں نہیں پائی جاتی۔ وہ یہ ہے۔ کہ دل میں ایک خاص جان ہے جس سے باقی کے اعضا زندگی حاصل کرتے ہیں۔ اور نیز دل بھی۔ دوسرے یہ کہ دِل کو عالم اجسام کے خلاصہ سے بنایا گیا ہے۔ اور دِل کی جان عالم ارواح کے خلاصہ سے بنائی گئی ہے۔ چنانچہ مفرد اور مرکب اجسام کی ساری لطافت لیکر اسے نباتات کی غذا بنایا۔ اور جو نباتات میں سے لطیف تھا۔ اسے حیوانات کی غذا بنایا۔ اور جو حیوانوں میں لطافت تھی اسے انسان کی غذا بنایا۔ اور جو انسانی غذا کی لطافت تھی اس سے آدمی کا بدن بنایا۔ اور جو بدن کی لطافت تھی اس سے دِل کی صُورت بنائی۔ اور اسی طرح ارواح انسانی ارواح ملکی کی لطافت سے بنے اور ارواح ملکی ارواح جن کی لطافت سے۔ اور ارواح جن ملکوتیات کی لطافت سے۔ جو انسانی رُوح کی لطافت تھی اسے لیکر دل کی جان بنایا۔ پس اس بیان کے مطابق دل جسمانی اور روحانی دونوں عالموں کا خلاصہ ہوا۔ اِس لئے معرفت کا مظہر دل ہی بنا۔ اِسی واسطے فرمایا ہے "کتب فی قلوبھم الایمان" (ان کے دِلوں میں ایمان لکھا گیا) انسان میں کوئی مقام

سوائے دِل کے کتابت حق کے قابل نہ معلوم ہوا۔اور کوئی مقام سوائے دِل کے مقربین الاصبعین کے مناسب معلوم نہ ہوا۔چونکہ آنحضرت صلعم دِل کی مانند تھے۔اِس لئے آنحضرتؐ کو جان بھی ایک خاص عطا ہوئی۔جو کسی دوسرے نبی کو نصیب نہ ہوئی۔اور نبوت کی جان جو تمام نبیوں کو حاصل تھی۔وہ آنحضرتؐ کو بھی حاصل تھی۔"یلقی الروح من امرہ علیٰ من یشاء من عبادہ" (اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسے اپنے امر سے رُوح کی القا کرتا ہے) لیکن خاص جان "وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا" (اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے امر سے ایک رُوح بطور وحی ارسال کی) ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتی۔اور یہی مقام محمود ہے۔جو شفاعت کی حقیقت ہے۔اور جو آنحضرت صلعم سے مخصوص ہے۔اور آنجناب کے فضائل سے ایک یہ بھی ہے۔"واعطیت الشفاعۃ" (اور مجھے شفاعت عطا ہوئی) اسی طرح "فاوحی الیٰ عبدہ ما اوحی" (پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر حکم بھیجا جو بھیجا) کا استحقاق بھی آنحضرتؐ کو ہی ملا۔جو بمنزلہ "کتب فی قلوبھم الایمان" کے تھا۔اور قرب او ادنیٰ کا شرف بھی آنحضرتؐ کو ہی حاصل ہوا۔جو بمنزلہ مقربین الاصبعین کے تھا۔پس جس طرح معرفت میں تمام اعضاء دِل کے تابع ہیں۔اسی طرح نبوت میں تمام انبیاء آنحضرت صلعم کے تابع ہیں۔اسی واسطے سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔"لوکان موسیٰ وعیسیٰ حیًا لما وسعھما الا اتباعی" (اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو میری پیروی کی کوشش کرتے) اگرچہ تمام انبیاء دین پروری کے کام میں برسر کار تھے۔لیکن دین کی کمالیت کا مظہر حضرت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کا عہدِ مبارک ہی تھا۔اللہ تعالیٰ نے کمال حکمت خداوندی سے دین کی حقیقت کو انبیاء کی پرورش کے تصرف میں رکھا۔جس طرح کہ گیہوں سے نان تیار ہوتے تک کئی صاحب صنعت استاد کام کرتے ہیں۔کوئی گیہوں صاف کرتا ہے۔کوئی پیستا ہے۔کوئی خمیر کرتا ہے۔کوئی پیڑے بناتا ہے۔کوئی چوڑا کرتا ہے۔اور کوئی تنور میں لگاتا ہے۔لیکن جو تنور میں لگاتا ہے۔تکمیل اسی کے ہاتھ سے ہوتی ہے۔مگر باقیوں کو بھی اپنا اپنا کام کرنا پڑتا ہے۔حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت تک ہر ایک نبی علیہ السلام دینی کام کا خمیر تیار کرتا رہا۔لیکن آتش محبت سے تپا ہوا تنور حبیب الٰہی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل تھا۔جب ایک سو بیس ہزار نقطۂ نبوت سے اس پیڑے کی پرورش ہوگئی۔تو آنحضرت صلعم

کے دستِ مبارک میں دیا۔ "اولئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ" (وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی ہے۔ پھر انہیں کی ہدایت کی پیروی کر) جنہوں نے اسے محبت کے تنور میں لگایا۔ اور دین کی روٹی نبوت کے تئیس ۲۳ سال میں کمال کو پہنچ گئی۔ "الیوم اکملت لکم دینکم" (آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا) اور تنورِ محبت سے نکال کر "بعثت الی الخلق کافۃ" (کی دعوت کی دکان پر رکھی گئی۔ تاکہ "علی فطرۃ من الرسل" کے قحط زدہ بھوکے اس روٹی کی قیمت کے بدلے اپنا جان و مال خرچ کریں۔ کہ "وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ" (اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں کوشش کرو) اور جس پختہ نان کی آرزو میں کئی ہزار امتوں نے جانیں دیدیں۔ اس کے لئے "کنتم خیر امۃ" کے صاحب دولت مخصوص ہو گئے۔ اور موسیٰ علیہ السلام جو "رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر" (اے پروردگار! تو اپنے خوانِ کرم سے جو نعمت بھی مجھے بھیجدے میں اس کا سخت حاجتمند ہوں) کے بھوکے تھے۔ اسی روٹی کی آرزو میں "اللھم اجعلنی من امۃ محمد" (اے پروردگار مجھے محمدؐ کی اُمت بنا) پکارتے تھے۔ اگرچہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اس روٹی پر کام تو کرتے رہے۔ اس وقت سے لیکر جبکہ یہ گیہوں کی حالت میں تھی۔ اس وقت تک اس میں سے کچھ نہ کچھ کرتے رہے۔ اور اپنی قوم کو دیتے رہے۔ لیکن اسے وہی کھاتے تھے جو اس پر کام کرتے تھے۔ چونکہ اس پر سب سے پہلا کام کرنے والا شخص حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ اور اس وقت یہ روٹی ابھی گیہوں کی حالت میں تھی۔ اس لئے اُنہوں نے اسے اسی گیہوں ہی کی حالت میں کھایا۔ اور یہی وجہ تھی۔ کہ ملائکہ "وعصیٰ آدم" کی طعن کرنے لگے۔ اس واسطے کہ اس روز تک گیہوں فرشتوں کے دہقانوں اور مزارعوں کے ہاتھ میں تھی۔ اُنہوں نے اسے بہشتی زمین میں بو رکھا تھا۔ اور پرورش کر رہے تھے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کے وقت تک پرورش میں مشغول رہے۔ اور ادھر اللہ تعالےٰ آدم کے آب و گل کو مکہ اور طائف کے درمیان پرورش کرتا رہا۔ جب آدم علیہ السلام مکمل ہو چکے۔ تو اُن کی غذا بھی بہشت میں تیار اور مکمل ہو چکی تھی۔ پھر امتحان کیا گیا کہ کیا یہ اپنی غذا خود بھی شناخت کرتا ہے یا نہیں۔ اِس لئے حکم ہوا۔ کہ اے آدم! بہشت میں جاکر جو مرضی ہو کھاؤ لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا۔ آدم علیہ السلام بموجب حکم الٰہی اس درخت کے پاس نہ جاتے۔

لیکن آنجناب کا نفس امّارہ کبھی کھانے پر مانوس نہ ہوتا۔ بلکہ اسی ممنوع کی طرف مائل ہوتا جس طرح کہ گھوڑے کے سامنے تھوڑی سی گھاس رکھدیں۔ اور اس سے ذرا فاصلے پر جَو کا توبرہ رکھا ہو۔ اور اسے کہدیں۔ کہ یہ گھاس کھائے اور توبرے کے پاس نہ جانا۔ وہ مجبوراً گھاس کھائیگا۔ لیکن وہ توبرے کی طرف مائل رہیگا۔ اگر کوئی شخص آکر رسّا کھول دے۔ تو ضرور وہ توبرے کی طرف جائے گا۔ اسی طرح اگرچہ آٹھوں بہشتوں کی نعمتیں حضرت آدم علیہ السلام کو عنایت ہوئی۔ لیکن دِل میں اسی گندم کی طرف مائل تھے۔ مگر مجبوری یہ تھی۔ کہ " ولا تقربا ھذہ الشجرۃ " (تم دونوں اس درخت کے پاس نہ جانا) کی قید لگا رکھی تھی۔ آخر شیطان نے آکر کہا " ھل ادلک علی شجرۃ الخلد وملک لا یبلی " (کیا میں تجھے ہمیشہ رہنے والا درخت اور نہ زائل ہونے والا ملک بتاؤں) آدم علیہ السلام نے کہا میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ مجھے تیرے بتانے کی کچھ ضرورت نہیں۔ کیونکہ میں فرشتہ نہیں۔ کہ جسے تیرے جیسے معلم کی ضرورت ہو۔ میں " وعلم آدم الاسماء کلھا " (اور آدم علیہ السلام کو ان سب کے نام سکھائے گئے) کے مکتب کا پڑھا ہوا ہوں۔ مجھے معلوم ہے۔ کہ وہ درخت کونسا ہے۔ اور تجھے بھی اچھی طرح معلوم ہے۔ کہ شجرہ خلد ملک ابدی کا وسیلہ ہے۔ شاید تو دشمنی اور کجی سے کہتا ہے۔ تاکہ مجھے حکم الٰہی کا مخالف بنائے۔ مجھے بیشک دِل وجان سے اس کی آرزو ہے۔ لیکن پابندئ فرمان اس امر میں مانع ہے۔ شیطان نے قسم کھائی۔ اور قسم کی دست بُرد سے " قاسمھما انی لکما لمن الناصحین " (اس نے دونوں کو قسم کھا کر کہا۔ کہ میں البتہ تمہیں نصیحت کرتا ہوں) فرمان کی پابندی آدمؑ کے پاؤں سے دور کی۔ آدم علیہ السلام نے اپنی سادگی اور صاف دلی سے اس کی طرف دیکھا۔ اور خیال کیا۔ کہ جو شخص اللہ تعالےٰ کی عظمت کی قسم کھاتا ہے وہ جھوٹا نہیں ہوگا۔ جب اُنہوں نے قسم سنی۔ تو نہایت نیک دلی سے صفات الٰہی سن کر فریفتہ ہو گئے۔ اور واقعی عاشقوں کی نشانی بھی یہی ہے۔ کہ معشوق کے سوا دونوں جہان پر بھی فریفتہ نہیں ہوتے۔ " خدعنا باللہ انخدعنا " اللہ تعالیٰ نے جو بازپرس کی تو وہ اس واسطے نہ تھی۔ کہ گیہوں اس کے لئے بنائی گئی تھی۔ جیسا کہ پیر ہروی فرماتے ہیں۔ ابلیس نے تو آدم کو دھوکا دیا۔ لیکن گیہوں کو آدم کی روزی کس نے بنایا۔ اگرچہ گیہوں کی پرورش فرشتے کرتے تھے۔ لیکن ان کو غذا کی ضرورت نہ تھی۔ اس کا کھانے والا آدمؑ تھا۔ بازپرس صرف اس واسطے ہوئی۔ کہ اُنہوں نے شیطان کے کہنے سے کھائی۔ اِسی

واسطے جہان میں شور برپا ہوگیا۔ کہ آدمؑ نے نافرمانی کی۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی۔ جس کی اطلاع فرشتوں کو ہرگز نہ تھی۔ وہ اسی خیال میں تھے۔ کہ اتنے ہزار سال سے ہم ایک لطیف درخت کی پرورش کر رہے تھے جس کا جمال آٹھوں بہشتوں کی آرائش ہے۔ اس نارسیدہ بچے نے آکر بے فرمانی کی اور بچوں کی طرح اس کی شاخ کو توڑا اور کھا کر ناچیز کر دیا۔ ہمیں تو پہلے ہی سے معلوم تھا۔ کہ وہ فساد کریگا "اتجعل فیہا من یفسد فیہا" (کیا تو اس کو بناتا ہے۔ جو اس میں فساد برپا کریگا) سو اب اس نے یہیں فساد برپا کر دیا۔ اگر اس گیہوں کو نہ کھاتا۔ اور تباہ نہ کر دیتا۔ تو اس درخت کے ہر دانے سے درخت پیدا ہوتا۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا۔ کہ جب بوئینگے تو درخت ہوگا۔ اور جب کھائینگے تو مرد ہوگا۔ یہ ایک بڑا بھاری بھید ہے جس تک ہر شخص کی عقل نہیں پہنچ سکتی۔ غرض یہ ہے۔ کہ وہ طعن تشنیع صرف اس واسطے تھی۔ کہ دین کی گندم اس کے عہد تک ابھی پرورش میں تھی۔ اور کسی نے اسے کھایا نہ تھا۔ اور آدمؑ کو اس پر محنت کرنی چاہیئے تھی۔ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی اس پر دستکاری کرتے۔ اور جب پک جاتی تو استاد حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیتے۔ اور پھر اس میں سے ہر شخص لیکر اپنی خوراک بناتا۔ مثل مشہور ہے۔ کہ جو شخص مٹی کرتا ہے۔ وہ مٹی کھاتا ہے۔ آدم علیہ السلام نے گیہوں پر کام کیا۔ اس لئے گیہوں کھائی۔ لیکن جنہوں نے آٹے پر کام کیا۔ انہوں نے آٹا کھایا۔ چونکہ محبت محمدی کے تنور سے روٹی پک کر نکلی۔ اس لئے دعوت محمدی کی دُکان پر رکھی گئی۔ اور منادی کی گئی۔ کہ مختلف دینوں میں جسے آتش محبت کی پکی ہوئی روٹی مطلوب ہو۔ اور درگاہ الٰہی کا محبوب بننا چاہے۔ وہ حبیب اللہ کی دُکان پر آئے "قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ" (اے محمد! کہدے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کو محبت کرتے ہو۔ تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تمہیں محبت کرے گا) پس دین کی تربیت چونکہ انسانی رستے سے حاصل ہوتی ہے اس لئے ہر ایک نبی بمنزلہ عضو کے تھا۔ ہر ایک نے مایۂ دین کے خمیر پر اپنی کمال دستکاری کی یہاں تک کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی باری آئی۔ جو کہ انسانی وجود میں بمنزلہ دل کے تھے۔ آنحضرت صلعم نے اس پر اپنی دستکاری کی۔ اور دین اپنی کمالیت کو پہنچ گیا۔ اِس لئے کسی مربی کے تصرف کا محتاج نہ رہا۔ کیونکہ کسی عہد میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا "الیوم اکملت لکم دینکم" اور جو زیادتی کمال پر ہو۔ وہ عین نقصان ہوتی ہے۔ جیسا کہ "الزیادۃ

علی الکمال نقصان" سے ظاہر ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔" من احدث فی دیننا مالیس منہ فھو ردّ " (جس شخص نے ہمارے دین میں کوئی نئی شاخ نکالی۔ جو اس سے نہیں پس وہ مردود ہے)۔ اور نیز فرمایا۔" وایاکم والمحدثات فان کل بدعتہ ضلالۃ " (تمہارے لئے نئی بات پیدا کرنا ضروری ہے بیشک بدعت گمراہی ہے) دین میں بہت سی صفتیں ہیں۔ ہر ایک نبیؑ نے ایک خاص صفت کو درجہ کمال تک پہنچایا۔ چنانچہ آدمؑ نے صفوت کی صفت کو کمال تک پہنچایا۔ اور نوحؑ نے دعوت کی صفت کو۔ ابراہیم علیہ السلام نے خلت کی صفت کو۔ موسیٰؑ نے مکالمت کی صفت کو۔ ایوبؑ نے صبر کی صفت کو۔ یعقوبؑ نے حزن کی صفت کو۔ یوسفؑ نے صدیقی کی صفت کو۔ داؤدؑ نے تلاوت کی صفت کو۔ سلیمانؑ نے شکر کی صفت کو۔ یحییٰؑ نے خوف کی صفت کو۔ اور عیسیٰؑ نے امید کی صفت کو۔ اور علی ہٰذا القیاس۔ ہر ایک نبیؑ نے ایک خاص صفت کی درجہ کمال تک پرورش کی۔ اگرچہ انہوں نے باقی صفات کی تو پرورش کی۔ لیکن ایک پر ایک غالب آتی گئی۔ مگر جو سب سے اعلےٰ صفت تھی۔ یعنی صفت محبت۔ وہ سوائے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کسی سے درجہ کمال کو نہ پہنچی۔ اِس واسطے کہ آنحضرت صلعم انسانی وجود میں بمنزلہ دِل کے تھے۔ اور محبت کی پرورش کرنا صرف دل ہی کا کام ہے۔ اور دین کی کمالیت محبت کی کمالیت پر منحصر ہے۔ اور "فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم ویحبونہ" کی قبا اسی امت کو مرحمت ہوئی۔ اور "وجوہ یومئذٍ ناضرۃ الی ربّھا ناظرۃ" کی کرامت ایک شمع تھی۔ جو ان پروانوں جیسے خرمن سوختگوں کے لئے روشن کی گئی تھی۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو من اور سلوےٰ دیا گیا۔ اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کو دسترخوان بھیجا گیا۔" ذرھم یا کلوا ویتمتعوا" تو ان تلچھٹ تک اڑا جانے والے گودڑی پوشوں اور گھر کو بیچ ڈالنے والے رندوں کو شراب شہود کا گھونٹ جس قدر" وسقیٰھم ربّھم" کا ساقی جام جمال سے انکے وجود کی کند زبان پر ڈالتا ہے۔ اِسی قدر اس شراب کے دور سے" انا الحق وسبحانی" کا جنگ وجدل برپا ہوتا ہے۔ لیکن وجود برانداخت کا خانہ ایک ایسی قبا ہے۔ جو ان پریشاں حال جواریوں کے قد کے سوا کسی جسم پر ٹھیک نہیں آتی۔ اور شہود کی شمع پر جان جلانا سوائے ان شکستہ بال پروانوں کے کسی کو درست نہیں۔ اِس لئے دونوں جہان قطع بقطع دوسری امتوں

کو دیئے گئے۔ اور عزت کا خیمہ ان گداؤں کی بارگاہ دولت میں نصیب کرتے ہیں۔ کہ "انا عند المنکسرۃ قلوبھم" (میں انکے ٹوٹے ہوئے دلوں کے نزدیک ہوں)۔ رباعی

ہر دل صنما بعشق ما بینا نیست | ہر جاں صدف گوہر عشق ما نیست
سودائے وصال با تو تنہا نیست | لیکن قد ایں قبا بہر بالا نیست

چونکہ دین کی کمالیت صفت محبت کی کمالیت پر موقوف تھی۔ اور یہ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے جو کہ انسانی وجود میں بمنزلہ دل کے تھے۔ پوری ہوئی۔ اس لئے آنحضرت حبیب اللہ اور خاتم الانبیاء ہوئے۔ اور آنجناب کا دین دوسرے دینوں کا ناسخ ہوا جس شخص کو دین کی کمالیت اور محبوبیت کا مرتبہ مطلوب ہو۔ اسے "فاتبعونی یحببکم اللّٰہ" کی متابعت کے خط پر سر رکھنا چاہیئے۔ اور چونکہ کمال اسی دین میں ہے۔ اس وجہ سے دوسرے دین منسوخ ہو گئے۔ جیسا کہ جہاں پانی مل جائے۔ وہاں خاک سے تیمم کرنا جائز نہیں رہتا۔ پہلے ہم بیان کر آئے ہیں۔ کہ دوسرے انبیاء کے عہد میں گیہوں۔ آٹا اور خمیر کھا سکتے ہیں۔ اب جبکہ روٹی پک کر تیار ہو چکی۔ ان کا کھانا جائز نہیں۔ بلکہ ان انبیاء علیہم السلام کو اس دوکان میں آکر نانبائی سے روٹی لینی چاہیئے۔ کہ "الناس یحتاجون الی شفاعتی" (انسانوں کو میری شفاعت کی احتیاج ہے)۔ اور ابھی خواجہ علیہ السلام فراخ حوصلگی کے سبب اس نان اور نانوائی سے سیر نہیں ہوتے۔ اور فرماتے ہیں۔ "انا سید اولاد آدم ولا فخر" (میں بنی آدم کا سردار ہوں۔ اور یہ از روئے فخر نہیں کہتا) یہ کیا اشارہ ہے۔ یہ نہایت ہی لطیف اشارہ اور نہایت ہی لطیف ظرافت ہے یعنی کہ یہ سب نانبائی۔ سیادت۔ جھنڈا داری اور پیشوائی مجھے خلقت کا نصیبہ ہے۔ "وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین" (تجھے اہل جہان کے لئے باعث رحمت بھیجا ہے) پس یہ سب کچھ ان کیلئے جائے فخر ہے۔ کیونکہ وہ مجھ جیسا سردار۔ مقتدا۔ قافلہ سالار۔ رہنما اور شفاعت کنندہ رکھتے ہیں۔ لیکن ان میں سے میرا حصہ بے نصیبی ہے۔ اور میرا مقصود نا مقصودی اور میری مراد نامرادی۔ اور میری ہستی نیستی اور میرا فخر فقر ہے۔ "الفقر فخری" میں نے (مصنف کتاب) اس بارے میں ایک رباعی کہی ہے۔ رباعی

مارا نہ خراساں نہ عراق است مراد | وزیار نہ وصل و نے فراق است مراد
با ہیچ مراد جفت نتوانم شد | طاقم نہ مراد ہا کہ طاق است مراد

اے محمد! اس میں کیا بھید ہے۔ کہ آنجناب پیشوائی اور انبیاء کے سردار ہونے پر فخر نہیں کرتے۔ اور فقر پر فخر کرتے ہیں صرف اس واسطے کہ ہماری راہ عشق و محبت ہے۔ اور یہ راہ سوائے نیستی کے طے نہیں ہو سکتی۔ اور پیشوائی اور سروری ہستی ہے۔ رُباعی

تا گم نشوی در او قدم نتواں زد ایں راہ است کہ جز بگم نتواں زد

روزے صدرہ ترا دریں رہ بکشند کاندر طلب قصاص دم نتواں زد

کافروں کی جماعت نے آنحضرت صلعم کے لب و دندان مبارک کو آزمائش کے پتھر سے توڑا۔ تو آنحضرتؐ نے چاہا۔ کہ دندانِ مبارک ظاہر کریں۔ لیکن ابھی لب بھی نہ ہلانے پائے تھے۔ کہ حکم الٰہی صادر ہوا۔ "لیس لک من الامر شیء" (امر الٰہی میں تیرا کچھ دخل نہیں) بڑے تعجب کا مقام ہے۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام سے تو ایسا معاملہ نہ ہوا تھا۔ جبکہ انہوں نے عرض کی تھی۔ کہ "رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا" (اے پروردگار! کافروں میں سے کسی کو بھی تو روئے زمین پر نہ رہنے دے) تو فوراً سارے جہان میں طوفان آگیا تھا۔ اور سب کو ہلاک کر ڈالا تھا۔ بیشک یہ ٹھیک ہے۔ کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام صفت قہر کے مظہر تھے۔ وہ اپنی راہ چلے "قل کل یعمل علی شاکلتہ" حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم صفت لطف و محبت کے مظہر تھے۔ آنحضرتؐ کی راہ دوسروں کے حق میں عابت کرنا ہے۔ پس یہی وجہ ہے کہ پتھر کھا کر آنحضرتؐ نے فرمایا "اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون" (اے پروردگار! میری قوم کو ہدایت کر کیونکہ انہیں معلوم نہیں) یہ کس قسم کا تصرف تھا۔ خواجہ علیہ السلام کے لئے نیستی اور گم ہونا اس واسطے سامنے رکھی گئی۔ تاکہ ہستی کو نیستی میں گم کر دیں ؎

تا گم نشوی و کمتر از کم نشوی اندر صفِ عاشقاں تو محرم نشوی

کیونکہ مجازی ہستی کے وجود کے ہوتے ہوئے حقیقی ہستی کے وجود کی کمایت حاصل نہیں ہو سکتی بے شک جسقدر تو اپنی مجازی ہستی کو خرچ کرے گا۔ اسیقدر ہستی حقیقی کی راہ میں ایندھن کو آگ سے نعیبہ حاصل ہوگا۔ ہستی کے وجود کو ایندھن سمجھ لو۔ اب ہستی کے ایندھن کو آتشی ہستی پر فدا کرنا چاہیئے۔ تاکہ سفلی ظلماتی اور کثیف ایندھن لطیف نورانی اور علوی آگ بنجائے۔ لیکن جب تک ایندھن کی ہستی سے کچھ بھی باقی ہے۔ دھُواں پیدا ہوگا۔ وہ دھُواں اصل میں آگ کی طلب کرتا ہے۔ کیونکہ ایندھن نے آگ کا ذوق معلوم کرلیا ہے۔ ایندھن کی حالت میں رہنے پر

راضی ہیں۔ وہ چاہتا ہے۔ کہ اس کا سارا وجود آگ ہو جائے۔ رباعی

آں مرتبہ یارب چہ حد مشتاقی است کا مروز ہم او حریف وہم ساقی است
ہاں اے ساقی بادہ مرا افزوں کن کا رستی ما ہنوز چیزے باقی است

پس اس حالت میں جو آگ ایندھن کو ملے۔ اُس کو اپنے لئے رکھے۔ دوسروں کو کچھ نہیں دے سکتی۔ ؎

قدر سوز تو چہ داند ازیں مشتے خاک ہم مرا سوز کہ صد بار دگر سوختہ ام

اور جب ایندھن اپنے تئیں سب کا سب آگ پر فدا کر چکتا ہے۔ تو اس کے بعد اپنا وجود اور جو آگ سے ملے وہ دوسرے ایندھن کیلئے ہوگی۔ نہ کہ اسکے لئے۔ یہ بڑا بھاری بھید ہے۔ ایک لاکھ نقطۂ نبوت نے وجود بشری کے ایندھن کو آتش محبت اور صفات حق کی تجلے پر فدا کیا تھا۔ لیکن ہر شخص سے نیم سوختہ ہی رہا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ قیامت کے دن ہر ایک سے نفسی نفسی کی آواز نکلیگی۔ لیکن پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے پروانے کی طرح جمال احدیت کی شمع پر اپنا وجود مبارک فدا کر دیا تھا۔ اس لئے آنحضرت ؐ امتی امتی پکارینگے۔ اور شمع جلال کا شعلہ اسی کا شعلہ ہوگیا۔ اور آدم ؑ کے باقی فرزندوں سے سب کو منقطع کرنے کے لئے فرمایا۔

"ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین"

(محمدؐ تم میں سے کسی کا باپ تو ہے نہیں۔ وہ خدا کا بھیجا ہوا اور خاتم النبیین ہے) ۔
میں نے (مصنف کتاب) اس بارے میں ایک رباعی کہی ہے۔ رباعی

مائیم ز خود وجود پرداختگاں وآتش بوجود خود در انداختگاں
پیش رخ چوں شمع تو شبہائے وصال پروانہ صفت وجود خود باختگاں

یہ بات جو مشہور ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کا سایہ نہ تھا۔ اس کی یہی وجہ ہے۔ کہ آنجناب تمام نور ہو گئے تھے۔ کہ "یاایہا الناس قد جاءکم نور من ربکم" (اے لوگو! بتحقیق تمہارے پروردگار سے تمہارے پاس نور آیا ہے) اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ چونکہ آنحضرت صلعم نے اپنے سائے سے خلاصی پائی تھی۔ اس واسطے تمام جہان آنجناب کے نور کی پناہ لینے کے لئے دوڑے۔ کہ "آدم ومن دونہ تحت لوائی یوم القیمۃ" (آدم اور اس کے علاوہ جتنے ہیں قیامت کے روز سب کے سب میرے جھنڈے تلے ہونگے۔ سب سے پہلے بھی نور محمدیؐ ہی پیدا ہوا جیسا کہ "اول ماخلق اللہ نوری" (جو چیز خدا نے سب سے پہلے پیدا کی وہ میرا ہی نور تھا) سے

ظاہر ہے۔ اور اب ابد کی حد تک بھی پہنچا۔ جیسا کہ "لا نبی بعدی" (میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا) سے ظاہر ہے۔ جب سے دولت محمدی کا آفتاب طلوع ہوا۔ تب سے ولایت انبیاء کے ستارے غائب ہو گئے۔ اور دوسرے دینوں کی رات کی آیت منسوخ ہو گئی۔ اس واسطے کہ جب صبح ہو جاتی ہے تو چراغ کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگرچہ میری صورت کا آفتاب "کل نفس ذائقۃ الموت" کے مغرب میں غروب ہو جائیگا۔ لیکن دین کا آفتاب جب تک جہان باقی ہے دین پرور اور حق گستر علماء کی وجہ سے باقی رہیگا۔ جیسا کہ "لا یزال طائفۃ من امتی قائمین علی الحق" (میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ ایسا رہیگا۔ جو حق پر قائم ہوگا) سے ظاہر ہے۔ اس کے ہوتے ساتے دوسرے انبیاء کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ اس امت کے علما دوسری اُمتوں کے پیغمبروں کے برابر ہیں۔ جیسا کہ "علماء امتی کانبیا بنی اسرائیل" (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں جیسے ہیں) سے ظاہر ہے۔ دین دو طرح کا ہے۔ ایک ظاہر۔ دوسرا باطن ظاہری دین تو متقی عالموں کے سبب قائم رہیگا۔ اور باطنی مشائخ طریقت کے سبب۔ کیونکہ "الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ" (شیخ کا مرتبہ اپنی قوم میں ایسا ہوتا ہے جیسا نبی کا مرتبہ اُمت میں)۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گروہوں کے وسیلے دین کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ کہ "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" (ہم نے ذکر اُتارا اور ہم ہی اُسکی نگہبانی کرنیوالے ہیں)۔

فصل ۔ ۵

{قانون شریعت کے مطابق قالب انسانی کی تربیت کے بیان میں}

اللہ تعالیٰ جلشانہٗ نے فرمایا ہے۔ "قد افلح من تزکیٰ وذکر اسم ربہٖ فصلیٰ" (بیشک جو کفر و شرک کی گندگی سے پاک صاف رہا۔ اور اپنے پروردگار کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا۔ وہ من مانی مراد کو پہنچ گیا)۔ اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "لا یستقیم ایمان احدکم حتی یستقیم قلبہ ولا یستقیم قلبہ حتی یستقیم لسانہ ولا یستقیم لسانہ حتی یستقیم عملہٗ" (تم میں سے جب تک کسی کا دل مستقیم نہ ہو اس کا ایمان مستقیم نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک زبان مستقیم نہ ہو۔ دل مستقیم نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک عمل مستقیم نہ ہوں۔ زبان مستقیم نہیں ہو سکتی)۔

واضح ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ملکت ارواح کی راہ دل کی طرف کھولی ہے۔ اور دل سے نفس کی طرف راہ رکھی ہے۔ اور نفس سے قالب کی طرف راستہ مقرر کیا ہے۔ تاکہ جو مدد اور فیض عالم غیب سے روح کو حاصل ہو۔ وہ روح سے دل تک اور دل سے نفس تک پہنچے۔ اور نفس سے قالب میں اس کا اثر ہو۔ اور قالب پر مناسب عمل ظہور میں آئے۔ اگر قالب کی صورت پر کوئی ظلمانی نفسانی عمل ظہور میں آئے۔ تو اس ظلمت کا اثر نفس کو پہنچتا ہے۔ اور نفس سے دل میں کدورت پیدا ہوتی ہے۔ اور دل سے روح کی روحانیت کے گرد ایک پردہ سا آجاتا ہے جیسا کہ چاند کے گرد ہالہ۔ اس پردے کے موافق روح کو جو غیب سے تعلق ہے وہ بعد ہو جاتا ہے۔ اور وہ عالم غیب کا مطالعہ نہیں کر سکتا۔ اور فیض اور مدد اسے کم پہنچتا ہے۔ اور یہ سب کچھ ایک طلسم کی طرح ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے روحانی اور جسمانی تعلقات سے بنایا ہے۔ اور طلسم کو کھولنے والی چابی شریعت ہے۔ شریعت دو قسم کی ہے۔ ایک ظاہر۔ دوسری باطن۔ ظاہری بدنی اعمال ہیں۔ کہ صورت قالب کے طلسم کی چابی ہیں۔ اس چابی کے پانچ دندانے ہیں۔ یعنی نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج اور کلمہ شہادت کہنا۔ صورت قالب کے طلسم کو حواس خمسہ کے پانچ بند لگائے گئے ہیں۔ ان کو بنائے اسلام کی پانچ دندانوں والی چابی سے کھول سکتے ہیں۔ باطنی شریعت قلبی۔ سری اور روحی اعمال کا نام ہے جسے طریقت کہتے ہیں۔ اس کا مفصل حال انشاء اللہ تعالیٰ نفس۔ دل اور روح کی تربیت کی فصلوں میں بیان کیا جائیگا۔ طریقت انسانی باطن کے طلسم کو کھولنے والی چابی ہے +

خلقت دو قسم کی ہے۔ ایک انبیاء دوسرے امتی۔ انبیاء کے لئے طریقت کی چابی سے باطنی طلسمات کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اور عالم غیب کی راہ سے انکی روح کو فیضان الٰہی کی امداد پہنچی۔ کیونکہ وہ اس قابل تھا۔ اور وہ طلسم کھل گیا۔ اور اس فیض کا اثر دل پر پہنچا۔ اور دل سے نفس کو اور پھر صورت قالب میں قولہ تعالیٰ "ماکنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلناہ نوراً نھدی بہ من نشاء من عبادنا" (تجھے نہیں معلوم تھا۔ کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا۔ ہم ہی اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں۔ اس کے لئے اسے ہدایت کا نور بنا دیتے ہیں) اُمت کیلئے پہلے قالب کی طلسم کشائی کے لئے شریعت مقرر کی۔ اور ان کو اسی دروازے سے عالم غیب کی راہ دی۔ جب شریعت کی چابی سے صورت کے طلسم کو کھولتے ہیں۔ تو پھر ان کے ہاتھ میں طریقت کی چابی دی جاتی ہے۔ تاکہ باطنی طلسم

کو کھولیں۔ ابتداء میں جب تک شریعت کی چابی کے تقرر کی داد فرمان اور متابعت کے قانون کے موافق نہیں دیتے۔ وہ صورت کے طلسم سے خلاصی نہیں پاتے۔ شریعت کی داد اس طرح دے سکتے ہیں۔ کہ ہر ایک عضو کو اس کام میں مشغول کریں۔ جو اسکے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ اور اس کام سے کنارہ کریں جس سے منع کیا گیا ہے۔ تاکہ چابی کے دندانے طلسم کی بندشوں پر درست بیٹھیں اور فوراً کھل جائے۔ اگر بعض دندانے ٹھیک بیٹھیں اور بعض نہ بیٹھیں۔ یا بیٹھکر پھر ہٹ جائیں۔ تو یہ طلسم ہرگز نہیں کھلیگا۔ ہاں جتنا راست ہوگا۔ اس قدر کھلیگا۔ اور اس راستی کا اثر زبان پر پہنچیگا۔ اور زبان سے دل پر اور دل سے غیب پر۔ پھر غیب سے ایمانی نور دل پیدا ہوگا۔ اور جس قدر یہ راستی زیادہ ہوتی جائیگی۔ اس قدر قالب کے ظاہر میں شرعی اعمال کی وجہ سے ایمان کے انوار غیب سے دل میں زیادہ ہوتے جائینگے۔ کہ "لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم" (تاکہ ان کے ایمان ایمان سے زیادہ ہو جائیں) یہاں تک کہ صورت قالب کی پرورش شرعی قانون کے موافق کمال کو پہنچ جائیگی۔ جیساکہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ "لا یستقیم ایمان احد کم حتی یستقیم قلبہ ..... الخ"۔ پانچوں حسوں کی بند کی طلسم کشائی کے لئے شریعت کے پانچ رکنوں کو چابی کے دندانے فرض کرنا اس وجہ سے ہے۔ کہ ان کو یہ سبب پانچ حواس کے نقصان اور پردہ ظاہر ہوا ہے۔ جس نے انہیں چوپائیوں کے درجے تک پہنچا دیا ہے۔ بلکہ اس سے بھی نیچے۔ اگر وہ اسی مرتبہ میں رہیں۔ اور اس قید کو نہ توڑیں اور ان صفات سے خلاصی نہ پائیں۔ تو پھر انہیں کے حق میں "اولئک کالانعام بلھم اضل" (وہ ڈھور ڈانگر ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ) فرماتا ہے۔ ڈھور ڈانگر عالم سفلی سے برخورداری حاصل کرتے ہیں۔ اور ان پانچ حواس کے ذریعے جن میں سے ایک دیکھنا ہے۔ اور جو آنکھ سے تعلق رکھتا ہے۔ سب یہی چاہتے ہیں۔ کہ خوبصورت اور عمدہ چیز کو دیکھیں۔ دوسرے سننا۔ جو کان سے تعلق رکھتی ہے۔ سب یہی چاہتے ہیں۔ کہ عمدہ آواز سنیں۔ اور مکروہ آواز سے ڈرتے ہیں۔ تیسرے سونگھنا۔ جو ناک سے تعلق رکھتی ہے۔ سب یہی چاہتے ہیں۔ کہ خوشبو سونگھیں۔ چوتھے چکھنا۔ جو تالو سے تعلق رکھتی ہے۔ سب یہی چاہتے ہیں کہ لذیذ کھانا کھائیں۔ پانچویں چھونا۔ جو سارے بدن سے تعلق رکھتی ہے۔ غرضیکہ تمام بدن سے یہی چاہتے ہیں۔ کہ ڈھور ڈانگروں کی سی لذتوں اور شہوتوں کو پورا کریں۔ اور انہیں دوسرے عالم کی بالکل خبر تک نہیں۔ اور ان کے پاس کوئی ایسا آلہ نہیں جس سے

وہ عالم علوی اور آخرت سے برخورداری حاصل کر سکیں۔ پس یہ پانچ حسیں آدمی کو دی گئی ہیں۔ اور اسے دوسرے آلات کی وجہ سے جو باقی حیوانات کو حاصل نہیں۔ دوسرے عالموں کی برخورداری دی گئی ہے۔ اگر پورے طور پر ڈھور ڈانگروں کے عالم کے فوائد میں مشغول ہو جائے۔ تو پورے طور پر دوسرے عالموں اور دوسرے فائدوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور حیوانات کی طرح ہو جاتا ہے بلکہ ان سے بھی بدتر۔ اس واسطے کہ ڈھور ڈانگر چونکہ دوسرے عالموں سے محروم ہیں۔ اس لئے اس کو عالموں کے علم اور دید سے محرومی نہیں ہوگی۔ اور اسی واسطے ان کو حرمان کی دید اور اس دولت کے گم ہو جانے کے نقصان کی وجہ سے عذاب نہیں ہوگا۔ لیکن انسان کو قیامت کے روز اس حرمان کی دید اور دولت کے ضائع کر دینے کی بابت باز پرس ہوگی۔ اور وہ اپنے ہم جنسوں کو " واذا رأیت ثم رأیت نعیماً و ملکاً کبیراً " (اور جب تو بہشت کی مجموعی حالت کو دیکھے تو وہاں تجھے ہر قسم کی نعمت اور بڑی سلطنت کے سازوسامان دکھائی دینگے) کی دولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دیکھینگے۔ اور اس دولت کے حرمان اور فرمان کی مخالفت کا عذاب اٹھائینگے۔ لیکن حیوانات کو ان باتوں میں سے ایک بھی نہیں ہوگی۔ اور اسی وجہ سے " بل ھم اضل " فرمایا ہے ؂

اور اگر انسان حیوانی ڈھور ڈانگروں کے فوائد کو بالکل چھوڑ دے۔ تو اسکے قالب کی تربیت نہیں ہوسکیگی۔ اور اس لئے ان فوائد سے محروم رہجائیگا۔ پس اسی واسطے شریعت بھیجدی گئی ہے۔ تاکہ حیوانی چراگاہوں پر قبضہ کر کے فرمان الٰہی کے مطابق کام کرے۔ نہ کہ طبیعت کے فرمان کے مطابق۔ کیونکہ طبیعت سے سراسر ظلمت نمودار ہوتی ہے۔ اور فرمانِ الٰہی سے نور ہویدا ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ جب طبیعت کے موافق عمل کریگا۔ تو اپنے تئیں کچھ خیال کرے گا۔ اور یہی بات ظلمت اور حجاب کا باعث ہے۔ اور جب فرمان کے مطابق عمل کریگا۔ تو اس وقت وہ حق کو دیکھیگا۔ اور اپنے تئیں کچھ نہ خیال کریگا۔ اور یہی عین نور اور رفع حجاب ہے۔ دوسرے یہ بات ہے کہ جو ظلمت اور کدورت قالب میں ان حرکات طبعی کے باعث جو نفس کی مراد کے موافق کی گئی ہوں ظاہر ہو۔ اس کے ذریعے وہ شرعی تقییدات جو مراد نفس کے برخلاف ہیں اُٹھ جاتی ہیں۔ اور نیز شرع کا ہر ایک رکن اسے پہلی قرارگاہ وہاں سے آنا۔ اور پھر خوشی خوشی اپنے مقام میں جس سے مراد رب العالمین کا قرب وجوار ہے۔ جانے کی یاد دلاتا ہے۔ مثلاً لا الٰہ الا اللہ اسے اس عالم کی خبر دیتا ہے جبکہ اس کے اور حضرت

حق کے درمیان کوئی واسطہ نہ تھا۔ اس سے اس کے دل میں اس حالت کا ذوق اور اس عالم کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور واپس لوٹنے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس دنیا سے دل کو ہٹا لیتا ہے۔ اور ڈھور ڈانگروں کی سی لذتیں اسے ناگوار معلوم ہوتی ہیں۔ جب یہ حالت ہو جاتی ہے۔ تو ایک بند دُور ہو جاتی ہے +

نماز اسے دو حالتوں کی خبر دیتی ہے۔ ایک حرکات نمازی کی صورت سے۔ اور دوسرے مناجات نمازی کی صفات سے۔ حرکاتِ نماز کی صورت اسے اسی جہان میں آنیکی خبر دیتا ہے۔ اور پھر اس جہان میں واپس جانے پر دلالت کرتا ہے۔ صورت نماز میں قیام رکوع سجود اور تشہد شامل ہیں۔ تشہد سے بارگاہِ الٰہی میں اس کا حضور اور شہود اس جہان میں آنیسے پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ سجود سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب وہ اس جہان میں آیا۔ تو نباتات کے مقام میں لایا گیا۔ کیونکہ تمام نباتات سجدہ میں ہیں جیسا کہ " والنجم والشجر یسجدان " سے ظاہر ہے۔ سب نے بشکل سجدہ سر زمین پر رکھا ہے۔ اس واسطے کہ اس شکل میں عبادت کا سر سجدہ کا مقام ہے۔ جو اس کو غذا پہنچاتا ہے۔ اور نباتات کو غذا جڑوں کی راہ ملتی ہے۔ رکوع اس بات کی خبر دیتا ہے۔ کہ وہ مقام نباتی سے مقام حیوانی میں آیا۔ اور حیوانات سب کے سب رکوع میں ہیں۔ اور پیٹھ کو خم کئے ہوئے ہیں +

قیام اس بات کی خبر دیتا ہے۔ کہ انسان مقام حیوانی سے مقام انسانی میں پہنچ گیا ہے۔ اور تمام انسان قیام کی حالت میں ہیں۔ تو رکوع اور سجود سے قیام کی حالت میں آیا ہے۔ پس نماز میں اس بات کا اشارہ ہے۔ کہ پہلے تو تکبیر کہے یعنی عالم حیوانی اور بہیمی پر تکبیر کہے۔ اور اس کا پابند نہ رہے۔ اور انسانی مقام سے جو تجبر اور تکبیر کی شکل ہے۔ تو رکوع حیوانی میں آئے۔ جو کہ تواضع۔ انکساری اور عاجزی کی علامت ہے۔ اور پھر یہاں سے نباتاتی خواری اور عاجزی کے سجود میں آئے۔ تاکہ تشہد کے پہلے حضور اور شہود تک واپس پہنچ جائے۔ کہ " واسجد واقترب " سجدہ کر اور نزدیکی حاصل کرے + فرد

اے دل گر تو از در افتادگی درآئی   ورنہ بشوخ چشمی با عشق کے برآئی

جب تو اس دروازے سے اندر آئیگا۔ تو اسی سیڑھی کی راہ جس سے تو نیچے اترا تھا۔ اوپر پہنچ جائے گا۔ کہ " الصلوٰۃ معراج المومنین " نماز مومنوں کی معراج ہے۔ رباعی

آں راہ کہ من آمدم کدام است اے جاں — تا باز شوم کہ کار خام است اے جاں

در ہر کامے ہزار کام است اے جاں — تا مرداں را عشق حرام است اے جاں

مناجات نمازی کی صفات انسان کو حیوانی اور نفسانی مقام اور لوگوں کی گفتگو سے ملکی مناجات اور حق سے کلام کرنیکے مقام میں لاتی ہے۔ اور مناجات اور باہم کلام کرنیکے ذوق سے اسے "الست بربکم" کا زمانہ یاد آتا ہے۔ کیونکہ نمازی اپنے رب سے نجات مانگتا ہے "المصلی یناجی ربہ"۔

اگر باقی ہر ایک رکن کے اسرار اور فوائد بیان کئے جائیں۔ تو کتب خانے بھی اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ہاں اشارتاً کچھ کچھ بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ ان فوائد سے یہ مختصر کتاب خالی نہ رہجائے۔

روزہ اسے وہ عہد یاد دلاتا ہے۔ جبکہ وہ ملائکہ کی صفت میں تھا۔ اور صفات حیوانی کے حجابوں سے محجوب نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ کھانا حیوانات کی خاصیت ہے۔ اور نہ کھانا فرشتوں کی صفت ہے اور نیز اللہ تعالیٰ کی۔ تاکہ اس اشارے سے وہ حیوانی خلق کو چھوڑ کر متخلق باخلاق اللہ ہو جائے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "الصوم لی وانا اجزی بہ" (یعنی روزہ خالص میری ملکیت ہے۔ اور میں ہی اُسکی جزا دونگا) درحقیقت روزہ بارگاہ الٰہی سے ہے۔ جو کہ غذا سے پاک ہے۔ باقی جو کچھ ہے سب غذا کا محتاج ہے فرشتے اگرچہ غذائے حیوانی نہیں کھاتے۔ مگر تاہم تسبیح اور تقدیس اُنکی غذا ہے۔ اور ہر ایک چیز کے مناسب اس کی غذا ہے۔ انا اجزی بہ یعنی ہر ایک طاعت کی جزاء بہشت ہے۔ اور روزے کی جزاء تخلق باخلاق ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی۔ کہ "تجوع ترانی تجرد تصل الیّ" (تو بھوکا رہ۔ تو مجھے دیکھ لیگا۔ اور اگر دُنیا سے تعلق کریگا۔ تو میرے ساتھ آملیگا)۔

زکوٰۃ میں صفات حیوانی سے تزکیہ نفس حاصل ہوتا ہے۔ اِس واسطے کہ حیوان کی صفت ہے۔ کہ جمع کرے اور کسی کو نہ دے۔ اور آدمی کو ضروری جمع کرنا پڑتا ہے۔ اگر اس جمع کئے ہوئے میں سے کچھ نہ دے تو وہ صفت حیوانی کی آلایش سے آلودہ رہتا ہے۔ زکوٰۃ دِے۔ تاکہ تو اس آلائش سے پاک ہو جائے۔ کہ "خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا" (ان کے مال سے صدقہ لیکر اس کے وسیلے ان کو پاک اور پاکیزہ بنا) ایسا کرنیسے تو صفات حق سے موصوف ہو جائیگا۔ کیونکہ بخشش اور سخاوت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے "فامامن

اعطٰی واتقٰی وصدق بالحسنٰی فسنیسرہ للیسریٰ" (پس جس نے عطا کی اور پرہیزگاری اختیار کی اور اچھی بات یعنی دین اسلام کو سچ سمجھا۔ تو ہم آسانی کی جگہ یعنی بہشت میں پہنچنے کا رستہ اس کے لئے آسان کر دینگے) ؛

حج سے اس بات کا اشارہ ہے۔ کہ وہ بارگاہِ الٰہی کی طرف مراجعت کرتا ہے۔ یعنی اسے شہرِ انسانیت کے رہنے والے اور طبیعت حیوانی کے مقیم اور ہمارے کعبۂ وصال سے بے خبر ہوئے ہوئے۔ تو کب تک اس منزلِ بھیمی میں مقام کریگا۔ اور "ان من ازواجکم واولادکم عدو الکم" (تمہارے جورو بچے تمہارے دشمن ہیں) کے علائق میں پھنسا رہیگا۔ اُٹھ اور مردوں کی طرح آ۔ اور بہادرانہ ان تعلقات کو چھوڑ۔ اور جورو بچے اور خاندان کو وداع کر۔ اور دل کو جو کہ ہماری خاص نظرگاہ ہے۔ انسانی تعلقات کی آلائش سے صاف کرکے ان دل لبھانے والی دنیاوی منزلوں سے قدم باہر رکھ۔ اور نفس امارہ کے جنگل کو طے کرکے جب تو دل کے حرمگاہ میں پہنچے تو بازگشت کے پانی سے غسل کر۔ اور بشریت کی پوشاک اور لباس اتار کر عبودیت کے احکام کا لباس پہن۔ اور عاشقوں کی طرح لبیک کہتا ہوا معرفت کے عرفات میں آ۔ اور عنایت کے جبل الرحمۃ پر آ۔ اور ہمارے قرب کے حرم حریم میں قدم رکھ۔ اور اشعار بندگی کے مشعر الحرام میں پاؤں رکھ۔ اور وہاں سے میرے منا میں پہنچکر نفسِ بھیمی کو ذبح کر۔ اور پھر ہمارے وصال کے کعبہ کا رُخ کر۔ کہ "وجھی للذی فطر السموات والارض" (میرا رُخ زمینوں اور آسمانوں کے پیدا کرنے والے کی طرف ہے) اور جب تو وہاں پہنچ جائے۔ تو "دع نفسك وتعالٰی" (اپنے نفس کو چھوڑ کر اوپر آجا) کا طواف کر۔ یعنی اس کے بعد اپنے گرداگرد نہ پھر۔ اور حجر الاسود سے جو کہ نیز اول اور یمین ہے۔ ہمارا عہد تازہ کر۔ اور پھر مقام ابراہیمی میں آ۔ یعنی ہماری خلت (دوستی) کے مقام میں۔ اور وہاں پر دو رکعت نماز ادا کر۔ یعنی تو مردوں کی طرح عبودیت بہشت اور دوزخ کے لئے نہ کر۔ بلکہ ہماری بندگی عاشقوں کی طرح عشق کی وجہ سے کر۔ پھر جب تو کعبہ وصال کے دروازہ پر پہنچے۔ تو زنجیر کی طرح دروازے پر خودی کو چھوڑ۔ اور بے خود ہو کر اندر آجا۔ کیونکہ خوف اور حجاب صرف خودی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اور امن اور وصول بے خودی کی وجہ سے۔ اور بس پھر "من دخلہ کان امنا" (جو اس میں داخل ہو گیا۔ وہ امن میں آگیا)۔ رباعی

اے دل بے دل دراں لبسر شو　　در بارگہ وصال او بے سر شو
تنہا زہمہ خلق چو رفتی بدرش　　خود را بدرش بمال وانگہ درشو

صورت شرع کے بعض تقیدات کا ذکر رمزاً بیان کیا گیا ہے۔ ورنہ اس کی شرح اور حقائق تو آسمان اور زمین کے طبقوں میں بھی نہیں سما سکتے۔ صلی اللہ علی محمد و آلہ +

فصل ۔ ۶

{تزکیہ نفس اور اُس کی معرفت کے بیان میں}

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "ونفس وماسواھا فالھمھا فجورھا وتقویھا قد افلح من زکیھا وقد خاب من دسھا" (اور نفس اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو ایسا درست بنایا۔ پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری دونوں باتیں اسے سمجھا دیں جس نے اپنی روح کو شرک اور اخلاق بد کی گندگی سے پاک کیا۔ وہ ضرور ہی اپنی مراد کو پہنچا۔ اور جس نے اسے دبا دیا وہ ضرور گھاٹے میں رہا) +

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "عدی عدوك نفسك التی بین جنبیك" (تو اس نفس کو اپنا دشمن جان۔ جو تیرے دونوں پہلوؤں کے بیچ میں ہے) +

واضح ہے کہ نفس ایک ایسا دشمن ہے۔ جس کے مکر اور حیلے کی کوئی انتہا نہیں۔ اس کے شرک کو دور کرنا اور اس کو مغلوب کرنا سب سے اچھا کام ہے۔ کیونکہ وہ دنیاوی شیطانوں اور کافروں سے بھی بڑھکر انسان کا دشمن ہے۔ جیسا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پس نفس کی تربیت کرنا اور اس کی اصلاح کرنا۔ اور اسے امارگی کے درجے سے مطمئنگی کے مرتبے میں تبدیل کرنا بڑا بھاری کام ہے۔ اور اسی میں انسانی سعادت کا کمال ہے۔ اس واسطے کہ اُس کی تربیت سے اُسکی شناخت حاصل ہوتی ہے۔ اور نفس کی شناخت سے "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" (جس نے اپنے نفس کو پہچانا۔ بیشک اس نے اپنے رب کو پہچانا) کے بموجب حق کی شناخت لازم آتی ہے۔ اور معرفت ہی تمام سعادتوں کی سردار ہے۔ لیکن یہاں پر ایک لطیف دقیقہ ہے۔ کہ جب تک تو نفس کو نہ پہچانیگا۔ اُس کی حقیقی شناخت جو کہ معرفت حق کا موجب ہے حاصل نہ ہو گی۔ اور اس کے لئے بہت سی کتابیں لکھنی چاہئیں۔ تاکہ پورا مقصد حاصل ہو سکے۔ مگر یہاں پر انشاء اللہ ہر ایک چیز

سے کچھ کچھ مفید رموز بیان کی جائینگی +

دربیان معرفت نفس

واضح ہے کہ ارباب طریقت کی اصطلاح میں نفس سے مراد وہ لطیف جاری مراد ہے جو دل سے پیدا ہوتی ہے۔ اور جسے حکماء روح حیوانی کہتے ہیں۔ اور جس سے بری صفات پیدا ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا ہے "ان النفس الامارة بالسوء" (بیشک نفس بری باتوں کا حکم کرتا ہے) لیکن اس کا مقام آدمی کے سارے وجود میں ہے۔ اور ہر ایک جزو کو گھیرے ہوئے ہے۔ جس طرح کہ اخروٹ اور تل کے ہر ایک جزو میں روغن موجود ہوتا ہے۔ اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جو "بین جنبیک" فرمایا ہے۔ اس سے یہ اشارہ ہے۔ کہ اس کی صفات زیادہ تر دونوں پہلوؤں کے بیچ میں سے ظاہر ہوتی ہیں۔ جیسے کھانے پینے کی حرص شہوت نفسانی وغیرہ۔ دوسرے حیوانات کا نفس بھی وجود میں ٹھیک اسی طرح ہوتا ہے۔ لیکن نفس انسانی کو عالم بقا کی چاشنی بھی حاصل ہے۔ تاکہ قالب سے جدا ہو کر باقی رہ سکے۔ خواہ بہشت میں ہو یا دوزخ میں۔ وہ ہمیشہ باقی رہیگا۔ جیسا کہ "خالدین فیھا ابدا" سے ظاہر ہے اس کے برخلاف باقی حیوانات کے نفوس کو عالم بقا کی چاشنی نہیں دی گئی۔ اور اسی لئے وہ قالب سے جدا ہو کر ناچیز ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں یہ سوال لازم آتا ہے۔ کہ نفس کو اس عالم کی چاشنی حاصل کس طرح ہو گئی +

واضح ہے۔ کہ بقا دو قسم کی ہے۔ ایک وہ جو ہمیشہ باقی تھی اور باقی رہیگی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بقا ہے۔ دوسرے وہ جو پہلے نہ تھی۔ اور پھر ظاہر ہوئی۔ اور بعد ازاں باقی رہیگی۔ اس قسم کی بقا ارواح۔ ملکوت اور عالم آخرت کی بقا ہے۔ جو پہلے نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے پیدا کی۔ اور ابد تک قائم رہیگی۔ پس انسانی نفس کو دونوں قسم کی بقا کی چاشنی حاصل ہے۔ بقائے الٰہی کی چاشنی کا اثر اسے آدم کی مٹی کو خمیر کرتے وقت حاصل ہوا۔ کہ "بیدی" کے اختصاص سے مشرف ہوتے وقت مٹی اور پانی میں جو نفس کا مایہ تھا۔ قبولیت بقا کی استعداد اس میں رکھی گئی۔ جو کہ کسی اور مٹی اور پانی اور دوسرے نفوس کو حاصل نہیں ہوئی۔ اور بقائے ارواح کی چاشنی کا اثر اسے قالب اور روح کے ملنے کے وقت حاصل ہوا۔ اور اسکی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی مرد کسی عورت سے ہم بستر ہو۔ اور اس سے ایک نر جو باپ سے ملتا جلتا ہو۔ اور دوسرے مادہ جو ماں سے مشابہت رکھتی ہو پیدا ہوں۔ اسی طرح روح اور قالب کے ملنے سے دو فرزند

نفس اور دل پیدا ہوئے۔ان میں سے دل تو تھا۔جو اپنے باپ اور روح سے ملتا جلتا ہے اور نفس مادہ جو اپنی ماں خاکی قالب سے ملتی ہے۔دل میں روحانی اور علوی تمام عمدہ صفات ہوتی ہیں۔اور نفس میں خاکی اور سفلی تمام بُری صفات ہیں۔لیکن چونکہ رُوح اور قالب کا جنا ہوا ہے۔اسلئے اس میں بعض نیک صفات جو روحانیت کے متعلق ہیں۔اور بقا جو کہ رُوح کی صفت ہے موجود ہے۔پس اس وجہ سے انسانی نفس کو برخلاف حیوانات کے نفوس کے جو عناصر سے پیدا ہوئے ہیں۔بقا حاصل ہوئی۔نفوس حیوانی میں روحانیت کی ذرا بھی چاشنی نہیں۔اسی واسطے انکو فنا لازم آتی ہے۔چونکہ آدم کے نفس میں اسکے فرزندوں کے نفوس کے ذرات شامل تھے۔اس لئے "واذ اخذ ربك من بنی ادم من ظهورهم ذریتهم" (جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی انکی پیٹھوں سے اُن کی نسلوں کو باہر نکالا) کے بموجب جو ذرہ باہر نکالا۔اس میں ہر فرزند کے قالب کی خاک موجود تھی۔اور اس کے نفس کا ذرہ اس ذرے میں عالم ارواح کے بالمقابل مختلف صفوف میں موجود تھا۔چونکہ ارواح کی صفوں میں اختلاف تھا۔اس لئے ہر ایک روح اس اپنے ذرے کے موافق اس کے بالمقابل تھی۔اور اس نے اسی ذرے کی طرف توجہ کی۔اور اس ذرے میں "الست بربکم" کے سننے کی قابلیت ظاہر ہوئی۔اور "بلیٰ" کے کہنے کی شائستگی نمودار ہوئی۔ذرات کو آدم کی پیٹھ سے باہر نکالنے میں فائدہ یہ تھا۔کہ وہ ارواح کا پرتو ان پر پڑے۔اگر یہ نہ ہوتا تو گیا حق تعالےٰ پیٹھ ہی میں سوال نہیں کر سکتا تھا۔لیکن چونکہ ان فردوں پہ ارواح کی نظر نہ تھی۔اس واسطے وہ جواب نہیں دے سکتے تھے۔پس ان فردوں کو آدم کی پیٹھ میں بھیجا۔تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انکی محافظت کرے۔اور یہی وجہ ہے۔کہ ان کو باپوں کی پیٹھوں اور ماؤں کے رحموں میں محفوظ رکھتا ہے۔اور پیٹھ سے پیٹھ میں اور رحم سے رحم میں ملاتا ہے۔یہاں تک کہ ایجاد کے وقت اس ہر ایک ذرے کو ماں اور باپ کے پانی سے ملاتا ہے۔اور باپ کی پیٹھ اور ماں کے سینے میں بھیجتا ہے۔کہ "من ماءٍ دافق یخرج من بین الصلب والترائب" (اس پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں سے اُچھلکر نکلتا ہے یعنی منی) صحبت کے وقت جب مرد و عورت دونوں ملتے ہیں۔تو دونوں نطفے رحم میں آپس میں مخلوط ہوتے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔"انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج" (بیشک ہم نے انسان کو ایسے نطفے سے پیدا کیا۔

جو خون اور پانی کی آمیزش سے بنا ہے) پھر وہ نطفہ علقہ کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اور علقہ سے گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے۔ پھر جب تین چلے گذر جاتے ہیں۔ تو اس بات کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ کہ اس پر عالم ارواح کی نظر پڑے۔ پھر اس لوتھڑے میں روح داخل ہوتی ہے جیساکہ " ثم انشانا ہ خلقا اخر " (پھر ہم نے اسے اور زندگی دی) سے ظاہر ہے۔ اور پھر خاص مدت رحم میں رہ کر بچہ پیدا ہوتا۔ اور پھر بلوغت کو پہنچتا ہے۔ تو نفس بھی اپنی نفسانیت کے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ بعد ازاں اس میں شرعی تکالیف کو برداشت کرنے کی قابلیت آجاتی ہے۔ اگر پہلے ہی اس پر شرعی تکالیف کا بوجھ آن پڑتا۔ تو اس کی پرورش بدرجہ کمال نہ ہوتی۔ اور نہ وہ ان ظاہرا اور حقیقت میں تکالیف کا تحمل ہو سکتا۔ وہ نماز روزہ اور حج کی شرائط کو بجا نہ لا سکتا۔ جو کہ بدنی اعمال ہیں۔ اور ان کے لئے جسمانی قوت درکار ہے۔ اور از روئے حقیقت جب تک نفس کا قالب اپنے کمال کو نہیں پہنچ جاتا۔ اس وقت تک دل جو کہ عقل کا مقام۔ ایمان کی کان اور حق تعالیٰ کی نظر گاہ ہے۔ اس لائق نہیں ہوتا۔ کہ عقل ایمان کے نور کا مظہر اور نظر حق کا منظر ہو سکے۔ اس واسطے کہ وہ ابھی حد کو نہیں پہنچا۔ اگرچہ ہر وقت ان انوار میں سے کچھ کچھ بتدریج آتا ہے۔ لیکن درست اور پورے طور پر قابل اسی وقت ہوتا ہے۔ جب بلوغت کی حد کو پہنچتا ہے۔ اور عقل ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا مفصل حال انشا اللہ تربیت دل کی فصل میں بیان کیا جائیگا۔ اب چونکہ اس مختصر کے موافق تجھے نفس کی کچھ معرفت حاصل ہو چکی ہے اب سن کہ اس کی تربیت کس طرح ہوتی ہے ؞

واضح رہے۔ کہ نفس میں دو ذاتی صفتیں ہیں جو اس نے ماں سے حاصل کی ہیں۔ اور باقی تمام بری صفتیں ان دونوں جڑوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور وہ اصلی صفتیں ہیں وہ دونوں ذاتی صفتیں حرص (ہوا) اور غصہ (غضب) ہے۔ اور یہ دونوں عناصر اربعہ کی خاصیت کی وجہ سے ہیں۔ جو کہ نفس کے لئے بمنزلہ ماں ہیں۔ ہوا کے معنی ہیں نیچے کی طرف مائل ہونا جیساکہ " والنجم اذا ھوا " (ستارہ جبکہ نیچے اترتا ہے) سے ظاہر ہے۔ کہتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم جو معراج سے لوٹ کر نیچے آئے۔ تو یہ پانی اور مٹی کی خاصیت تھی۔ غضب کے معنی ہیں بلندی اختیار کرنا۔ تکبر کرنا۔ اور غالب ہونے کی خواہش کرنا۔ اور یہ صفت ہوا اور آگ کی ہے۔ پس یہ دونوں صفتیں جو ماں سے حاصل

کی ہیں۔یہی دوزخ کے سرائے کا خمیر ہیں۔ اور باقی دوزخ کے نیچے کے درجے سب انہیں دونوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور نفس میں یہ دونوں صفتیں ضرورتاً رکھی گئی ہیں۔ تاکہ ہوائی صفت کی وجہ سے وہ نفع حاصل کرسکے۔جس سے عالم کون وفساد میں اس کا وجود باقی رہ سکے۔ اور پرورش پاسکے۔لیکن ان دونوں صفتوں کو اعتدال سے برتنا چاہئے۔ کیونکہ اس کا نقصان نفس اور بدن کے نقصان کا موجب ہے۔ اور ان کی زیادتی عقل اور ایمان کے نقصان کا باعث ہے۔ اور اعتدال سے نفس کی تہذیب اور تزکیت کرنا ان دونوں صفات ہوا۔ اور غضب سے نفس کو باز رکھنا ہے۔ اسکی ترازو ہر حالت میں شریعت کا قانون ہے۔ تاکہ نفس اور بدن بھی سلامت رہے۔ اور عقل اور ایمان بھی ترقی پائے۔ اپنے اپنے مقام پر ہر ایک کو شرع کے فرمان کے مطابق استعمال کرنا چاہئے۔ اور اس میں پرہیزگاری کے حق کو بلحوظ رکھے۔ اور اجازت کی طلب میں کوشش نہ کرے۔کیونکہ شرع اور پرہیزگاری ایک ایسی ترازو ہے۔ جو تمام صفات کو حد اعتدال پر نگاہ رکھ سکتی ہے تاکہ بعض بعض پر غالب نہ آسکیں۔ جوکہ ڈھور ڈانگروں اور درندوں کی صفت ہے۔اس واسطے کہ ڈھوروں پر ہوائی صفت غالب ہے۔ اور غضب کی صفت مغلوب ہے۔ اور درندوں میں غضب کی صفت غالب ہے۔ اور ہوائی مغلوب۔ اسی واسطے ڈھور لالچ اور حرص میں پڑتے ہیں۔ اور درندے قہر۔غلبہ قتل اور شکار کرتے ہیں۔پس ان دونوں صفتوں کو اعتدال سے برتنا چاہئے۔ تاکہ ڈھوروں اور درندوں کے مرتبے میں نہ جا پڑے۔ اور دوسری بری صفتیں اس سے پیدا نہ ہوں۔کیونکہ اگر ہوا حد اعتدال سے تجاوز کریگی۔تو لالچ۔حرص۔امید۔خست۔کمینگی۔شہوت اور بخل پیدا ہونگے۔ہوا کو اعتدال پر رکھنے کے یہ معنی ہیں۔کہ نفع کا حاصل کرنا جو اس کی خاصیت ہے۔ضرورت کے موافق کیا جائے کیونکہ اگر ضرورت سے زیادہ کیا جائے۔تو اس سے لالچ پایا جائیگا۔ اور اگر قبل از وقت خواہش کرے۔ تو حرص پیدا ہوگی۔ اور اگر عمر کے لئے رغبت کی جائیگی۔ تو یہ امید ہو جائیگی۔ اور اگر کسی کمینی ادنے چیز کی طرف رغبت کریگا تو کمینگی اور خست پیدا ہوگی۔ اور اگر کسی اعلیٰ اور لذیذ چیز کی خواہش کریگا۔ تو شہوت پیدا ہوگی۔ اور اگر کسی چیز کو محفوظ رکھنے کی خواہش کرے گا۔ تو بخیل ہو جائیگا۔ اور یہ سب کچھ اسراف میں داخل ہے۔ اور حد سے بڑھ کر خرچ کرنے والوں کو اللہ تعالےٰ دوست نہیں رکھتا۔ اور اگر خرچ اخراجات سے ڈرے۔ تو بزدل ہو جائیگا۔ اگر ہوا

کی صفت درصل مغلوب اور ناقص ہو جائے۔ تو اس سے کمینگی۔ کم ہمتی اور پست ہمتی پیدا ہوتی ہے اور اگر غضب کی صفت حد اعتدال سے تجاوز کر جائے۔ تو بدخوئی۔ تکبر۔ عداوت۔ تندی۔ خود رائی۔ تغیر طبیعت۔ بے ثباتی۔ جھوٹ۔ خود پسندی۔ فخر کرنا۔ اپنے تئیں بڑا جاننا۔ اور اپنے تئیں بانکا ٹیڑھا خیال کرنے کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر وہ غصہ نہیں نکال سکتا۔ تو دل میں کینہ رکھیگا۔ اگر غضب کی صفت درصل ناقص اور مغلوب ہو جائے۔ تو بے حمیتی۔ بے غیرتی دیوثی۔ سستی۔ کمینگی۔ اور عاجزی پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر یہ دونوں صفتیں ہوا اور غضب غالب آجائیں۔ تو ان سے حسد پیدا ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ ہوا کے غلبے کے سبب جس شخص کی نصیحت اسے پسند آتی ہے۔ اسی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور غضب کے غلبے کی وجہ سے یہ نہیں چاہتا۔ کہ اس شخص کا بنجائے۔ اور حسد یہ ہے۔ کہ جو کچھ دوسرے کے پاس ہو۔ تو چاہے کہ تیرے پاس بھی ہو۔ اور یہ نہ چاہے کہ دوسرے کے پاس بھی ہو۔ ان بُری صفات میں سے ہر ایک کے لئے دوزخ کا ایک ادنےٰ درجہ مقرر ہے۔ اور جب یہ صفات نفس پر غالب آجاتی ہیں۔ تو نفس کی طبیعت بدکاری۔ بداعمالی۔ قتل۔ لوٹ۔ ایذا۔ اور طرح طرح کے فسادوں کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ فرشتوں نے ملکی نظر سے ملکوت میں آدم کے قالب کے اندر جب غور سے دیکھا۔ تو اس میں یہ صفات دیکھ کر کہا "اتجعل من یفسد فیہا ویسفک الدماء" دکیا تو ایسے شخص کو بناتا ہے۔ جو اس میں فساد کریگا۔ اور خون گرائیگا) انہیں یہ معلوم نہ تھا۔ کہ جب ڈھور ڈانگروں اور شیطانی بُری صفات پر شریعت کی اکسیر ڈالی جائیگی۔ تو یہ سب ملکی۔ روحانی اور رحمانی صفات میں تبدیل ہو جائینگی۔ اور اسی واسطے حق تعالیٰ نے ملائکہ کے جواب میں فرمایا تھا۔ "انی اعلم ما لا تعلمون" (میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تمہیں معلوم ہی نہیں) شرع کی کیمیا گری ایسی نہیں۔ کہ ان صفات کا بالکل قلع قمع کر دے کیونکہ ایسا کرنے سے بھی نقصان ہوتا ہے۔ فلسفیوں کو اس مقام پر مغالطہ ہوا۔ اور انہوں نے خیال کیا۔ کہ ہوا۔ غضب اور شہوت وغیرہ تمام بُری صفات کو بالکل دور کر دینا چاہیئے انہوں نے سالہا سال تک کوشش کی لیکن کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ الٹا نقصان ہوا۔ اور اور بُری صفات پیدا ہو گئیں۔ جیسا کہ ہوا کی نفی کر نیسے کم ہمتی۔ کمینگی۔ اور پست ہمتی پیدا ہو گئی۔ اور غضب کی نفی سے بے حمیتی۔ دین میں سستی۔ بے غیرتی۔ دیوثی۔ خباثت پیدا ہوئی۔ دین کی شریعت اور کیمیا گری کی یہ خاصیت ہے۔ کہ ان صفات میں سے ہر ایک کو

حد اعتدال پر لائے۔ اور اپنے مقام پر صرف کرے۔ اور ایسا کرے۔ کہ اِن صفات پر غالب آجائے۔ اور یہ صفتیں گھوڑے کی طرح اسکی مطیع اور فرمانبردار بن جائیں۔ جہاں اس کا جی چاہے۔ چل دے۔ نہ کہ وہ صفات اس پر غالب آئیں۔ اور نفس جدھر چاہے اسے لیجائے۔ اور اسے اپنا گرویدہ کرے۔ اور سرکش گھوڑے کی طرح مع سوار کنوئیں میں گر پڑے۔ یا دیوار سے ٹکرائے۔ پس جس وقت شرع اور پرہیزگاری کی اکسیر کا تصرف ہوا۔ اور غضب کی صفات کو نفس میں اعتدال پر لے آئے۔ تو اسے ان صفات پر سوائے شرع کے تصرف نہ رہے اور ایسا کرنے سے نفس میں نیک صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثلاً حیا۔ سخاوت۔ جود شجاعت۔ علم۔ تواضع۔ مروت۔ قناعت۔ صبر۔ شکر۔ اور اَور نیک صفات۔ اور نفس امارگی کے مرتبے سے مطمئنگی کے مقام میں پہنچ جاتا ہے۔ اور اس سے روح کو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اور سفلی منزلوں کے طے کرنے میں براق کی طرح روح کو اعلےٰ علیین کی بلندی اور قاب قوسین کے درجے پر پہنچا دیتا ہے۔ اور " ارجعی الی ربك راضیة مرضیه" (راضی خوشی اپنے رب کی طرف لوٹ آ) کے خطاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ مصنف کتاب کہتا ہے۔ رباعی

خوئے سبعی زنفست ار باز شود — مُرغ روحت بآشیاں باز شود

پس کرگس نفس رو بسوئے علو نہد — بر دست ملک نشیند و باز شود

روح کے لئے اپنے عالم میں واپس جانے کے لئے نفس کا براق ضروری ہے۔ کیونکہ وہ پیادہ نہیں جا سکتا۔ اور جس وقت وہ اس جہان میں آیا تھا۔ تو نفخہ (پھونک) کے براق پر سوار ہو کر آیا تھا۔ جیسا کہ " و نفخت فیه من روحی " (اور اس میں میں نے اپنی رُوح پھونکی) سے ظاہر ہے۔ اور اب جبکہ اُس جہان میں جانا چاہتا ہے۔ اسے نفس کے براق کی ضرورت ہے۔ جہاں تک کہ نفس کے میدان کی حد ہے۔ اور نفس کو چلنے میں دو صفات ہوا۔ اور غضب کی ضرورت ہے۔ بشرطیکہ وہ اوپر کی طرف جانا چاہے۔ اور اگر نیچے کی طرف جانا چاہے تو بھی انہیں دونوں کی ضرورت ہے۔ اسی واسطے مشائخ قدس اللہ ارواحہم نے فرمایا ہے۔ " لولا الهوی ما سلك احد طريقا الى الله " (اگر ہوا (حرص) نہ ہوتی تو کوئی فرد بشر بھی خدا کی طرف کا راستہ طے نہ کر سکتا) ہوا نفس کے نمرود کے لئے بمنزلہ گدھ کے ہے۔ اور غضب بمنزلہ دوسری گدھ کے۔ جب کبھی نفس کا نمرود ان دونوں گدھوں پر سوار ہوتا ہے۔ اور گدھوں کا طعمہ اوپر کی طرف ہوتا ہے۔ تو گدھ اوپر کی طرف اڑتے ہیں

اور نفس کے سفلی فرود کو علوی مقامات میں پہنچا دیتے ہیں۔ اور یہ اس طرح ہوتا ہے۔ کہ جب نفس مطمئنہ کو ہوا اور غضب اسفل سے پھر کر اعلیٰ کی طرف لاتے ہیں۔ اور اپنے مطلوب سے وہ بارگاہ الٰہی کے نزدیک پہنچا دیتے ہیں جب ہوا اوپر کا قصد کرتی ہے۔ تو سر بسر عشق و محبت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور غضب جب اوپر کی طرف رُخ کرتا ہے۔ تو سر بسر غیرت اور ہمت بن جاتا ہے۔ اور پھر نفس عشق اور محبت کی وجہ سے بارگاہ الٰہی کی طرف رخ کرتا ہے۔ اور غیرت اور ہمت کے سبب کسی مقام میں قرار نہیں کرتا۔ اور نہ کسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ صرف اسے بارگاہِ الٰہی کی دھن لگی ہوئی ہوتی ہے۔ رُوح کے لئے یہ دولت صرف بارگاہ الٰہی میں پہنچنے کے لئے وسیلہ ہے۔ جو اس سے پیشتر اسے عالم ارواح میں حاصل نہ تھی۔ اور فرشتوں کی طرح اپنے مقام پر راضی تھا۔ اور جلال احدیت کی شمع پر نوری اور منور مشاہدہ پر قناعت کئے بیٹھا تھا۔ کہ " ومامنا الا له مقام معلوم" (ہم میں سے ہر ایک کا ایک خاص مقام ہے) اس میں اتنی جرأت نہ تھی۔ کہ اس مقام سے ایک قدم آگے بڑھاتا۔ بلکہ جبرائیل علیہ السلام کی طرح کہتا تھا۔ " لو دنوت انملة لاحترقت " (اگر میں انگشت بھر آگے بڑھتا۔ تو البتہ جل جاتا) لیکن چونکہ رُوح نے خاک سے آشنائی کی۔ اس لئے عناصر کے ساتھ ملنے سے اس سے ایک فرزند یعنی نفس پیدا ہوا اور نفس سے دو فرزند ہوا اور غضب پیدا ہوئے۔ ہوا ظلوم تھی۔ اور غضب جہول۔ چونکہ نفس اسفل میں تھا۔ اس لئے وہ دونوں ظلوم اور جہول اسے خطرناک مقام میں ڈالتے تھے۔ اور روح بھی انہیں کا قیدی تھا۔ سب کے سب ہلاک ہوتے تھے۔ جب انہیں چلنے کی توفیق ہوئی۔ اور " ارجعی الی ربك " کے جذبے کی کمند سے توسن صفت نفس کو عالم علوی اور بارگاہ الٰہی کی طرف بلایا گیا۔ تو روح نے جو دانا سوار تھا۔ اپنے معلومہ مقام پر پہنچکر چاہا۔ کہ جبرائیل کی طرح باگ موڑلے۔ توسن صفت نفس نے بسبب اپنی ظلومی اور جہولی اور ہوا اور غضب کے اپنے تئیں جلال احدیت کی شمع پر دے مارا۔ اور اپنے مجازی وجود کو چھوڑ شمع وصال سے بغلگیر ہو گیا۔ یہاں تک کہ مجازی وجود کی شمع نے اسکی پروانگی کو اپنی حقیقی وجود کی شمع میں تبدیل کر لیا۔ مصنف رح کہتا ہے۔ رباعی

اے آنکہ نشستہ اید پیرامن شمع — فارغ گشتہ بجز شہ از خرمن شمع
پروانہ صفت کنید جاں برکف دست — تا بو کہ کنید دست در گردن شمع

جب تک اپنی ظلومی اور جہولی کی دستکاری کے نقشوں کو کمال تک نہ پہنچائے۔ اِس مقام میں نفس کو پورے طور پر نہیں پہچان سکتا۔ کہ وہ کیا ہے؟ اور اسے کس لئے پیدا کیا ہے؟ اور کس مقام میں کس کام کے لئے مطلوب ہے؟ جب یہ دستکاری اس سے بدرجۂ کمال ظاہر ہوئی اور پروانگی کی دیوانگی سے شمعی نور بخشی کی حالت کو پہنچ گیا۔ تو کہ "کنت لہ سمعًا و بصرًا ولسانًا بی یسمع و بی یبصر و بی ینطق" (میں اسکے لئے کان۔ آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں۔ مجھ سے ہی وہ سنتا ہے اور مجھ سے ہی دیکھتا ہے اور مجھ سے ہی باتیں کرتا ہے۔) صادق آتا ہے۔ اور "من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ" (جس نے اپنے نفس کو پہچانا تحقیق اُس نے اپنے پروردگار کو پہچانا) محقق ہو جاتا ہے یعنی جس نے نفس کو پروانگی سے پہچانا۔ اسے پروردگار نے شمعیت سے دیکھا۔ "فلولاکم ماعرفنا الھویٰ ولولا الھویٰ ماعرفناکم" (اگر تم نہ ہوتے تو ہم ہوا محبت کو نہ پہچانتے۔ اور اگر ہوا محبت) نہ ہوتی تو ہم تم کو نہ پہچانتے۔ وصلی اللہ علیٰ محمد وآلہٖ +

فصل۔ ۷

{قانونِ طریقت کے مطابق تصفیہ دل کے بیان میں}

قال اللہ تعالیٰ "ان فی ذالک لذکریٰ لمن کان لہٗ قلب او القی السمع وھو شھید" (جو صاحب دِل ہے۔ یا کان لگا کر حضور قلب سے بات کو سنتا ہے۔ اس کے لئے تو ان باتوں میں کافی نصیحت ہے)۔ اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "ان فی جسد ابن اٰدم لمضغۃ اذا صلحت صلح بھا سائر الجسد واذا فسدت فسد بھا سائر الجسد الا وھی القلب" (ان کے وجود میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب اس کی حالت بہتر ہوتی ہے تو سارا جسم سنور جاتا ہے۔ اور جب وہ بگڑتا ہے۔ تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے اور وہ دل ہے)؛ واضح ہے کہ انسان کے بدن میں دل ٹھیک اس طرح ہے جسطرح جہان میں عرش جسطرح عالم کبریٰ میں عرش رحمانی صفت کے ظہور اور قائم ہونے کا مقام ہے اسی طرح عالم صغریٰ میں دل رحمانی صفات کے ظہور اور قائم ہونیکا مقام ہے۔ فرق ان میں یہ ہے کہ عرش کو رحمانیت کے ظہور اور استوا کا شعور نہیں اور نہ ہی وہ قابل ترقی ہے تاکہ وہ دوسری صفات کے ظہور اور استوا کا مقام ہو سکے۔ گو عرش کی رحمانیت کی صفت کے ظہور کا اختصاص حاصل ہے مگر دل کو اس پ

اس وجہ سے شرف حاصل ہے کہ دل کو شعور بھی ہے۔ اور قابل ترقی بھی ہے کیونکہ یہ تمام صفات الوہیت کا محل ظہور ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ عرش عالم اجسام کی انتہا ہے اور وہ بسیط ہے اس کا ایک رخ عالم ملکوت میں ہے اور ایک عالم اجسام میں حق تعالیٰ کے فیض کی مدد جو عالم اجسام کو پہنچتی ہے۔ وہ رحمانیت کی صفت کی وجہ سے ہے۔ اسی واسطے کہتے ہیں "یا رحمان الدنیا والاخرۃ" کیونکہ رحمانیت کی صفت سے عام خلقت کو بہرہ حاصل ہے۔ خواہ آشنا ہو یا بیگانہ۔ خواہ حیوانات ہوں یا جمادات۔ اور نیز کہتے ہیں۔ کہ رحمان ایک خاص اسم ہے۔ اور اس کی صفت عام ہے۔ اور رحیم ایک عام نام ہے۔ اور صفت خاص ہے چنانچہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو رحمان نہیں کہہ سکتے۔ رحمانیت کی صفت سے تمام مخلوقات کو حصہ ملتا ہے۔ جیسا کہ "ان کل من فی السموات والارض الا اتی الرحمٰن عبدًا" (جتنی مخلوقات آسمان اور زمین میں ہے سبھی قیامت کے دن خدائے رحمان کے آگے اس کی غلام بن کر حاضر ہوگی)۔ اسم رحمان فعلان کے وزن پر ہے۔ جو مبالغے کا صیغہ ہے۔ رحیم ہر ایک شخص کو کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک عام نام ہے لیکن رحیمی صفت سے سوائے اہل رحمت کے کسی کو بہرہ حاصل نہیں ہوتا۔ کہ "ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین" (بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکی کرنیوالوں کے نزدیک ہے)۔ چونکہ رحمانی صفت کے فیض کا اثر عالم اجسام میں پہنچتا ہے۔ اس لئے سب سے پہلا جسم جو اس کو قبول کرتا ہے۔ وہ عرش ہے کیونکہ ملکوت کی طرف سب سے زیادہ نزدیک یہی جسم ہے جس کا ایک رخ عالم ملکوت میں ہے۔ اور اسی رو سے وہ فیض حق کے قابل ہے۔ اور اس فیض کو تقسیم کرنے والا بھی عرش ہی ہے۔ کیونکہ عرش سے تمام جسمانیات کی طرف راہیں پھیلتی ہیں۔ اور انہیں راہوں سے ہو کر تمام جسمانیات کو فیض پہنچتا ہے۔ اور یہ فیض ہمیشہ پہنچتا ہے۔ اور اسی فیض کی وجہ سے کائنات کا وجود قائم ہے اور قائم رہ سکتا ہے۔ اگر ایک لحظہ بھی اس فیض کی مدد نہ پہنچے۔ تو کسی چیز کا وجود باقی نہ رہے۔ اور یہی "کل شیئ ھالک الا وجھہ" (سوائے اس کے چہرے کے باقی ہر ایک چیز ہلاک ہونے والی ہے) کا بھید ہے۔ اب چونکہ عرش میں رحمانیت کی صفت کے فیض کی مدد کو قبول کرنے کی استعداد تھی۔ اسی لئے اس صفت سے کہ "الرحمٰن علی العرش استوا" (رحمٰن عرش پر قائم ہے) مشرف ہوا۔ لیکن عرش کو اس دولت کی خبر نہیں۔ اسی طرح انسانی دل کا ایک رخ عالم

روحانیت میں ہے۔ اور دوسرا عالم قالب میں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ دل کو قلب کہتے ہیں
کیونکہ قلب میں ہر دو عالم جسمانی اور روحانی ہیں۔ فیضِ الٰہی کی جو مدد روح سے اسے
حاصل ہوتی ہے۔ وہی اسے تقسیم کرتا ہے۔ اور اس سے ہر ایک عضو کی طرف ایک
باریک شریان جاتی ہے۔ انہیں شریانوں سے ہو کر روح کا فیض ہر عضو کو پہنچتا ہے
پس دل ہی ہر ایک عضو کو حصہ پہنچاتا ہے۔ اور اگر ایک لحظہ یہ فیض کی مدد منقطع ہو جائے۔
تو قالب کام سے رہ جاتا ہے۔ اور زندگی منقطع ہو جاتی ہے جس شریان میں سدہ
ہو جائے۔ اور فیض نہ پہنچے۔ اس عضو میں حرکت نہیں رہتی اور مفلوج ہو جاتا ہے۔
پس معلوم ہوا۔ کہ عالم صغرٰے میں دل ٹھیک اس طرح ہے جس طرح عالم کبرٰی میں عرش۔
مگر دل میں ایک خاص خاصیت ہے۔ اور اسے خاص قسم کا شرف حاصل ہے۔ جو عرش
کو حاصل نہیں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ دل کو فیض روح کی قبولیت کا شعور ہے۔ اور عرش
کو نہیں۔ اس واسطے کہ روح کا فیض دل کو صفت کے طور پر پہنچتا ہے۔ اور روح
کی صفت سے دل کو زندگی علم اور عقل حاصل ہوتی ہے۔ اور اسی سے دل ادراک
کرتا ہے جس طرح کہ آفتاب کا نور کہ اس کی صفت ہے گھر میں روشنی ڈالتا ہے تو وہ گھر
روشنی سے منور ہو جاتا ہے۔ اور گھر میں نور ظاہر ہوتا ہے۔ اور نورانیت میں آفتاب
کی صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔ لیکن رحمانیت کی قدرت کا فیض عرش کو فعل اور قدرت
سے پہنچتا ہے۔ نہ کہ صفت سے۔ اس واسطے عرش باقی رہتا ہے۔ اور اس فعل اور
قدرت کا اثر موجودات کو پہنچتا ہے۔ اور اسی سے سب کو بقا ہے۔ لیکن ان میں
زندگی نمودار نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی علم اور معرفت جو حق کی صفت ہے۔ اس میں نمودار
ہوتی ہے۔ جیسا کہ آفتاب پہاڑ پر نورانیت کی صفت سے فیض کرتا ہے جس سے پہاڑ
آفتاب کی نورانیت کی صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔ لیکن فعل اور قدرت جو کہ کان
کے اندر ہیں۔ فعل اور قدرت دوسرے عقیق اور لعل پر فیضان کرتے ہیں۔ دوسرے
یہ بات ہے۔ کہ چونکہ دل میں اس بات کی استعداد ہے۔ کہ جب طریقت کے قانون
کے مطابق اس کا تصفیہ ہو جائے۔ تو یہ صفت رحمانیت کے استوا کا مقام
بن جاتا ہے۔ اور جب پرورش تصفیہ اور توجہ میں کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ تو تمام
صفات الوہیت کی تجلیات کا مظہر ہو جاتا ہے۔ یہاں تک عرش وغیرہ تمام کائنات

صفاتِ حق میں سے کسی ایک صفت کے انوار کی تجلیات کے مقابلے میں نہیں آسکتے۔ کیونکہ جب کوہِ طور پہ تجلی ہوئی۔ تو پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ آنحضرت صلعم کی بابت منقول ہے۔ کہ آنحضرت نے چھوٹی انگلی پر انگوٹھا رکھ کر فرمایا کہ اس قدر نور نے تجلی کی تھی۔ جس سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تھا۔ یعنی چھوٹی انگلی کے آدھے سرے کے برابر اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے بندے بھی ہیں۔ کہ جب انکے دل کو تربیت اور تصفیہ حاصل ہوجاتا ہے۔ اور سید الاولین والآخرین کی متابعت میں دلی کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ تو دن رات میں کئی مرتبہ حق کی جلالی اور جمالی صفات کے انوار کے دریا تجلی کرتے ہیں۔ اور وہ ان انوار کو توفیق الٰہی سے سہار جاتے ہیں۔ اب یہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ دل کیا ہے۔ اور تصفیہ دل کس بات میں ہے۔ اور اسکی تربیت کس طرح ہوسکتی ہے۔ اور دل کس طرح اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔

واضح ہے۔ کہ دل کی وہ صورت ہے۔ جسے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مضغہ یعنی گوشت کا ٹکڑا فرمایا ہے۔ اور جو تمام مخلوقات میں ہے۔ حیوانات میں صنوبری شکل کا گوشت کا ٹکڑا سینے کے نیچے بائیں پہلو پر ہے۔ اور اس گوشت کے ٹکڑے میں روحانی جان ہے جس کا نتیجہ عقل ہے۔ اور وہ دل حیوانات میں نہیں بلکہ خاص انسان ہی کا حصہ ہے۔ مگر صفائی کے مرتبے میں محبت کے نور سے دل کو خاص قسم کی جان حاصل ہوتی ہے۔ جو ہر شخص کو نصیب نہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ "ان فی ذالک لذکری لمن کان لہ قلبٌ" یعنی جس شخص کا دل ہوتا ہے۔ اُس کے دل کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے۔ یہاں دل سے مراد ظاہری دل نہیں۔ بلکہ حقیقی دل مراد ہے۔ جسے ہم دل و جان کہتے ہیں ؎

سر نشترِ عشق بر رگِ روح زدند	یک قطرہ ازو چکید نامش دل شد

دل میں سنورنے اور بگڑنے کی قابلیت ہے۔ اس کا سنورنا اس کی صفائی میں ہے۔ اور اس کا بگاڑ اسکی کدورت میں ہے۔ دل کی صفائی حواس کی سلامتی پر منحصر ہے۔ کہ تمام عالم شہود کا انہیں پانچ حواس کے ذریعے ادراک کرتا ہے۔ اسی طرح دل میں پانچ حسیں ہیں۔ کہ جب وہ سلامت ہوتی ہیں۔ تو ان سے عالم غیب یعنی ملکوتیات اور روحانیات کا ادراک کرسکتا ہے۔ چنانچہ دل کی آنکھیں ہیں۔ جن سے مشاہداتِ غیبی کو دیکھتا ہے۔ اور کان ہیں جن سے اہلِ غیب اور حق کے

کلام کو سُنتا ہے۔ اور سونگھنے کی طاقت ہے۔ جس سے غیبی خوشبوؤں کو سُونگھتا ہے۔ اور زبان ہے جس سے ایمان کی حلاوت۔ محبت کے ذوق اور عرفان کے طعام کو چکھتا ہے۔ اور جس طرح قالب میں چھُونے کی طاقت ہر عضو میں ہے۔ تاکہ تمام جسم کے ذریعے ملموسات سے نفع اُٹھا سکے۔ اسی طرح دل میں اس کے مقابلے پر عقل ہے جس کے وسیلے کل معقولات سے نفع اُٹھاتا ہے۔ جس شخص میں یہ دلی حواس سلامت ہوں۔ تو اسے دلی اصلاح کی وجہ سے بدنی نجات حاصل ہوتی ہے۔ اور جس کے یہ دلی حواس سلامت نہیں۔ اسکے لئے وہ دل کے بگاڑ اور تمام بدن کے ہلاک ہونے کا باعث ہیں۔ جیسا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "ان فی جسد ابن آدم لمضغۃ اذا صلحت صلح بھا سائر الجسد واذا فسدت فسد بھا سائر الجسد الا وھی القلب" (انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے۔ کہ جب وہ ٹھیک ہو تو سارا جسم ٹھیک ہوتا ہے۔ اور جب اس میں بگاڑ پیدا ہو تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے اسی کو قلب کہتے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ بھی قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ کہ جس کے دلی حواس سلامت ہیں۔ اُسی کو نجات اور درجے مل سکتے ہیں۔ "الا من اتی اللہ بقلب سلیم" اور جس کے دلی حواس میں خلل واقع ہوا۔ وہ گویا دوزخ کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ "ولقد ذرانا لجھنم کثیراً من الجن والانس لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھا" (ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے ایسے بنائے ہیں۔ جن کے دل تو ہیں لیکن سمجھتے نہیں اور آنکھیں تو ہیں لیکن دیکھتے نہیں۔ اور کان تو ہیں لیکن سُنتے نہیں)۔ اور ایک اور جگہ پر فرماتا ہے۔ "صم بکم عمی فھم لا یعقلون" (گونگے بہرے اور اندھے ہیں۔ پس وہ نہیں سمجھتے سوچتے)۔ اور نیز فرماتا ہے۔ "فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور" (وہ ظاہری آنکھوں سے اندھے نہیں۔ بلکہ سینوں کے اندر ان کے دل اندھے ہیں)۔ اس بارے میں قرآن شریف کے اندر بہت جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دل کا تصفیہ حواس کی سلامتی پر منحصر ہے۔ اور دل کی تربیت اس بات میں ہے۔ کہ بارگاہِ الٰہی کی طرف توجہ کی جائے۔ اور ماسوی اللہ سے قطع تعلق کیا جائے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے جب

ماسوی حق کی طرف دیکھا۔ تو اپنے تئیں بیمار فرمایا۔ "فنظر نظرۃ فی النجوم فقال انی سقیم" (پس ستاروں پر ایک نگاہ ڈالکر کہا۔ کہ میں بیمار ہوں) اور جب اس بیماری سے اللہ تعالیٰ نے شفا بخشی۔ تو جناب کی نگاہ حق پر پڑی۔ اور فرمایا۔ "واذا مرضت فھو یشفین" (جب میں بیمار ہوگیا۔ تو اس نے (اللہ تعالیٰ) شفا بخشی) پھر آپ بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور ماسوی حق سے قطع تعلق کیا۔ "انی بری مما تشرکون انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض" (میں اس بات سے بری ہوں جس سے تم شرک کرتے ہو۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا)

نیز واضح رہے۔ کہ دل کے مختلف اطوار ہیں۔ اور ہر ایک طور میں بہت سے عجائبات اور معانی رکھے گئے ہیں۔ جن کی شرح کئی جلدوں میں بھی نہیں سما سکتی۔ خواجہ محمد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مجلد کتاب عجائب القلوب کے نام سے لکھی ہے۔ اور ابھی اصل مضمون کا عشر عشیر بھی بیان نہیں ہوا۔ لیکن اس کتاب میں ہر ایک چیز سے کچھ کچھ اشارتاً بیان کیا جائیگا +

واضح رہے۔ کہ انسان میں دل آسمان کی طرح ہے۔ اور بدن زمین کی طرح۔ اس واسطے کہ روح کا آفتاب دل کے آسمان سے بدن کی زمین پر چمکتا ہے۔ اور اس کو زندگی کے نور سے منوّر رکھتا ہے۔ اور جس طرح روئے زمین پر سات ولائتیں ہیں۔ اور آسمان کے سات طبقے ہیں۔ اسی طرح قالب کے بھی سات عضو ہیں۔ اور دل کے سات طور ہیں۔ جیسا کہ "وقد خلقکم اطوارًا" (بیشک تمہیں اللہ تعالیٰ نے اطوار کے طور پر پیدا کیا) سے ظاہر ہے۔ اور جس طرح روئے زمین پر ہر ایک ولایت میں ایک خاص خاصیت ہے۔ اور اس میں خاص قسم کی پیداوار ہوتی ہے جو دوسری ولایتوں میں نہیں پائی جاتی اسی طرح ہر انسانی عضو میں ایک خاص خاصیت ہے جو دوسرے عضو میں نہیں پائی جاتی۔ اور جو فعل اس عضو سے ہو سکتا ہے دوسرے سے ظہور میں نہیں آسکتا۔ جیسا کہ آنکھ سے بینائی۔ کان سے شنوائی۔ زبان سے گویائی اور ہاتھ سے پکڑنے کا کام اور پاؤں سے چلنے کا کام ہوتا ہے +

{اصل کتاب میں عبارت مفقود ہے}

"وننزل من القرآن ما ھو شفاء ورحمۃ للمومنین" (قرآن مجید میں وہ چیز

وہ چیز جو نازل فرمائی ہے۔ جو مومنوں کے لئے سراسر رحمت اور شفا ہے) دل کے معالجے کے بارے میں تمام حاذق حکیم مختلف الرائے ہیں۔ ہر ایک نے ایک خاص طرز سے علاج شروع کیا ہے۔ لیکن قرآن شریف کے قانون سے باہر کسی نے بھی قدم نہیں رکھا۔ بعضوں نے اخلاق کو تبدیل کرنے اور انکے سنوارنے کی کوشش کی ہے۔ اور ہر بری صفت انسانی کا معالجہ اسکی ضد سے کیا ہے۔ تاکہ اس صفت کو نیک بنا دیں۔ جیساکہ "العلاج باضدادھا" (علاج انکے اضداد سے کرنا چاہیئے) مشہور ہے۔ مثلاً جب بخل کی صفت کو جو ایک قسم کا مرض ہے دور کرکے سخاوت کی صفت میں تبدیل کرنا چاہا۔ تو اس کا علاج خرچ اور ایثار سے کیا۔ اور غضب کی صفت کا علاج تحمل۔ حلم۔ غصے کو پی جانے سے کیا۔ اور حرص کا زہد۔ ترک دنیا۔ تجرید اور گوشہ نشینی سے کیا۔ اور لالچ کا تھوڑا کھانے۔ بھوکا رہنے سے اور شہوت کا لذتوں کے ترک کرنے اور ریاضت اور مجاہدہ کی کثرت سے۔ اسی طرح ہر بری صفت کا علاج اسکی ضد سے کیا ہے۔ جیساکہ طبیب گرمی کو سرد شربتوں سے دور کرتے ہیں۔ اور سردی کا علاج گرم معجونوں سے وغیرہ وغیرہ۔ یہ طریقہ تو معقول اور مناسب ہے۔ لیکن عمریں صرف کرکے صرف ایک ہی صفت کو بھی پورے طور پر تبدیل نہیں کرسکتے۔ کیونکہ یہ انسان کی ذاتی اور جبلی صفات ہیں۔ اور "لا تبدیل لخلق اللہ" (اللہ کا خلق نہیں بدل سکتا) کے مطابق یہ بدل نہیں سکتیں۔ ان صفات کا اپنے اپنے مقام میں ہونا لازمی امر ہے۔ اصلی مقصود ان کو بالکل زائل کردینے کا نہیں۔ فلسفیوں کو اس مقام پر غلطی واقع ہوئی ہے۔ کہ اُنہوں نے ان صفات کے تبدیل کرنے میں عمریں صرف کردیں۔ اور انبیاء علیہم السلام کی پیروی کو واجب نہ جانا۔ بلکہ خیال کیا۔ کہ صرف عقلی نظر سے یہ علاج ٹھیک اور درست ہے۔ مگر انہیں یہ معلوم نہ ہوا۔ کہ دل کے لئے عقل کے سوا اور بھی آلات ہیں (جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے) اُنھوں نے خیال کیا۔ کہ سب کچھ عقل ہی ہے۔ حالانکہ یہ صفات حیوانی خود عقل کی دشمن ہیں۔ اور جب یہ صفات ذمیمہ نیک صفات میں تبدیل ہوجاتی ہیں۔ تو مرد کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ اُنھوں نے انکی تبدیلی عقلی نظر سے کرنی چاہی۔ اور کہا۔ کہ چونکہ ہمارے پاس عقل اور علم ہے۔ اس لئے ہمیں انبیاء علیہم السلام کی متابعت کی کیا ضرورت ہے۔ انبیاء کی ضرورت اس شخص کو ہوتی ہے۔

جو جاہل اور کم عقل ہو۔ لیکن انہوں نے یہ نہ جانا۔ کہ عقل کے علاوہ ایک اور آلہ بھی ہے۔ جو انسان کے لئے عقل کی نسبت ہزار گنا شریف ہے جیساکہ حقیقی دل۔ سر۔ روح اور خفی۔ عقل سے ان آلات کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ان کو پرورش دے سکتی ہے۔ کیونکہ عقل خود اپنے ہی ادراک سے عاجز ہے۔ اور اپنے آپ ہی میں معلول اور مریض ہے۔ اور علیل کی رائے بھی علیل ہی ہوتی ہے۔ "رای العلیل علیل" مصرعہ

طبیب تداوی والطبیب مریض

(طبیب علاج کرتا ہے۔ اور حالت یہ ہے۔ کہ خود طبیب مریض ہے۔)

اللہ تعالیٰ جلشانہٗ انسانی عقل اور نظر کے مقابلے میں فرماتا ہے۔ "اللہ یستھزی بھم ویمدھم فی طغیانھم یعمھون" (اللہ تعالیٰ ان سے ہنسی کرتا ہے۔ انکی سرکشی کو زیادہ کرتا ہے۔ اور وہ بھٹکے پھرتے ہیں) یہ لوگ اگر اخلاق کی تبدیل میں عمر بھی صرف کریں۔ اور شرعی قانون کے مطابق مجاہدہ کریں۔ تو جب ایک گھڑی نفس کی محافظت سے باز رہیں۔ تو اتنے میں نفس پھر سرکشی اختیار کرتا ہے۔ اور تعلق توڑ کے اپنے اصلی چراگاہ کو بھاگتا ہے۔ بلکہ جسقدر نفس کے کتے کو باندھا جائے۔ اتنا ہی زیادہ بھوکا ہوتا ہے۔ اور جس وقت ریاضت کی قید سے خلاصی پاتا ہے۔ اُس کی حرص اور خواہش زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ تمام صفات کی یہی حالت ہے۔ اسی طریق پر دلی صفات اور مقامات کی پرورش کرنے سے ساری عمر میں بھی ایک صفت یا ایک مقام کو پورے طور پر مکمل نہیں کر سکتے۔ جب ایک صفت کی پرورش کرتے ہیں۔ تو دوسری میں خلل آجاتا ہے۔ پس یہ کام خشک مجاہدہ سے نہیں نکل سکتا۔

حسین منصور رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم خواص علیہ الرحمۃ سے پوچھا۔ "فی ای مقام انت" (اب کس مقام کی سیر کرتے ہو) آپ نے جواب دیا۔ "اروض نفسی فی مقام التوکل من ثلثین سنۃ" (تیس سال سے میں توکل کے مقام میں نفس کو ریاضت کراتا ہوں) حسین منصور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "اذا افنیت عمرک فی عمارۃ الباطن فاین انت فی الفناء فی اللہ" (جب تو اپنی عمر باطن کے سنوارنے میں برباد کر دیگا۔ تو فنا فی اللہ کب ہوگا) پس عاشقوں کا طریقہ اور ہے۔ اور زاہدوں کا اور۔ رُباعی

مارا جز ایں زبان زبانے دگر است — جز دوزخ و فردوس مکانے دگر است
قلاشی و رندی ست سرایۂ عشق — قرائی و زاہدی جہانے دگر است

پس ہمارے مشائخ قدس اللہ ارواحہم کی طریقت میں پہلے تصفیہ دل کی کوشش کرتے ہیں نہ کہ تبدیلِ اخلاق کی۔ کیونکہ جب دِل کا تصفیہ حاصل ہو جائے۔ اور توجہ بشرط ہاتھ آجائے تو وہ فیضِ حق کے قابل ہو جاتا ہے۔ اور پھر فیضِ حق کے اثر سے تھوڑی مدت میں نفسانی صفات کی وہ وہ تبدیلیاں ہو جاتی ہیں۔ جو مجاہدوں اور ریاضتوں سے عمر دِل میں بھی حاصل نہیں ہوتیں۔ دِل کے تصفیہ کی یہ شرط ہے۔ کہ پہلے ظاہری تجرید کی داد دے مثلاً دنیا کو ترک کرنا۔ گوشہ نشینی خلقت سے قطع تعلق۔ اور مالوفاتِ طبع کا چھوڑنا۔ اور جاہ و مال کو کھو دینا۔ تاکہ تجرید سے تفرید کے مرتبے کو پہنچ جائے۔ یعنی ہر محبوب اور مطلوب سے جو ماسوائے حق ہے باطنی تفرد ہو جائے۔ یہاں تک کہ " فاعلم انہ لا الہ الا اللہ" (پس جان لے کہ وہ لا الہ الا اللہ ہے) کی توحید کی حقیقت مُنہ دکھلائے۔ کیونکہ توحید کے کئی ایک مقامات ہیں۔ توحید ایمانی اَور ہے۔ اور توحید ایقانی اَور ہے۔ اور توحید احسانی اور ہے۔ اور توحید عیانی اَور ہے۔ اور توحید غیبی اور ہے۔ اور جب تک ان سب کی داد نہ دے لے۔ تب تک وحدانیت کو نہیں پہنچتا۔ اور جب تک وحدانیت کی داد نہ دے تب تک وحدت کی حقیقت کو نہیں پہنچتا۔ جو بحر احدیت کا ساحل ہے۔ اور ان مقامات کی شرح بہت طول طویل ہے لیکن یہ سب اخلاق کی تبدیلی سے حاصل نہیں ہوتیں۔ مگر تصفیہ دل اور توجہ بحق سے۔ اور جب مرید اپنی کوشش کے مطابق ظاہری تجرید اور باطنی تفرید سے عہدہ برا ہوتا ہے۔ اسی قدر تصفیہ دِل میں خلوت کی ملازمت اور ذکر کی مداومت کا اقبال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ خلوت میں حواس ظاہری کام سے بیکار ہو جاتے ہیں۔ اور محسوسات کی آفتوں کی مدد دِل سے منقطع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ دِلی حجاب اور کدورتیں زیادہ تر محسوسات میں حواس کے تصرف سے ظاہر ہوتی ہیں ؎

دل را ہمہ آفت از نظر مے خیزد — چوں دیدہ بدید دل در و آویزد

جب حواس کی آفت منقطع ہو گئی۔ تو پھر شیطانی وسوسے اور نفسانی خواہشات رہ جاتی ہیں۔ جن سے دِل مکدر اور مشوش ہوتا ہے۔ سو ان کی راہ خطرات کی نفی اور ذکر کے ہمیشہ کرنے سے رُک سکتی ہے۔ چنانچہ اس کا مفصل حال انشاء اللہ لا الہ الا اللہ کے ذکر کی احتیاج

کی فصل میں بیان کیا جائیگا ؛

پس ذکر کے نور اور خواطر کی نفی سے دِل شیطانی وسوسوں اور تشویش سے خلاصی پا جاتا ہے۔ اور اپنے احوال میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور ذکر کا ذوق پھر اسے حاصل ہونے لگتا ہے۔ زبانی ذکر سے دِل بھی ذکر میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور ذکر کی خاصیت سے ہر ایک کدورت اور حجاب جو نفس اور شیطان کے تصرف سے دِل میں آگیا ہو اور محکم ہو گیا ہو۔ دل سے مٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ کدورت اور حجاب کم ہو جاتا ہے۔ تو ذکر کا نور دِل کے جوہر پر چمکتا ہے۔ جس سے دِل میں وجد اور خوف پیدا ہوتا ہے۔ "انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم" (بیشک مومن وہ ہیں۔ جن کے دِل ذکر الٰہی کے وقت ڈرتے ہیں)۔ بعد ازاں جب دل ذکر میں چل پڑتا ہے۔ تو قساوت قلبی دور ہو جاتی ہے۔ اور رقت اور نرمی اس میں آجاتی ہے۔ "ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللہ" (پھر ان کے جسم اور انکے دِل ذکر الٰہی کی طرف مایل ہو جاتے ہیں) ذکر کی مداومت کرتا ہے۔ اور ذکر کا بادشاہ دل کی ولایت پر غالب آجاتا ہے۔ اور ان تمام چیزوں کو باہر نکال دیتا ہے۔ جن میں حق کی یاد یا حق کی محبت نہ ہو۔ اور سر مراقبہ کیلئے جُھکا لیتا ہے ؎

سر بر درِ دل ببرد بارِ نخست　　　تا ہر چہ نہ یاد اوست در بگذارد

جب سلطان ذکر ولایت دِل میں ساکن ہو جاتا ہے۔ تو دل اُسکے ساتھ نرم اور مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور جو اس (سلطان ذکر) کے سوا ہے۔ سب سے وحشت ظاہر کرتا ہے۔ "الذین اٰمنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" (اہل ایمان کے دِل ذکر الٰہی سے مطمئن ہوتے ہیں۔ اور واقعی ذکر الٰہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے) جب تک کسی مخلوق کی محبت یا ذکر دل میں معلوم کرے سمجھ لے۔ کہ ابھی دلی کدورت اور بیماری باقی ہے۔ اِس کو لا الٰہ کے مصقلے اور نفی ماسوائے حق کے شربت سے دور کرنا چاہئے۔ یہاں تک کہ دِل پر یہ کلمہ نقش ہو جائے۔ اور ذکر کے جوہر سے دِل منور ہو جائے۔ جب یہ حالت ہو جائیگی۔ تو کوئی غیر حق اندیشہ باقی نہیں رہیگا سب جل جائینگے۔ اور نقوش کے عوض صرف ذکر کا نور اور کلمے کا جوہر رہ جائینگے۔ رباعی

تا دل نہ بد و نیک جہاں آگاہ است | وز نقش زبد و نیک جہاں کوتاہ است
زیں پیش دے بود ہزار اندیشہ | اکنوں ہمہ لاالٰہ الااللہ است

اس وقت سلطانِ عشق سلطنت کا جھنڈا دل کے شہر میں بھیجتا ہے۔ تاکہ دل۔ روح نفس اور بدن کے چوک کو بند کرے۔ اور شوق کے کوتوال کو حکم دیتا ہے۔ کہ قلاش صفت نفس کو درد کی رسی سے باندھ لے۔ اور طلب کی کمند گردن میں ڈال لے۔ اور دل کی سیاست گاہ میں اسے لے آئے۔ اور عشق کے سلطانی جھنڈے کے نیچے ذکر کی تلوار سے اسکی حرص کا سر قلم کر دے۔ اور اخلاص کے درخت سے لٹکا دے۔ چور شیطان جو کہ نفس کے ہم پیشہ ہوتے ہیں سلطانی رعب داب دیکھ کر جسم کے شہر کو چھوڑ باہر ہو جاتے ہیں۔ جس سے شہر میں تکلیف کا شور و شر باقی نہیں رہتا۔ جب سلطانی جھنڈا شہر میں آ جاتا ہے۔ اور نفس کی بُری صفات کے رند اور اوباش عاجزی کا کفن اور کار د لیکر تسلیم اور بندگی کے دروازے پر آ کر کہتے ہیں۔ "ربنا ظلمنا انفسنا" (اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا) اس وقت اگر تو قصاب ہے۔ تو مار ڈال۔ اور اگر تو بادشاہ ہے۔ تو ان کو بخش دے اور معاف کر ؎

باز آمدم چو غونیاں از بر تو | اینک سر و تیغ ہر چہ خواہی مسکین

سلطانِ عشق نفسانی بُری صفات کے اوباشوں کو رندی اور ناپاکی سے توبہ کرا کے بندگی کی خلعت انہیں پہنا کر دل کی درگاہ کے سپاہی بنا دیتا ہے۔ جب وہ باسامان ہو گئے۔ تو بس ان سے یہی مطلوب تھا ؎

معشوقہ بسامان شد تا باد چنیں باد | کفرش ہمہ ایماں شد تا باد چنیں باد

جب جسم کا شہر رند شیاطین کے غوغے اور نفسانی بُری صفات کے اوباشوں کی تشویش سے پاک ہو گیا۔ اور دل کا آئینہ طبیعت کے زنگار سے صاف ہو گیا۔ تو پھر یہ جلال صمدیت کی بارگاہ کے لائق ہو جاتا ہے۔ بلکہ جمال احدیت کے آفتاب کا مطلع ہونا اسے زیب دیتا ہے۔ جب یہ حالت ہو جائے۔ تو پھر سلطانِ عشق کو کوتوال اور وزیر عقل کو دل کے دروازے کی دربانی عطا کرتے ہیں۔ اور دل کے شہر کو یقین اخلاص۔ توکل۔ صدق۔ کرم۔ مروت۔ جوانمردی۔ سخاوت بخشش۔ حیا۔ شجاعت اور طرح طرح کی نیک صفات کے جواہرات اور موتیوں سے آراستہ کرتے ہیں۔ یہ سب کس واسطے

ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ سُلطان حقیقی دل کی خلوت سرائے میں آتا ہے۔ اور اصل معشوقہ جلال کے پردوں سے اپنا جمال دکھلاتی ہے۔ پھر لا الٰہ کا سپاہی بارگاہ کو صفات حمیدہ کے خاصوں سے بھی خالی کر دیتا ہے۔ اس واسطے کہ غیرت غیریت کی نفی کرتی ہے۔ دِل جو کہ مدت سے عشق کا جلا ہوا ہے۔ اور یعقوبؑ کی طرح سینے کے بیت الحزن میں رہتا ہے۔ جمال کے یوسف کو دیکھ کر آنکھیں روشن کریگا۔ اور بیت الحزن کو یوسفی جمال سے گلشن بنائیگا۔ اور غم سے خوشی اور محنت سے دولت حاصل کریگا۔ اور جدائی کی سختی وصل کی عزت سے بدل جائیگی۔ مصنفؒ صاحب فرماتے ہیں۔ رُباعی

دیدم رخت از عمر سرے موئے نماند — جز بندگی بروئے تو دگر روئے نماند
با دل گفتم کہ آرزوئے در خواہ — دِل گفت کہ ہیچ آرزوئے نماند

اس مقام پر پہنچکر دل ولی حقیقت کو پہنچ جاتا ہے۔ اور اصلی صحت و صفائی پر آجاتا ہے اور نفسانی صفات جو عمروں کے خشک مجاہدات سے بھی مبدل نہ ہوتیں۔ ذکر کی کیمیا گری دِلی مراقبے اور اُس کی توجہ سے سب مبدل ہوگئیں۔ اور سب نے اطاعت قبول کرلی۔ اب یہاں کا فرمانروا نہ دِل ہے نہ روح تاکہ بعض صفات نفس فرمانبرداری قبول کریں۔ اور بعض نہ کریں۔ بلکہ اب تو "وعنت الوجوہ للحی القیوم" (زندہ اور قائم اللہ تعالیٰ کے لئے سبھوں کے چہرے ذلیل ہوگئے) کے فرمانروا سلطان نے دِل کی بارگاہ کو اغیار کی زحمت سے خالی کر دیا ہے۔ اور اسے اپنا خاص تختگاہ بنالیا ہے۔ کہ لا یسعنی ارضی ولا سمائی وانما یسعنی قلب عبد المومن" (میرے آسمان اور میری زمین میں مجھے سمانے کی گنجائش نہیں۔ میں بیشک مومن بندے کے دِل میں سما سکتا ہوں) بعد ازاں فرمانِ حق تمام اعضاء اور صفات پر غالب آتا ہے۔ کہ "واللہ غالب علیٰ امرہٖ" (اللہ تعالیٰ اپنے امر پر غالب ہے) اور کوئی عضو یا صفت بطور خود کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم اور اشارے سے جیسا کہ "کنت لہٗ سمعًا وبصرًا ولسانًا ویدًا فبی یسمع وبی یبصر وبی ینطق وبی یبطش" (میں ہی اُسکے لئے کان۔ آنکھ۔ زبان اور ہاتھ ہوں۔ وہ مجھ ہی سے سنتا۔ دیکھتا۔ بولتا اور پکڑتا ہے) پس دِل اس مقام پر پہنچکر تمام صفاتِ حق کا مظہر بنتا ہے۔ اِس واسطے حضرت عزت کبھی تو صفات لطف سے دِل پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور کبھی صفات قہر سے۔ اور دِل ہمیشہ ان دونوں صفات کے ظہور

کے تصرف میں ہوتا ہے۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "قلب المومن بین الاصبعین من اصابع الرحمن یقلبہا کیف یشاء" (مومن کا دِل رحمان کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ جس طرح چاہتا ہے۔ اسے الٹتا پلٹتا ہے) یہاں پر اشارہ رحمانیت کا کیا ہے اور الوہیت کا نہیں۔ اس واسطے کہ دِل صفت رحمانیت کے استواء کا مقام ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ وصلی اللہ علی محمد و آلہ وسلم +

فصل ۔ ۷

{قانون حقیقت کے مطابق تجلیہ رُوح کے بیان میں}

اللہ تعالیٰ جلشانہٗ فرماتا ہے۔ "یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی" (اے محمدؐ! تجھ سے روح کی بابت پوچھتے ہیں۔ تو انہیں کہدے۔ کہ روح امر ربی ہے) +

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منہا ائتلف وما تناکر منہا اختلف" (ارواح جمع کیا ہوا لشکر ہے۔ ان میں سے جنہوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ وہ آپس میں اُلفت کرنے لگے اور جنہوں نے نہ پہچانا۔ ان کے مخالف بن گئے +

واضح رہے۔ کہ انسانی روح عالم امر سے ہے۔ اور اسے بارگاہ الٰہی کے قرب کا وہ اختصاص حاصل ہے۔ جو کسی مخلوق کو نہیں۔ جیسا کہ پہلی فصلوں میں بیان ہو چکا ہے۔ عالم امر سے مراد وہ عالم ہے جو مقدار، کمیت اور مساحت کو قبول نہیں کرتا ہے برخلاف عالم خلق کے جو مقدار۔ کمیت اور مساحت کو قبول کرتا ہے۔ اور امر کا نام عالم ارواح پر اس واسطے صادق آتا ہے۔ کہ یہ کُن کے اشارے سے بغیر توقف زمانی اور بے واسطہ مادہ پیدا ہوا۔ اگرچہ عالم خلق بھی کُن کے اشارے سے پیدا ہوا لیکن مواد کے وسیلے کچھ مدت لیکر ہُوا۔ جیسا کہ "خلق السموات والارض فی ستۃ ایام" (آسمان اور زمین چھ دن میں پیدا کیئے) سے ظاہر ہے۔ اور یہ اشارہ جو فرماتا ہے۔ کہ "قل الروح من امر ربی" (اے محمدؐ! کہدے کہ رُوح امر ربی ہے) اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ کاف و نون کے منشاء سے کُن کا خطاب بدیع فطرت کو بغیر مادہ اور ہیولا کے ہُوا جس سے وہ ہوالحی کی صفت سے زندگی پاکر قائم بصفتِ قبولی ہوا۔ اور وہ عالم ارواح کا مادہ بنا۔ اور

عالم ارواح سے عالم ملکوت نکلا۔ اور عالم ملکوت سے قائم ہے۔ اور ملکوت ارواح سے اور ارواح روح انسانی سے قائم ہے۔ اور روح قبولی کی صفت سے قائم ہے " فسبحان الذی بیدہٖ ملکوت کل شئ والیہ ترجعون " (پس پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ ہر ایک شئے کی بادشاہت ہے۔ اور اسی کی طرف تمام چیزیں واپس جائینگی) جو کچھ عالم ملک اور ملکوت میں ظاہر ہوتا ہے۔ تمام بوسیلہ ظاہر ہوتا ہے۔ مگر ان میں سے صرف وجود انسانی ہی ہے۔ جس کی روح ابتداء میں کُن کے اشارے سے بے واسطہ پیدا ہوئی۔ اور اس کی صورت نے قالب اور قلب کی تخمیر بھی بے واسطہ پائی) جیسا کہ " خمرت طینۃ آدم بیدی اربعین صباحاً " (میں نے آدم کی مٹی کو خود اپنے ہاتھ سے چالیس روز تک خمیر کیا) اور روح اور قالب کے ملتے وقت بھی " و نفخت فیہ من روحی " کا شرف بے وسیلہ ہی عنایت فرمایا۔ اور " من روحی " کی صفت کا اختصاص مرحمت فرمایا۔ یعنی " الروح حی من الحیاتی " (روح میری ہی حیاتی کے سبب زندہ ہے)۔ چونکہ وجود رُوح کی ایجاد اس کے امر سے ہوئی۔ اِس واسطے وجود رُوح کا لگاؤ بھی اپنے امر ہی کی طرف کیا۔ " قل الروح من امر ربی " چونکہ وہاں پر رُوح کی زندگی حقتعالٰی کی صفت حی سے تھی۔ اِس واسطے نفخ (پھونکنا) کا لگاؤ بھی حضرت حق کی طرف کیا " نفخت فیہ من روحی " یہ ایک بڑا دقیقہ ہے۔ پس مرتبہ روح کا کمال اس بات میں ہے۔ کہ اسے صفات ربوبیت سے جلا دی جائے۔ تاکہ خلیفۃ اللہ ہونیکے لائق بن جائے۔ اِس بارے میں مختلف فرقے مختلف الرائے ہیں۔ بعض کی یہ رائے ہے۔ کہ جب تک رُوح کو جِلا نہ دی جائے۔ تزکیہ نفس حاصل نہیں ہوتا۔ اور بعض کی یہ رائے ہے کہ روح کو جلا دینے کے بغیر بھی نفس کا تزکیہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اور نیز اس طرح بھی جیسا کہ دِل کے تصفیہ کی فصل میں بیان ہُوا ہے۔ ہمارے مشائخ علیہ الرحمت کی یہ رائے ہے۔ کہ اگر عمر بھر بھی تزکیہ نفس میں کوشش کی جائے۔ تو پھر بھی پورے طور پر تزکیہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور نہ وہ روح کو جلا دینے میں مشغول ہو سکتا ہے۔ اِس واسطے بہتر یہ ہے۔ کہ اول نفس کو شرعی قید سے مضبوط کر لیا جائے۔ اور پھر دِل اور روح کو جلا دینے میں مشغول ہو جائے۔ ایسا کرنے سے " من تقرب الی شبراً تقربت الیہ ذراعاً " (جو میری طرف بالشت بھر آگے بڑھتا ہے۔ میں اُسکی

طرف ہاتھ بھر بڑھتا ہوں) کے مطابق الطاف خداوندی استقبال کرم سے ظہور میں آتی ہیں۔ اور جذبات عنایت کے تصرفات اور فضل الوہیت کے فیض متواتر پہنچتے ہیں۔ "من اتانی تمشی اتیتہ ھرولۃ" (جو میری طرف قدم قدم آئے۔ میں اسکی طرف دوڑ کر جاتا ہوں) ایک لحظہ میں اس قدر تزکیہ نفس حاصل ہوتا ہے۔ جو مجاہدہ سے عمر بھر میں حاصل نہیں ہو سکتا۔ "جذبۃ من جذبات الحق توازی عمل الثقلین" (ایک جذبہ حق دونوں جہان کے عمل کے برابر ہے) لیکن شروع شروع میں روح بچے کی طرح ہوتی ہے۔ اس کی تربیت کرنی چاہئے۔ تاکہ تجلد ہونے کی مستحق ہو جائے۔ اس واسطے کہ روح جب تک روحانی مقام میں تھی۔ اور ابھی اس کا تعلق جسم سے نہیں ہوا تھا۔ وہ ایسے بچے کی طرح تھی۔ جو ماں کے رحم میں ہو۔ اور اس کو اس جگہ کے مناسب غذا ملے۔ اسے اس مقام کے مناسب علم اور شناخت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن طرح طرح کی غذاؤں اور مختلف قسم کے علوم اور معارف سے جو ولادت کے بعد اسے حاصل ہوتے ہیں ان سے محروم اور بے خبر رہتی ہے۔ اسی طرح روح کو عالم ارواح بارگاہِ الٰہی سے وہ غذا ملتی ہے۔ جو اسکی زندگی کو قائم رکھ سکے۔ اور اسکے حوصلہ اور اس کی ہمت کے مطابق ہو۔ وہاں پر اسے تمام روحانی علوم اور معارف کی خبر تھی۔ لیکن "ابیت عند ربی یطعمنی و یسقینی" (میں خدا کے ہاں رہا کرتا تھا جو مجھے کھلاتا بھی تھا اور پلاتا بھی تھا) کی مختلف غذاؤں سے محروم تھی اور عالم شہادت کی جزویات کے علوم اور معارف سے جو حواس انسانی۔ قوائے بشری۔ اور صفات انسانی کے آلات کے وسیلے حاصل ہوتے ہیں بے خبر تھی۔ اور جس وقت اس کا تعلق جسم سے ہوا۔ اس وقت اسکی وہ حالت تھی۔ جو اس بچے کی ہوتی ہے۔ جو ماں کے پیٹ سے ابھی ابھی پیدا ہوا ہو۔ اگر اسے مناسب غذا نہ ملے۔ تو جلدی ہلاک ہو جاتا ہے۔ پس مہربان والدہ اسے گہوارے میں رکھتی ہے۔ اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیتی ہے تاکہ طبعی حرکات نہ کرے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے یا تو اسکے اعضاء ٹوٹ جائینگے یا ٹیڑھے ہو جائینگے۔ اور نیز اسے اس جہان کی غذاؤں سے جو ابھی تک اس کے لئے غیر مانوس ہیں محفوظ رکھتی ہے۔ کیونکہ اسکے معدے میں اتنی طاقت نہیں۔ کہ اسے ہضم کر سکے اس لئے اسکی غذا وہی ہوتی ہے۔ جو پہلے نو مہینے تھی یعنی دودھ۔ مدت تک اسکی پرورش

اسی طرح ہوتی رہتی ہے۔ پھر جب اس عالم کی ہوا سے خوگر ہو جاتا ہے۔ تو آہستہ آہستہ اسے اس جہان کی لطیف غذائیں دی جاتی ہیں۔ تاکہ ان غذاؤں سے اسکے معدے کو تقویت حاصل ہو۔ اور کثیف غذا کے لئے تیار ہو جائے۔ کیونکہ حرکت۔ قوت اور مشکل کام کرنے کے لئے اسی سے مدد ملتی ہے ؀

اسی طرح جب طفل روح قالب کے گہوارے میں آئے۔ تو اسکے تصرفات کے ہاتھ پاؤں شرعی اوامر و نواہی سے باندھ دینے چاہئیں۔ تاکہ طبع حیوانی کے موافق حرکات نہ کرے۔ کیونکہ اگر ایسا کریگا۔ تو یا تو اپنے تئیں ہلاک کرلیگا یا صفات روحانی کے ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ہو جائینگے۔ یعنی صفاتِ روحانی بُری صفات میں تبدیل ہو جائینگی۔ اور اسے طریقت اور حقیقت کے دو پستانوں سے تصفیہ اور تجلیہ کا دودھ دینا چاہیئے جو اسکی غذا اُس عالم میں کئی ہزار سال تک رہ چکی ہے۔ اور اسی قسم کی غذا سے اُس کی پرورش ہوتی آئی ہے۔ تاکہ دِل جو اس کے لئے بمنزلہ معدہ ہے۔ اسے تقویت حاصل ہو جائے۔ اور اس بات کے لئے تیار ہو جائے۔ کہ اگر عالم شہادت میں "جعلکم خلائف فی الارض" (تمہیں روئے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا) کی خلافت کے معاملات کی طرح طرح کی غذائیں کھائے۔ تو اس میں امانت کے تھکا دینے والے بوجھ کو برداشت کرنے کی طاقت آجائے۔ اور وہ اسے مضر نہ پڑیں۔ بلکہ ان سے اُسے طاقت حاصل ہو۔ اور اس میں غالب آنے کی طاقت آجائے۔ اور جس طرح بچہ اپنی ماں یا دایہ کا دودھ پی کر پرورش پاتا ہے۔ اور اگر دودھ نہ ملے۔ تو ہلاک ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح طفل روح کی پرورش مادر نبوت کے پستان سے طریقت کا دودھ دیکر کرنی چاہیئے۔ یا ولایت کی دایہ کا دودھ اسے دینا چاہیئے۔ اور اُس کی پرورش نبیؐ یا شیخ کے وسیلے ہونی چاہیئے۔ اگر ایسا نہ ہوگا۔ تو وہ ہلاک ہو جائیگا۔ اور یہ جو مَیں نے کہا ہے۔ کہ جب رُوح قالب میں داخل ہوا۔ اس سے میری مراد وہ وقت ہے۔ جب بالغ ہو جاتا ہے۔ اور آثار عقل ظہور پاتے ہیں۔ اور جب سے روح ماں کے پیٹ کے اندر بچے میں داخل ہوتی ہے۔ تب سے لیکر حد بلوغت تک اسکی وہ حالت ہوتی ہے۔ جو بچہ جنتے وقت ہوتی ہے۔ کہ بعض اعضاء اس کے باہر آتے ہیں۔ اور بعض ابھی اندر ہوتے ہیں۔ اس وقت تک جبکہ بچے کے اعضاء سارے جھلی سے نکل آتے ہیں۔ اور

جنانیوالی کے ہاتھ میں بچہ پہنچ جاتا ہے۔ اس واسطے کہ روح کا قالب سے تعلق آہستہ آہستہ ظاہر ہوتا ہے۔ جب تک قالب رحم میں رہتا ہے۔ روح کا تعلق اُسکے ساتھ زندگی کا ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ حرکت کرنا ہے۔ ابھی اس کا تعلق تمام حواس سے ظاہر نہیں ہوتا۔ نہ ان آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ اور نہ ان کانوں سے سکتا ہے۔ جب ماں کے رحم سے باہر آتا ہے۔ تو پھر اس کا تعلق حواس سے ظاہر ہونے لگتا ہے۔ لیکن بشری قوائے سے اور بھی آہستہ آہستہ نمودار ہوتا ہے۔ اِسی طرح قالب کے ہر ایک مقام سے جو انسانی صفات میں سے ایک ایک صفت کا مقام ہیں اس کا پورا تعلق نہیں ہوتا۔ مگر ہاں اس وقت پورا تعلق ہوتا ہے۔ جب اس مقام سے وہ صفت ظاہر ہو۔ جیساکہ حرص۔ غضب۔ شہوت۔ اور دوسری صفات جن کے لئے مقررہ مقام ہیں۔ جب تک وہ صفت اس مقام سے ظاہر نہیں ہوتی۔ تب تک اس کے لئے اسے مواخذہ نہیں ہوسکتا۔ اور نہ اسے تکلیف دی جاتی ہے۔ مثلاً شہوت سے اس وقت مکلف ہوسکتا ہے۔ جب شہوت ظاہر ہو۔ اور روح کو اس صفت اور مقام سے پورا تعلق ہوجائے تب سمجھو کہ غیب کے پردے سے پورے طور پر عالم شہادت میں نمودار ہوا ہے۔ اس وقت اگر بچہ صاحب سعادت ہے۔ تو فوراً نبوت کی قابلہ (جنانیوالی) کے ہاتھ میں پہنچ جاتا ہے۔ وہ شریعت کے گہوارے میں اسکے ہاتھ پاؤں اوامر اور نواہی سے باندھ کر طریقت اور حقیقت کے پستان سے اسکی پرورش کرتی ہے۔ اور اسکی پرورش اس بات میں ہے۔ کہ جو تعلق روح کو قالب کے ساتھ ملنے سے پیدا ہوا ہے۔ وہ انسانی قوائے۔ حواس اور دوسری صفات کے وسیلے آہستہ آہستہ باطل کردے اس واسطے کہ ان میں سے ہر ایک کے سبب اسے بارگاہ الٰہی سے حجاب اور دوری حاصل ہوتی ہے۔ اور جس چیز سے انس پیدا کرتا ہے۔ اور جس دلخواہ شے سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ وہ اسکے لئے پاؤں اور گلے کی زنجیر بنجاتی ہے۔ جس کے سبب پھر حقتعالیٰ سے وحشت ہونے لگتی ہے۔ اور اس جمال کے شہود کے ذوق سے باز رہجاتا ہے۔ جب ان تعلقات کو چھوڑ جاتا ہے۔ وہ حجاب قید اور کھوٹ دور ہوتا جاتا ہے۔ اور قرب نمودار ہوتا ہے۔ اور صبائے سعادت کی نسیم بارگاہ الٰہی کے انس کی خوشبو اس کے جان کے دماغ میں پہنچاتی ہے۔ اور پھر وہ پکار اٹھتا ہے ؎

نسیم الصبا الھدی الی نسیما　　　من بلدۃ فیھا الحبیب مقیما

(اے صبا! مجھے اس شہر کی خوشبو دار ہوا پہنچا۔ جس میں میرا حبیب مقیم ہے)۔ رباعی

باد آمد و بوئے زلفِ جاناں آورد　　　واں عشق کہن تازہ شدہ بانو کرد

اے باد تو بوئے آشنائے داری　　　زنہار بگرد ہیچ بیگانہ مگرد

یہاں طفل روح کی پرورش دو ماؤں سے ہوتی ہے۔ ایک طرف سے طریقت کے پستان اسے مالوفاتِ طبع سے قطع تعلقات کا دودھ دیتے ہیں۔ اور دوسری طرف سے حقیقت کے پستان اسے غیبی انوار الہی کا دودھ پلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ انوارِ روحانی کی تجلیات کی واردات کے تصرف سے رُوح تعلقاتِ جسمانی سے آزاد ہو جاتی ہے۔ اور صفاتِ بشری کی قید سے رہا ہو جاتی ہے۔ اور فطرتِ اولےٰ کی سرحد پر پہنچ جاتی ہے۔ اور الست بربکم کے خطاب سُننے اور بلیٰ کے جواب دینے کی مستحق ہو جاتی ہے۔ جب روح بشریت کے لباس سے نکلتی ہے۔ اور تصرف۔ وہم اور خیال کی آفتیں اس سے منقطع ہو جاتی ہیں۔ تو پھر جو کچھ ملک اور ملکوت میں ہے۔ اُس کے پیش کیا جاتا ہے۔ اور وہ ہر ایک ذرے میں نفس کے آئینے سے حق تعالیٰ کی ظاہر نشانیاں دیکھتی ہے۔ اس حالت میں اگر حواس کی کھڑکی سے باہر جھانکتی ہے۔ تو جس چیز پر اسکی نگاہ پڑتی ہے۔ اسی میں اللہ تعالیٰ کی نشانی اسے دکھائی دیتی ہے۔ اسی واسطے اِس بزرگ نے فرمایا ہے۔ "مانظرت فی شیئٍ الا ورایت اللہ فیہ" (میں نے جس چیز پر نگاہ ڈالی۔ اسی میں اللہ تعالےٰ نظر آیا) اِس مقام پر پہنچکر عشق صاف ہو جاتا ہے۔ اور عین شین اور قاف کی تہمت سے باہر آ جاتا ہے۔ عشق کا تعلق روح سے ہو جاتا ہے۔ اور روح کا تعلق عشق سے اور عشق اور روح سے دوگانگی اور یگانگی ظاہر ہوتی ہے۔ روح جسقدر اپنے تئیں ڈھونڈتی ہے۔ عشق کو پاتی ہے ؎

بس غم کہ در عشق ماہ روئے خوردم　　　خود را عیاں عشق در کو کردم

اب تک تو قالب کی زندگی رُوح پر منحصر تھی۔ لیکن اب رُوح کی زندگی عشق پر منحصر ہو جاتی ہے۔ رُباعی

گر زندہ ہمے بینیم اے عشق پرست　　　تا ظن نبری کہ در تنم جانے ہست

من ز نده بعشقم نه بجاں زیرا جاں   اندر طلبت بہا دہ ام برکفِ دست

اس مقام میں عشق قالب کے اندر روح کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔ اور اس کا نائب بن جاتا ہے۔ اور روح جمالِ صمدیت کی شمع کا پروانہ بن جاتی ہے۔ اور ظلومی اور جہولی کے دو شہپروں سے جو اسے عناصر کے تعلق سے حاصل ہوئے ہیں۔ اور عناصر سے تعلق رکھنے کا فائدہ بھی یہی تھا۔ بارگاہِ احدیت کے پردوں کی طرف پرواز کرتی ہے۔ اور سرمست عاشقوں کی طرح نعرہ مارتی ہوئی مصنف کی حسب حال یہ رباعی پڑھتی ہے۔ رباعی

شمع است رخِ خوب تو پروانہ منم   دِل خویشِ غمِ تو است بیگانہ منم
زنجیرِ سرِ زلف کہ بر گردنِ تست   بر گردنِ بندہ نہ کہ دیوانہ منم

اس مقام میں ربوبیت کے الطاف "من تقرب الی شبرًا تقربت الیہ ذراعًا" (جو میرے نزدیک ایک بالشت بھر آتا ہے میں اس کی طرف ہاتھ بھر بڑھتا ہوں) کے مطابق استقبال کرتے ہیں۔ اور روح کو خوشی کی بساط کی راہ ملجاتی ہے۔ اور "یحبھم ویحبونہ" (وہ انہیں محبت کرتا ہے۔ اور وہ اسے محبت کرتے ہیں) کی ملاطفہ درمیان میں آجاتی ہے۔ اور عاشقانہ گفتگو شروع ہو جاتی ہے۔ اور مصنف کی اس رباعی کے مضمون کے موافق عتاب بھی ہوتا ہے۔ رباعی

اسے عاشق گر بکوئے ما گام زنی   ہر دم باید کہ ننگ بر نام زنی
سر رشتہ روشنی بدستِ تو دہند   گر آتشِ را چو شمع در کام زنی

جب "انا سنلقی علیک قولًا ثقیلًا" (بیشک ہم عنقریب ہی تجھ پر ایک بڑے بھاری حکم کا بوجھ ڈالنے کو ہیں) کے معاقبات کی شراب کثرت سے اسکی روح کے حلق میں جاتی ہے۔ تو اسکی تاثیر سے اس کے وجود کے اجزا دور جاتے ہیں۔ اور اس شراب کی تیزی کی وجہ سے روح کی ہستی نیستی کا رخ کرتی ہے اور وجود کی آبادی سے فنا کے جنگل کا راستہ لیتی ہے۔ رباعی

دوش میگوئید پیرے در خرابات آمدست   آب چشمش با صراحی مناجات آمدست
مے غسل گردد ز دستش بتکدہ مسجد شود   پیر فاسق بین کہ چوں صاحب کرامات آمدست

روح کو اعراف کی سی منزل میں جو صفات خداوندی کے بہشت اور عالم ہستی کے دوزخ

کے بیچ میں سے رکھتے ہیں۔ اور شہود کے شراب سے رہی سہی وجودی صفات کو مٹا دیتے ہیں۔ کیا تو نے سُنا ہے۔ کہ یوسف علیہ السلام کو پانچسو سال تک بہشت کے دروازے پر رکھا جائیگا۔ اور اندر آنے نہیں دیا جائیگا۔ تو قتیکہ دنیاوی آلائش آپ سے بالکل دُور نہ ہو جائیگی۔ " ونزعنا مافی صدورھم من غل" (ہم نے اس کھوٹ کو جو ان کے سینوں میں تھا دور کیا) سے بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ پس روح کا واپس جانا اور بارگاہِ الٰہی کی طرف شوق کے غلبات اسکے ظاہر اور باطن میں ظاہر ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ " واسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃ و باطنۃ " (اور اس نے تمہیں ظاہری اور باطنی نعمت سے مالا مال کردیا) اگر سالک اس مقام میں ان نعمتوں کو خوشی کی آنکھوں سے دیکھے۔ تو منعم کی بارگاہ سے باز رہ جاتا ہے۔ اور اگر متابعت کی خاک جان کی آنکھوں میں ڈال لے۔ اور " نکص علی عقبیہ " (اُلٹے پاؤں واپس گیا) کا لباس پہن لے۔ تو بڑی نشانیوں کے مطالعہ کا مستحق ہو جاتا ہے۔ " ھاھنا تسکب العبرات" (اس مقام پر آنسو بہتے ہیں) یہ وہ دہلیز ہے۔ جہاں لاکھوں صدیقوں کے خون امتحان کی خاک میں مل گئے ہیں۔ اور پتا تک نہیں ملا۔ بہت سے صادق۔ سالک اور عاشق طالب جو ارواح کے شرابخانے میں کرامات کے جام سے سرمست ہوتے ہیں۔ انہیں اس شراب کے پینے کا ذوق پھر نہیں ملا۔ تو خود پسندی اور غرور کی مستی میں پڑے ہیں۔ اور ہرگز ہشیاری اور بیداری کا شمّہ تک نہیں دیکھا ؎

نہ مے خوردہ نہ در خراباتِ شدہ ۔۔۔ بر خواندہ قبالہ قرزیں مات شدہ

" اصحاب الکرامات کلھم محجوب " (جتنے صاحب کرامت ہیں سب محجوب ہیں) کے پردے میں رہ گئے۔ اور ان کرامتوں کو اپنے وقت کا بت خیال کر کے خوش آمدوں کا جنیو پہن لیا ہے۔ اور حقتعالیٰ سے روگردانی کی ہے۔ اور خلقت کی طرف رُخ کیا ہے۔ " نعوذ باللہ من الحور بعد الکور " (کمی کے بعد بیشی اور بیشی کے بعد کمی سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں)۔ **رباعی**

اے قبلہ مقبلاں عالم کو یت ۔۔۔ روئے دلِ جملہ بختیاراں سُویت

امروز کسے کز تو بگرداند روے ۔۔۔ فردا بکدام دیدہ بیند رویت

لیکن " الذین سبقت لھم منا الحسنیٰ اولئک عنہا مبعدون " (جن

سے ہماری نیکیوں میں سبقت لے گئے ہیں۔ وہ ان سے دور رہتے ہیں) کے صاحب دولت کرامات کی نعمت میں اپنے منعم پر نگاہ رکھتے ہیں۔ نہ کہ نعمت پر اور شکر نعمت کا ادا کرنا منعم کے دیکھنے کو ہی جانتے ہیں۔ تب "لئن شکرتم لازیدنکم" (اگر تم شکر کروگے تو میں تمہیں نعمت زیادہ دونگا) کے مطابق منعم کے وجود کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ رباعی

حاشا کہ دلم از تو جدا اندیشد　　　یا با کس دیگر آشنا اندیشد
از مہر تو بگذرد کرا دارد دوست　　　وز کوئے تو بگذرد کجا اندیشد

اس مقام میں روح کی عبودیت کا وظیفہ یہ ہے کہ اس چوکھٹ کی ملازمت کی جائے اور تمام اغیار سے ہمت کا دامن کوتاہ کر لیا جائے اور دنیا اور آخرت کی چادر کے دامن میں تین طلاق باندھ دے اور اعلیٰ درجوں اور آٹھوں بہشتوں کی نعمتوں کی پرواہ نہ کرے اور مصنف کی رباعی ورد زبان رکھے رباعی

تا بر سر ما سایہ شاہنشہ ما ست　　　کونین غلام و چاکر درگہ ما ست
گلزار بہشت و حور خار رہ ما ست　　　زیرا کہ بدوں کون منزلگہ ما ست

اور اگر نبوت کے ایک لاکھ چوبیس ہزار نقطے اسکے پیش کئے جائیں۔ تو انکی طرف گوشۂ آنکھ سے نہ دیکھے۔ اور سب کو رد کر دے۔ اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح فقر کے کوچے کو نگاہ رکھے۔ اور اگر ہزار مرتبہ بھی یہ خطاب ہو۔ کہ اے بندے! تو کیا چاہتا ہے؟ تو اس کے جواب میں کہے کہ بندے کی کوئی خواہش نہیں ہوتی۔ اس واسطے کہ خواہش سے ہستی کا ثبوت ملتا ہے۔ اور ہم نیستی کا دروازہ کھٹکھٹائے ہوئے ہیں۔ یہ راہ بار بار پیش آئیگی۔ اگر ہزار سال بھی اسی طرح توجہ نہ کرے۔ تو چاہیئے کہ ملول نہ ہو جائے۔ اور اس بارگاہ سے منہ نہ پھیرے۔ رباعی

زکوئش اے دل پر درد پا باز کش　　　اگرچہ دانم کہ این پا بہ بیائے تو نیست
بر آستانہ سر درد بر زمین می زن　　　کہ پیشگاہ سرائے جلال جائے تو نیست

تمام انبیاء اور اولیاء اس مقام میں عاجز اور حیران رہ گئے ہیں۔ کیونکہ یہاں سے آگے انسانیت کے قدم سے راہ طے نہیں ہو سکتی۔ اور طاقتور بازوؤں کے وسیلے کے بلّے سے گیند نہیں لے جایا جا سکتا ہے

گنجینۂ وصل تو حقیقت منظر　　　وین کار دولت ست کنون تا کرا رسد

اس مقام میں جب ہر ایک خدنگی تیر کوشش کے ترکش سے پھینکا جا چکے۔ اور کوئی

بھی قبولیت کے نشانے پرنہ لگے۔ تو بہادری کی ڈھال پھینک دینی چاہیئے۔ اور عاجزی کے دروازے پر آجانا چاہیئے ؎

اے دل مگر کہ از در افتادگی درآئی ۔ ورنہ بشوخ چشمی باعشق کے برآئی

یہ مقام معشوق کے ناز اور عاشق کے کمال نیاز کا مقام ہے۔ یہاں تک کہ روح سارے تعلقات عشق کے آگے ہار جاتا ہے۔ اور جب مفلس اور عاجز ہو جاتا ہے۔ تو پھر اپنی جان اور خون ہارتا ہے۔ رباعی

جانبازکہ وصل او بدستاں ندہند ۔ شیر از قدح شرع بمستاں ندہند
آنجا کہ مجرداں بہم مے نوشند ۔ یک جرعہ بخویشتن پرستاں ندہند

جس وقت حق تعالیٰ کے الطاف کی خوشبودار ہوا عنایت کے ھبوب (ہوا کے چلنے کی جگہ) سے روح کے دماغ میں پہنچتی ہے۔ تو یعقوب کی طرح شوق سے آہ بھر کر کہتا ہے۔ "انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون" (مجھے تو یوسف کی خوشبو آتی ہے بشرطیکہ تم یہ نہ کہو۔ کہ بوڑھا بہک گیا ہے)۔ رباعی

چوں یوسف حسن در چمن مے آید ۔ بوئے ز زلیخا سوئے من مے آید
یعقوب دلم نعرہ زناں مے گوید ۔ فریاد کہ بوئے پیرہن مے آید

شوق کے غلبات اور عشق کا قلق روح کو اس قدر ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنی خودی سے ملول ہو جاتا ہے۔ اور اپنے وجود سے سیر ہو جاتا ہے۔ اور اپنی ہلاکت میں کوشش کرتا ہے۔ اور حسین منصور کی طرح فریاد کرتا ہے۔ اور کہتا ہے ؎

وقتلونی یا ثقاتی ان فی قتلی حیاتی ۔ حیاتی فی مماتی ومماتی فی حیاتی

(اے میرے معتبرو! مجھے قتل کر دو۔ بے شک میرے قتل میں زندگی ہے۔ میری زندگی میری موت میں ہے۔ اور میری موت میری زندگی میں ہے) ؎

از دوست بہرگ آنچناں خورسندم ۔ صد تحفہ وہم اگر کنوں بخشندم

اس مدت میں جبکہ روح کو آشنا غزت پر ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ اور فراق کے شکنجے اور اشتیاق کی درد میں مبتلا کرتے ہیں۔ جس سے اس پر دیوانگی اور وحشت ظاہر ہوتی ہے۔ اور کہتا ہے ؎

ہر حیلہ کہ در تصرف عقل آمدہ بود ۔ کردیم کنوں نوبت دیوانگی است

اس گھبراہٹ۔ عاجزی اور انکسار میں روح اپنے آپ سے اور اپنے معاملے سے مایوس ہو جاتی ہے۔ درحقیقت میں اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ "المطلب ردء السبیل سد" (طلب کرنا بمنزلہ ردہے۔ اور راستہ بمنزلہ روک ہے)۔ اپنے تئیں گراتی ہے۔ اور زار زار روتی ہے۔ اور اس رباعی کو بڑے اچھے لہجے سے پڑھتی ہے۔ رباعی

جانم از درد تو خونین بود دوش موئیم تار دز پروین بود دوش
نالۂ من تا بوقتِ صبحدم یا غیاث المستغیثین بود دوش

جب اس جلے کی آہ وزاری کا دھواں اضطرار کے مقام میں رحیم کی بارگاہ میں پہنچتا ہے۔ تو "امن یجیب المضطر اذا دعاہ" (کون ہے جو مضطر کی دعاء کو قبول کرتا ہے ۔) کے موافق عزت کے پردے جمال صمدیت سے اُٹھ جاتے ہیں۔ اور اپنے جلے ہوئے عاشق کی ہزار ہا مہربانیوں سے نوازش فرماتا ہے

برخیز و بیا کہ خانہ پرداختہ ام در تو ترا پردہ برانداختہ ام

جب جمال صمدیت کی شمع روشن ہوتی ہے۔ تو روح پروانے کی طرف اپنے پر کھولتا ہے۔ اور شمع کی شعاعوں کے جذبات پروانے کی ہستی کو نیست کر دیتے ہیں۔ اور پروانے کے وجود کو صفات شمعی کی تجلی سے آراستہ کرتے ہیں۔ جب احدیت کی تپی کا شعلہ نکلتا ہے۔ تو یکبارگی پروانہ روح کے خرمن کی ہستی دور ہو جاتی ہے۔ رباعی

در عشق تو شادی و غم ہیچ نماند با وصل تو سوز و ماتم ہیچ نماند
یک طور تجلی تو ام کرد چناں از نیک و بد و بیش و کم ہیچ نماند

اس مقام پر جلال صمدیت کا نور روح کی روح بن جاتا ہے۔ "اولئک کتب فی قلوبہم الایمان وایدہم بروح منہ" (یہ وہ لوگ ہیں جنکے دلوں میں ایمان رکھا گیا ہے۔ اور اپنی روح سے انکی مدد کرتا ہے) اگر جان ہاری گئی ہے۔ تو اُسکے عوض ایک ایسی جان ملگئی ہے۔ جو کبھی ہاری نہیں جائیگی

عشق آمد و جان ما فراجانان داد معشوقہ زجانِ خویش ما را جان داد

یہ دہلیز عالم فنا ہے۔ اور عالم بقا کی سرحد ہے۔ اس کام کے بعد روح کی تربیت جذبات الوہیت کی تجلیات سے کرتے ہیں۔ اب اس کا ایک سانس دونوں جہان کے معاملے کے برابر ہوتا ہے۔ "جذبۃ من جذبات الحق توازی عمل الثقلین"

(ایک جذبہ حق دونوں جہان کے عمل کے برابر ہوتا ہے) ؎

زاں گونہ بہا بچہا کہ او پنہاں داد
یک نقطہ بصد ہزار جان نتوان داد

"دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ" (پھر نزدیک ہوا۔ اور اس قدر آگے جھکا۔ کہ دونوں میں کمان کے برابر کر دو گوشوں کا فاصلہ رہ گیا۔ بلکہ اس سے بھی کم۔ اس وقت خدا نے اپنے بندے محمدؐ کی طرف جو وحی کی سو کی)"

فصل ۹

{تربیت اور سلوک راہ میں شیخ کی احتیاج کے بیان میں}

اللہ تعالیٰ جلشانہ فرماتا ہے۔ "قال لہ موسیٰ ھل اتبعک علیٰ ان تعلمن مما علمت رشدًا" (اسے موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ اجازت دیں۔ تو آپ کے ساتھ رہوں بشرطیکہ جو علم لدنی آپ کو سکھایا گیا ہے۔ اس میں سے کچھ آپ مجھ کو بھی سکھا دیں)

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ" (شیخ کا مرتبہ اپنی قوم میں وہی ہے۔ جو نبیؐ کا اس کی امت میں ہے) ؛

واضح رہے۔ کہ راہِ دین کو طے کرنے اور عالم یقین میں پہنچنے کے لئے کامل شیخ دین کی راہ پہچاننے والے راہبر صاحبِ ولایت اور صاحبِ تصرف کی اشد ضرورت ہے ؎

از ہر چہ بخز می است کوتاہی بہ
وانگہ زکف بتاں خر گاہی بہ

مشائخ بارگاہ الٰہی کے بڑے خیمے کے بت ہیں۔ کہ "اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری" (میرے ولی میری قبا کے نیچے ہیں۔ جنہیں میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا) موسیٰ علیہ السلام کو مرتبہ نبوت اور درجہ رسالت اور اولوالعزمی کی کمالیت حاصل کرنے کے لئے پہلے دس سال حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت کرنی پڑی۔ پھر کہیں مکالمہ حق کا استحقاق حاصل ہوا۔ کلیم اللہ ہونے کی دولت اور "کتبنا لہ فی الالواح من کل شیءٍ موعظۃ و تفصیلا لکل شیءٍ" (ہم نے اس کے لئے ہر قسم کی نصیحت اور ہر شے کی تفصیل تختیوں میں لکھ دی) کی سعادت اور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کی پیشوائی اور اللہ تعالیٰ سے تمام توریت کی تلقین حاصل کرنے کے بعد پھر علم لدنی کی ابجد سیکھنے کے لئے انہیں معلم خضر علیہ السلام سے التماس کرنی پڑی۔ "ھل اتبعک علیٰ ان تعلمن مما

علمت رشداً" (کیا میں آپ کے ساتھ رہوں۔ بشرطیکہ آپ مجھے بھی علم لدنی سے جو آپ کو سکھایا گیا ہے کچھ سکھادیں) اس وقت معلم نے پہلے انہیں " انک لن تستطیع معی صبرًا " (بیشک میرے ساتھ رہ کر تو صبر نہیں کر سکیگا) کی الف بے لکھدی۔ پس عبرت کی نگاہ سے اِس واقعہ کو دیکھ ؎

سوزے کہ در و ہزار جاں قربان است | چہ جائے دل زناں بے ساماں است

اِس راستے کا مفتون۔ اور مغرور وہ شخص ہے۔ جو یہ خیال کرتا ہے۔ کہ وصال ذوالجلال کے بے کنارہ جنگل کو انسانی قدموں سے چلکر بغیر رہنما اور بدرقے کے طے کر سکتے ہیں "ھیھات ھیھات لما توعدون" اگرچہ ہدایت کے شروع میں نہ پیغمبر کی ضرورت ہے اور نہ شیخ کی۔ کیونکہ یہ ایک ایسا بیج ہے۔ کہ دلوں کی زمین میں نظر عنایت کی دستکاری کے سوا نہیں بویا جا سکتا۔ چنانچہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بہتیری کوشش کی۔ کہ وہ بیج ابو طالب کے دِل کی زمین میں بویا جائے۔ لیکن بغیر خدا کے نہ بو سکے۔ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم اِلٰہی ہوا۔ کہ " انک لاتھدی من احببت ولکن اللّٰہ یھدی من یشاء " (اے محمدؐ! جسے تو پیار کرتا ہے۔ اسے تو راہِ ہدایت پر نہیں لا سکتا۔ بلکہ جسے اللہ تعالیٰ چاہے۔ اسے ہدایت کرتا ہے) ہدایت کا بیج بونا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے ؎

بخدا ار کسے تو اند شد | از خدا بے خدا بر خوردار

لیکن جس جگہ وہ بیج ظاہر ہو۔ تو اُسکی پرورش سے اللہ تعالیٰ کی خلافت اور نیابت تک پہنچنے کے لئے پیغمبر یا شیخ کی جو اسکے نائب ہیں۔ ضرورت پڑتی ہے " انک تھدی الی صراط مستقیم " (بیشک تو سیدھی راہ کی ہدایت کرتا ہے) سالک مرید کو شیخ واصل اور کامل کی ضرورت کے کئی ایک وجوہات ہیں +

وجہ اوّل۔ ظاہری کعبہ کی ظاہری راہ بغیر رہنما اور راہ شناس کے طے نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ اس راہ کے چلنے والے کی راہ کو دیکھنے والی آنکھیں بھی ہوتی ہیں۔ اور قدموں میں راستہ طے کرنے کی قوت بھی ہوتی ہے۔ اور فاصلہ بھی مقرر ہوتا ہے۔ تو حقیقت کی راہ جہاں پر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور رسولوں نے قدم زنی کی۔ لیکن ایک قدم کا نشان بھی ظاہر نہیں ؎

مرد مرداں رہ ہمت و دیدہ روند | زاں در رہ عشق ہیچ پے پیدا نیست

اور مبتدی سالک اس راہ میں نہ تو پہلے نظر رکھتا ہے۔ اور نہ قدم۔ تا وقتیکہ اسے طلوعی اور جیولی کے دروازے سے اندر نہ لایا جائے۔ اور یہ اس لئے ہے۔ تاکہ کوئی شخص اس بات کا دم نہ مارے۔ کہ میں خود اس راہ کو دیکھتا اور پہچانتا ہوں۔ اللہ تعالے نے اپنے حبیبؐ کو فرمایا۔ "ماکنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلنا ہ نوراً نھدی بہ من نشاء من عبادنا" (تمہیں کیا معلوم تھا۔ کہ کتاب کیا چیز ہے! اور ایمان کیا۔ لیکن ہم ہی نے اسے نور بنایا۔ ہم ہی اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں اسے ہدایت کرتے ہیں) یقیناً ایسا بے کنارہ جنگل بغیر دیدہ بخش رہنما کے طے نہیں ہوسکتا +

وجہ دوم۔ جس طرح ظاہری راستہ میں چور اور راہزن بہت ہوتے ہیں۔ اور بغیر بدرقے نہیں جایا جا سکتا۔ حقیقت کی راہ میں بھی مال و اسباب۔ دنیاوی زینت "زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث" (لوگوں کو دنیا کی مرغوب چیزوں مثلاً بیبیوں۔ بیٹوں اور سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیروں اور عمدہ عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتی کے ساتھ دلبستگی بھی معلوم ہوتی ہے۔") +

نفس۔ ہوا۔ اور شیاطین انس وجن سب راہ زن ہیں۔ کسی صاحب ولایت کو بدرقہ بنائے بغیر یہ راہ طے نہیں ہوسکتی +

وجہ سوم۔ اس راہ میں پھسلاوٹیں۔ آفات اور شبہات بہت سے ہیں۔ اور قسم قسم کی بیشمار تکلیفیں اور رکاوٹیں ہیں۔ حتیٰ کہ فلسفی لوگ بھی شبہات کے خوفناک بھنور میں پڑ کر دین ایمان برباد کر گئے ہیں۔ اور اسی طرح دھریئے۔ طبیعی۔ براہمہ۔ ملحدہ۔ اہلِ تشبیہ۔ معطلہ۔ اباحیتہ۔ اور دوسرے اہلِ بدعت کا بھی حال ہے۔ کہ انہوں نے اس راہ کو کامل شیخ اور واصل حق راہبر کے بغیر اس راہ کو طے کرنا چاہا۔ لیکن شبہات اور پھسلاوٹوں کو طے نہ کر سکے۔ ہر ایک الگ الگ شبہے اور مصیبت کی وادی میں جا پھنسا۔ اور ہلاک ہوگیا۔ رباعی

توچوں سوائی و ایں راہے است ہمچوں موئے بت رویاں
مرو زنہار بر تخمین و بر تقلید و بر عمیاں

بصاحب دولتے پیوند گر سے زندگی خواہی
کہ از یک چاکری عیسیٰ چنیں معروف شد یلداں

وہ صاحب سعادت جنہوں نے مشائخ کامل کی حمایت میں اِس راہ کو طے کیا ہے۔ اُنہوں نے ان ساری پھسلاوٹوں۔ آفتوں اور شبہات کو دیکھا ہے جو اہلِ بدعت کے ہر ایک گروہ کو پیش آتی ہیں۔ لیکن مشائخ کامل کی حمایت کے سبب وہ ان سب سے سلامت پار ہوگئے ہیں۔ اور ان مہالک سے خلاصی پائی ہے۔

وجہ چہارم۔ اس راہ کو طے کرنے والوں کے لئے طرح طرح کی آزمائشیں اور امتحان اور وقفے اور دیر اور سستی بے شمار ہیں۔ کوئی صاحبِ تصرف شیخ ہونا چاہیئے۔ جو اپنی ولایت کے تصرف سے مرید کو ان وقفوں وغیرہ سے بچائے۔ اور پھر طلب کا جوش اور ارادت کا صدق اس میں پیدا کرے۔ اور طرح طرح کے حیلوں سے قبض۔ ملالت اور فسردگی اُسکی طبیعت سے نکالے۔ اور عمدہ عمدہ عبارتوں اور لطیف اشاروں سے شوق کی خواہش اُسکے باطن میں پیدا کرے۔ جیساکہ فرمایا ہے "اذکر فان الذکریٰ تنفع المؤمنین" (یاد الٰہی کر۔ کیونکہ میری یاد مومنوں کو فائدہ پہنچاتی ہے)۔

وجہ پنجم۔ اِس راہ میں چلنے والے کو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں۔ اور بعض فاسد مادے غالب ہو جاتے ہیں۔ جن سے طلب اور ارادت کے مزاج میں انحراف آجاتا ہے۔ اِس موقع پر لائق طبیب کی ضرورت پڑتی ہے۔ تاکہ مرض کو دور کرنے اور فاسد مادے کو تسکین دینے کے لئے مناسب علاج کرے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا۔ تو مرید راہ سے ہٹ جائیگا۔ بلکہ یہ مصیبتیں اور بیماریاں مریدوں کو ابتداءِ طلب میں عموماً ہوتی ہیں۔ جب تک ہر مرض کا مناسب علاج مرید کی مزاج کے موافق نہ کیا جائے۔ اس سے یہ راہ طے ہی نہیں ہو سکتی۔

وجہ ششم۔ اس راہ میں سالک بعض ایسے روحانی مقامات پر پہنچتا ہے۔ کہ اس کی رُوح بشریت اور آب و گِل کے لباس سے تنہا ہو جاتی ہے۔ اور صفاتِ حق کے آثار کا پرتو اس پر پڑتا ہے۔ اور اسے بالکل بے خود بنا دیتا ہے۔ اور روحانی ناختم ہونیوالی صفات کے انوار سالک پر تجلی ڈالتے ہیں۔ اس وقت بشریت کی رسوم اور نشان دور ہونے لگتے ہیں۔ اور روح خلافتِ حق میں ہو کر معجزے دکھاتی ہے۔ اور

"جاء الحق وزھق الباطل" (سچ آیا اور باطل زائل ہوا) کی خاصیت سے اصل حقیقت کھل جاتی ہے۔ چونکہ دِل کا آئینہ صاف ہو جاتا ہے۔ اس لئے تجلی رُوح کے عکس کو قبول کرتا ہے۔ اور انا الحق وسبحانی کا ذوق اپنے آپ میں معلوم کرتا ہے۔ اور کمالیت اور مقصد اصلی کے حاصل کر لینے کا غرور اس میں سما جاتا ہے۔ اور اس کی عقل، وہم اور سمجھ کی آنکھ بند ہو جاتی ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے۔ کہ بس انبیاء اور اولیاء میں سے کسی کو اس سے اعلیٰ مرتبہ حاصل نہیں ہوا۔ ایسے بھنوریں اگر کسی شیخ کے تصرفاتِ ولایت جو لُطفِ حق کی صُورت ہے۔ اُسکی دستگیری نہ کرے۔ تو ایمان کے زوال کا خوف ہے۔ اور حلول اور الحاد کی مصیبت کی توقع بھی ایسے ہی موقع پر ہوتی ہے۔ پس کوئی کامل اور واقعہ شناس شیخ چاہیئے۔ جو تصرفِ ولایت کے بعد اس کے اس غرور اور گمان کو دُور کرے۔ اور اس کے مقام کو بیان کرے۔ اور اِس مقام سے بڑھ کر جو مقام ہے۔ وہ اسے دکھائے۔ اور اس کا شوق دلائے تاکہ مرید اس پھسلاوٹ سے بچ جائے۔ اور راہِ راست پر آجائے۔ اگر ایسا نہیں ہو گا۔ تو ایسی بندش میں پھنسیگا۔ کہ رہا ہونا معلوم ۔

وجہ ہفتم۔ اس راہ میں اثنائے سلوک میں غیب سے کئی دکھاوے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور کئی واقعات اس پر منکشف ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک مرید کے مرتبہ کی زیادتی یا نقصان کے عیب کا اشارہ۔ اُس کی سیر اور قربت کی دلالت۔ اسکے دِل کی صفائی یا کدورت کا نشان۔ نفس کی نیک یا بد صفات کی شناخت۔ دُنیاوی یا آخری حجاب کی علامت۔ شیطانی۔ نفسانی یا رحمانی احوال ہوتے ہیں۔ اور ان واقعات سے اور بہت سے معنے نکلتے ہیں۔ جن کی مبتدی کو بالکل خبر نہیں ہوتی۔ اس واسطے کہ یہ سب غیبی زبان ہے۔ اور غیب کی زبان اہلِ غیب ہی جانتے ہیں۔ ایسے موقعہ پر کوئی ایسا شیخ چاہیئے۔ جسے تائید الٰہی حاصل ہو۔ اور تاویلات غیبی کے علم کا معلم ہو۔ اور جس نے سالہا سال مشائخ کی خدمت میں رہ کر ایسے واقعات کی تاویلات کی مہارت حاصل کی ہو۔ اور غیب کی زبان سیکھی ہو۔ جیساکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عرض کی "رب قد اٰتیتنی من الملک و علمتنی من تاویل الاحادیث" (اے پروردگار! تونے مجھے ملک عطاء فرمایا۔ اور باتوں کی تاویل کا علم سکھایا) تاکہ وہ مرید کے احوال کا کشف اور واقعات کی تاویل کرے۔ اور اسے آہستہ آہستہ غیب کی زبان سکھائے۔ اور اس کا علم اور

ترجمان بنے۔نہیں تو مریدان اشارات اور معانی سے محروم رہیگا۔ اور ترقی نہیں کرسکیگا۔ اور مقامات کی معرفت اسے حاصل نہ ہوگی +

وجہ ہشتم۔ جو سالک اپنے قدم کی قوت سے سیر کرتا ہے۔ اور سالہا سال میں بھی اس راہ کے ایک مقام کو بھی طے نہیں کرسکتا۔ کیونکہ مبتدی کی سیر کمزور چیونٹیوں کی رفتار سے بھی کم ہوتی ہے ؎

ہر مور کجا قطع کند ایں راہ را		کایں رہ نہ بپائے ہر کسے یافتہ اند

اور نیز اس راہ میں بعض ایسے مقامات ہیں۔ جن پر سے اُڑ کر عبور کرتے ہیں۔ اور بعض میں اُڑنے کی طاقت ہوتی نہیں۔ کیونکہ وہ انڈے کی طرح ہوتا ہے۔ جو ابھی مُرغ کی حالت کو نہیں پہنچا۔ اور مرغ کی حالت کو سوائے مرغ کے تصرف کے نہیں پہنچ سکتا۔ پس شیخ مرغ کی طرح ہے۔ جب بے پر و بال مرید اپنے تئیں چیونٹی کی طرح اس کی ولایت کے شہپروں پر پہونچتا ہے۔ تو وہ دور کے راستے جو اپنی عمر میں بھی طے کرسکتا ہے۔ تھوڑی مدت میں طے کر جاتا ہے۔ اور جس عالم میں وہ اڑ نہیں سکتا۔ شیخ کی پیروی سے اڑ سکتا ہے۔ میں نے (مصنف کتاب) ایک مرتبہ ایک سالک کو خوارزم میں دیکھا۔ جسے شیخ ابوبکر جامی کہتے تھے۔ اور جو علاقہ خراساں کے جام نام شہر کا رہنے والا تھا۔ وہ مجذوب تھا۔ مگر اس کا کوئی مقررہ شیخ نہ تھا۔ لیکن جذبات حق کے تصرفات سے عالی مقامات اسے حاصل تھے۔ اور بہت سے مرحلے طے کر چکا تھا۔ میرے ساتھ کسی مقام کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے۔ فرمایا۔ کہ میں پینتالیس سال سلوک طے کے اس مقام پر پہنچا۔ اور اس مقام پر میں نے دو سال ظاہری اور باطنی بڑی محنت کی اور خون جگر کھایا۔ تب کہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مقام سے عبور عطاء فرمایا۔ میں نے یہ حکایت اپنے شیخ سلطان طریقت بُرہان حقیقت مجدالدین بغدادی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ کوئی شخص مشائخ کی قدر نہیں جان سکتا۔ اور نہ ان کا حق ادا کرسکتا ہے ہمارے مریدوں میں سے بعض ایسے ہیں۔ کہ جنہوں نے دو سال کے اندر اس راہ کے سلوک کی داد طریقت کے شروع سے لیکر حقیقت کی انتہا تک دی ہے۔ اور جب اس مقام پر پہنچے ہیں۔ تو ایک یا دو روز میں ہم نے انہیں اس مقام سے عبور کرا دیا جس مقام پر وہ بزرگوار پینتالیس سال مجاہدہ کرکے پہنچا۔ اور جس سے دو سال سخت

مجاہدہ کرکے عبور کیا۔ اور ناحق تکلیف اٹھائی ٭

وجہ نہم۔ اس راہ کا سلوک مرید کو ذکر کے وسیلے ہو سکتا ہے۔ اور ذکر جو خود کیا جائے وہ کچھ ایسا مفید نہیں ہوتا۔ جب تک کہ کوئی کامل شیخ اسے تلقین نہ کرے۔ جیسا کہ اس کا مفصل حال انشاء اللہ شیخ سے تلقین ذکر کی احتیاج کی فصل میں بیان کیا جائیگا ٭

وجہ دہم۔ جس طرح دنیاوی بادشاہوں کی بارگاہ میں کوئی شخص کوئی مرتبہ یا درجہ یا منصب اور ولایت حاصل کرنا چاہے۔ اگرچہ اس کا حق نہ ہو۔ یا اسکے ہاتھ سے کوئی مناسب خدمت نہ ہوئی۔ تو جب بادشاہ کے کسی مقرب کی حمایت میں جاتا ہے اور وہ مقرب بادشاہ کا منظورِ نظر اور مقبول القول ہوتا ہے۔ وہ بادشاہ کی خدمت میں عرض کرتا ہے۔ تو بادشاہ باوجود اس کے مستحق نہ ہونیکے اس اپنے مقرب کی خدمتوں کا لحاظ کرکے اسکی عرض کو رد نہیں کرتا۔ اگر وہ شخص خود ایسی عرض کرتا۔ تو کبھی اسے وہ درجہ یا رتبہ نہ ملتا۔ اسی طرح بارگاہِ الٰہی کے ایسے مقرب ہیں۔ کہ اگر وہ جہان کو تہ و بالا کرنیکے لئے عرض کریں۔ تو منظور ہو جاتی ہے۔ "رب اشعث اغبر ذی طمرین لا یوبہ بہ لو اقسم علی اللہِ لابرہ" (بہت سے پراگندہ بال۔ غبار آلودہ پھٹے پرانے کپڑوں والے دنیا کے نزدیک بے اعتبار ایسے بھی ہیں۔ کہ اگر وہ کسی کام کے لئے اللہ کی قسم کھالیں۔ تو اللہ تعالیٰ انہیں بری کرتا ہے۔ یعنی وہ کام پورا کر دیتا ہے) یہ مرتبہ اور مقام اس درگاہ کے برہنہ پا اور برہنہ سروں کا ہے۔ جہاں پر دین کے بادشاہ اور سلطان ہیں۔ اور عالم یقین کے مقتدی ہیں۔ انکی بارگاہ الٰہی میں اسقدر منزلت اور عزت و آبرو ہے۔ کہ بیان نہیں ہو سکتی "اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔" (میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں گن کر رکھی ہیں۔ جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا۔ نہ کانوں نے سنا۔ اور نہ جن کا کسی فرد بشر کو خیال آیا) اور بھی بہت سی وجوہات ہیں۔ جو بخوفِ طوالت نہیں لکھی گئیں۔ وصلے اللہ علیٰ محمد و آلہ وسلم ٭

فصل ۱۰

{شیخیت کا مقام اور اسکی صفات اور شرائط کے بیان میں}

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ " فوجدا عبداً من عبادنا اٰتینٰہ رحمۃ من عندنا وعلمنٰہ من لدنا علماً " (پس ہمارے بندوں میں سے اسے ایک بندہ ملا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطاء کی۔ اور اپنے پاس سے علم سکھایا) +

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ " لاتزال طائفۃ من اُمتی قائمین علی الحق لا یضرھم من خذلھم " (میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ تک حق پر قائم رہیگا۔ جو لوگ اُس کی توہین کرینگے۔ انکی کبھی مدد نہیں کیجائیگی) +

واضح رہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السّلام کے لئے شیخی کا مقام اور مقتدائی کا مرتبہ ثابت کیا ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ کے پاس مرید ہونے اور علم لدنی سیکھنے کے لئے بھیجا۔ آپ کی شیخوخیت کا ثبوت خود دیتا ہے۔ کہ " عبداً من عبادنا اٰتینٰہ رحمۃ من عندنا وعلمنٰہ من لدنا علماً "۔ اس میں پانچ مرتبہ خضر علیہ السلام کو ثابت کیا +

اوّل۔ بارگاہ الٰہی کی عبدیت کا اختصاص کہ من عبادنا +

دوم۔ قبولِ حقائق کا استحقاق بے واسطہ بارگاہ الٰہی سے کہ آتینٰہ +

سوم۔ مرحمت خاص کی یافت کی خصوصیت مقام عندیت سے کہ " رحمۃ من عندنا " +

چہارم۔ بارگاہِ الٰہی سے علوم کے حاصل کرنے کا شرف۔ کہ " وعلمنٰہ " +

پنجم۔ علم لدنی کی دولت کا بے واسطہ و وسیلہ حاصل کرنا " من لدنا علماً " +

اور یہ پانچ رُکن ہیں۔ جن پر شیخی کی اہلیت اور مقتدائی کی استعداد مبنی ہے۔ شیخ کو چاہئے۔ کہ ان خاصیتوں سے مخصوص ہو۔ اور نیز دوسری صفات سے جن کا ذکر انشاءاللہ آگے آئیگا موصوف ہو۔ تاکہ وہ شیخ اور مقتدا ہونیکے لائق بن جائے +

اوّل۔ مقامِ عبدیت۔ جب تک ماسوائے حق کی بندگی سے آزاد نہ ہوگا۔ اسے " من عبادنا " کی عبدیت کا اختصاص حاصل نہیں ہوگا۔ اور سالک اس وقت تک آزاد نہیں کہلا سکتا۔ جب تک اسے اپنے ساتھ یا اپنی نیک بختی کے ساتھ علاقہ ہے۔

بزرگوں نے فرمایا ہے۔ کہ جس چیز سے تو علاقہ رکھیگا۔ تو اُس کا بندہ ہے "المکاتب عبد ما بقی علیہ درھم" (لکھنے والا غلام ہے۔ جب تک اس کی طرف بقایا ہے) +

دوم۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بے واسطہ قبول حقائق کرنا اور یہ بات اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ پورے طور پر صفات بشری اور روحانی کے حجابوں سے خلاصی نہ پالے۔ اس واسطے کہ جو پردے کے پیچھے سے آتا ہے۔ وہ وسیلے سے آتا ہے اگرچہ بعض ان میں سے ایسے معلوم ہوتے ہیں۔ کہ بے وسیلہ پہنچے ہیں۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام بے واسطہ کلام الٰہی سنا کرتے تھے۔ لیکن حقیقت میں وہ بے واسطہ نہ تھا۔ کبھی درخت وسیلہ ہوتا۔ جیسا کہ "من الشجرۃ ان یا موسیٰ انی انا اللہ" (درخت سے آواز آئی۔ کہ اے موسیٰ! بیشک میں ہی تیرا پروردگار ہوں) سے ظاہر ہے۔ اور کبھی "نودی من شاطی الواد الایمن" (وادی یمن کے کنارے سے میں ندا کرتا ہوں) کی آواز۔ اس بات کا مفصل حال ہر شخص نہیں سمجھ سکتا +

واضح رہے کہ حقتعالے کا کلام بے حروف اور بے آواز ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام حرف اور آواز کے وسیلے سے سنتے تھے۔ اگر بے وسیلہ سُن سکتے۔ تو انہیں حضرت خضر علیہ السلام کی نصیحت کے حوالے نہ کرتے۔ تا "انك لن تستطیع معی صبراً" (تو میرے ساتھ رہ کر ضرور بالضرور صبر نہیں کرسکیگا) کے مصقلہ سے صفاتِ انسانی کے آثار اُس کے دلی آئینے سے مٹادیں۔ نبوت کے شروع میں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر جب تک رفع حجاب کامل طور پر نہیں ہوگیا تھا۔ حقتعالیٰ کی وحی وسیلے سے آتی۔ جیسا کہ "نزل به الروح الامین علیٰ قلبك" (تیرے دل پر روح الامین (جبرائیل) اتارا) سے ظاہر ہے۔ لیکن معراج کی رات جبکہ کوئی پردہ درمیان نہ رہا۔ اس لئے وسیلہ بھی درمیان سے اُٹھ گیا۔ "فاوحی الیٰ عبدہٖ ما اوحی" (پھر اپنے بندے پر حکم بھیجا جو بھیجا) +

سوم۔ مقام عندیت سے رحمت خاص کا حاصل کرنا۔ یہ بات خاص الخاص کو نصیب ہوتی ہے۔ اس واسطے کہ رحمت الٰہی سے بہرہ ور تین گروہ ہیں۔ عوام اور خاص تو وسیلے سے حاصل کرتے ہیں۔ اور خاص الخاص بے وسیلہ۔ عوام کی بہرہ وری رحمانیت کی صفت کی وجہ سے ہے۔ اور اسے مردود اور مقبول دونوں پا سکتے ہیں۔ اس واسطے کہ رزق۔ صحت اور شفقت کافروں اور مسلمانوں پر یکساں ہے۔ اور یہ صفت رحمانیت کا نتیجہ ہے

اگر اس رحمت کا اثر نہ ہوتا۔ تو کسی کافر کو پانی کا گھونٹ تک نہ ملتا۔ اور یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "سبقت رحمتی غضبی" (میرے غضب سے میری رحمت سبقت لے گئی)۔
یہ اسی وجہ سے ہے۔ اور اسی وجہ سے کہتے ہیں۔ یا رحمٰن الامین۔ خواص کا بہرہ صفت رحیمی سے ہے۔ تاکہ انبیاء کے دعوے کو قبول کر کے ان کی متابعت کے وسیلے آخرت میں آٹھوں بہشتوں کی نعمتیں حاصل کریں۔ "نبئ عبادی انی انا الغفور الرحیم" (میرے بندوں کو خبر کر دو۔ کہ بیشک میں غفور الرحیم ہوں)۔ اور اسی واسطے کہا ہے۔ یا رحیم الآخرۃ۔
خاص الخاص کا حصہ ارحم الراحمین کی صفت سے بے واسطہ ہے۔ جیسا کہ انبیاء کو حاصل ہوتا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی۔ "مسنی الضر و انت ارحم الراحمین" (مجھ میں تکلیف آن پڑی ہے۔ اور اے پروردگار! تو ارحم الراحمین ہے) اس سے اشارہ مقام عندیت سے رحمت بے واسطہ کا ہے۔ "رحمۃ من عندنا"۔ اور یہ صفات الوہیت کی تجلی اور آثار بشریت کے محو ہونے اور تخلق باخلاق ربوبیت کا نتیجہ ہے۔
چہارم۔ بارگاہِ الٰہی سے بے وسیلہ علوم کا سیکھنا۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے۔ جب دل کی تختی علوم روحانی عقلی سمعی اور حسی کے نقوش سے پاک صاف اور خالی ہو۔ جب ایسی حالت ہو جائیگی۔ تو لوحِ دل بارگاہ الٰہی سے علوم بے واسطہ حاصل کریگی۔ مہتر موسیٰ صلوٰۃ اللہ علیہ کو اگرچہ توریت کا علم حقتعالیٰ سے حاصل تھا۔ لیکن الواح کے وسیلے سے "وکتبنا لہ فی الالواح" (ہم نے اُسکے واسطے تختیوں پر لکھا) حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت کا یہ فائدہ تھا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں کتابت حق کی شائستگی آجائے۔ اور الواح کی تکلیف رفع ہو جائے۔ یہ مرتبہ خاص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل تھا۔ جو آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ "اوتیت جوامع الکلم" (مجھے جوامع الکلم عنایت کیا گیا ہے) آنحضرت صلعم کو قرآنی تعلیم دل کی راہ سے حاصل ہوئی۔ نہ کہ کتاب کی صورت میں۔ جیسا کہ "الرحمٰن علم القرآن" سے ظاہر ہے۔
پنجم۔ علم لدنی کا بے وسیلہ سیکھنا۔ اگرچہ علوم کا سیکھنا حقتعالیٰ سے بے واسطہ ہو سکتا ہے لیکن وہ علم لدنی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں فرمایا ہے۔ "وعلمناہ صنعۃ لبوس لکم" (ہم نے اسے تمہارے لئے زرہ تیار کرنے کی صنعت سکھائی) زرہ کی صنعت وعلم علم لدنی نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ حق کی طرف سے تھا۔ علم لدنی اللہ تعالیٰ کی ذات و

صفات کی معرفت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ وسیلہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور تعلیم سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "عرفت ربی بربی" (میں اپنے پروردگار کو اپنے پروردگار کے وسیلے سے پہچانتا ہے) ۔ اور یہ علم اس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ کہ مرد اپنے وجود سے پیدا ہو۔ تاکہ اپنے لدن سے پیدا ہونے کے سبب حق کے لدن کو پہنچے۔ اور وہاں پر یہ علم حاصل کرے۔ جیسا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے "انك لتلقی القرآن من لدن حکیم علیم" (اے محمد! بیشک تو قرآن حکیم اور علیم سے سیکھتا ہے) اور حضرت عیسٰی علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "لم یلج ملکوت السموات والارض من لم یولد مرتین" (آسمانی اور زمینی بادشاہت اس کو نہیں ملتی..... جو دو مرتبہ پیدا نہیں ہوتا) اس پیدا ہونے سے یہ مراد ہے کہ جب ابتداء میں صادق مرید" والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا" (جو ہمارے راہ میں کوشش کرتے ہیں۔ البتہ ہم انہیں اپنی راہیں دکھاتے ہیں۔) کے مطابق راہ طلب میں قدم رکھتا ہے۔ اور جذبات عنایت کی کمند سے دل کا رُخ من بھاتی چیزوں اور نفس کی لذتوں سے پھیرتا ہے۔ اور بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ "لنهدینهم سبلنا" کے طریق کے موافق کسی کامل اور واصل شیخ کا جمال اسکے آئینۂ دل میں ڈال دیتا ہے۔ وہ شیخ سالک ہوتا ہے۔ نہ کہ مجذوب کیونکہ مجذوبوں سے شیخیت نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ سالک بھی مجذوب ہوتا ہے۔ لیکن مجذوب سالک اور چیز ہے۔ اور مجذوب مطلق اور۔ جب مرید صادق شیخ کا جمال آئینۂ دل میں مشاہدہ کرتا ہے۔ تو فوراً اسکے جمال پر عاشق ہوتا ہے۔ اور آرام و قرار جاتا رہتا ہے۔ تمام سعادتوں کی جائے پیدائش یہی بیقراری اور عاشقی ہے۔ اور جب تک مرید شیخ کی ولایت کے جمال پر عاشق نہ ہو جائے۔ وہ اپنے اختیار اور ارادت کے تصرف سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اور ارادت شیخ کے تصرف کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ مرید سے مُراد یہ ہے کہ مرید شیخ کی مراد ہو۔ نہ کہ اپنی مراد جیسا کہ بزرگوں نے فرمایا ہے۔ رباعی

اے دل اگرت رضائے دلبر باید — آں باید کرد و گفت کو فرماید
گر گوید خوں گری مگو کز چہ سبب — در گوید جاں بدہ مگو کے باید

اس حالت میں جب مرید تصرف شیخ کی قبولیت کی شائستگی حاصل کر لیتا ہے۔ تو شیخ اسے انڈے کی طرح اپنی ولایت کے پروبال کے تصرف میں لے لیتا ہے۔ اِس واسطے کہ مرید

واقعی انڈے کی طرح ہوتا ہے۔ جو اپنی بشریت اور انسانیت کی بیضگی میں بند ہوتا ہے۔
اور مرغ ہونیکے مرتبہ سے جس سے مراد عبدیت خاص ہے۔ باز رہا ہوا ہوتا ہے۔
جب اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے شیخ کی ولایت کے تصرف کو تسلیم کرنے کی
توفیق عطا ہوتی ہے۔ تو شیخ اپنی اعلےٰ ہمت اس پر صرف کرتا ہے۔ اور اس کے
حال کا نگہبان رہتا ہے۔ جس طرح آہستہ آہستہ مرغ کا تصرف انڈے میں نمودار
ہوتا ہے۔ اور انڈے کو انڈے کی حالت سے بدل کر مرغ کی حالت میں لاتا ہے
اسی طرح شیخ کی ہمتِ کیمیا اثر کا تصرف مرید کے بیضۂ صفت وجود کو بدل کر عبدیت
خاص کے وجود میں لے آتا ہے۔ ظاہری مرغ تو انڈے کے چھلکے سے نکلکر دنیا
میں آتا ہے۔ اور اُس کو دنیا کیلئے پیدا کیا گیا ہے لیکن حقیقی مرغ اندر کی راہ ملکوت
کی کھڑکی سے باہر اڑ جاتا ہے۔ اس واسطے کہ اسے اُس جہان کے لئے پیدا کیا گیا
ہے۔ اور جس طرح ظاہری مرغ دنیا میں ہوتا ہے۔ اور اس مرغ کو جو انڈے میں
رکھا ہوتا ہے۔ اور انڈے کی ملکوت میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اس مرغ کے
تصرف کے سبب ملکوتِ بیضہ سے ظاہری دنیا میں آتا ہے۔ یہاں پر ولایت
شیخ کا مرغ دنیا میں نہیں ہے۔ کیونکہ شیخ کی وہ ڈاڑھی اور سر نہیں۔ جو لوگ دیکھتے ہیں
حقیقی شیخ وہ ہے کہ مقام عندیت میں عنایت حق کے گنبد کے نیچے صدق کے مقام میں ہے۔
"اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری" (میرے دوست میری قبا کے نیچے ہیں۔
جنہیں میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا) مصنف کتاب فرماتے ہیں۔ رباعی

مرغان ہوائش ز آشیاں دگر اند مرداں رہش زندہ بجانے دگر اند
بیروں ز دو کون در جہانے دگر اند منگر تو بدیں چشم بدیشاں کایشاں

پس وجود مرید کے مُرغ کو کہ بیضہ انسانیت کے ملکوت میں رکھا ہوا اور چھپا ہُوا
ہے۔ اسے ہمت شیخ کا تصرف ملکوت کے دریچہ سے ہوائے ہویت کے میدان
میں لے آتا ہے۔ اور ولایت کی پیٹھ اور ارادت کے رحم سے "فی مقعد صدق
عند ملیک مقتدر" (مقام صدق میں صاحب اقتدار بادشاہ کے نزدیک ہے)
کے مقام عندیت میں پیدا کرتا ہے۔ اب تک اگر وہ دنیاوی انسانیت کا بیضہ تھا۔ تو
اب حقتعالیٰ کی عبدیت خاص کا مرغ بن گیا ہے۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو جب تک

مرغ عبداللہ سے انسانیت کا بیضہ وجود میں نہیں آیا تھا۔ احمدؐ کہتے تھے۔ کہ "مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد" (ایک ایسے رسول کی خوشخبری دیتا ہوں۔ جو میرے بعد آئیگا۔ اور اس کا نام آحمدؐ ہوگا۔) جب وہ بیضہ وجود میں آیا۔ اور جبرائیل کے پر و بال کے تصرف میں نبوت اور رسالت کی پرورش پائی۔ تو اسے محمدؐ کہنے لگے۔ "وما محمد الارسول" (محمدؐ رسول اللہ ہے) جب پرورش کمال کو پہنچ گئی۔ اور بیضے سے مرغ کی حالت میں آئے۔ اور قاب قوسین کے مقام میں پرواز کرنا شروع کیا۔ تو اسے عبد کہا۔ "سبحان الذی اسری بعبدہٖ لیلاً" (وہ ذات پاک ہے۔ جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا) یہ سب کچھ اس واسطے ہے۔ تاکہ تجھے معلوم ہو جائے۔ کہ عبدیت خاص کے مقام کا مرغ ہونا خاص ہے۔ باوجود اس بات کے اگرچہ ہر ایک مرغ اس درجے کو پہنچ گیا ہو۔ شیخ ہونیکے لائق نہیں جس طرح ظاہری مرغوں میں سے ہر ایک مرغ انڈے نہیں سی سکتا۔ کوئی ایسا مرغ ہونا چاہیئے۔ جب مرغ کا تصرف اور اس کی پرورش کمالیت کو پہنچ جائے۔ تو پھر کچھ مدت چوزے کے تصرف میں آئے۔ اور اس کی تسلیم کی داد دے۔ تاکہ چوزے کے تصرف سے وہ کمال کو پہنچے۔ اور اس سے انڈے پیدا ہوں۔ اور پھر تمام انڈے دیکر کڑک بیٹھے۔ جب یہ حالت ہو جاتی ہے۔ تو پھر اسے بٹھاتے ہیں۔ اور انڈے اس کے نیچے رکھتے ہیں۔ اب اس کا تصرف ان پر مسلم ہے۔ اور اسی سے مقصد حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح جب صادق مرید ولایت شیخ کی تسلیم کی داد پورے طور پر دے لے۔ اور وجود کے بیضے سے خلاصی پالے۔ تو پھر اسے احکام قضا و قدر حق کے تصرفات کی تسلیم کی مرغیت کے مقام میں آنا چاہیئے۔ اور پھر کچھ مدت احکام بجالانے کی ملکات اور اپنی مرغیت کی ہستی کو حکمت قدیم کے تصرفات کے ہاتھ رکھنا چاہیئے۔ اور وجود کو احکام ازلی پر فدا کرنا چاہیئے۔ جو ازل میں اس کے وجود سے مطلوب تھا۔ اپنا عہد بنا لینا اور اللہ تعالیٰ سے وجودی کمالات اور مرادیں نہ مانگنا۔ کیونکہ اس کی پیروی ہو ہی نہیں سکتی۔ جب کچھ مدت اسی طرح تصرفات بے واسطہ کو تسلیم کریگا۔ تو اسرار معانی۔ حقائق اور علوم لدنی کے بیضے اس میں ظاہر ہونے شروع ہونگے۔ اور جب سیپی ان موتی اور جواہرات سے حاملہ ہو جائیگی تو ان حقائق اور موتیوں کے انوار اس کی نظر اور گویائی کے دریچے سے پرتو ڈالینگے۔

اور طالبوں کے مستعد وجود کو اس بات کے تصرف کے قابل بنا دیگا۔ جب اس کی پوری مدت ہو چکے۔ اور تصرف کی اہلیت انڈوں میں نمودار ہو۔ تو اشارت حق مع اجازت شیخ جو کہ اشارت حق کی صورت ہے۔ اسے مقام شیخیت پر نصب کرتے ہیں۔ اور مریدوں کے وجود کے بیضوں کی تربیت کی اجازت دیتے ہیں۔ شیخیت کے مقام کی ساری شرطیں گنی نہیں جا سکتیں۔ لیکن تاہم اتنا ضرور چاہئے۔ کہ جن ارکان کا بیان ہو چکا ہے حسب ذیل میں صفتیں اور کامل طور پر بھی پائی جائیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک صفت بھی کم ہو۔ تو اسی قدر شیخیت کے مرتبے میں خلل اور نقصان واقع ہوگا +

اول۔ علم۔ علم شریعت سے بقدر ضرورت باخبر ہونا چاہئے۔ تاکہ اگر مرید کو کسی ضروری مسئلے کی احتیاج واقع ہو تو حل کر سکے +

دوم۔ اعتقاد نیک۔ چاہئے کہ اس کا اعتقاد اہل سنت وجماعت کا ہو۔ اور کسی بدعت سے آلودہ نہ ہو۔ تاکہ مرید کو کسی بدعت میں نہ ڈال دے۔ کیونکہ اہل بدعت کے کام سے نجات حاصل نہیں ہوئی +

سوم۔ عقل۔ چاہئے۔ کہ عقل دینی کے ساتھ معاش دنیاوی کی عقل بھی بدرجہ کمال رکھتا ہو۔ تاکہ مرید کی تربیت میں شیخیت کی شرائط سے کوشش کر سکے +

چہارم۔ سخاوت۔ شیخ ایسا ہونا چاہئے۔ جو مرید کے یا محتاج کو بھی پورا کر سکے۔ اور مرید کو کھانے پہننے کی ضروریات سے فارغ رکھ سکے۔ تاکہ وہ پورے طور پر دین کے کام میں مشغول ہو سکے +

پنجم۔ شجاعت۔ چاہئے کہ شیخ شجاع۔ دلیر اور دلاور ہو۔ تاکہ خلقت کی ملامت اور ان کی ملامت سے نہ ڈرے۔ اور مرید کو ہر ایک کے کہنے سے رد نہ کرے۔ اور اور بے خبروں کے لڑائی جھگڑے سے اس کام سے منہ نہ پھیر جائے۔ اور حاسدوں کی دشمنی کا کچھ خیال نہ کرے +

ششم۔ پاکدامنی۔ پاک نفس ہونا چاہئے۔ اور عورتوں اور معشوقوں کی ہزلیات کی طرف توجہ نہ کرے۔ تاکہ مرید پر کوئی تہمت یا شک نہ کر سکے۔ اور اس کی ارادت میں فساد واقع نہ ہو۔ کیونکہ مبتدی بے قوت ہوتا ہے +

ہفتم۔ علو ہمت۔ چاہئے۔ کہ دنیا اور اہل دنیا کی طرف توجہ نہ کرے۔ مگر ضرورت کے

موافق۔ جیسا کہ لوگ جائے آرام و آسائش کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ اگرچہ اس میں یہ قوت ہو۔ کہ وہ اسے مضر نہ پڑے۔ لوگوں کے مال کی طمع نہ کرے۔ تاکہ مرید پر اعتراض ہو سکے۔ اور اس کی ارادت میں فرق نہ آجائے۔ کیونکہ مرید کے لئے اعتراض سے بڑھ کر اور کوئی فتنہ یا آفت نہیں۔ اگر دنیا کو اسکی کوشش اور قصد بغیر اللہ تعالیٰ اس کے پاؤں پر گرائے۔ تو اسے بھی حق کی راہ میں مستحقوں پر صرف کردے۔ اس طرح پر کہ اس میں غرور یا احسان نہ پایا جاتا ہو۔ اور کسی طرح سے بھی مال اور زمین اور مکانات کے جمع کرنے کی کوشش نہ کرے۔ کیونکہ پھر ان کی دوستی دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ "حب الدنیا راس کل خطیئۃ" (دنیا کی محبت تمام خطاؤں کا سر ہے) ✤

ہشتم۔ شفقت۔ چاہئے۔ کہ مرید پر مشفق ہو۔ اور اسے آہستہ آہستہ کام کی حرص دلائے۔ اور اس پر یکبارگی بوجھ نہ رکھدے۔ جس کے اٹھانے کی اس میں طاقت نہ ہو۔ بلکہ اسکو نرمی اور آہستگی سے کام پر لائے۔ اور جب مرید قبض میں ہو۔ تو ولایت کے تصرف سے قبض کا بوجھ اس سے دور کرے اور بسط عنایت کرے۔ اور اگر بسط میں فرار کی زیادتی کرے۔ تو تھوڑی سی قبض اس پر رکھدے۔ اور بسط لے لے۔ اور ہمیشہ اسکے دینی اور دنیاوی احوال کا نگراں حال رہے۔ تاکہ ہر قسم کی مدد کر سکے ✤

نہم۔ حلم۔ چاہیئے۔ کہ حلیم اور بردبار ہو۔ اور کسی کام پر جلدی ناراض ہو جاتے۔ اور مریدوں کو رنجیدہ نہ کرے۔ مگر تادیب کی ضرورت کے موافق۔ تاکہ مرید نفرت نہ کرنے لگیں۔ اور ارادت کے جال سے نہ نکل جائیں ✤

دھم۔ عفو۔ چاہیئے۔ کہ اگر مرید سے کوئی ناپسندیدہ حرکت برخلاف شریعت و طریقت ظہور میں آئے۔ تو اسے معاف کرے۔ اور اس سے درگذر کرے۔ اور نصیحت سے اس کا علاج کرے۔ اور اگر قابل نہ ہو۔ تو تادیب کی مصلحت کو برتے ✤

یازدھم۔ خلق کی خوبی۔ چاہئے۔ کہ خوشخو ہو۔ تاکہ مرید کو بدخوئی سے تکلیف نہ دے اور مرید اس سے عمدہ اخلاق سیکھ سکے۔ کیونکہ مرید کا وجود شیخ کے اخلاق۔ افعال اور احوال کا آئینہ ہوتا ہے۔ اور بزرگوں نے کہا ہے۔ کہ پیروں کی ولایت کا جمال مریدوں کے احوال کے آئینے میں مشاہدہ کر سکتے ہیں ✤

دوازدھم۔ ایثار۔ چاہئے۔ کہ اس میں ایثار ہو۔ تاکہ مرید کی مصلحتوں پر ترجیح دے

سکے۔ اور اپنے حظ کو اس پر ایثار کرے۔ اور " و یؤثرون علی انفسھم ولو کان بہم خصاصۃ" (خواہ ان سے مخصوص ہی کیوں نہ ہو۔ تو بھی وہ ان پر ایثار کرتے ہیں) ان کی صفت ہے +

سیزدھم۔ کرم۔ چاہیئے۔ کہ اس میں ولایت کا کرم ہو۔ تاکہ مرید کو ولایت بخش سکے۔ شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ لوگ خدائی بخش ہوتے ہیں +

چہاردھم۔ توکل۔ چاہیئے۔ کہ اس میں توکل کی قوت بدرجہ کمال ہو۔ تاکہ مریدوں کے رزق کے سبب افسوس نہ کرے۔ اور مرید کو اپنی معیشت کے اسباب کے خوف سے رد نہ کرے۔ خواہ ایک ہو۔ خواہ ہزار۔ یہی جانے کہ جو آتا ہے۔ روزی اُس کی اُسکے پیچھے آتی ہے یا پہلے آجاتی ہے +

پانزدھم۔ تسلیم۔ چاہیئے۔ کہ غیب کی تسلیم ہو۔ تاکہ جسے اللہ تعالیٰ اس کام میں لانا چاہے لائے۔ اور جسے لیجانا چاہے لیجائے۔ نہ مریدوں کی زیادتی سے خوش ہو۔ اور نہ ان کے چلے جانے سے کام میں سستی کرے۔ اور یہ نہ کہے۔ کہ میں بے فائدہ تکلیف اُٹھا رہا ہوں۔ اور نہ ہی کنارہ کشی کرے۔ بلکہ ان ساری حالتوں میں تسلیم کو نگاہ رکھے۔ اور جو بندگی کا وظیفہ ہے۔ اسے بجالاتا رہے۔ اور جو اس کی خدمت میں حاضر ہو۔ اللہ تعالیٰ کا لایا ہوا سمجھے۔ اور اس کی خدمت کو حق کی خدمت سمجھے۔ اور جو چلا جائے۔ یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اسے لے گیا ہے۔ اور ان کے آنے یا جانے سے موٹا یا لاغر نہ ہو جائے +

شانزدھم۔ رضا بقضا۔ چاہیئے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی رہے۔ اور مریدوں کی تربیت شیخیت کی شرائط کے مطابق کرے۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کرے اسے خوشی سے مان لے۔ مریدوں کی آمد و رفت اور قبول و رد پر راضی رہے۔ اور ازلی حکموں پر اعتراض نہ کرے +

ہفدھم۔ وقار۔ چاہیئے۔ کہ مریدوں کے ساتھ عزت اور حرمت سے زندگی بسر کرے۔ تاکہ مرید گستاخ اور دلیر نہ ہو جائے۔ اور ولایت کی مدد سے محروم نہ رہ جائے۔ جسقدر شیخ کی عظمت اور وقعت مرید کے دل میں زیادہ ہو گی۔ اسی قدر ولایت کی مدد زیادہ ہو گی۔ اور یہ بڑا بھاری بھید ہے۔ اور اسی واسطے بزرگوں نے فرمایا ہے۔ کہ شیخ کی تعظیم باپ کی تعظیم سے زیادہ کرنی چاہیئے +

ہشردھم - سکونت - چاہیئے - کہ اس میں پورے طور پر سکونت ہو - اور کاموں میں جلدی نہ کرے - اور مرید میں آہستہ آہستہ تصرف کرے - ایسا نہ ہو کہ مرید خام پنے سے کام سے بچ جائے ۔

نوزدھم - ثبات - چاہیئے - کہ کاموں میں ثابت قدم رہے - اور ارادے کو پختہ رکھے - اور مرید کے ساتھ وفادار اور نیک عہد و پیمان رہے - تاکہ بے ثباتی اور بدعہدی سے مرید کے حقوق کو چھوڑ نہ دے - اور ہر کام میں اُس کی ہمت زائل نہ کرے - اور اس کی کوشش کو بے فائدہ نہ بنائے ۔

بیستم - ہیبت - چاہیئے - کہ شیخ باہیبت ہو - اور مرید کے دل میں اسکی طرف سے ہیبت عظمت اور شان و شکوہ ہو - تاکہ سامنے اور پیٹھ پیچھے محبت رکھے - اور مرید کے نفس کو شیخ کی ولایت کی ہیبت شکستگی اور آرام ہو - اور ولایت شیخ کی ہیبت کے مارے شیطان کو اس بات کی جرأت نہ ہو - کہ مرید میں تصرف نہ کر سکے - پس جب شیخ میں یہ کمالات مقامات - کرامات صفات اور اخلاق پائے جاتے ہوں - تو صادق مرید اور محقق طالب تھوڑی مدت میں اسکی ولایت کی دولت کے سایہ میں مقصد اور مقصود کو پہنچ جاتا ہے - لیکن مرید کو بھی چاہیئے کہ مریدی اوصاف سے آراستہ ہو - اور ارادت کے آداب اور شرائط ملحوظ رکھے - جو آئندہ فصل میں انشاء اللہ بیان کئے جائینگے - تاکہ نور علے نور ہو جائے - "یھدی اللہ لنورہ من یشآء" (اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے - اسے اپنے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے) ایسا کرنے سے حق تعالیٰ کا فضل انکی کوشش کے شامل حال ہو جاتا ہے - جو اصل مقصود ہے - "ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء" (یہ فضل الٰہی ہے جسے چاہتا ہے عطاء کرتا ہے) وصلے اللہ علے محمد و آلہ وصحبہ اجمعین ۔

فصل - ۱۱

{مریدی کی صفات - آداب اور شرائط کے بیان میں}

اللہ تعالیٰ جلشانہٗ فرماتا ہے "فان اتبعتنی فلا تسئلنی عن شیئ حتی احدث لک منہ ذکرا" (پس اگر تو میری پیروی کرتا ہے تو کسی چیز کی بابت سوال نہ کر - یہاں تک کہ میں خود تیرے واسطے اس سے بات نہ کروں) ۔

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "علیکم بالسمع والطاعۃ وان کان

حبشیاً ” تم پر لازم ہے۔ کہ سنو اور اطاعت بجا لاؤ۔ خواہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو“
واضح ہے۔ کہ ارادت بڑی دولت ہے۔ اور تمام نیک بختیوں کا بیج ہے۔ ارادت کوئی انسانی صفت نہیں۔ بلکہ مریدی حق کی صفت کے انوار کا پرتو ہے۔ جیسا کہ ابو الحسن خرقانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ جس نے ہیں چاہا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کو چاہا۔ مرید ذات حق کی صفات سے ہے۔ جب تک اللہ تعالےٰ اس صفت سے بندے کی روح پر تجلی نہیں کرتا۔ اس وقت تک بندے کے دل پر ارادت کے نور کا عکس نہیں پڑتا۔ اور مرید نہیں ہوتا۔ اور جب سعادت کا بیج عنایت الٰہی سے دل کی زمین میں پڑتا ہے۔ تو چاہیئے۔ کہ اس غیبی مہمان کو ضائع نہ چھوڑ دیا جاوے۔ کہ اس نور کی ابتدا آگ کی چنگاری کی طرح ہوتی ہے۔ جو دھکتی ہے۔ اگر اس پر گندھک ڈال کر سوکھی لکڑیوں سے اسکی مدد نہ کی جائے۔ تو بجھ جاتی ہے اور ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔ پس اس آگ کی صفت والے نور کو کسی صاحب تصرف کامل شیخ کی گندھک کے سپرد کرے۔ تاکہ وہ صفات بشریت کے پروبال کو اس آگ پر رکھے۔ اور جس سے اس آگ میں قوت آجائے۔ بعد ازاں جب بھڑک اٹھیگی۔ تو نہ سوکھی چھوڑیگی۔ نہ گیلی اور اصلی مقصود جلدی حاصل ہو جائیگا۔ اور اگر کوئی شخص چاہے۔ کہ اپنی پرورش اپنی علمی اور عقلی نظر سے کرے۔ تو وہ ہرگز مراد کو نہیں پہنچیگا۔ کیونکہ یہ علم استاداں ظاہری کی شاگردی سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس میں خطرہ ہے۔ کہ ہلاک کے بھنور اور پھسلاوٹ کی وادی میں نہ جا پڑے۔ اور ایمان میں زوال نہ آجائے۔ اور اپنے تئیں اپنے تصرف کے ہاتھوں ہلاکت کی وادی میں نہ لا ڈالے۔

اللہ تعالیٰ جلشانہٗ فرماتا ہے ” ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ “ (اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔) اور اگر کسی شخص کو نفس اور شیطان دھوکہ دے۔ پیغمبر خدا اور اللہ تعالیٰ کا لطف اس راہ کے کافی و شافی راہنما ہیں۔ اور قرآن مجید اور علم شریعت خود اللہ تعالیٰ کی راہ کا بیان ہے۔

چراغ و شمع چہ باید بکار قافلہ را ہزار قافلہ را روئے تو بس است دلیل

اور اس راہ کا قافلہ سالار آنحضرت صلعم کا آفتاب سا جمال ہے۔ ” وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجًا منیرًا “ (اللہ تعالیٰ کے حکم سے اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا ہے۔

اور روشن چراغ کی مانند ہے) اور قرآن مجید اور علم شریعت اس راہ کا بیان ہے لیکن اس کی مثال ایسی ہے۔ کہ حاذق طبیب آئے اور حقتعالیٰ کے الہام نے ان کی مدد کی لادری رنج میں عمریں بسر کیں۔ اور کوشش کرتے رہے۔ اور قسم قسم کی بیماریاں اور مرضیں پہچانیں اور دواؤں کی خاصیتوں کی واقفیت حاصل کی۔ اور معجونیں اور شربت تیار کئے۔ اور ان سے دواخانے پُر کئے۔ اور طب کی کتابوں میں انکی مفصل کیفیت لکھی۔ اور طب میں بہت کچھ علمی اور عملی تصانیف کا ذخیرہ چھوڑا۔ بعدازاں بعض لائق شاگردوں نے ان سے علم سیکھا۔ اور دواؤں کے قانون کی واقفیت حاصل کی۔ اور ان طبیبوں کی خدمت میں رہ کر علاج معالجہ کرتے رہے۔ اور اسی میں رہ کر تجربے حاصل کئے۔ اور اُستادوں کے قانون کے موافق طبابت میں مشغول ہو گئے۔ اور اَور لوگوں کو جن میں ان علوم کو سیکھنے کی لیاقت اور استعدادتھی۔ سکھایا۔ اور اس کام میں کمال تک پہنچایا۔ اور اسی طرح زمانہ بزمانہ ہر گروہ کے شاگرد ہوتے چلے آئے۔ اب اگر اس وقت کوئی شخص بیمار ہو جائے۔ اور اسے علاج کرانے کی خواہش ہو۔ تو وہ طبیبوں کی کتابیں دیکھ کر معجونوں کے بنانے میں جو دواخانوں میں رکھی ہیں۔ اپنی عقلی نظر کو صرف کرے۔ اور طبیبوں سے ملتجی نہ ہو۔ اور بے تجربہ اور بے پہچان نظر عقلی سے اپنا علاج شروع کر دے۔ نہ اسے بیماری کی حقیقت اور کیفیت معلوم ہو۔ اور نہ دواؤں کی مقدار اور کیفیت کی واقفیت۔ اگر ایسا کریگا۔ تو ضرور ہلاک ہو جائیگا۔ اسے چاہیئے۔ کہ اطباء اور صاحب تجربہ لوگوں کی خدمت میں جا کر ان کے تصرف کو تسلیم کرے۔ اور جو معجون یا شربت خواہ میٹھا ہو یا کڑوا جو کچھ دے کھا پی جائے۔ اور خود اپنا علاج آپ نہ کرے۔ اسی طرح قرآن مجید میں جب دین کے تمام علوم جو "فی قلوبھم مرض" (ان کو دلی بیماری ہے) کے معالجہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حاصل ہیں۔ "وننزل من القرآن ما ھو شفاء و رحمۃ للمؤمنین" (جو کچھ قرآن مجید میں ہے۔ وہ مومنوں کے لئے سراسر رحمت اور شفا پائے) بلکہ ایک ایسا دوائی خانہ ہے۔ جس میں ہر قسم کی معجونیں اور شربت اور دوائیں جمع ہیں۔ "ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین" (خشک و تر سب کچھ قرآن مجید میں ہے)۔ اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم دین کے حاذق طبیب ہیں۔ جنہوں نے ہر بیماری کی شناخت اور علاج بڑی عمر گی سے کیا۔ "انک لتھدی الی صراط مستقیم" (بیشک تو سیدھی راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے)

اور اصحاب کبار رضی اللہ عنہم شاگردانِ خلف ہیں۔ جنھوں نے آنحضرت صلعم سے علم طب حاصل کیا۔ اور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں رہ کر علمی تجربے کئے۔ اور ہر ایک معالجہ میں بدرجۂ کمال پہنچا۔ "اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم" (پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں۔ جن کی پیروی سے تم سیدھی راہ چلوگے) اور زمانہ بزمانہ اصحابہ کے تابعین اس علم اور ان تجربوں کو حاصل کرتے آئے۔ اور تابعین سے تبع تابعین نے۔ آج کے روز تک۔ ان میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے اس علم میں خاص نظر عطا فرمائی۔ تاکہ فی زمانہ قوم کے مزاج کو پہچان کر قرآن مجید اور حدیث شریف کے قانون کے مطابق صحیح علاج کریں۔ "کل مجتہد مصیب" (ہر ایک مجتہد صواب پر ہوتا ہے) اور دینی طب کے علوم میں علمی اور عملی بہت سی کتابیں لکھیں لیکن اس وقت صاحبِ واقعہ بیمار اپنا علاج انکی کتابوں سے بذریعہ اپنی نظر عقلی نہیں کرسکتا۔ خواہ اس علم میں کمالیت کا درجہ رکھتا ہو۔ جیساکہ داناؤں نے فرمایا ہے "رای العلیل علیل" (بیمار کی رائے بھی بیمار ہوتی ہے) اسکے لئے کوئی صاحب تجربہ حاذق طبیب ہونا چاہیئے۔ (جسے مختلف مزاجوں کی شناخت بھی ہو) اور علمی اور عملی طب کے قانون کی واقفیت بھی رکھتا ہو۔ کیونکہ اگرچہ بیماری ایک ہی قسم کی ہوتی ہے لیکن۔ بچے۔ جوان۔ ادھیڑ اور سن رسیدہ کا مزاج ایک نہیں ہوتا۔ اور ایک ہی عمر کے شخصوں کا مزاج ایک سا نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر دس بچے ہوں۔ تو ہر ایک کے مزاج۔ نبض۔ قوت۔ اور ضعف میں فرق ہوتا ہے۔ حاذق طبیب کو مناسب ہے۔ کہ ان سب کی شناخت کرے۔ اور ان باریکیوں کو معالجہ کے وقت محفوظ رکھے۔ تاکہ "تداووا فان الذی انزل الداء انزل الدواء" (تم علاج کرو۔ بیشک جس نے مرض پیدا کیا۔ اس نے اس مرض کی دوا بھی پیدا کی ہے۔) کے طریقہ کے مطابق مرض زائل ہوجائے۔ اور صحت حاصل ہو۔ باوجود اس بات کے اگر خود طبیب بیمار ہو۔ تو اسے کسی کا علاج نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ بیماری کے سبب اس کی نظر میں فرق آگیا ہے۔ اُس کے لئے بھی کسی تندرست اور صحیح النظر طبیب کی ضرورت ہے۔ تاکہ اس کا علاج اسے مفید پڑے۔ نہیں تو بیمار طبیب کا علاج موافق نہیں پڑیگا۔ "طبیب یداوی وطبیب مریض" (طبیب علاج کرتا ہے حالانکہ طبیب خود بیمار ہے) ے

عالمت تو خفتہ است و تو خفتہ   خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

جب یہ بات تحقیق ہو چکی۔ تو اب ہر ایک کو لازم ہے۔ کہ شیطان کے دھوکے اور نفس کے فریب میں نہ آئے۔ اور اپنی عقل اور علم پر بھروسہ نہ کرے۔ اور جب ارادت کا بیج دل کی زمین میں بویا جائے۔ تو اسے بڑی غنیمت سمجھ کر اس غیبی مہمان کو پیار کرے۔ اور اس کے پھوٹنے کے مطابق مناسب غذا دے۔ اور اسکی غذا حقیقت میں مشائخ کے پستانِ ولایت کے سوا اور کہیں نہیں۔ اس واسطے کہ ارادت کا بیج نو پیدا شدہ غیبی بچے کی طرح ہے۔ اس کو غذا بھی غیبی پستان سے دینی چاہیئے۔ پس کسی کامل شیخ کی طلب میں پھرنا چاہیئے خواہ مشرق میں ہو یا مغرب میں اسکی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے تصرفات کو تسلیم کرے۔ اور اگر کسی شیخ کی خدمت میں پہنچکر نفس بہانہ اور تعجب کرے۔ کہ یہ شیخ کامل ہے یا نہیں۔ تو "بالسمع والطاعۃ" (سنو اور طاعت بجا لاؤ) پر کاربند ہے۔ اور اس بات کا یقین کرے۔ کہ خواہ حبشی غلام ہی کا تصرف کیوں نہ ہو۔ بہر حال اپنے تصرف سے کچھ بھی بہتر ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ "وان کان عبدًا حبشیًا" (خواہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو) اور اسی واسطے مشائخ علیہم الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ کہ اگر تو بلی کے تصرف میں ہو۔ تو اس سے بہتر ہے۔ کہ تو اپنے تصرف میں ہو۔ اور چاہئے۔ کہ جو کچھ اس کا مانع ہو یا اس کی پابندی کرے۔ مشائخ کی خدمت سے تمام کو ارادت کے بازو کی قوت سے دور کرے۔ اور کسی عذر کا مقید نہ رہے۔ تاکہ اس دولت سے محروم نہ رہ جائے۔ کیونکہ اس دولت کی محرومی کے نقصان کو دونوں جہان بھی پورا نہیں کر سکتے ؎

بہر چہ از دوست وا مانی   چہ زشت آن نقش و چہ زیبا

اور حقیقت میں جب تک مرید اپنے وجود سے سیر نہیں ہو جاتا۔ اور اپنی جان اور بدن کا خیال نہیں چھوڑ دیتا۔ اور ایک دم بندگی کرتا ہے۔ اور جو بالمقابل آتا ہے۔ اس سے قطع تعلق نہیں کرتا۔ وہ اس بات کا مرد نہیں ہوتا۔ جیسا کہ مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ رباعی

سیر آمدۂ زجان و تن مے باید   بر خاستۂ زخویشتن مے باید
در ہر گامے ہزار بند افزون است   زیں گرم روئے بند شکن مے باید

جو کچھ سچا مرید اس راہ میں درہم برہم کرے۔ اور رستے پٹکے اور ہار جائے۔ تو اللہ تعالیٰ "ولنجزینہم اجرہم باحسن ما کانوا یعملون" (اور البتہ ہم ان لوگوں کو جزائے

خیر دینگے۔ جو نیک کام کرتے ہیں۔ کے مطابق ہزار گنا اس کا عوض اور بدلہ دنیا اور آخرت میں دیتا ہے۔ اور اس کے تمام اقربا اور خویشوں میں سے ہر ایک کو جنہیں اس نے چھوڑ دیا تھا۔ اور ان کے دلوں کو اپنی مفارقت سے زخمی کیا تھا۔ اللہ تعالے ایک خاص درجہ مرتبہ اور ثواب عنایت کرتا ہے۔ تاکہ ان کی دل شکستگی کا عوض انہیں مل جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت جباری بھی ہے۔ اور جباری کے ایک معنی ٹوٹے ہوئے کا گانٹھنا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اے بیچارے جو کچھ تو نے میری خداوندی کی طلب میں درہم برہم کر دیا تھا۔ اب میں اپنے فضل و کرم سے اسے درست کرونگا۔ اور جو دل تو نے میری محبت کی خاطر خستہ کیا ہے۔ میں اپنے خداوندی خزانے سے اُس کا خونبہا دونگا ؎

جبرائیل آنجا اگر زحمت دید خونش بریز   خونبہا جبرائیل از گنج رحمت باز دہ

لیکن اگر تو مجھ سے باز رہ جائے۔ تو تمام موجودات بھی تیری اس بے نصیبی کا نقصان پورا نہیں کر سکتی ؎

گر با ہمہ چو بے منی بے ہمہ   ور بے ہمہ چو با منی با ہمہ

بارگاہ الٰہی کے ایک مکاشف اور بزرگ کو خطاب الٰہی ہوا۔ کہ "انا بد لک فالزم بد لک" (میں تیرے لئے ضروری ہوں۔ پس تو اپنے ضروری کو لازم پکڑ) (تو اپنی جان کے بغیر گذارہ کر سکتا ہے۔ لیکن میرے بغیر تیرا گذارہ نہیں چل سکتا۔ جب مرید ہمت کے ہاتھ اور ارادت کی قوت سے دنیوی تعلقات اور روکاوٹوں کو دور کر کے شیخ کی خدمت میں آئے۔ تو اسے حسب ذیل بیس اوصاف سے موصوف ہونا چاہئے۔ تاکہ شیخ کی صحبت کی داد دے سکے۔ اور کامل طور پر سلوک راہ اسکے ہاتھ لگے۔

اول۔ مقام توبہ۔ چاہیئے۔ کہ ان تمام باتوں سے جو شرع کے مخالف ہوں۔ نصوح کی سی توبہ کرے۔ اور اس بنیاد کو بڑی مضبوطی سے رکھے۔ کیونکہ تمام احوال اور اعمال کی بنا اسی پر ہے۔ اگر اس بنا میں ابتداء میں خلل آ جائیگا۔ تو آخر میں بھی جا کر خلل واقع ہوگا۔ اور تمام برداشت کی ہوئی تکلیفیں رائیگاں جائینگی۔ توبہ کو تمام مقامات میں استعمال کرے۔ اس واسطے کہ سلوک کے ہر ایک مقام میں اس مقام کے مناسب گناہ ہے۔ "حسنات الابرار سیات المقربین" (نیک لوگوں کی نیکیاں مقربوں کی برائیوں کے برابر ہیں) پس ہر مقام میں اس مقام کے گناہ سے توبہ کرے۔ جیسا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم محبوبیت کے مقام کی قابلیت اور "لیغفرلک"

اللہ ماتقدم من ذنبک وماتاخر" (تاکہ اللہ تعالے تیرے پہلے اور پچھلے گناہ بخش دے) کی دولت کی کمالیت میں بھی توبہ کے حق کی رعایت رکھتے تھے۔" انہ لیغان علی قلبی وانی لاستغفراللہ فی کل یوم سبعین مرۃ" (بیشک وہ میرے دل پر پردہ سا ہو جاتا ہے۔ اور میں ہر روز ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں) ÷

دوم۔ زُہد۔ چاہیئے۔ کہ دنیا سے بالکل منہ پھیرے۔ خواہ مال ہو یا منصب۔ اگر اسکے متعلقین ہوں۔ تو مال و اسباب سب کو اللہ تعالیٰ کے مطابق تقسیم کر دے۔ اور اگر اسکے متعلقین نہ ہوں۔ تو سب کو شیخ کی خدمت میں رکھدے۔ تاکہ دوسرے مریدوں کی مصلحت کیلئے خرچ کیا جائے اور اسے جسقدر شیخ روٹی کپڑا دے۔ اسی پر قناعت کرے ÷

سوم۔ تجرید۔ چاہیئے۔ کہ مجرد ہو۔ اور تمام سببی اور نسبی تعلقات کو عمدگی سے چھوڑ دے تاکہ ان کی طرف نہ دیکھے۔ کیونکہ وہ سب دشمن ہیں۔" ان من ازواجکم و اولادکم عدوا لکم" (بے شک تمہاری جورو اور بال بچے تمہارے دشمن ہیں) ÷

چہارم۔ عقیدہ۔ چاہیئے۔ کہ اہل سنت وجماعت کا سا عقیدہ رکھتا ہو۔ اور بدعتوں سے پاک ہو۔ اور آئمہ سلف کے مذہب پر چلے۔ اور طریقے کی شرعیات میں احتیاط کو کام میں لائے۔ اور تشبیہ تعطیل۔ رفض اور اعتزال سے بری رہے۔ اور ہٹ دھرمی نہ کرے۔ اور اہل قبلہ کی تکفیر سے دور رہے۔ اور لعنت کو جائز نہ رکھے ÷

پنجم۔ تقوٰے۔ چاہیئے۔ کہ پرہیز گار ہو۔ اور خدا سے ڈرتا رہے۔ اور کھانے اور لباس میں بڑی احتیاط رکھے۔ لیکن مبالغہ نہ کرے۔ تاکہ وسوسے میں نہ پڑ جائے۔ کیونکہ یہ بھی ٹھیک نہیں۔ اور جہاں تک ہو سکے عزیمت سے کام کرے۔ اور رخصت کے گرد نہ پھٹکے۔ اور حتی المقدور پاکیزہ اور صاف رہنے کی کوشش کرے۔ لیکن اس میں غلو نہ کرے۔ تاکہ وسوسے میں نہ پڑ جائے۔ اور تمام احوال میں" دع ما یریبک الی ما لا یریبک" (اس چیز کو چھوڑ دے۔ جو تجھے اس چیز کی طرف لیجائے۔ جو تیری تربیت نہیں کر سکتی) کو ملحوظ رکھے ÷

ششم۔ صبر۔ چاہیئے۔ کہ اوامر و نواہی کے تصرفات کے ماتحت صابر رہے۔ اور ولایت شیخ کی تربیت سے نامرادی کے پیالوں کے پینے میں صبر کو کام میں لائے۔ اور شیخ کا حکم بجالانے میں سختیاں جھیلے۔ اور ملامت اور طعن کو اپنی طبیعت میں نہ آنے دے اور اگر اس قسم کی ذرا سی بات بھی اس میں ظاہر ہو۔ تو اپنے آپ سے تکلیف کے ساتھ اسے

دور کرے۔ اور ہمیشہ دینی کاموں میں دیدہ و دانستہ صبر اور بُردباری کرے۔ جیساکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "من تصبر صبرہ اللہ" (جس نے جھوٹ موٹ صبر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فی الحقیقت صبر عطاء کیا) +

ہفتم۔ مجاہدہ۔ چاہیئے۔ کہ ہمیشہ نفس کے گھوڑے کو مجاہدے کی لگام دئے رکھے۔ مگر ضرورت کے موافق اِس سے نرمی بھی کرے۔ اور کسی طرح بھی اسے اسکی مراد اور حسب دلخواہ چیز نہ دے۔ اور اس بارے میں ثابت قدم رہے۔ کیونکہ نفس بھوکے شیر کی طرح ہوتا ہے۔ اگر تو اسے سیر کریگا۔ تو قوت پاکر تجھے کھا جائیگا۔ اور نفس کو ہمیشہ دینی کاموں میں لگائے رکھنا چاہیئے۔ اور اگر تو اس کو دینی کاموں میں مشغول نہیں کریگا۔ تو وہ تجھے اپنی خواہشوں کے کام میں لگائے گا +

ہشتم۔ شجاعت۔ چاہیئے۔ کہ مرد اور دلیر بنے۔ تاکہ نفس اور اس کے مکروں کی روک تھام کر سکے۔ اور شیطانی مکر اور حیلے میں نہ پھنس جائے۔ کیونکہ اس راہ میں انسان صورت شیطان سیرت اشخاص اور جن بہت ہوتے ہیں۔ ان کو شجاعت سے دُور اور مغلوب کرنا چاہیئے +

نہم۔ بذل۔ چاہیئے۔ کہ مرید میں بذل اور ایثار بھی ہو۔ کیونکہ بخل بڑی بھاری قید اور حجاب ہے۔ اور بعض مقامات میں دُنیا اور آخرت دونوں کو خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اور کبھی جان پر بھی کھیل جانا پڑتا ہے +

دہم۔ فتوت۔ چاہیئے۔ کہ جوانمرد ہو۔ تاکہ ہر شخص کا حق اپنے مقام میں حتی الوسع ادا کرے۔ اور اس حق گذاری کی کسی سے طمع نہ کرے۔ اور انصاف کرے۔ اور انصاف نہ کرائے +

یازدہم۔ صدق۔ چاہیئے۔ کہ اس کے کام اور معاملہ کی بناء صدق پر ہو۔ اور خدا سے راستی پیشہ بنے۔ اور جھوٹ اور خیانت سے دور رہے۔ اور خلقت سے امید بالکل قطع کرے +

دوازدہم۔ علم۔ چاہیئے۔ کہ ضروری علم جو اس پر فرض ہے واجب ہے مثلاً نماز روزہ اور دوسرے ارکان کا علم سیکھے۔ اور زیادتی کی کوشش نہ کرے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے وہ اپنی اصلی راہ طے کرنے سے رہجائیگا۔ مگر ہاں اس وقت کرے۔ جب وہ اپنے اصلی مقصود کو پہنچگیا

ہو۔ اگر مقتدائی کرنی چاہتا ہے یا پیشوائی اس نے حاصل کرلی ہے۔ تو کتاب سنت کے علوم کا مطالعہ اسکے لئے مفید ہے۔ نہ کہ مضر۔ اور ایسے علم میں کسی حالت میں بھی مشغول نہ ہو۔ جو فائدہ نہ دے ۔

سیزدھم۔ نیاز۔ چاہیئے۔ کہ کسی وقت بھی نیاز کو نہ چھوڑے۔ خواہ ناز کے مقام میں ہی ہو۔ تو بھی اپنے تئیں تکلف سے نیاز کے عالم میں لائے۔ کیونکہ نیاز خاص عاشق ہی کا مقام ہے۔ اور ناز معشوق کا مقام ہے ۔

چہاردھم۔ عیاری چاہیئے۔ کہ اس راہ میں چالاک اور چلتے پرزے آدمیوں کی طرح چلے۔ کیونکہ اس راہ میں بہت خطرناک کام پیش آتے ہیں غیب اور شہادت میں اپنے آپ کو بے پرواہوں کی طرح ڈالنا چاہیئے۔ اور عاقبت اندیشی نہ کرے۔ اور جان دینے سے بھی نہ ڈرے۔ اور دن میں ہزار بار پاؤں کے نیچے سر رکھ سکتا ہے تو رکھے جیسا کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ غزل

درعشق یار بیں کہ چہ عیار میروم	سر زیر پائے نہادہ چہ شطار میروم
در نقطۂ مراد دریں دور مارسیم	زیرا بسر ہمیشہ چو پرکار میرویم
جانے کہ ہست در قدم یار کردہ ایم	در حکم میکند بسر دار میرویم
مرگ ار کسے بجاں بفروشد بخریم	عیار وار زانکہ بر یار میرویم
مارا چہ غم ز دوزخ و با خلد ما چہ کار	دل دادہ ایم ما بر دلدار میرویم

پانزدھم۔ ملامت۔ چاہیئے۔ کہ ملامتی صفت ہو۔ اور قلندر سیرت۔ نہ ایسا کہ خلاف شرع کام کرے۔ اور خیال کرے۔ کہ یہ ملامت ہے ہرگز نہیں۔ یہ تو شیطانی راہ ہے۔ اور اس کی گمراہی اور ضلالت ہے۔ اور یہی پھسلاوا اہل اباحت کو دوزخ میں لے جاتا ہے ملامتی کے یہ معنی ہیں۔ کہ خلقت کی رد و قبول۔ تعریف و توہین۔ اور نام و ننگ کی پرواہ نہ کرے اور انہیں یکساں خیال کرے۔ اور خلقت کی دوستی اور دشمنی سے موٹا یا لاغر نہ ہو جائے۔ اور ان اضداد کو یکساں خیال کرے۔ اور تمام خلق خدا سے صلح رکھے۔ اور اپنے نفس سے لڑائی۔ مصنف کتاب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ رباعی

زانروے کہ راہ عشق بے ننگ است	نہ با خودماں صلح و نہ باکس جنگ است
شد در سرنام و ننگ عمر ہمہ خلق	اے بیخبراں چہ جائے نام و ننگ است

شانزدھم عقل۔ چاہیئے۔ کہ عقلی تصرف سے اسکی حرکات مضبوط ہوں۔ تاکہ کوئی کام شیخ کی رضا اور اس کے فرمان کے خلاف اس سے ظہور میں آئے۔ کیونکہ زمانہ بھر کے رنج شیخ کے دل کی ناراضگی اور اس کی ولایت کے رد میں ہیں۔ اور نیز جو کچھ اس کام سے مشقت اور محنت سے حاصل ہو۔ اسے عقلی تصرف سے محفوظ رکھے ٭

ہفدھم۔ ادب۔ چاہیئے۔ کہ اس کے اخلاق مہذبانہ اور مودبانہ ہوں۔ اور انبساط اور ظرافت کی راہ اپنے اوپر بند رکھے۔ اور شیخ کی خدمت میں عزت سکون اور تعظیم سے بیٹھے اور جب تک اس سے بات نہ پوچھی جائے نہ کہے۔ اور جو کچھ کہے علم۔ نرمی اور راستی سے کہے۔ اور ظاہر و باطن میں شیخ کے اشارے کا منتظر رہے۔ اگر اس سے کوئی خطا یا قصور سرزد ہو۔ تو فوراً ظاہر اور باطن میں استغفار کرے۔ اور عمدہ طریقے سے عذر خواہی کرے ٭

ہژدھم۔ خلق کی خوبی۔ چاہیئے۔ کہ ہمیشہ خوش طبع اور خوش رہے۔ اور یاروں کے ساتھ تنک خوئی اور چڑچڑاہٹ نہ کرے۔ اور تکبر فخر۔ خود پسندی۔ دعوے۔ اور طلب جاہ و ریاست سے دور رہے۔ اور تواضع۔ عاجزی سے بزرگ یاروں کی خدمت میں زندگی بسر کرے۔ اور چھوٹے یاروں سے رحمت شفقت۔ نرمی اور دلداری سے پیش آئے۔ اور اپنا بوجھ یاروں پر نہ ڈالے۔ بلکہ خود ان کا بوجھ اپنے ذمے لے۔ اور متحمل اور بردبار بنا رہے۔ اور یاروں کے ساتھ موافق رہنے کی کوشش کرے۔ اور ان کے ساتھ مخالفت کرنے سے دور رہے اور لوگوں کو بھی نصیحت کرے اور خود بھی نصیحت سُنے۔ اور مناظرہ۔ معارضہ۔ لڑائی۔ دنگہ۔ اور دشمنی۔ جھگڑے تضیئے سے الگ رہے۔ اور یاروں کو عزت و حرمت اور ارادت کی نگاہ سے دیکھے۔ اور خلقِ خدا میں سے کسی کو بھی نظر حقارت سے نہ دیکھے۔ اور یاروں کی دلداری اور خدمت کے ذریعے ہمیشہ قُربِ حق کی جستجو کرتا رہے۔ اور حتی الوسع دسترخوان پر کچھ اپنا حصہ ایثار کرے۔ اور دوسروں کے حصے کی طمع نہ کرے۔ اور سماع کے وقت اپنے تئیں مضبوط رکھے۔ اور بے حالتی یا حرکتی وجد نہ کرے۔ اور حالت کے موقع پر یاروں کی مزاحمت سے پرہیز کرے۔ اور جہاں تک ہو سکے۔ سماع کو باطن ہی میں پوشیدہ رکھے۔ اور جب غالب آجائے۔ تو بقدر ضرورت حرکت کرے۔ اور جب تسکین حاصل ہو جائے۔ تو اپنے تئیں سنبھالے۔ اور تکلف نہ کرے۔ اور وجد اور حالت کو دکھاوے کے طور پر نہ کرے۔ اگر دیکھے۔ کہ حالت کے موقع یا تواجد کے موقع پر نفس کو حظ حاصل ہوتا ہے۔ تو

وہ حظ اسے نہ دے۔ اور سماع کے وقت یاروں کی نگاہبانی کرے اور شوریدہ وقت بنے اور اپنے اختیار سے نعرہ نہ مارے۔ اور حالت اور وجد والوں کی طرف نیاز کی نگاہوں سے دیکھے۔ اور ان کے پاس جاکر تواضع کرے۔ اور شیخ کی خدمت میں پاپیادہ حاضر ہو۔ اور جب سر شیخ کے قدموں پر رکھے۔ تو اس بات کا خیال رکھے۔ کہ کہیں سجدہ نہ کر جائے کیونکہ سجدہ کرنا حرام ہے۔ ہاتھ پاؤں پر رکھ کر منہ زمین پر رکھے لیکن پیشانی نہ رکھے۔ اور حتی الوسع اس طرح ہمنشینی کرے۔ کہ اس سے کسی کے دل کو آرام حاصل ہو۔ اور دلوں کو تکلیف دینے سے کنارہ کشی کرے۔

نوزدھم۔ تسلیم۔ چاہیئے۔ کہ ظاہر و باطن میں ولایت شیخ کے تصرفات کو تسلیم کرے۔ اور اپنے تصرفات کو ملیامیٹ کر دے۔ اور شیخ کے حوالے اپنے تئیں اس طرح کرے۔ جیسے مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اور باطن میں ہمیشہ ہر کام کے لئے ولایت شیخ سے التجا کرے۔ خواہ شیخ کے روبرو ہو۔ یا اس سے غائب۔ اور ظاہر و باطن میں شیخ کے احوال اور افعال پر اعتراض نہ کرے۔ اور جو اس کی نظر میں خلاف معمول معلوم ہو۔ اسے اپنی بینائی کی کمی خیال کرے۔ اگر خلاف شرع بھی کوئی کام شیخ سے ظہور میں آئے۔ تو بھی اس پر اعتقاد رکھے کہ اگرچہ مجھے یہ فعل خلاف شرع معلوم ہوتا ہے۔ لیکن خود شیخ خلاف شرع نہیں کرتا۔ اور اس بارے میں اس کی نظر نہایت کامل ہونی چاہیئے۔ اور جو کچھ کرے از روئے نظر کرے۔ اور وہ اسے پورا کر سکے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں کشتی کا توڑنا اور لڑکے کا مار ڈالنا مہتر موسیٰ صلوٰۃ اللہ علیہ کو سب خلاف شرع معلوم ہوتا تھا۔ لیکن حقیقت میں یہ فعل خلاف شرع نہ تھے۔ اور خضر علیہ السلام کی شرط بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ تھی۔ کہ " فان اتبعتنی فلا تسئلنی عن شیئ حتیٰ احدث لك منه ذکراً " (اگر تو میرے پیچھے آتا ہے۔ تو مجھ سے کسی بات کی بابت نہ پوچھنا جب تک کہ میں خود اس کا ذکر تجھ سے نہ کروں) یعنی جو کچھ میں کروں۔ اس پر اعتراض نہ کرنا۔ اور نہ پوچھنا۔ کہ کیوں ایسا کیا۔ یہاں تک کہ میں خود اسے تجھ سے بیان نہ کروں۔ لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تین مرتبہ اعتراض کر چکے۔ تو بعد از اں خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ " ھذا فراق بینی وبینك " (بس اب مجھ میں اور تجھ میں مفارقت ہے) یہ اس واسطے ہے تاکہ تجھے معلوم ہو جائے۔ کہ اعتراض کرنا حقیقی مفارقت کا موجب ہے۔ اگرچہ ظاہر میں جدائی نہیں ہوتی۔ مرید کو لازم ہے۔ کہ کسی طرح بھی اعتراض نہ کرے۔ اور ہمیشہ

تسلیم کا طریقہ اختیار کرے۔ کیونکہ ارادت شیخ کی تسلیم قضا و قدر کے احکام کی تسلیم کی سیڑھی ہے جب تک شیخ کی ارادت کو تسلیم نہ کریگا۔ احکام قضا و قدر کو بھی تسلیم نہیں کر سکیگا۔

بلیستم تفویض (سونپنا) مرید کو چاہیئے۔ کہ اپنے تئیں راہ خدا میں سونپ دے۔ اور صدق سے یہ کہے۔ "افوض امری الی اللہ" (میں اپنا کام اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہوں) اور اللہ تعالیٰ کی عبادت بہشت کے لالچ اور دوزخ کے خوف کے مارے یا مال کی خواہش اور نقصان کے ڈر کے مارے نہ کرے۔ بلکہ از راہ بندگی اور محبت کرے۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہو۔ اس پر راضی رہے۔ اور کسی خوشی یا رنج کے سبب بارگاہ الٰہی سے روگردانی نہ کرے اور اپنے تئیں اس کے سپرد کر دے۔ "وکلت الی المحبوب امری کلہ" (میں نے سارے کام محبوب کے سپرد کر دئے ہیں) ؎

بگذاشتہ ام مصلحتِ خویش بدو　　　　گر بکشد ور زندہ کند او داند

اور بندگی کی راہ پر ثابت قدم رہے۔ اور صدق کی شرائط کو بجا لاتا رہے۔ اور اگر ہزار مرتبہ بھی یہ حکم ہو۔ کہ تو طلب نہ کر تجھے نہیں ملیگا۔ تو ذرہ بھر بھی کام کو بے دل ہو کر نہ چھوڑ بیٹھے۔ اور کسی آزمائش یا جا رنج سے ہمت ہار کر نہ بیٹھے۔ اور کام کو نہ چھوڑ دے۔ مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں رباعی

تا دل ز غمِ عشق تو پر جاں دارد　　　　باران بلد بر سر دل مے بارد

جاناں بسرت کز تو نگردم روئے　　　　در عشق ہزار زیں بروم آرد

اور شیخ کی ملامت سے کسی طرح بھی روگردانی نہ کرے۔ اور خواہ شیخ اسے ہزار مرتبہ بھی نکال دے اور دور کر دے تو بھی نہ جائے۔ اور ارادت کے معاملہ میں مکھی سے کم نہ ہو۔ اسے خواہ کتنی ہی اڑایا جائے۔ وہ پھر آ بیٹھتی ہے۔ اور اس کو اسی وجہ سے ذباب کہتے ہیں۔ "ذب آب" جسے دور کریں اور پھر آ جائے۔ تاکہ اگر اس راہ کا مور نہیں بن سکتا تو کم از کم مکھی تو ہو رہ مصرعہ

کاندریں ملک چو طاؤس بکار است مگس

جب صادق مرید حتی الوسع ان شرائط کو قائم رکھے۔ اور شیخ بھی ان صفات اور کمالات سے آراستہ ہو۔ جن کا ذکر گذشتہ فصل میں ہو چکا ہے۔ تو مقصود اور حقیقی مراد بہت جلدی حرمان کے حجاب سے باہر نکل آتے ہیں۔ اور جمال الٰہی کے سامنے سے پردے اٹھ جاتے ہیں۔ قاصد اپنے مقصد طالب اپنے مطلوب۔ مرید اپنی مراد۔ اور عاشق اپنے معشوق کو پا لیتا ہے۔ "الا من طلبنی وجدنی" (ہاں جس نے میری طلب کی اس نے مجھے پا لیا)

وصلے اللہ علی محمد و آلہ وسلم ٭

فصل ۱۲

{ ذکر کی ضرورت اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے ذکر کے اختصاص کے بیان میں }

اللہ تعالیٰ جلشانہٗ فرماتا ہے۔" فاذکرونی اذکرکم۔ واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون" (تم مجھے یاد کرو میں تجھے یاد کرونگا)۔ (اللہ تعالیٰ کی یاد کثرت سے کرو۔ شاید تمہاری بہتری ہو جائے) اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔" افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ وافضل الدعاء الحمد للہ" (سب ذکروں سے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ کا ذکر ہے۔ اور سب دعاؤں سے افضل دعا الحمد للہ ہے) ٭

واضح ہے۔ کہ سالکوں کو جو حجاب ہوتا ہے۔ وہ نسیان کا نتیجہ ہے۔ اور نسیان اس سبب سے ہوتا ہے۔ کہ فطرت کے شروع میں جب روح کا وجود ظاہر ہوتا ہے۔ تو اس سے اس کے وجود اور اللہ تعالیٰ کے درمیان دوگانگی ہو جاتی ہے۔ اگرچہ روح نے حقتعالیٰ کو یگانگی کے مقام میں جانا۔ لیکن اس یگانگی کو پہچانا نہیں۔ اس واسطے کہ پہچان شہود سے ہوتی ہے۔ اور شہود وجود سے ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ وجود کی ضد ہے۔" والضدان لا یجتمعان" (ضدیں جمع نہیں ہو سکتیں) روح کا تعلق قالب سے اس واسطے تھا۔ کہ جب نفس اور دل اس کے دو فرزند ہو جائیں۔ تو شہود کے مقام میں جب روح اپنے وجود کو چھوڑ دے۔" اذا جاء الحق وزھق الباطل" (جب سچ آتا ہے تو جھوٹ زائل ہو جاتا ہے)۔ تو اس کے خلیفہ بن کر قائم مقامی کریں۔ یہ ایک بڑا بھید ہے۔ جسے ہر شخص کی سمجھ نہیں پہنچ سکتی۔ پس جس طرح روح نے اس جہان میں حقتعالیٰ کو وحدانیت کے کمال سے نہ پہچانا۔ اسی طرح اس مقام ذکر میں بھی بے شرکت اسے نہیں پہچان سکتا۔ کیونکہ اپنا ذکر ہوتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کا بھی۔ اور یہ ذکر شرکت سے ہوتا ہے۔ اور حق تعالےٰ فرماتا ہے۔" واذکر ربک اذا نسیت" (اللہ تعالیٰ کی یاد اس وقت کر جب تو اپنے تئیں بالکل بھول جائے)۔ یعنی میرے سوا سب کو بھول کر پھر میری یاد کر۔ تاکہ اس میں شرکت نہ پائی جائے جب روح عالم ملک اور ملکوت سے پھر پھرا کر قالب میں آئی۔ تو جس چیز کو دیکھا۔ اسی کا ذکر اس میں رہا۔ اور اسی یاد کے موافق وہ ذکر حق سے باز رہی۔ بعض لوگوں کو مختلف چیزوں کی یاد کے حجاب اس قدر واقع ہوئے۔ کہ انہوں نے حقتعالیٰ کو بالکل فراموش کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو

اپنی یاد سے فراموش کر دیا" نسوا اللہ فنسیھم (انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بھلا دیا)۔ پس جب نسیان کے سبب حجاب پیدا ہوئے۔ اور "فی قلوبھم مرض" کی بیماری کا سبب بھی یہی تھا۔ اس لئے اس کا علاج کرنے کیلئے "العلاج بالضد" کے مطابق قرآنی شفاخانے سے "اذکرو اللہ ذکرا کثیرا" کا شربت تجویز کیا گیا۔ تاکہ ذکر کثیر سے نسیان کثیر کے حجابوں سے اور اس مرض کی آفت سے خلاصی پائے لیکن لا الہ الا اللہ کے ذکر کا اختصاص ظاہری جہت سے تو اس واسطے ہے۔ کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "افضل الذکر لا الہ الا اللہ"۔ لیکن باطنی طور پر اس میں یہ حکمت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "الیہ یصعد الکلم الطیب" (اسکی طرف پاک کلمات صعود کرتے ہیں) اور کلمہ طیب لا الہ الا اللہ ہے۔ یعنی اس کلمے کو بارگاہ الٰہی کی طرف لے جانے والا ہے۔ اس واسطے کہ اس میں نفی اثبات کا کلمہ ہے۔ اور نسیان کی بیماری کو نفی اثبات کی معجون سے دور کر سکتے ہیں۔ اس واسطے کہ نسیان بھی نفی اثبات سے مرکب ہے۔ جس میں ذکر حق کی نفی اور غیر حق کے ذکر کا اثبات شامل ہے۔ پس کوئی سکنجبین کا سا شربت نفی کے سرکے اور اثبات کی شکر سے بنانا چاہیئے۔ تاکہ نسیان کے صفراوی ملدے کو دور کرے۔ لا الہ سے ماسوائے حق کی نفی کرتا ہے اور الا اللہ سے حقتعالیٰ کا اثبات۔ جب اس علاج کو ہمیشہ کرتا ہے۔ تو بتدریج روح کا مرض جو ماسوائے حق سے تعلقات پیدا کرنے سے ہوا ہے۔ لا الہ کے شربت کے استعمال سے زائل ہو جائیگا۔ اور نسیان کی بیماری کی تکلیف رفع ہو جائیگی۔ اور سلطان الا اللہ کے جمال کے سبب ذاکری صحت الٰہی پردوں کے پیچھے سے منہ دکھائیگی۔ اور "فاذکرونی اذکرکم" کے وعدے کے مطابق حرف اور آواز کے لباس سے ذکر مجرد ہو جائیگا۔ اور عظمت الوہیت کے نور کی تجلی میں "کل شیئ ھالک الا وجھہ" (سوائے اس کے چہرے کے تمام چیزیں ہلاک ہونے والی ہیں) کی خاصیت ظاہر ہو جائیگی۔ اور ذکر روح روح کی ذاکری اور اس کے وجود سمیت "اذکرکم" کی ذاکری کے لاانتہا سمندر میں غرق ہو جائیگا۔ اور ہلاک ہو جائیگا۔ اور پھر "اذکرکم" ہی ذاکری روح کی نیابت کریگا۔ یہاں پر پہنچکر ذاکر۔ ذکر اور مذکور تینوں ایک ہو جاتے ہیں۔ اور اس مقام پر بے شرکت ذکر ہاتھ لگتا ہے ؎

تا ز خود بشنود نہ از من و تو لمن الملک واحد القہار

"شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو" کا بھید بھی اسی مقام پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور یوسف بن الحسین رازی علیہ الرحمۃ کا اشارہ بھی جو فرماتے ہیں۔ "ما قال احد اللہ الا اللہ" (اسی

مقام پر سمجھ میں آتا ہے ۔ اور معلوم ہو جاتا ہے ۔ کہ مسلمانی کی بنا کیوں اس کلمے پر رکھی گئی ہے ۔ اور دوسرے کلمات پر کیوں نہ رکھی گئی ۔ اس واسطے کہ جب باطنی شرکت سے خلاصی سوائے اس کلمے کے حاصل نہیں ہو سکتی ۔ تو ظاہری شرکت سے بھی سوائے اس کلمے کی صورت کے خلاصی حاصل نہیں ہو سکتی ۔ جیسا کہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے ؎

آفرینش را ہمہ پے کن بہ تیغ لاالٰہ تا جہاں صافی شود سلطان الا اللہ را

فصل ۔ ۱۳

{ ذکر کرنے اور اسکی شرائط اور آداب کے بیان میں }

اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتا ہے "فاذکروا اللہ کذکرکم آباءکم او اشد ذکرا" (پس اللہ کا ذکر اس طرح کرو ۔ جیسے اپنے آبا و اجداد کا کرتے ہو یا اس سے زیادہ) ۔ اور نیز فرماتا ہے "واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخفیہ" (اپنے رب کو اپنے دلوں میں پوشیدہ طور پر اور ازروئے عجز یاد کرو) +

اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "سیروا سبق المفردون قیل ومن ھم یا رسول اللہ قال الذین اھتزوا بذکر اللہ حتیٰ وضع الذکر عنھم اوزارھم فوردوا القیامۃ خفافاً" +

واضح ہے ۔ کہ ذکر کے آداب اور شرائط بغیر ذکر کرنے سے چنداں فائدہ نہیں ہوتا ۔ پہلے اس کی شرائط اور آداب بجا لانے چاہئیں ۔ تاکہ ذکر مفید پڑے ۔ اس لئے اسکی شرطیں حسب ذیل ہیں :-

اول ۔ یہ کہ مرید اپنی ارادت میں صادق ہو +

دوم ۔ یہ کہ اسے طلب کی درد اور سلوک راہ کی خواہش ہو +

سوم ۔ یہ کہ خلقت سے دور رہے ۔ اور ذکر سے الفت کرے ۔ تاکہ سب سے منہ پھیر کر ذکر کی پناہ میں آئے ۔ کہ "قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون" (تو اللہ کہو اور انکو اپنی دھن میں لگا رہنے دے) +

چہارم ۔ چونکہ ذکر کرنا چاہتا ہے ۔ اس لئے اس کی بنا تمام گناہوں سے توبہ نصوح پر قائم کرے ۔ کیونکہ مذکور کی مخالفت سے ذکر میں زیادہ تصرف حاصل نہیں ہوتا +

آداب حسب ذیل ہیں:-

اول- یہ کہ ذکر کرنے سے پہلے وضو کرے۔ اگر غسل کر سکے تو اور بھی اچھا ہے۔ اس واسطے کہ ذکر کرنا گویا دشمن کے ساتھ جنگ کرنا ہے۔ اور جنگ بغیر اوزار کے مشکل ہوتا ہے۔ "الوضوء سلاح المومن" (وضو مومن کا ایک اوزار ہے)۔

دوم- یہ کہ سنت کے مطابق لباس پاک ہو۔ اور کپڑے کی پاکیزگی کی چار شرطیں ہیں:- اول- نجاست سے پاکیزگی۔ دوسرے ظلم سے پاکیزگی۔ تیسرے حرمت سے یعنی ریشمی وغیرہ نہ ہو۔ چوتھے بانکپن سے یعنی سنت کے موافق چھوٹا ہو۔ "وثیابك فطهر" ای "تقصر" (اپنے لباس کو پاک کر و یعنی چھوٹا کم درجے کا کرو) یعنی لباس فاخرہ نہ ہو۔

سوم- یہ کہ مقام ذکر خالی۔ صاف۔ پاک۔ چھوٹا اور تاریک ہو۔ کیونکہ ایسے مکان میں دل جمعی اور یکسوئی کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ اور اگر خوشبو دار چیزیں پاس رکھے یا جلائے تو اور بھی اچھا ہے۔

چہارم- قبلے کی طرف رخ کر کے مربع بیٹھے۔ اور باقی حالتوں میں مربع بیٹھنا منع ہے صرف ذکر کے وقت بیٹھنا چاہیئے۔ کیونکہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنے مقام میں آفتاب نکلتے وقت مربع بیٹھا کرتے تھے۔

کیفیت ذکر- ذکر کرتے وقت ہاتھ رانوں پر رکھے۔ اور دل کو حاضر کر کے آنکھیں بند کرے۔ اور بڑی تعظیم کے ساتھ اس طرح شروع کرے۔ اور لا الہ الا اللہ کو بڑے زور سے اس طرح کہے۔ کہ لا الہ ناف تلے سے لائے۔ اور الا اللہ کی ضرب دل پر پہنچائے اس طرح پر کہ ذکر کا اثر اور اس کی قوت تمام اعضاء کو پہنچے۔ لیکن آواز بلند نہ کرے۔ اور جہاں تک ہو سکے۔ آواز کو روکنے اور پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "واذکر ربك فی نفسك تضرعا وخیفۃ ودون الجھر من القول" (اپنے رب کو دل میں عاجزی سے پوشیدہ طور پر یاد کر اور آہستہ بات کر) اور اس طریق سے سخت اور دم بدم ذکر کرے۔ اور دل میں ذکر کے معنوں کا خیال کرے۔ اور خطرات کو دل میں نہ آنے دے چنانچہ لا الہ کہتے وقت جو خطرہ دل میں آئے۔ اسکی نفی کرے۔ خواہ وہ خطرہ نیک ہو یا بد۔ اور یہ خیال کرے۔ کہ میں کوئی چیز اور مقصود طلب نہیں کرتا۔ اور نہ میرا کوئی محبوب ہے۔ الا اللہ یعنی صرف خدا ہی میرا مطلوب محبوب اور مقصود ہے۔ لا الہ سے نفی کرنے اور الا اللہ سے

اللہ تعالیٰ کو اپنا مقصود محبوب اور مطلوب سمجھے۔ چاہیئے۔ کہ ہر ایک ذکر کے شروع اور آخر میں نفی اثبات سے حاضر رہے۔ اور ہر وقت دل کے اندر نگاہ رکھے۔ اور جس چیز کا خیال دل میں آئے دور کرتا جائے۔ اور دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف لگائے۔ اور ولایت شیخ سے دعا مانگے۔ اور لا الٰہ کی نفی سے اس پیوند کو بھی باطل کرے۔ اور اس چیز کی محبت کی بیخکنی کرے۔ اور الا اللہ کے تصرف سے حق تعالیٰ کی محبت کو اس چیز کی محبت کا قائم مقام بنائے۔ اسی ترتیب کے موافق ہمیشہ کرے۔ یہاں تک کہ اس کا دل تمام دل بستگیوں سے فارغ اور خالی ہو جائے۔ کیونکہ ذکر کے وقت دل کا ہلنا ذکر کے ہمیشہ کرنے پر منحصر ہے۔ اور دل اس وقت ہلتا ہے جب ذکر کے غلبے سے ذاکر کی ہستی ذکر کے نور میں گھل مل جاتی ہے۔ اور ذکر ذاکر کو مفرد بنا دیتا ہے۔ اور وجودی تعلقات کا بوجھ اسکے کندھے سے اُتار دیتا ہے۔ اور اس کو جسمانی دُنیا سے روحانی آخرت میں ہلکا پھلکا بنا کر لاتا ہے۔ جیسا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "سیروا سبق المفردون قیل ومن ھم یا رسول اللہ قال الذین استھزوا بذکر اللہ حتی وضع الذکر عنھما وزارھم فوردوا القیمۃ خفافاً" (مفردوں کے سبق کی سیر کرو۔ جب آنحضرتؐ سے پوچھا گیا۔ کہ وہ کون لوگ ہیں۔ تو جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جن کو ٹھٹھا بھی کیا گیا۔ لیکن انکے دل ذکر الٰہی سے ہلتے رہے۔ یہاں تک کہ ذکر کے سبب ان کے گناہوں کے بوجھ اُتر گئے۔ اور وہ قیامت کے دن ہلکے پھلکے ہو کر میدان قیامت میں وارد ہونگے) +

واضح ہے۔ کہ دل حقتعالیٰ کی خلوت گاہ ہے۔ "لا یسعنی ارضی ولا سمائی و انما یسعنی قلب عبد المومن" (میں زمین اور آسمان میں نہیں آسکتا۔ البتہ مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں) اور جب تک دل کی بارگاہ میں غیروں کی مزاحمت باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت عزت کی مقتضی نہیں ہوتی۔ لیکن جب لا الٰہ کا سپاہی دل کی بارگاہ کو غیر کی مزاحمت سے خالی کر دے۔ تو الا اللہ کے سلطان کی تشریف آوری کا منتظر رہنا چاہیئے۔ کہ " فاذا فرغت فانصب والی ربك فارغب" (جب تو فارغ ہو تو یاد الٰہی میں مشغول ہو۔ اور اپنے پروردگار کی طرف مائل ہو) + ؎

جائے خالی کن کہ شاہ ناگاہ آید ۔۔۔ چو خالی گشت شہ بخر گاہ آید

اور اس بات کو اچھی طرح یقین کرے۔ کہ پورا فائدہ اسی وقت ہوگا۔ جب کسی کامل صاحب

تصرف شیخ سے ذکر کی تلقین حاصل کریگا۔ کیونکہ تیر اسی وقت حمایت کر سکتا ہے۔ جب بادشاہ کے ترکش سے لیا جائے۔ وہ تیر جو تیر ساز کی دکان سے خریدا جائے۔ وہ ولایت کی حمایت نہیں کر سکتا۔ البتہ دشمن کو دفع کر سکتا ہے۔ انشاء اللہ اس کی مفصل کیفیت آئندہ بیان کی جائیگی ؂

فصل ۔ ۱۴

{ شیخ سے تلقینِ ذکر کی ضرورت اور اس کی خاصیت }

اللہ تعالےٰ جل شانہٗ فرماتا ہے "یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ و قولوا قولاً سدیداً" (اے مومنو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ٹھیک ٹھیک بات کرو) یعنی لاالہ الا اللہ کہو ؂

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "یا ایھا الناس قولوا لا الہ الا اللّٰہ تفلحوا" (اے لوگو لا الہ الا اللہ کہو تاکہ تمہاری بہتری ہو) ؂

واضح رہے۔ کہ تقلیدی ذکر اور ہے اور تحقیقی ذکر اور ہے۔ جو عوام الناس اور ماں باپ سے ظاہری طور پر سنا جائے۔ وہ تقلیدی ذکر ہے۔ اور وہ ذکر دل پر چنداں کارگر نہیں ہوتا۔ جس طرح کہ ناپرورش یافتہ اور خام بیج زمین میں بویا جائے۔ تو وہ نہیں اُگتا۔ تحقیقی ذکر وہ ہے۔ جو صاحبِ ولایت کی تلقین اور تصرف سے مرید کے مستعد دل میں بویا جائے۔ اور صاحبِ ولایت کا ذکر اسکے شجرۂ ولایت کا پھل ہے۔ کہ اس نے ذکر کا بیج صاحب ولایت کی تلقین سے حاصل کر کے دل کی زمین میں ولایت شیخ کی نہر کے پانی اور اس کی ہمت کے آفتاب سے اسکی پرورش کی ہے۔ اور وہ بیج اگا اور پھر آہستہ آہستہ ولایت کا درخت بنا۔ اور ذکر کا پھل "اذکرکم" کے شگوفے سے ظاہر ہوا۔ پس شیخیت کا مقام پختہ طور پر ذکر کا بیج مرید کے دل کی زمین میں بوتا ہے۔ جب ذکر کے بیج کی شیخ کی ولایت سے پرورش کی جائے۔ اور دل کی زمین اچھی طرح ارادت سے جوتی ہوئی ہو اور طبیعت کی گھاس طریقت کی درانتی سے صاف کر دی گئی ہو۔ اور اخلاص کے آفتاب اور ہمت شیخ کی مدد کے پانی سے اس نے تربیت پائی ہو۔ تو ایمانِ حقیقی کا سبزہ بہت جلدی اُگ آتا ہے جیسا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "لا الہ الا اللّٰہ تنبت الایمان فی القلب کما ینبت الماء البقل" (لا الہ الا اللہ سے دل میں ایمان اس طرح

اُگ آتا ہے۔ جیسے پانی سے سبزی) اور روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ جب احسان کا درخت لگانیوالا اسے لگاتا ہے۔ تو وہ پودہ بن جاتا ہے۔ اور تربیت سے عرفان کا درخت بن جاتا ہے ٭

تلقین کی شرط یہ ہے۔ کہ مرید شیخ کی وصیت سے تین روزے رکھے۔ اور ان تین روزوں میں اِس بات کی کوشش کرے۔ کہ ہمیشہ وضو سے رہے۔ اور ذکر کرتا رہے۔ اگر آمدورفت بھی کرنی پڑے۔ تو بھی ذکر جاری رکھے۔ اور لوگوں سے میل جول کم کرے۔ اور ضرورت کے مطابق گفتگو کرے۔ اور روزہ افطار کر کے کھانا بہت نہ کھائے۔ اور راتوں اکثر جاگ کر ذکر کرتا ہے۔ تین روز بعد شیخ کے فرمان سے غسل کرے۔ اور غسل اسلام کی نیت سے کرے۔ جیسا کہ ابتداء میں اگر کوئی شخص دین اسلام میں داخل ہونا چاہتا۔ تو پہلے اسلام کا غسل کرتا۔ اور پھر پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم اسے کلمہ طیبہ تلقین فرماتے۔ یہاں پر بھی اسی طریق کے موافق اسلام حقیقی کا غسل کرے۔ اور جب پانی منہ میں ڈالے۔ تو یہ کہے۔ کہ اے پروردگار! میں بدن کو جو میرے ہاتھ میں تھا۔ پانی سے پاک کرتا ہوں۔ تو دل کو جو تیرے امر کے ماتحت ہے نظرِ عنایت اور معرفت کے نور کے ساتھ پاک کر۔ اور جب غسل کرے۔ تو عشاء کی نماز کے بعد شیخ کی خدمت میں حاضر ہووے۔ اور شیخ کے سامنے قبلے کی طرف منہ کر کے بیٹھے۔ اور شیخ قبلے کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھے۔ اور وہ وصیت کرے جو ضروری شرط ہے اور مرید کی سمجھ اور نظر کے مطابق تلقین کے اسرار اور ذکر کے خواص کی بابت کچھ کلمات کہے۔ تا کہ مرید کی کسی قدر دل جمعی ہو جائے۔ اور شیخ کی خدمت میں دوزانو بیٹھے۔ اور ہاتھ رانوں پر رکھے۔ اور دل کو تمام چیزوں سے ہٹا کر حاضر کرے۔ اور اسے شیخ کے مقابل رکھے۔ اور بڑے نیاز سے مراقبہ کرے۔ اور جب شیخ دلی سکونت اور اطمینان سے بلند آواز سے ایک مرتبہ لاالہ الا اللہ کہے۔ تو اس کے پیچھے مرید بھی شیخ کی آواز کے مطابق لاالہ الا اللہ کہنا شروع کرے۔ اور بڑے زور سے کہے۔ پھر شیخ کہے اور پھر مرید۔ پھر تیسری مرتبہ شیخ کہے اور مرید بھی۔ پھر شیخ قبول اور اجابت کی دعا کرے۔ اور مرید آمین کہے۔ جب دُعا ختم ہو جائے۔ تو اُٹھ کر خلوت خانے میں چلا جائے۔ اور روبقبلہ ہو کر مربع بیٹھے۔ اور ذکر کے بیج کی تربیت میں اس طرح مشغول ہووے۔ جیسا کہ شرائط خلوت کی فصل میں انشاء اللہ بیان کیا جائیگا۔ ابتداء میں ذکر کی تلقین درخت کے بیج کی طرح ہوتی ہے۔ جو بوتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ "ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ"۔

(اللہ تعالیٰ نے ایسے کلمہ طیب کی مثال دی ہے۔ جو پاک درخت کی طرح ہے) مفسر اس بات پر متفق ہیں۔ کہ وہ کلمہ طیبہ لاالہ الا اللہ ہے۔ جب اس پودے کی پرورش کریگا۔ تو اس کی جڑیں دل سے تمام اعضا میں پھیل جائینگی۔ اور سر کی چوٹی سے لیکر پاؤں کے ناخن تک کوئی ایسا ذرہ نہ ہوگا جس میں ذکر کے درخت کی جڑ نہ لگی ہو۔ جب جڑیں اس طرح مضبوط ہو جاتی ہیں۔ تو قالب کی زمین میں ذکر کے درخت کی شاخیں آسمان کی طرف بڑھتی ہیں "اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء" (اس کی جڑ مضبوط ہے اور اسکی شاخیں آسمان میں ہیں) اس مقام میں دل زبان کی طرح ذکر کرتا ہے۔ اور صریحاً لاالہ الا اللہ کہتا ہے۔ جس وقت دل ذکر کرنے لگے۔ تو پھر زبان کو ٹھیرا دینا چاہیئے۔ تاکہ دل بھی ذکر کی داد دے لے۔ کیونکہ زبانی ذکر اسے تشویش میں ڈالتا تھا۔ پھر جب دل ذکر کرنے سے ٹھیر جائے۔ تو زبان سے ذکر کرنا چاہیئے یہاں تک کہ دل پورے طور پر ذاکر ہو جائے۔ اور اسی طرح مدد کرتا جائے۔ یہاں تک کہ ذکر کا درخت پرورش پاکر اوپر کی طرف بڑھ کر اپنے کمال کو پہنچ جائے۔ اور اپنی انتہاء تک جا پہنچے۔ اور اسکی انتہا بارگاہِ الٰہی ہے۔ "الیہ یصعد الکلم الطیب" (پاکیزہ کلمات اس کی طرف صعود کرتی ہیں) جب پاک درخت اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ تو مشاہدات کے شگوفے شاخوں پر کھلتے ہیں۔ اور مشاہدات کے شگوفوں سے آہستہ آہستہ مکاشفات اور علم لدنی کا پھل پیدا ہوتا ہے۔ "توتی اکلہا کل حین باذن ربہا" (اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت وہ میوے نکالتی ہے) ان پھلوں میں سے ایک پھل مقام وحدت ہے پہلے توحید کا بیج بونا اور پھر اسکی پرورش سے وحدت کا پھل حاصل کرنا ہوتا ہے۔ یہ بڑا بھاری بھید ہے۔ اور پیدائش کائنات سے مقصود بھی یہی ہے۔ اور یہ غیبی پوشیدہ اسرار میں سے ایک سر ہے۔ اور جو اسرار کے موتی خزانہ غیب میں مدفون ہیں۔ وہ سب اسی سیپی کے موتی ہیں۔ اور "یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ و قولوا قولا سدیدا یصلح لکم اعمالکم" (اے مومنو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اور ٹھیک ٹھیک بات کہو۔ اس سے تمہارے اعمال صالحہ ہو جائینگے) کا اشارہ بھی اسی صلاحیت کی طرف ہے۔ اور "یا ایہا الناس قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا" (اے لوگو! لاالہ الا اللہ کہو۔ تاکہ تمہاری بہتری ہو) کی رمز بھی اسی فلاحیت کی طرف ہے۔ اور ہر شخص کو اسکی ہمت اور طاقت کے موافق اس درخت کی پرورش سے صلاحیت اور فلاحیت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن کوئی صاحب

دولت حقیقی فلاحیت اور صلاحیت کی سلطنت حاصل کر لیتا ہے "اذکرو اللہ ذکراً کثیرا لعلکم تفلحون" (اللہ تعالےٰ کو کثرت سے یاد کرو۔ شاید تمہاری بہتری ہو جائے) لیکن اس کا بیج ذکر ہے۔ اور جب تک بیج ولایت کے درخت سے نہ لیا جائے۔ اس سے درخت اپنے کمال کو نہیں پہنچتا۔ اور نہ ہی حقیقی صلاحیت اور فلاحیت کا پھل لاتا ہے عبداللہ عمر رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہیں۔ کہ ہم معہ اصحاب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ "ان من الشجر شجرۃ مثلھا مثل المومن لایحات ورقھا فاخبرونی ماھی" فرمایا کہ درختوں میں ایک ایسا درخت ہے۔ جو مومن کی طرح ہے۔ اور اسکے پتے سارا سال سبز رہتے ہیں۔ اور گرتے نہیں۔ مجھے بتاؤ۔ کہ وہ کونسا درخت ہے۔ ہر ایک صحابی نے جنگل کے ایک ایک درخت کا نام لیا۔ لیکن خواجہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے گئے۔ کہ یہ بھی نہیں۔ وہ بھی نہیں۔ عبداللہ عمرؓ فرماتے ہیں۔ کہ میرے دل میں آیا۔ کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ لیکن چونکہ وہاں پر ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بیٹھے تھے۔ اس لئے انکے حضور میں میں نے کچھ کہنا مناسب نہ جانا۔ پس صحابہ نے عرض کی۔ یارسول اللہ! آپ ہی فرمائیں۔ کہ وہ کونسا درخت ہے۔ سرور کائنات نے فرمایا۔ کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ اور حقیقت میں مومن کو دو وجہ سے کھجور کے درخت سے مناسبت ہے۔ ایک یہ کہ جب تک کھجور کے درخت کے نر اور مادہ کو نہیں ملایا جاتا۔ اچھی کھجوریں نہیں پیدا ہوتیں۔ اور جو پیدا ہوتی بھی ہیں۔ تو کچھ ایسی ویسی ہوتی ہیں۔ اور یہ مشہور ہے۔ کہ ہر سال کھجور کے نر درخت کے تلے کا پہلا شگوفہ لے کر دوسرے درخت میں اس کا پیوند لگاتے ہیں۔ جس سے اچھی کھجوریں پیدا ہوتی ہیں۔ پس جب مومن سے یہ مطلوب ہو کہ ولایت کا ثمرہ اس سے کمال حاصل ہو تو اسکو بھی صاحب ولایت شیخ سے ذکر کی تلقین کے ساتھ ملا دینا چاہیئے دوسرے یہ کہ کھجور کے پتے ہمیشہ سبز رہتے ہیں اور نہیں گرتے پس مومن کی بھی یہی علامت ہے کہ ہمیشہ ذکر اور اطاعت سے اس کے وجود کا درخت سرسبز رہتا ہے۔ "والذین ھم علیٰ صلوٰتھم دائمون" (وہ لوگ جو اپنی نماز کو ہمیشہ (باقاعدہ) ادا کرتے رہتے ہیں۔) پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے اپنے خاص صحابہ کو مکان میں جمع کر کے فرمایا کہ دروازہ بند کر دو جب دروازہ بند کیا گیا تو تین مرتبہ لاالٰہ الا اللہ باآواز بلند کہا۔ اور صحابہ کو فرمایا۔ کہ اسی طرح کہو۔ انہوں نے بھی کہا۔ پھر

ہاتھ اُٹھا کر تین مرتبہ یہ کہا۔ "اللھم ھل بلغت" (اے پروردگار! گیا میں پہنچ گیا ہوں)۔ بعد ازاں فرمایا۔ کہ تمہیں خوشخبری ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخشدیا ہے۔ پس مشائخ علیہ الرحمۃ نے بھی تلقین کا طریقہ اسی سنت کے مطابق اختیار کیا ہے۔ وصلی اللہ علی محمد وآلہ وسلم ؂

فصل ۔ ۱۵

{خلوت کی ضرورت اور اس کے آداب و شرائط کے بیان میں}

اللہ تعالیٰ جلشانہ نے فرمایا ہے۔ "واذا واعدنا موسیٰ اربعین لیلتہ" (اور جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس رات کا وعدہ کیا) اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "من اخلص للہ اربعین صباحا ظھرت ینابیع الحکمت من قلبہ علی لسانہ" (جو شخص چالیس صبح تک اللہ تعالیٰ کی عبادت اخلاص سے کرے۔ تو اسکے دل سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے نمودار ہو جاتے ہیں) ؂

واضح رہے۔ کہ راہ دین کے سلوک اور عالم الیقین میں پہنچنے کی بناء خلوت اور گوشہ نشینی پر مبنی ہے۔ اور لوگوں سے میل جول قطع کر لینے پر۔ تمام انبیاء اور اولیاء نے ابتدائے حال میں خلوت اختیار کی ہے۔ اور پھر اپنے مقصود کو پایا ہے۔ جیسا کہ عائشہ صدیقہ رضؓ روایت فرماتی ہیں۔ کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے دِل کو ابتدائے حال میں خلوت بھاتی تھی۔ اور ایک روایت میں بھی ہے۔ کہ "کان یتحنث الی حرا السبوعا والسبوعین" یعنی کوہ حرا کے اندر خلوت اور طاعت میں ہفتہ ہفتہ۔ دو دو ہفتے مشغول رہا کرتے۔ اور ایک روایت میں ہے۔ کہ مہینہ بھر ہی خلوت میں رہا کرتے۔ میں نے (مصنف کتاب) کوہ حراء میں حبیبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے خلوت خانے کی زیارت کی ہے۔ وہ ایک دشوار گذار غار ہے۔ حضرت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بے واسطہ کلام الٰہی سننے کا استحقاق عنایت کرنے کو تھا۔ تو اُسے بھی چالیس رات کی خلوت کا حکم فرمایا۔ "واذا واعدنا موسیٰ اربعین لیلتہً" ؂

چیزوں کو کمال تک پہنچانے میں چالیس کے عدد میں بڑی خاصیت ہے۔ جو کسی اور عدد میں نہیں پائی جاتی۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں بھی آیا ہے۔ "ان خلق احدکم یجمع فی بطن امہ اربعین یوماً ثم یکون علقتہ مثل ذالک ثم یکون مضغتہ مثل

ذالك الحديث بتمامہ" جب کوئی انسان پیدا ہوتا ہے۔ تو پہلے چالیس روز ماں کے رحم میں نطفہ کی صورت میں اور پھر چالیس روز مضغہ کی صورت میں .... الخ) آنحضرتؐ نے دل سے زبان پر حکمت کے چشموں کا ظہور بھی چالیس صبحوں کی اخلاص سے مخصوص فرمایا ہے۔ اور چالیس میں ایک اور حکمت یہ ہے۔ کہ آدم کی آب وگل کا طلسم اسکی روحانیت پر چالیس روز میں تیار کیا گیا۔ جیسا کہ "خمرت طینۃ آدم بیدی اربعین صباحًا" (میں نے اپنے ہاتھ سے آدم کی مٹی کو چالیس صبح خمیر کیا) سے ظاہر ہے۔ چونکہ اس طلسم میں چالیس بند ہیں۔ اِس واسطے اس طلسم کو چالیس روز کی خالص عبودیت کی چالیس دندانوں والی چابی سے کھول سکتے ہیں۔ اور حکمت کا پانی دریائے روحانیت سے جو بشریت کی زمین کے نیچے ہے۔ بیان زبان کے سرچشمہ میں چالیس دن اور رات کے اخلاص کے سوا نہیں پہنچ سکتا۔ "من اخلص اللہ اربعین صباحًا ظہرت ینابیع الحکمۃ من قلبہ علیٰ لسانہ"۔

چلے کی شرائط اور آداب بہت ہیں۔ لیکن جو زیادہ ضروری ہیں۔ وہ آٹھ ہیں۔ کہ اگر ان میں سے ایک شرط میں بھی خلل واقع ہو۔ تو خلوت کا پورا مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ عدد آٹھ کے مقرر کرنے کی یہ وجہ ہے۔ کہ دل کی بہشت کے آٹھ دروازے ہیں ہر ایک شرط ایک خاص دروازے کی چابی ہے۔ اگر ایک شرط فروگذاشت کی جائے۔ تو ایک دروازہ بند رہیگا۔ وہ شرائط حسب ذیل ہیں:۔

اول۔ خالی مکان میں تنہا بیٹھے۔ اور قبلہ کی طرف رخ کر کے مربع بیٹھے اور ہاتھ رانوں پر رکھے۔ اور غسل مُردہ کی نیت سے کرے۔ اور خلوت خانے کو اپنی لحد سمجھے۔ اور خلوت خانے سے وضو یا نماز کے سوا کسی چیز کے لئے باہر نہ نکلے۔ اور مکان چھوٹا اور تاریک ہونا چاہیئے۔ اور دروازے پر پردہ لٹکتا ہو۔ تاکہ روشنی یا آواز اندر آکر حواس کو کام سے نہ روکے۔ اور روح محسوسات اور حواس میں مشغول نہ ہو کر عالم غیب کی طرف پرواز کرے۔ روح کو حجاب صرف پانچوں حسوں کے دروازوں سے آتے ہیں۔ ذکر کے تصرف اور خطرات کی نفی سے روح کو عالم غیب سے الفت پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کا نفس خلقت سے دور رہنا چاہتا ہے۔ اور بالکل حقیقت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ "وتبتل الیہ تبتیلا" (دنیا کو چھوڑ اس (خدا) کی طرف ہو جا)۔

دوسرے۔ ہمیشہ وضو سے رہنا۔ کیونکہ مومن بذریعہ وضو شیطان کی راہ بند کرتا ہے۔ تاکہ شیطان اُس پر فتح نہ پا جائے۔ اس واسطے کہ وضو میں ایک ایسا نور ہے۔ کہ جہاں کہیں وضو کا پانی پہنچتا ہے۔ وہ جگہ اس نور سے منور ہو جاتی ہے۔ اور وہ نور شیطان پر ڈال پھینکتا ہے۔ اسی واسطے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "الوضو سلاح المومن" (وضو مومن کے لئے بمنزلہ اوزار ہے)۔

تیسرے۔ لا الہ الا اللہ کے ذکر کو ہمیشہ کرتے رہنا جیسا کہ فرمایا ہے۔ "الذین یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً و علی جنوبھم" (وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو اٹھتے بیٹھتے اور سوتے وقت یاد کرتے ہیں) اس سے اشارہ ہمیشہ ذکر میں لگے رہنے کا ہے۔ ذکر کی خاصیت پہلے بیان ہو چکی ہے۔

چوتھے۔ ہمیشہ خطرات کی نفی کرنا۔ چاہیئے۔ کہ نیک یا بد جس قسم کا خطرہ بھی ہو۔ لا الہ سے اس کی نفی کرے۔ اور لا الہ کے یہ معنے خیال کرے۔ کہ میں کچھ نہیں چاہتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کو۔ اور "و ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ" (جو تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اسے ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ اسی کا حساب تم سے لیگا) سے اشارہ خطرات کی نفی کی طرف ہے۔ کیونکہ حقیقت میں جو خیال آتا ہے۔ اس کا نقش دل پر ظاہر ہوتا ہے۔ خواہ نیک یا بد۔ یہ نقوش غیبی نقوش کی قبولیت سے دل کو فارغ کرتے ہیں۔ جب تک دل کا آئینہ ظاہری نقوش سے خالی اور صاف نہ ہو۔ وہ کبھی مشاہداتِ غیبی اور علوم لدنی کے نقوش کو قبول نہیں کر سکتا۔ اور روحانی مکاشفات کے انوار اور صفاتِ ربانی کی تجلیات کے قابل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ مریم علیہا الرحمۃ کے حق میں فرمایا "التی احصنت فرجھا فنفخنا فیھا من روحنا" (مریم وہ عورت ہے جس نے اپنے ستر کی حفاظت کی اور ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی)۔

پانچویں۔ ہمیشہ روزے سے رہنا۔ چاہیئے۔ کہ ہمیشہ روزے سے ہے۔ کیونکہ روزے کو بشری تعلقات کے قطع کرنے اور صفات حیوانی کو نیست کرنے میں بڑا دخل ہے "الصوم لی وانا اجزی بہ" (روزہ خاص میرے واسطے ہے۔ اور میں ہی اسے اسکی جزا دونگا)۔

چھٹے۔ ہمیشہ چپ رہنا۔ چاہیئے۔ کہ کسی سے بات نہ کہے۔ لیکن شیخ سے بقدر ضرورت کہہ لے۔ وہ بھی واقعات کی کشف اور احوال کے عرض کرنیکے لئے۔ "باقی من صمت

بچا" (جو چپ رہا۔ اس نے نجات حاصل کی) پڑھے۔ اور سوائے ذکر کے زبان نہ ہلائے ۔

ساتویں۔ اپنے دل کی نگہداشت کرنا ۔ ہمیشہ اپنے دل کو شیخ کے دل سے لگائے رکھے اور مدد طلب کرتا ہے۔ کیونکہ غیبی فتوحات اور الطاف ربانی کی خوشبوئیں ابتداء میں مرید کے دل میں شیخ کے دل کے سوراخ سے آتی ہیں۔ "من القلوب الی القلب روزنة" (دل سے دل کی جانب راہ ہوتی ہے) اس واسطے کہ مرید کے لئے پہلے بہت سے حجاب ہوتے ہیں۔ اور شرط سے بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس میں عالم شہادت کو دیکھنے کی عادت ہے اور عالم غیب کی اسے آشنائی تک نہیں۔ اور شیخ کی صورت عالم شہادت میں ہے۔ جب ارادت کا پیوند مضبوط ہو جاتا ہے۔ تو اس کی توجہ شیخ کے دل کی طرف آسانی سے ہو جاتی ہے۔ اور شیخ کا دل بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور عالم غیب کی پرورش اسے حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے ہر لحظہ غیب سے شیخ کے دل میں فیض ربانی کے فیضان پہنچتے رہتے ہیں۔ پہلے پہل مرید کا دل اسی وسیلے سے غیب سے مدد حاصل کرنے کی عادت حاصل کرتا ہے۔ اور پرورش پاتا ہے۔ پھر ہوتے ہوتے فضل بے واسطہ کے فیض کی قبولیت کے لائق ہو جاتا ہے۔ "وسقٰھم ربھم شرابًا طھورا" (اور پلائی ان کو انکے پروردگار نے پاک شراب) ابتداء میں اگرچہ شراب تو یہی ہوتی ہے۔ لیکن ولایت شیخ کے جام میں دی جاتی ہے۔ "یسقون فیھا کاسًا کان مزاجھا زنجبیلا" (اس میں پیالے پیتے ہیں جن کی تاثیر اور ذائقہ سونٹھ (شراب) کا سا ہے) پھر حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے جام میں ساقی حق ہو بے واسطہ کی پاکیزہ شراب عنایت کرتا ہے۔ "وسقٰھم ربھم شرابًا طھورا" ۔ ے

زاں مے خوردم کہ روح پیمانۂ اوست — واں مست شدم کہ عقل دیوانۂ اوست

دودے بمن آمد آتشے درمن زد — زاں شمع کہ آفتاب پروانۂ اوست

ہمیشہ شیخ کی ہمت کو راستے کا رہنما اور بدرقہ سمجھے۔ اور جب کوئی مصیبت یا خوف درپیش آئے۔ یا کوئی ڈراؤنی اور بھیانک شکل نظر آئے۔ تو فوراً ولایت شیخ کی پناہ میں آئے۔ اور باطنی طور پر شیخ کے دل سے مدد طلب کرے۔ کیونکہ ولایت شیخ کی نظر اور دعا شیطانی اور نفسانی دونوں قسم کی آفتوں کو دور کر دیتی ہے ۔

آٹھویں۔ اعتراض کا ترک کرنا۔ نہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرے اور نہ شیخ پر۔ اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہ کرنے کی یہ وجہ ہے۔ کہ جو کچھ غیب سے انسان کو پہنچتا ہے۔ مثلاً قبض بسط۔ رنج وراحت صحت

بیماری۔ تنگی و فراخی سب مناسب حال ہوتا ہے۔ اس لئے اسے تسلیم کرے۔ اور حقتعالیٰ سے منہ نہ پھیرے۔ اور ثابت قدم رہے۔ رباعی

در دل چو شراب وصل میریزی ۔ بایدچو خمار گیرت نگریزی
با وصل منت اگر نشستے بائد ۔ باہر کہ نشستہ ترنگر برخیزی

اور شیخ پر اس کے قول فعل۔ حال اور صفت سے جو کچھ دیکھے۔ اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرے۔ اور اسکے ظاہری اور باطنی تصرفات کو تسلیم کرے۔ اور شیخ کے احوال کے معاملات کو ارادت کی نگاہ سے دیکھے۔ اور کوتہ بین عقل کی نظر کو تصرف میں نہ لائے۔ کیونکہ بڑی اعلےٰ شرط ولایت کا تسلیم کرنا ہے۔ جیسا کہ انڈے اور مرغ کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر انڈا ذرا بھی مرغ کے تصرف اور اسکی تسلیم کو چھوڑ دے۔ تو اس سے مرد کا ملنا بند ہو جاتا ہے اور مرغ ہونے کی خاصیت جو اسکو ہوتی ہے۔ فوراً جاتی رہتی ہے۔ نہ وہ انڈا ہی رہتا ہے۔ اور نہ ہی مرغ بنتا ہے۔ اور جو انڈا کسی مرغ کے تصرف میں رہ کر گندہ ہو جائے۔ تو اسے جہان بھر کے مرغ بھی ٹھیک نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اگر مرید ولایت شیخ کا مردود ہو جائے تو مشائخ میں سے کوئی بھی اسکو کمال تک نہیں پہنچا سکتا۔ اور وہ سارے مشائخ کی ولایت کا مردود ہو جاتا ہے۔ مگر جو مرید کسی خاص عذر کے سبب شیخ سے رہ جائے۔ وہ جس کا دامن پکڑیگا۔ اسی سے ولایت کے درجے کو پہنچ جائیگا۔ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ وہ شیخ کی خدمت میں پہنچنے اور اس سے فائدہ اٹھانے سے اس وجہ سے معذور ہو۔ کہ شیخ وفات پا گیا ہے یا دور کا سفر ہے۔ کہ مرید وہاں پر نہیں پہنچ سکتا۔ جب ان عذروں کے سبب دوسرے شیخ کی خدمت میں شامل ہوگا۔ اور معذور ہوگا۔ تو ممکن ہے۔ کہ نئے شیخ کی دعا سے مرغ ہونیکے مقام تک پہنچا دے۔ اس واسطے کہ مرید کے وجود کا انڈا مرغیت کی استعداد کیلئے بہ سبب رد کرنے کسی صاحب ولایت کے خراب نہیں ہو گیا ہے۔ خلوت کے آداب بہت سے ہیں۔ مگر شرطیں آٹھ ہی تھیں۔ جو اوپر بیان ہو چکی ہیں +

خلوت کے آداب ۔ کھانا تھوڑا کھانا۔ نہ اس قدر کہ کمزوری ہو جائے۔ اس قدر کھانا چاہیئے جس سے ذکر کرنے کی قوت حاصل ہو سکے۔ مثلاً سو درم یا ڈیڑھ سو درم یا زیادہ سے زیادہ دو سو درم کھائے۔ اور ہر شخص مزاج کی قوت اور بھوک کے مطابق اس مقدار سے کم و بیش کر سکتا ہے۔ لیکن اتنا ہونا چاہیئے۔ کہ رات کو پیٹ بوجھل نہ ہو جائے۔ تاکہ نیند

اس پر غالب آسکے۔ اور کمی بیشی کے سبب ذکر کرنے سے باز رہ جائے۔ اور جس قدر کھائے ذکر اور حضوری دل سے کھائے۔ اور چھوٹے لقمے اٹھائے۔ حرص اور لالچ سے نہ کھائے کھاتے وقت دل میں ذکر کرتا جائے۔ تاکہ ذکر کی برکت سے طعام کی شہوت کی تاریکی دور ہوتی جائے۔ اور جب سیر ہو جائے۔ تو ہاتھ اٹھائے۔ تاکہ اسراف نہ پایا جائے۔ طعام میں تکلف نہ کرے۔ تاکہ لذیذ نہ ہو جائے۔ گوشت سے بہت پرہیز کرے۔ اور بالکل بھی نہ چھوڑ دے۔ اگر ہفتے میں ایک یا دو مرتبہ کھائے۔ تو ہر مرتبہ پچاس درم جائز ہے اگر اس سے زیادہ کریگا۔ تو گویا لڑائی کے لئے کھانا تیار کرتا ہے۔ کم سونے کی کوشش کرے اور جہاں تک ہو سکے خود پہلو کے بل زمین پر نہ بیٹھے۔ تاوقتیکہ نیند غلبہ کر کے اسے لٹا دے جب اسے ہوش آئے تو پھر سنبھلے اور اٹھ کر وضو تازہ کرے۔ اور دو رکعت نماز ادا کر کے ذکر میں مشغول ہو جائے۔ اگر بہت ہی تھک جائے۔ اور بیٹھا نہ جائے۔ تو ایک گھڑی پہلو کے بل لیٹ جائے۔ یا سر گھٹنوں پر رکھ کر سو جائے۔ تاکہ اس کی طبیعت سے ملال اور رحم سے کندی جاتی رہے۔ اور جس وقت زبان ذکر کرنے سے رہ جائے۔ تو ایک گھڑی دل کو ذکر میں مشغول رکھے۔ اور دل کی نگہبانی کرتا رہے۔ اور اس بات کا منتظر رہے۔ کہ اب کیا دکھائی دیتا ہے۔ اور ڈراونی آواز یا بھیانک صورت سے جو سنے یا دیکھے بالکل نہ ڈرے۔ اور دل کو مضبوط رکھکر فوراً ولایت شیخ کی پناہ میں آئے۔ اور شیخ کا نام زبان سے لے۔ اور اس کی ہمت سے مدد طلب کرے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے اس کو دور کر دے۔ اور جس وقت وضو۔ نماز یا جماعت یا جمعہ کی نماز کے لئے باہر نکلے چاہئے کہ نگاہ سامنے رکھے۔ اور ادھر ادھر نہ دیکھے۔ اور دل اور زبان کو ذکر میں مشغول رکھے۔ تاکہ خیالات پراگندہ نہ ہو جائیں۔ وصلے اللہ علی محمد وآلہ وسلم +

فصل - ۱۶

{بعض غیبی واقعات اور خواب اور واقعہ کے فرق کے بیان میں}

اللہ تعالیٰ جلشانہ فرماتا ہے "اِنِّی رَأَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَیْتُهُمْ لِی سَاجِدِیْنَ" (حضرت یوسف علیہ السلام اپنا خواب اپنے والد بزرگوار حضرت یعقوب علیہ السلام کے روبرو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں) کہ "میں نے گیارہ ستاروں سورج اور چاند کو دیکھا۔ کہ

مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔" اور پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "الرویاء الصالحۃ جزء من ستۃ و اربعین جزء من النبوۃ" (نیک خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتا ہے)
واضح ہے۔ کہ جب سالک نفس کی ریاضت اور مجاہدہ اور دل کا تصفیہ شروع کرتا ہے۔ تو اسے ملک اور ملکوت پر عبور اور سلوک حاصل ہوتا ہے۔ اور ہر مقام میں اس کے حال کے مناسب واقعات کا کشف ہوتا ہے۔ کبھی تو نیک خواب کی صورت میں اور کبھی غیبی واقعہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس گروہ کی رائے میں واقعہ اور خواب میں دو طرح کا فرق ہے۔ ایک ظاہری دوسرا حقیقی۔ ظاہر میں واقعہ تو اس بات کا نام ہے۔ کہ خواب میں دیکھے یا ظاہر میں یا بالکل ظاہر میں۔ حقیقی طور پر واقعہ اسے کہتے ہیں۔ کہ خیال کے حجاب سے غیبی صرف ہو گیا ہو۔ چنانچہ روح جب بشری صفات سے تجرد حاصل کرتا ہے۔ تو اسے اس کا ادراک حاصل ہوتا ہے۔ روحانی واقعہ مطلوب ہوتا ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نظر کو الٰہیت کے نور سے مدد ملجاتی ہے۔ اور اس قسم کا واقعہ محض ربانی ہوتا ہے۔

"المومن ینظر بنور اللہ" (مومن اللہ تعالیٰ کے نور کے ذریعے دیکھتا ہے)۔

خواب یہ ہے۔ کہ حواس بالکل کام سے رہ جائیں۔ اور خیال کام میں لگا ہوا ہو۔ اور حواس کی مغلوبی اور غلبات میں کوئی چیز خیال کی نظر میں آئے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خواب پریشان جس میں نفس خیال کے اوزار سے شیطانی وسوسوں اور نفسانی خیالات کا جو نفس اور شیطان کے القاء سے ہوتے ہیں۔ ادراک کرتا ہے۔ اور خیال اس کی مناسب نقشبندی کرتا ہے۔ اور نفس کی نظر کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اس قسم کے خواب کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔ دوسرے نیک خواب جسے رویائے صالحہ کہتے ہیں پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ بعض آئمہ نے اسکی تفسیر یوں فرمائی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے تیئس ۲۳ سال نبوت کی جن میں سے پہلے چھ مہینوں میں وحی خواب میں نازل ہوا کرتی تھی۔ اس حساب سے رویائے صالحہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتا ہے۔ اور بہت سے انبیاء علیہم السلام ایسے گذرے ہیں۔ جن پر کبھی خواب میں وحی نازل ہوتی۔ اور کبھی بیداری کی حالت میں۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام پر خواب میں وحی نازل ہوئی۔ کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر۔ "انی رایت فی المنام انی اذبحک" (میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں) یہ اس بات کی دلیل ہے۔ کہ وہ وحی تھی۔ کہ جناب کا

فرزند کہتا تھا۔ " یا ابت افعل ما تؤمر " (اے والد بزرگوار! جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے اسی طرح کرو) پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ " نوم الانبیاء وحی " انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے) اور آنحضرت پر بیداری کی حالت میں وحی نازل ہوئی۔ " فخذ اربعۃ من الطیر فصرھن الیک " (چار پرندے لیکر اپنے پاس انہیں بلا) +

سچے خواب کی تین قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ جو کچھ دیکھے اسکی تعبیر اور تاویل کی ضرورت نہ پڑے۔ بلکہ اسی طرح ظاہر ہو جائے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب۔ " انی اری فی المنام انی اذبحک "۔ دوسرے یہ کہ بعض حصوں کی تاویل یا تعبیر کرنی پڑے۔ اور بعض نہ کرنی پڑے۔ جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ خواب " انی رایت احد عشر کوکبا و الشمس و القمر رایتھم لی ساجدین " (گیارہ ستارے۔ سورج اور چاند کی تاویل گیارہ بھائیوں۔ باپ اور ماں سے کرنی پڑی۔ لیکن سجدہ بعینہ ظاہر ہو گیا جیسا کہ " خروا لہ ساجدین " (اسے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑے) سے ظاہر ہے۔ تیسرے یہ کہ سارے کا سارا تاویل کا محتاج ہو۔ جیسے مصر کے بادشاہ کا یہ خواب کہ " انی اری سبع بقرات سمان یاکلھن سبع عجاف .... الخ " (خواب میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ سات دبلی پتلی گائیں سات موٹی تازی گاؤں کو کھا رہی ہیں) تاویل کا محتاج تھا۔ اور اسی طرح قیدخانے والوں کا خواب " یا صاحبی السجن اما احدکما فیسقی ربہ خمرا واما الاخر فیصلب فتاکل الطیر من راسہ " (اے یاران مجلس! تم میں سے ایک جس نے انگور کے شیرے کا نچوڑنا دیکھا ہے۔ وہ تو بدستور اپنے آقا کا ساقی بنا رہیگا۔ اور اسکو شراب پلائیگا۔ اور دوسرا سولی دیا جائیگا۔ اور پرند اس کا سر نوچ نوچ کر کھائینگے) تاویل کا محتاج تھا +

حقیقت میں سچا خواب کوئی ایسا خواب نہیں ہوتا۔ کہ اسکی تاویل بالکل ہی ٹھیک نکلے۔ یا اس کا اثر ضرور ظاہر ہو جائے۔ کیونکہ یہ خواب مومن کو بھی آتا ہے۔ اور کافر کو بھی۔ جیسا کہ مصر کے بادشاہ اور قیدیوں کا خواب۔ اور یہ نفس کی نظر سے نور الٰہی کی تائید کے بغیر نور روح کی تاویل سے ہوتا ہے۔ لیکن جو نور الٰہی سے موید ہوتا ہے۔ وہ مومن۔ ولی یا نبی کے سوا کسی کو نہیں ہوتا۔ کیونکہ سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتا ہے۔ ان معنوں کی تاکید اس بات سے ہوتی ہے۔ کہ خواجہ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ " لم یبق من النبوۃ

الا المبشرات یراھا المومن او یری لہ" نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہیگا۔ مگر وہ خوشخبریاں جنہیں مومن دیکھتا ہے۔ یا اس کے لئے دیکھی جائیں۔ پس مبشرات کا حوالہ مومن سے کیا ہے اس سے صاف پایا جاتا ہے۔ کہ کافر کو بھی کبھی نصیب نہیں ہوتا۔ مصنف کتاب علیہ الرحمۃ رویار کی دو قسمیں کرتا ہے۔ اول رویائے صالح دوم رویائے صادق۔ صالح تو وہ ہے جو مومن ولی یا نبی دیکھے۔ اور یا تو بعینہٖ ظاہر ہو جائے یا اس کی تاویل درست ہوسکے۔ اور وہ حق کا دکھلایا ہوا ہو۔ اور رویائے صادق وہ ہے جس کی تاویل درست ہو۔ اور ممکن ہے کہ ویسا ہی ظہور میں آجائے۔ لیکن وہ روح کی نمائش ہوتی ہے۔ اور اس قسم کا خواب مسلمان اور کافر دونوں کو آتا ہے ٭

اسی طرح واقع کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس میں احتمال کی گنجائش ہو۔ اس قسم کا اکثر راہبوں۔ فلسفیوں۔ برہمنوں اور دوسرے بے دینوں کو بہ سبب کثرت ریاضت۔ تزکیہ نفس تصفیہ دل اور تربیت روح کے ہوتا ہے۔ ممکن ہے۔ انہیں اُن باتوں کا کشف بھی ہو۔ جنہیں عوام الناس مغیبات کہتے ہیں۔ مثلاً لوگوں کے احوال سے واقف ہونا۔ اور بعض دنیا وی کاموں کی قبل از وقت خبر دینا۔ نیز واقعہ کبھی بیداری کی حالت میں اور کبھی خواب کی حالت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ ریاضات کی کثرت سے روحانی غلبات ظاہر ہوتے ہیں۔ اور بہت سی حیوانی اور ڈھورڈ انگروں کی صفات محو ہو جاتی ہیں۔ اور روح کو زندگی کے حجابوں سے قدرے خلاصی ہو جاتی ہے۔ اور تجلیے بیں آ: ہے۔ اور روحانیت کے انوار ان کی نظروں میں مکشوف ہوتے ہیں۔ لیکن انہیں انکے سبب کوئی قرب یا قبولیت حاصل نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی یہ انکی نجات کا سبب ہوتے ہیں۔ بلکہ الٹے ان کے غلو و مباہات کا باعث ہو جاتے ہیں۔ اور کفر اور گمراہی اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور استدراج کا وسیلہ ہو جاتے ہیں۔ اور ہر گھڑی غرور اور گمان کے سبب نئی شرارت کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ " سنستدرجھم من حیث لا یعلمون واملی لھم ان کیدی متین " عنقریب ہی ہم انہیں اس طرح کا استدراج دینگے۔ کہ انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ اور نیز ہم انہیں مہلت دینگے بے شک میرا داؤ پکا ہے ٭

دوم واقع یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ جہان کے آئینے اور جمال کے نفوس میں ظاہر النشانات مواحدوں کی نظر کے پیش کرتا ہے۔ " سنریھم اٰیاتنا فی الاٰفاق و فی انفسھم حتیٰ یتبین

لهم انہ الحق" (عنقریب ہم اپنی نشانیاں جہان میں انہیں دکھائینگے - اور نیز ان کی جانوں میں یہاں تک کہ ان پر صاف طور پر ظاہر ہو جائیگا - کہ وہ حق ہے) یہ واقعہ موحدوں کے لئے ظہور حق کا سبب ہوتا ہے - اور ربانی الہام سے ہوتا ہے - کیونکہ اس میں بدکاری - یا پرہیزگاری کی پہچان کے لئے نفس سالک کے دل کے ہمراہ ہوتا ہے - حواس کی مغلوبی کی حالت میں دل کی نظر بمعہ روح ان الہامات کی صورت پر پڑتی ہے - جن کی خیال نے مناسب نقشبندی کردی ہو - یہاں تک کہ تصرف خیال کے بغیر ہی ان الہامات کی حقیقت پر نظر پڑنے لگتی ہے - اور سالک کو نفس کی سنوار بگاڑ اور اپنی قوت اور نقصان پر اطلاع ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ونفس وما سوٰیھا فالھمھا فجورھا وتقوٰیھا" (اور انسان اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو ایسا درست بنایا - پھر اسکی بدکاری اور پرہیزگاری دونوں باتیں اسے سمجھا دیں) - اور جس طرح وہاں پر مشرک کے لئے استدراج کا سبب اور کفر کی زیادتی کا باعث تھا - اسی طرح یہاں پر موحد کے لئے کرامات کا سبب اور زیادتی ایمان کا باعث ہو جاتا ہے "ھو اللہ انزل السکینۃ فی قلوب المومنین لیزدادوا ایمانًا مع ایمانھم" (وہ پاک ذات ہے - جس نے مومنوں کے دلوں کو تسکین عنایت فرمائی - جس کے سبب انکے ایمانوں کو تقویت اور زیادتی حاصل ہوتی) *

مشرک اور موحد کے واقعہ میں یہ فرق ہے - کہ مشرک تو شرک اور دوگانگی کے پردے میں محجوب ہے - اسے صفات احدیت کے انوار کے مشاہدوں کی ہرگز اطلاع ہی نہیں ہوتی - اور نہ ہی انسانی ہستی سے عہدہ برا ہو سکتا ہے - اور یہ بات علم الیقین کے بعد عین الیقین سے بہت سے مختلف گروہوں کے مدعیوں کے احوال سے مشاہدہ ہوئی ہے - اور ان کے حالات بذریعہ مباحثہ تحقیق ہو گئے ہیں - لیکن موحد واحدانیت کے نور کے سبب شرکت کے حجابوں کی تاریکی سے خلاصی پا جاتا ہے - اور انسانیت کی دوگانگت کو صفات احدیت کی تجلی میں محو کر دیتا ہے "اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور" (اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے - جو ایمان لاتے ہیں - اور انہیں تاریکی سے نکال نور کی طرف لیجاتا ہے -) اور عالم وحدانیت کے انوار کے ظہور میں مقام وحدت سے بہرہ ور ہوتا ہے - اور خودی اور غرور کی شرکت سے خلاصی پا جاتا ہے ○

من و تو رفتہ و خدا ماندہ　　کے بود ما ز ما جدا ماندہ
است جلنید گر انا الحق گفت　　پس زبانے کہ راز مطلق گفت

واضح رہے۔ کہ سالک کو واقعات کے کشف ہونے سے تین فائدے ہیں:۔

اول یہ کہ اسے اپنے احوال کی زیادتی یا نقصان اور سیر۔ وقفہ۔ سستی۔ وجد۔ شوق۔ فسردگی پہنچنے اور رہ جانے کی اطلاع ہو جاتی ہے۔ اور منازل۔ مقامات۔ درجات کی کمی۔ بلندی۔ پستی۔ سچ اور جھوٹ سے باخبر ہو جاتا ہے۔ اس واسطے کہ خیال ان میں سے ہر ایک کی مناسب نقشبندی کر کے سالک کو تمام نفسانی۔ حیوانی۔ سبعی۔ شیطانی۔ ملکی۔ دِلی۔ روحی اور رحمانی واقعات کی واقفیت دلاتا ہے۔ یعنی اگر حرص۔ حسد۔ لالچ۔ بخل۔ دلی کینہ۔ تکبر۔ غضب اور شہوت وغیرہ بری صفات اس پر غالب ہوں۔ تو خیال ان میں سے ہر ایک کو اس حیوان کی صورت میں جس میں وہ صفت کثرت سے پائی جاتی ہے نقشبندی کرتا ہے مثلاً حرص کی صفت کو چوہے اور چیونٹی کی صورت میں۔ لالچ کی صفت کو سؤر اور ریچھ کی صورت میں۔ بخل کی صفت کو کتے کی صفت میں۔ عداوت کی صفت کو سانپ کی صورت میں۔ تکبر کی صفت کو چیتے کی صورت میں۔ غضب کی صورت کو تیندوے کی صورت میں بھی صفت کو بھیڑ کی صورت میں۔ اور شہوت کی صفت کو دراز گوش کی صورت میں۔ اور اگر درندوں کی صفات اس پر غالب ہوں۔ تو اسے ہر قسم کے درندے دکھلاتا ہے۔ اور اگر شیطنت کی صفت اس پر غالب ہو تو اسے شیطانوں مردودوں اور چھلاووں کی صورت میں دکھلائی دیتا ہے۔ اور اگر مکر۔ بے وفائی۔ دغا اور فریب کی صفت غالب ہو۔ تو لومڑ۔ خرگوش اور گیدڑ کی شکل اسے دکھائی دیتی ہے۔ اگر ان کو اپنے اوپر غالب سمجھے۔ تو جان لے۔ کہ گویا وہ صفات ہی مجھ پر غالب ہیں۔ اور اگر ان کو مغلوب اور مسخر دیکھے۔ تو جان لے۔ کہ ان صفات پر وہ قادر اور غالب ہے۔ اور اگر دیکھے۔ کہ وہ ان جانوروں کو مارتا ہے۔ اور ان پر زبردستی کرتا ہے۔ تو جان لے کہ ان صفات سے وہ باز آجائیگا۔ اور خلاصی پا جائیگا۔ اگر دیکھے۔ کہ ان جانوروں کی صورتیں دوسرے جانوروں کی صورتوں میں تبدیل ہو رہی ہیں۔ تو سمجھ لے۔ کہ ان صفات میں بھی تبدیلی آجائیگی۔ اور اگر ان سے لڑائی جھگڑا کرے۔ تو سمجھ لے۔ کہ دشمنی اور مکر میں ہے۔ غافل نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی ان کے زخم سے بے خوف رہنا چاہیئے۔ اور اگر بہتا ہوا صاف پانی۔ چشمے۔

حوض ۔ تالاب ۔ دریا ۔ خوشنما سبزے ۔ باغ ۔ باغیچے ۔ محل ۔ صاف پانی ۔ نفیس جواہرات ۔ عمدہ موتی ۔ چاند ستارے ۔ اور صاف آسمان دیکھے ۔ تو یہ اسکے دلی مقامات پر دال ہیں ۔ اور بے انتہا انوار اور لاانتہا عالم ۔ اڑنا ۔ بلندی پر پہنچنا ۔ زمین و آسمان کو طے کرنا ۔ ہوا میں چلنا ۔ عالم بیرنگی و بیچونی کا مشاہدہ کرنا ۔ معانی اور علم لدنی کا کشف ہونا ۔ بغیر آلات کے ادراکات کا حاصل ہونا ۔ جسمانیت سے تجرد اور روحانیت کی تجلّے یہ سب کچھ روحانی صفات کے سبب اور روح کی نمائش کی وجہ سے ہوتا ہے ۔ اور ملکوت کا مطالعہ ۔ ملائکہ کا دیکھنا ۔ غیبی فرشتوں کا مشاہدہ بہشت و دوزخ کا سامنے آنا ۔ آسمانوں ۔ ستاروں ۔ عرش اور کرسی کو دیکھنا ۔ اور چیزوں کے ملکوت کا دکھائی دینا ۔ سب ملکی صفات کے سلوک سے ہوتا ہے ۔ اور نیک صفات کے حاصل ہونے پر دلالت کرتا ہے ۔ اور اگر غیب الغیب انوار کے مشاہدے میں پڑ جائے ۔ اور صفات الوہیت کے مکاشفات حاصل ہوں ۔ اور الہام ۔ اشارہ ۔ مکالمہ ۔ اور صفات ربوبیت کی تجلیات ظاہر ہوں ۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے ۔ کہ سالک فنا و بقا ۔ وصول الی اللہ ۔ اور تخلق باخلاق اللہ کے مقام میں ہے ۔ یہ جو اوپر بیان ہوا ہے ۔ صرف تھوڑا تھوڑا اشارۃً بیان ہوا ہے ۔ باقی کو اسی طرح پر قیاس کر لو ۔

دوم ۔ دوسرا فائدہ یہ ہے ۔ کہ دلی ۔ روحی ۔ اور ملکی واقعات کا رزق بہت عمدگی سے اسے حاصل ہوتا ہے ۔ اور اس سے نفس کو بھی ذوق ۔ شوق اور ایک قسم کی قوت حاصل ہوتی ہے ۔ جس کے سبب نفس کو خلقت سے میل جول اور محبت کرنے ۔ اور دل لبھانیوالی چیزوں ۔ ظاہری اور نفسانی لذت بخش چیزوں ۔ اور حیوانی اور جسمانی خواہشات سے نفرت ہو جاتی ہے ۔ اور روحانی مکاشفوں اور غیب کی باتوں ۔ انوار غیبی کے مشاہدوں اور بارگاہ الٰہی کے حقائق ۔ لطائف ۔ اسرار اور معانی کا اُنس اس میں آجاتا ہے ۔ اور ہمہ تن عالم طلب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے ۔ اور پھر عالم غیب اس کا مشرب بن جاتا ہے ۔ "قد علم کل اناس مشربھم" (ہر آدمی نے اپنا گھاٹ پہچان لیا) حقیقت میں طریقت کے بچوں کی پرورش واقعات غیبی کے دودھ بغیر ہو نہیں سکتی ۔ اور طلب کی جان کی غذا صرف واقعات غیبی کے معنوں کی صورت سے ہو سکتی ہے ۔ مثلاً ایک شخص خواجہ امام یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تعجب کے طور پر اس بات کا ذکر کر رہا تھا ۔ کہ ایک مرتبہ میں شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں خانقاہ کے دسترخوان پر مع اصحاب کھانا کھا رہا تھا ۔ کہ اسی اثناء میں

شیخ صاحب از خود غائب ہو گئے۔ اور جب ایک گھڑی بعد ہوش میں آئے۔ تو فرمایا۔ کہ اس وقت کیا دیکھتا ہوں۔ کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم خود دست مبارک سے میرے منہ میں لقمے دے رہے ہیں۔ یہ سُن کر خواجہ امام یوسف ہمدانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ "تلک خیالات تربی بھا اطفال الطریقۃ" "یہ خیالات ہیں جن سے طریقت کے بچوں کی پرورش ہوتی ہے"

سوم۔ تیسرے یہ فائدہ ہے۔ کہ اس راہ کے بعض مقامات سے واقعات غیبی کے تصرف بغیر عبور حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور پیغمبر اور شیخ کی ضرورت میں بڑا رکن یہی ہے۔ تاکہ سالک اپنے وجود کی سیر کرے۔ اور اس کا سلوک نفس دل اور روح کی صفات میں ہو۔ یہ ممکن ہے۔ کہ غیر کی ضرورت نہ پڑے۔ لیکن پھر بھی جب روحانیت کی سرحد پر پہنچتا ہے۔ تو پھر وہاں سے از خود نہیں گذر سکتا۔ اس واسطے کہ جو تصرف سالک خود کرتا ہے۔ اس سے ایک اور ہی ہستی ظاہر ہوتی ہے۔ اسکے لئے اسکے بعد نیستی کا مقام ہے جو غیر کے تصرف بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ پس وہ واقعات جو ولایت شیخ کے فیض سے آتے ہیں۔ یا نبوت کی بارگاہ سے یا صفات خدا کی تجلیات سے آتے ہیں۔ وہ فنا بخش ہوتے ہیں۔ اور جب تک حقیقی فناء حاصل نہیں ہوتی۔ تب تک حقیقی بقا جو کہ سلوک کا لب لباب اور علت غائی ہے۔ حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور جب تک حقیقی فنا حاصل نہیں ہوتی۔ تب تک حقیقی بقاء جو کہ سلوک کا لب لباب اور علت غائی ہے۔ حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد واقعات کا دوسرا پہلو جو کشف مشاہدے۔ تجلی اور وصول کے متعلق ہے۔ انشاء اللہ الگ الگ ایک ایک فصل میں اپنے اپنے مقام پر بیان کیا جائیگا۔ وصلی اللہ علے محمد و آلہ وسلم

فصل ۔ ۱۷

{ انوار کے مشاہدات اور انکے مراتب کے بیان میں }

اللہ تعالیٰ جلشانہٗ فرماتا ہے۔ " ما کذب الفواد ما رای افتمارونہٗ علی ما یریٰ ولقد راٰہ نزلتہ اخریٰ"۔ (پیغمبر نے جو کچھ دیکھا۔ اس میں اُنہوں نے جھوٹ نہیں ملایا۔ پیغمبر جو جبرائیلؑ کو دیکھا کرتے ہیں۔ تو کیا تم لوگ ان سے اِس بات پر جھگڑتے ہو۔ حالانکہ جھگڑنے کی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ اُنہوں نے تو معراج کے وقت سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جہاں نیک بندوں کے رہنے کی جگہ بہشت ہے۔ جبرائیل کو ایک دفعہ اور بھی اصلی صورت میں اپنے پاس آیا دیکھا تھا)

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ" (احسان اس بات کا نام ہے۔ کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے۔ گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے)۔
واضح رہے کہ جب دل کا آئینہ آہستہ آہستہ لاالہ الا اللہ کی ولایت کے تصرف سے صاف ہو جاتا ہے۔ اور طبیعت کا زنگار اور صفات بشریت کی تاریکی اس سے ہٹ جاتی ہے "ان لکل شئ صقالتہ وصقالتہ القلوب ذکر اللہ" (بیشک ہر چیز کو صیقل کرنیوالی ایک خاص شئے ہوتی ہے۔ اور دلوں کو صاف کرنے والی چیز الٰہی ذکر ہے)۔ تو پھر غیبی انوار کو قبول کرنے لگتا ہے۔ اور سالک دلی صفائی اور انوار کے ظہور کے مطابق ان انوار کے مشاہدے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اور ابتدائے حال میں یہ انوار زیادہ تر برق۔ چمک۔ روشنی۔ کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔ اور برق کی چمک کے لئے ہزارہا طرح کے شوق دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور جوں جوں دلی صفائی بڑھتی جاتی ہے۔ توں توں انوار بھی بڑی قوت سے اس پہ زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ برق اور چمک وغیرہ کے بعد دوسرے درجے پہ پھر چراغ۔ شمع۔ مشعل۔ اور جلتی ہوئی آگ کی طرح انوار کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ جو علوی انوار ہوتے ہیں۔ وہ ابتدا میں چھوٹے بڑے ستاروں مثلاً چاند وغیرہ کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اس کے بعد پھر سورج کی طرح اور بعد ازاں محال سے مجرد انوار ظاہر ہوتے ہیں۔ ان تمام کی شرح تو بہت لمبی چوڑی ہے۔ البتہ ان میں سے کچھ کچھ ذکر کیا جائیگا +
واضح رہے۔ کہ انوار کے پیدا ہونے کی جگہیں مختلف ہیں۔ مثلاً سالک کی روحانیت۔ شیخ کی ولایت پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت۔ انبیاء علیہم السلام کی ارواح۔ اولیاء اور مشائخ علیہم الرحمۃ کی ارواح۔ حضرت عزت۔ لاالہ الا اللہ کا ذکر۔ مختلف اذکار۔ قرآن۔ ایمان۔ احسان۔ اسلام۔ اور طرح طرح کی عبادتیں اور فرمانبرداریاں۔ ان میں سے ہر ایک کا ایک خاص نور ہے۔ اور ہر ایک سے ایک خاص قسم کا نور ظہور میں آتا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کے نور کا ذوق اور رنگ خاص ہی قسم کا ہے۔ جب انوار پورے طور پہ پردول سے باہر نکلتے ہیں۔ تو خیال کا تصرف ان میں باقی نہیں رہتا۔ رنگ بھی دور ہو جاتے ہیں۔ اور بغیر رنگ۔ صورت۔ مکان۔ شکل۔ ہستی اور کیفیت کے مشاہدے میں آتے ہیں۔ اور نور مطلق وہ نور ہے۔ جو ان سب سے پاک اور منزہ ہو۔ اور انوار جو مختلف رنگوں اور شکلوں میں نمودار ہوتے ہیں یہ محض صفات بشری کی آلائش کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ روحانی

نظر خیال کے پردے کے پیچھے سے ان کا ادراک کرتی ہے۔ اور جب محض روحانیت سے واسطہ پڑتا ہے اور خیال کے حجابوں سے نکل جاتے ہیں تو یہ صفت بھی کوئی نہیں رہتی پھر بے رنگ و شکل کے ظاہر ہوتے ہیں اور اس بات کی شرح کہ مختلف انوار کس کس مقام سے مشاہدے میں آتے ہیں اس مختصر سی کتاب کی گنجائش کے موافق سن لیجئے گا۔

واضح رہے۔ کہ جو کچھ بروق کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ وہ کبھی تو ذکر کا نور ہوتا ہے۔ اور کبھی اس طرح پر ہوتا ہے۔ کہ انوار روح کے غلبے کی وجہ سے صفات بشری کے حجاب بادلوں کی طرح پھٹ جاتے ہیں۔ اور روحانیت کا پرتو بجلی کی کوندی کی صورت میں مشاہدے میں آتا ہے۔ اور لوامع ذکر کے نور کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اور نیز وضو کے نور سے بھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے۔ کہ شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید جب وضو کر کے خلوت خانے میں گیا۔ تو نور کی چمک اسے دکھائی دی۔ فوراً نعرہ مار کر باہر نکل آیا اور کہنے لگا۔ کہ میں نے اللہ تعالٰے کو دیکھا ہے۔ شیخ صاحب نے جب احوال دریافت کئے۔ تو فرمایا۔ اے نا تجربہ کار! وہ تیرے وضو کا نور تھا۔ بھلا ابھی تو کہاں اور وہ بارگاہ کہاں! اور لوائح نماز۔ اسلام اور ایمان کے نور کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔ اور بروق لوامع اور لوائح کا باہمی فرق یہ ہے۔ کہ بروق برق کی طرح ہوتے ہیں۔ کوند کر جلدی رہ جاتے ہیں۔ اور لوامع میں چمک پے در پے ہوتی ہے۔ لیکن یہ بھی تھوڑی دیر تک رہ کر بس ہو جاتے ہیں۔ اور لوائح آفتاب کی اس روشنی کی طرح ہوتے ہیں۔ جو پانی یا آئینے سے منعکس ہو کر کسی مقام پر پڑتی ہے۔ اور تھوڑی دیر تک رہتی ہے۔ اور پھر چھپ جاتی ہے۔ پس نماز یا قرآن یا اسلام یا ایمان کے نور کا عکس دل کے آئینے پر پڑتا ہے۔ اور اس سے لوائح پیدا ہوتے ہیں۔ اور اخلاص نیت اور دلی آئینے کی صفائی کے مطابق ان لوائح میں نورانیت اور ذوق کم و بیش ہوتا ہے +

لیکن وہ نور جو چراغ۔ شمع۔ اور مشعل وغیرہ کی صورت میں دکھائی دیتا ہے۔ وہ یا تو ولایت شیخ سے اقتباس کیا ہوا ہوتا ہے یا نبوۃ سے " وسراجاً منیرا " اور یا علوم کے استفادہ سے یا قرآنی نور سے یا ایمانی نور سے اور وہ چراغ اور شمع دراصل دلی چراغ اور شمع ہوتے ہیں۔ جو اس قدر نور سے منور ہوتے ہیں۔ جن مقامات نور کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ ان میں اگر قندیل کی صورت میں نمودار ہو۔ تو وہ احسان کے مقام کے موافق جو دل میں ظاہر ہوا ہو۔ اس نورانیت کے مطابق عرفان کا نور ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالٰی نے بھی نور معرفت کی مثال اسی سے دی ہے

"مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح" (اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے قندیل میں چراغ) اور جو کچھ علویات مثلاً ستاروں۔ چاند۔ اور سورج کی صُورت میں دیکھتا ہے۔ یہ روحانیت کے انوار ہوتے ہیں۔ جو دل کے آسمان پر اس کی صفائی کے موافق ظاہر ہوتے ہیں۔ جب دِل کا آئینہ ستارے کے موافق صاف ہو۔ تو روحانی نور ستارے کے موافق ظاہر ہوتا ہے۔ اور اسے آسمان پر ستارہ دکھائی دیتا ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ بے آسمان کے بھی دکھائی دیتا ہے۔ آسمان دِل کا جسم ہوتا ہے۔ اور ستارہ رُوح کا نور۔ یہ ستارہ دِل کی صفائی کے مطابق چھوٹا۔ بڑا یا تھوڑا بہت آسمان پر دکھائی دیتا ہے اور اگر بغیر آسمان کے ستارے دکھلائی دیں۔ تو وہ یا تو ولی نور کا عکس ہے یا عقلی نور کا۔ یا ایمانی نور کا جو سینے کے خلا کی صفائی پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ نفس ایسا صاف اور پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ کہ آسمان کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ اور دِل اس میں چاند کی طرح نظر آتا ہے۔ اس حالت میں اگر دل کا آئینہ سارے کا سارا صاف ہے تو چاند بھی پورا دکھائی دیتا ہے۔ اور اگر اس میں کسی قسم کی کدورت باقی ہے۔ تو چاند بھی پورا دکھائی نہیں دیتا۔ اور جب دِل کا آئینہ بدرجہ کمال صاف ہوتا ہے۔ اور نور روح کو قبول کرتا ہے۔ تو آفتاب کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ اس حالت میں جتنی صفائی زیادہ ہو گی اتنا ہی سورج زیادہ چمکدار دکھائی دیگا۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آئے گا۔ کہ سُورج سے ہزار گُنا چمکیلی صُورت نظر آئیگی۔ اور اگر چاند سورج اکٹھے ایک ہی مرتبہ دکھائی دیں۔ تو چاند دِل ہو گا۔ جو روحانی نور کے عکس سے منور ہو گا۔ اور سورج روح کا جو دکھائی تو دیگا لیکن ایسی حالت میں کہ وہ پردے کے پیچھے سے نکل رہا ہو۔ اور خیال نے سورج کی صورت میں اس کی مناسب نقشبندی کی ہو۔ یعنی جس طرح عالم کبریٰ خورشید کے نور سے منور ہے۔ اور اس کے نور کا اثر سارے جہان کو پہنچتا ہے۔ اسی طرح عالم صغرے جو انسان کا قالب ہے۔ رُوح کے نور سے منور ہے۔ اور اس کے نور کا اثر سارے اعضاء کو پہنچتا ہے اور ان میں حس و حرکت ظاہر ہوتی ہے۔ پس خیال نے اس مناسبت سے سُورج کی صورت کی روح کی حقیقت کے موافق نقشبندی کی۔ نہیں تو روحانی نور تو بے رنگ اور بے صورت ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ سورج۔ چاند۔ اور ستارے کسی حوض۔ دریا۔ ندی کنوئیں اور آئینے میں دکھلائی دیتے ہیں۔ یہ تمام صُورتیں روحانیت کے انوار کی وجہ سے ظہور میں

آتی ہیں۔ اور یہ دل کے مختلف مقامات ہوتے ہیں۔ جن کی نقشبندی خیال اس طرح کرتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ ایمان۔ اطاعت۔ تسبیح۔ اور ذکر کے انوار کے سبب سے ہوتا ہے۔ اور دل میں اسی قسم کی صورت مشاہدے میں آتی ہے۔ اور اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے انوار کا پرتو "من تقرب الیّ شبراً تقربت الیہ ذراعاً" (جو میری طرف بالشت بھر بڑھتا ہے۔ میں ہاتھ بھر اسکے نزدیک آجاتا ہوں) کے مطابق تقابل کرتا ہے۔ اور روحانی اور دلی حجاب کے پیچھے سے آئینہ اس کی صفائی کے مطابق دل پر عکس ڈالتا ہے۔ جیسا کہ ابتدائے حال میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔ "فلما جن علیہ اللیل راکوکبا قال ھذا ربی" (پس جب رات ہوئی۔ تو اس کے ستارے کو دیکھ کر کہدیا۔ کہ یہی میرا رب ہے) چونکہ اس وقت جناب کی دلی صفائی ستارے کے موافق تھی۔ اس واسطے وہ نور بھی ستارے کے نور کے برابر مشاہدے میں آیا۔ "فلما رای القمر بازغاً" (پس جب چاند کو نکلتے ہوئے دیکھا) اور جب دل کا آئینہ بدرجہ کمال صاف ہوگیا۔ تو خورشید کی صورت میں مشاہدے میں آیا۔ "فلما رای الشمس بازغۃ قال ھذا ربی ھذا اکبر" (پس جب سورج کو نکلتے ہوئے دیکھا۔ تو فرمایا کہ یہی میرا پروردگار ہے) یہی بڑا ہے) لیکن حقیقت میں جو خلیل علیہ السلام کی جان مشاہدہ کر رہی تھی۔ وہ صفات ربوبیت کے انوار کے پرتو کا عکس تھا۔ جو دلی آئینہ میں دکھائی دیتا تھا۔ لیکن روحانی اور دلی حجاب کے پیچھے مقام تلوین (طرح طرح) میں تھا۔ اسی واسطے وہ غائب ہو جاتا تھا۔ اور آپ فرماتے تھے۔ "لا احب الافلین" (میں غروب ہو جانے والوں کو محبت نہیں کرتا)۔ یہ اس بات کا بیان ہے۔ کہ وہ حجاب پیچھے تھا۔ جو مختلف صورتوں میں دکھائی دیتا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ صورت سے پاک ہے۔ اور اس بات کا بیان کہ یہ صفات حق کے انوار کا پرتو تھا۔ جو مشاہدے میں آتا تھا یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کی تعریف سے دل کو شہودی ذوق حاصل ہوتا تھا۔ اور اس کی حقیقت پر حکم کرتا تھا۔ اور دل ایک صادق القول حاکم ہے۔ جو کچھ یہ دیکھتا ہے۔ اس میں جھوٹ کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ "ما کذب الفواد ما رای" (جو کچھ پیغمبر نے دیکھا اس میں انہوں نے جھوٹ نہیں ملایا) اور جب تک صاحب دل نہ ہو۔ وہ جھوٹ دیکھتا ہے "ھذا ربی" کہدینا بھی اسی پرتو کے سبب تھا۔ ہر ایک مقام جو انوار الٰہی دلی نظر کو دکھائی دیتے ہیں۔ وہی نور معرفت دل ہو جاتی ہے۔ اور اپنے حال کی تعریف بھی خود ہی کرتا ہے۔

اور جان کو حظ سا معلوم ہوتا ہے۔ اسی سبب سے کہ وہ جانتا ہے۔ کہ جو کچھ دیکھ رہا ہوں۔ وہ حق کی طرف سے ہے۔ نہ کہ غیر کی طرف سے۔ یہ ذوق معنوں کے متعلق ہے۔ یہ عبارت میں نہیں سما سکتا۔ اور نہ ہی اسے صاحب واقعہ کے سوا کوئی سمجھ سکتا ہے۔ اور یہ ذوق بھی فرق سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر حقتعالیٰ کی معرفت کان کی راہ حاصل ہو۔ تو ایسا ہوتا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھا "انی انا اللہ" اور جب تک معرف پردے پیچھے سے آتا ہے۔ وہ باواسطہ آتا ہے۔ کہ "من الشجرۃ ان یا موسیٰ" (اور جب حجاب دور ہو جاتا ہے۔ تو بے واسطہ سُنتا ہے۔" و کلّم اللہ موسیٰ تکلیماً" اور اگر معرف نظر کی راہ آئے۔ اور پردے ابھی باقی ہوں۔ تو باواسطہ آتا ہے۔ جیسا کہ خلیل علیہ السلام کو تھا۔" فلما رای الشمس بازغتہ قال ھذا ربی" (پس جب اس نے سورج کو طلوع ہوتے دیکھا تو کہا۔ کہ یہی میرا رب ہے)۔ جب تک خاص ذوق کی حقیقت بات میں ظاہر نہیں ہوتی۔ تب تک زبان کا ترجمان "انا ربک" کی تعریف سے" ہذا ربی" نہیں کہتا۔ اور جب حجاب بالکل دور ہو جاتے ہیں۔ تو بے واسطہ۔ جیسا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوا تھا۔" ماکذب الفواد ما رای افتما رونہ علی ما یری" (پیغمبرؐ نے جو کچھ دیکھا۔ اس میں اُنہوں نے جھوٹ نہیں ملایا۔ کیا تم ان سے اس بات پر جھگڑتے ہو۔ کہ انہوں نے جبرائیلؑ کو دیکھا) اور حضرت عمرؓ جو فرماتے تھے "رای قلبی ربی" (میرے دل نے میرے پروردگار کو دیکھا)۔ وہ بھی اس چاشنی کے سبب سے تھا۔ اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم بھی مقام احسان کے بیان میں اسی ذوق کے حصُول کا اشارہ فرماتے ہیں۔" الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہٗ" (احسان اِس بات کا نام ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے۔ کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے) اگر کوئی سوال کرے کہ سورج۔ چاند۔ ستاروں وغیرہ کی بابت جو کچھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مشاہدہ ہوا۔ وہ عالم باطن میں تھا یا عالم ظاہر میں۔ اس کا جواب یوں ہے۔ کہ جب دلی آئینہ صاف ہوتا ہے تو بہت کم فرق ہوتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ مشاہدات غیب میں عالم دل سے بواسطہ خیال دکھتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ عالم شہادت میں کسی چیز میں بوسیلہ حس جو اس سے مناسبت رکھتی ہے۔ اور انوار حق کا محل ظہور ہو سکتی ہے۔ جیسے سُورج۔ چاند۔ ستارے جو انوار حق کے پرتو کے عکس کو قبول کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اللہ نور السموات والارض" (کہ حقیقت میں ان کا دیکھنے والا دِل ہے۔ اور دکھلانے والا

اللہ تعالیٰ۔ اور یہ ادبی کا معروف اللہ تعالےٰ ہو۔ اور دل اس ذوق کی قبولیت کی استعداد رکھتا ہو۔ تو غیب۔ شہادت۔ ظاہر اور باطن یکساں ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ دل کی صفائی کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ اور حجاب شفاف ہو جاتے ہیں۔ تو "سنریھم ایاتنا فی الآفاق و فی انفسھم" (عنقریب ہم اپنی نشانیاں انکو جہان میں اور ان کی جانوں میں دکھائینگے) کی دکھاوٹ معلوم ہو جاتی ہے۔ اگر اپنے تئیں دیکھتا ہے۔ تو بھی حق دکھائی دیتا ہے۔ اور "انا الحق" کی آواز اس سے نکلتی ہے۔ اور اگر موجودات کی طرف دیکھتا ہے تو بھی ہر ذرے میں حقتعالیٰ ہی دکھائی دیتا ہے۔ جیسا کہ اس بزرگ نے فرمایا "ما نظرت فی شیئ الا و رایت اللہ فیہ" (میں نے جس چیز پر نگاہ کی۔ اسی میں اللہ تعالےٰ کو دیکھا) اور اگر شہود کے ناپیدا کنار سمندر میں مستغرق ہو جائے۔ اور وجود مشاہدہ ہو جائے۔ تو شاہد کا وجود باقی رہ جاتا ہے۔ اور وہ حالت ہو جاتی ہے۔ جو جنید قدس اللہ روحہ العزیز فرماتے ہیں۔ "ما فی الوجود سوی اللہ" (وجود میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کچھ نہیں) اس مقام میں جمال شاہد کا شہود انسان کے آئینے میں شاہد کی نظر آتا ہے۔ جیسا کہ مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ رباعی

خاک در تو بدیدگاں مے سپرم   عمریست کہ در راہ تو بائیست بسپرم
از دیدہ تو بروئے تو مے نگرم   زانروئے کنوں کائینہ روئے توام

لیکن انوار کے رنگ جو ہر ایک مقام میں مشاہدے میں آتے ہیں۔ پس مقام کے موافق مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً نفس کے مقام میں نیلگوں نور ظاہر ہوتا ہے۔ اور روح کے انوار ذکر کے نور اور نفس کی تاریکی سے مل کر اسکی یہ رنگت ہو جاتی ہے۔ مبتدی صوفی جو نیلا لباس پہنتے ہیں۔ وہ اسی مقام کا نشان ہے۔ کسی وقت یہ گروہ مقام کے موافق لباس رنگا کرتے تھے۔ اور جب نفس کی تاریکی کم ہو جاتی ہے۔ اور روح کا نور زیادہ۔ تو سرخ رنگ کا نور دکھائی دیتا ہے۔ اور جب روح کا نور غالب ہوتا ہے۔ تو زرد رنگ کا نور ظاہر ہوتا ہے۔ اور جب نفس کی تاریکی بالکل نہیں رہتی۔ تو سفید رنگ کا نور ظاہر ہوتا ہے اور جب روح کا نور دل کی صفائی کے ساتھ مل جاتا ہے۔ تو سبز رنگ کا نور ظاہر ہوتا ہے اور جب دل بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ تو آفتاب کی طرح نور ظاہر ہوتا ہے۔ اور جب دلی آئینہ بدرجہ کمال صقیل ہو جاتا ہے۔ تو آفتاب کے ایسے نور کی طرح جو صاف آئینے میں

اپنی کمالیت پر چمکتا ہو۔ ایک نور دکھائی دیتا ہے۔ جسے دیکھ کر آنکھوں میں چکا چوند آجاتی ہے۔ رُباعی

بصر ز نور تو بر تو ظفر نمے یابد — ترا چنانکہ توئی دیدہ ور نمے یابد
ز تو چگونہ خبر شد دل مرا کہ ز لطف — ترا ز پیرہن از تو جز نمے یابد

اور جب نورِ حق روح پر عکس ڈالتا ہے۔ تو مشاہدہ ذوقِ شہود کے ساتھ مل جل جاتا ہے۔
اور جب نورِ حق روحی اور دلی حجاب کے بغیر ظاہر ہوتا ہے۔ تو بیرنگی۔ بے کیفیتی۔ بے حدی بے مثلی۔ بے نہایتی۔ بے ضدی ظاہر ہوتا ہے۔ اور تمکین اور تمکن اس کے لوازمات ہوتے ہیں۔ یہاں پر نہ طلوع رہتا ہے نہ غروب۔ نہ دایاں رہتا ہے نہ بایاں۔ نہ اوپر نہ نیچے۔ نہ مکان نہ زمان۔ نہ قرب نہ بُعد۔ اور نہ دن نہ رات "لیس عند اللہ صباح ولا مساء" (اللہ کے نزدیک دن رات یکساں ہے) یہاں پر نہ عرش ہے نہ فرش۔ اور نہ دنیا اور نہ آخرت۔
ابتداء میں صفاتِ جمال کے انوار۔ جو عالم خداوندی سے ہوتے ہیں۔ مقامِ شہود میں اس قسم کے تصرفات فنا ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ لیکن صفاتِ جلال کے انوار جو قہرِ خداوندی کے عالم سے ہیں۔ فناء الفناء کے مقتضی ہیں۔ ان احوال کی شرح بیان نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ اس قسم کے احوال اعیانی ہیں بیانی نہیں۔ بلکہ عینی ہیں نہ کہ آئینی۔ پہلے پہل جلا دینے والا نور ظاہر ہوتا ہے۔ جس میں "لا تبقی ولا تذر" (نہ باقی رہنے دے اور نہ چھوڑ) کی خاصیت ظاہر ہوتی ہے۔ اور فی الحقیقت ساتوں دوزخ اسی نور کا پرتو ہیں۔ اور صفاتِ جمال کے انوار مشرق ہیں نہ کہ محرق۔ ہر ایک عقل اور فہم ان معنوں کا ادراک نہیں کر سکتی۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ صفاتِ جلالی کے انوار محض ظلمانی ہوتے ہیں۔ اور عقل ظلمانی نور کو کس طرح سمجھ سکتی ہے۔ کیونکہ عقل "جمع بین الضدین" کو محال جانتی ہے اگر تو سمجھ سکتا ہے۔ تو وہ اشارہ جو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ "دوزخ کو اتنے ہزار سال تک گرم کرتے رہے تو سرخ ہوا پھر اتنے ہزار سال اور گرم کیا تو سفید ہوا۔ اور پھر اتنے ہزار سال اور گرم کیا۔ تو سیاہ ہو گیا۔ اور اب بھی سیاہ ہے" وہ اسی قسم کا ہے۔ سیاہ آگ کو عقل کس طرح سمجھ سکتی ہے۔ اور اس سبب سے کہ وحدت اور وحدانیت کی حقیقت ہے۔ جب تو دیکھیگا۔ تو دونوں جہان میں جہاں کہیں نور اور تاریکی ہے۔ وہ لطف اور قہر کی صفات انوار کا پرتو ہے۔ کہ "اللہ نور السموات والارض" اور انہی معنوں کے لئے نور اور تاریکی کا ثبوت لفظ جعلیت سے فرمایا۔ نہ کہ لفظ خلقیت سے۔ کہ "خلق السموات والارض وجعل الظلمت والنور" (آسمان

اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکی اور نور کو بنایا، خلقیت کا اور درجہ رکھا اور جعلیت کا اور اس اشارے کے ضمن میں بہت سے معانی ہیں جنکو ہر ایک عقل نہیں سمجھ سکتی۔ لیکن جب صفات جلال فناء الفناء کے مقام میں ہیبتِ الوہیت کا رعب و دبدبہ ظاہر کرتی ہیں۔ تو ایک سیاہ نور فنا کر دینے والا۔ باقی رکھنے والا۔ زندہ کرنے والا ظاہر ہوتا ہے۔ جس سے بڑائی کا دبدبہ اور طلسمِ اعظم کی شکست اور اسم رسوم کا دور ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں ایک رمز فرماتے ہیں۔ رباعی

دیدیم نہاں گنجی و اصلِ جہاں ۔۔۔ در علت و عار برگذشتیم آساں
از نورِ سیہ زلا نقطہ برترداں ۔۔۔ نہ آں نیز گذشتیم نہ ایں ماند نہ آں

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم "اللھم ارنا الاشیاء کما ھی" (اے پروردگار! ہمیں چیزیں ایسی دکھا جیسی ہیں) کی استدعا نیز انوار لطف و قہر کی صفات کا ظہور طلب کرتے ہیں۔ کیونکہ دونوں عالم وجودی میں جو چیز ہے۔ اس کی صفات ذاتی ہوتی ہیں۔ اور وہ صفات یا تو اس کے لطف کے انوار کا پرتو ہوتی ہیں۔ یا اس کے قہر کی صفات کا پرتو۔ نہیں تو کسی چیز کا حقیقی وجود جو قائم بذاتِ خود ہو نہیں ہے حقیقی وجود صرف اللہ تعالےٰ ہی کا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے "ھو الاول والاٰخر والظاھر والباطن" (وہی اول ہے وہی آخر۔ وہی ظاہر ہے وہی باطن) باقی جو کچھ ہے وہ اسی سے ہے یا وہ ہے۔ یہ صاف صاف بات ہے۔ رباعی

دل جز و حقیقت است تن پوست ببیں ۔۔۔ در کسوتِ روح صورتِ دوست ببیں
ہر چیز کہ آں نشانِ ہستی دارد ۔۔۔ یا سایۂ نورِ اوست یا اوست ببیں

فصل۔ ۱۸

{مکاشفات اور ان کی قسموں کے بیان میں}

اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ "فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید" (پس ہم نے حجاب تیری نظر سامنے سے ہٹائے۔ تیری نظر تیز ہوگئی)۔ اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "حجابہ النور لو کشفھا لاحترقت سبحات وجہہ ما انتھی الیہ بصرہ" (اس کا حجاب نور ہے۔ اگر اس حجاب کو دور کر دے۔ تو اس کے چہرے کی تیزی ان سب چیزوں کو جلا دے جن تک نگاہ کام کرتی ہے)۔

واضح ہے۔ کہ کشف کے معنی کسی چیز کا حجاب سے اس طرح نکلنا ہے۔ کہ صاحبِ کشف اس چیز کا ادراک ایسی صفت سے کرے جس سے اس نے پیشتر نہ کیا ہو۔ جیسا کہ فرمایا ہے "فکشف عنك غطاءك فبصرك الیوم حدید" (یعنی تیری نظر سامنے سے ہم نے حجاب ہٹا لئے۔ اور پھر تیری نظر تیز ہو گئی)۔ اور حجاب سے مراد وہ مولفات ہیں۔ جن کے سبب انسان کی آنکھیں حضرت جلت کے کمال کے مشاہدے سے محجوب اور ممنوع رہتی ہیں۔ اور وہ تمام دنیا اور آخرت کے مختلف عالم ہیں۔ جو ایک روایت کے مطابق اٹھارہ ہزار ہیں اور دوسری روایت کے مطابق تین لاکھ ساٹھ ہزار۔ اور انسب یہی ہے۔ کہ ستر ہزار ہیں جیسا کہ حدیث صحیح سے معلوم ہوتا ہے۔ "ان اللہ تعالیٰ سبعین الف حجاب من نور و ظلمۃ" (اللہ تعالےٰ لئے نور اور تاریکی کے ستر ہزار پردے ہیں) اور یہ ستر ہزار عالم انسان کے وجود میں موجود ہیں۔ اور ہر عالم کے مطابق انسان کو ایک آنکھ عطا ہے۔ جس سے حالت کشف میں وہ عالم دکھائی دیتا ہے۔ اور یہ ستر ہزار عالم انسان میں مندرج ہیں۔ جن کو نور اور ظلمت سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی ملک اور ملکوت جنہیں غیب اور شہادت بھی کہتے ہیں۔ اور جسمانی اور روحانی بھی۔ اور دنیا اور آخرت بھی اسی سے مراد ہے۔ اصل میں تمام ایک ہیں صرف ان کے نام مختلف ہیں۔ اور انسان ان دونوں عالموں کا مجموعہ ہے۔ جو قدرتِ الٰہی نے ضدین کو ملا دیا ہے۔ اور ستر ہزار آنکھیں جس سے ستر ہزار عالم کا ادراک حاصل ہوتا ہے۔ دونوں عالم انسان کے مدرکات میں مندرج کئے ہیں۔ مثلاً پانچوں حواس جو انسان کی جسمانیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور تمام عالم جسمانیات کا ادراک انہیں پانچ حسوں سے ہوتا ہے۔ اور مدرکاتِ باطنی قوائے بشری سے۔ اور باطنی پانچوں حواس جو انسان کی روحانیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان سے تمام عوالم روحانیات کا ادراک کرے۔ اور انہیں عقل۔ دل۔ سر۔ روح اور خفی کہتے ہیں۔ مگر اہل سلوک کی اصطلاح میں مکاشفات کا اطلاق ان معنوں پر ہوتا ہے۔ جو پانچوں حواس باطنی سے مدرک ہوتا ہے۔ نہ ان پر جنہیں حواس ظاہری ادراک کرتے ہیں یا بشری قوائے جو حواس کی تابع ہیں پس جب صادق سالک ارادت کے جذبے سے طبیعت کے اسفل السافلین سے شریعت کی اعلےٰ علیین کی طرف رُخ کرتا ہے۔ اور صدق کے قدم سے طریقت کی راہ مجاہدہ اور ریاضت کے قانون کے موافق متابعت کے بدرقے کی پناہ میں طے کرنی شروع

کرتا ہے۔ اوران ستر ہزار حجاب ہیں سے جس حجاب سے گذرتا ہے۔ اسی مقام کے مناسب اس کی ذہنی آنکھ کھلجاتی ہے جس سے اس مقام کے احوال اس کے منظور نظر بنجاتے ہیں۔ پہلے اسکی عقلی آنکھ کھل جاتی ہے اور رفع حجاب۔ اور صفائی عقل کے مطابق معقول معانی دکھائی دیتے ہیں۔ اور معقول اسرار منکشف ہوتے ہیں۔ اسی کو کشف نظری کہتے ہیں اس پر اس قدر بھروسہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جو چیز دکھائی تو دے لیکن کھلے نہ ہو۔ وہ اعتبار کے لائق نہیں۔ مصرعہ نے ہرچہ بینی بتو بخشند اسے دل

بہت سے فلاسفر اور حکیم اسی مقام میں رہ گئے ہیں۔ اور ساری ہمت عقل کی تجرید اور معقولات کے ادراک پر صرف کردی۔ اور عمریں اسی میں صرف کردیں۔ اور اسی کو مقصد حقیقی کا ملنا خیال کیا۔ اور اسی کو اصلی مقصد قرار دیا۔ اور دوسرے مدرکات کے فائدوں سے محروم رہ گئے۔ اور انکار کردیا۔ اور گمراہی کے جنگل میں خود بھی اصلی راہ بھول گئے۔ اور لوگوں کو بھی بھلا دیا۔ شیطان کی طرح اپنی گمراہی پر راضی نہ تھے۔ اس لئے دوسروں کو گمراہ کرنا شروع کیا "قد ضلوا من قبل واضلوا کثیراً" (بے شک انھوں نے گمراہی کی اور زیادہ گمراہی کی) اور جب معقولات کے کشف سے عبور کیا۔ تو دلی مکاشفات ظاہر ہوئے جنہیں کشف شہودی کہتے ہیں۔ اس میں مختلف انوار کشف ہوتے ہیں۔ جیسا کہ بعض کا مفصل حال مشاہدات کی فصل میں بیان ہوچکا ہے۔ اس کے بعد مکاشفات سری ظاہر ہوتے ہیں جنہیں الہامی کشف کہتے ہیں۔ یہاں پر پہنچکر ہر چیز کے وجود کی حکمت اور اسکی پیدائش کے اسرار ظاہر اور مکشوف ہوتے ہیں۔ مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ رباعی

اے کردہ غمت غارت ہوش دل ما   درد تو زدہ خانہ فروش دل ما
سر کہ مقدساں ازآں محروم اند   عشق تو فرو گفتہ بگوش دل ما

اس کے بعد مکاشفات روحی ظاہر ہوتے ہیں۔ جسے روحانی کشف کہتے ہیں۔ اس مقام کے شروع میں مختلف عروجوں کا کشف جنت کی نعمتوں۔ دوزخ۔ فرشتوں کا دیکھنا۔ اور ان سے کلام کرنا میسر ہوتا ہے۔ اور جب روح کو جسمانی کدورتوں سے بالکل صفائی حاصل ہوجاتی ہے۔ تو نا ختم ہونیوالے عوالم مکشوف ہوتے ہیں۔ اور ازل اور ابد کا دائرہ آنکھوں کے نصیب ہوتا ہے۔ یہاں پر پہنچکر زمان اور مکان کے حجاب اُٹھ جاتے ہیں۔ یہاں تک

گذشتہ ماضی کے حالات زمانہ حال میں منکشف ہو جاتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں موجودات کے شروع سے لیکر اب تک کے حالات بالکل عیاں ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حارثہ نے کہا "کانی انظر الی اھل الجنۃ یتزاورون والی اھل النار یتعادون" (گویا کہ میں اہل بہشت کو ایک دوسرے کی طرف اور اہل دوزخ کو ایک دوسرے سے پرے ہٹتا دیکھتا ہوں) اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "عرضت علی الجنۃ فرایت اکثر اھلھا المساکین وعرضت علی النار فرایت اکثر اھلھا النساء" (بہشت میرے پیش کی گئی۔ تو اس کے رہنے والے اکثر مسکین تھے۔ اور جب دوزخ دکھایا گیا۔ تو اس کے رہنے والی اکثر عورتیں تھیں) جب دنیاوی زمان اور مکان کے حجاب اُٹھ جاتے ہیں۔ تو اخروی زمان و مکان مکشوف ہوتے ہیں۔ اور اس مقام میں یہ حالت بھی ہوتی ہے کہ جہات کے حجاب سامنے سے اُٹھ جاتے ہیں۔ اور روبرو اور پیچھے اسے یکساں دکھائی دیتا ہے۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "یا ایھا الناس انی امامکم فلا تسبقونی بالرکوع ولا بالسجود ولا ترفعوا رؤسکم فانی اریکم من امامی ومن خلفی" (اے لوگو! بیشک میں تمہارا امام ہوں پس رکوع سجود میں مجھ سے سبقت نہ لے جاؤ۔ اور نہ اپنے سر اٹھاؤ۔ کیونکہ میں تمہیں اپنے سامنے اور پیٹھ پیچھے یکساں دیکھتا ہوں) اور بہت سی خرق عادات جنہیں کرامات کہتے ہیں۔ اس مقام میں ظاہر ہوتی ہیں۔ مثلاً حوالہ کی واقفیت اور مغیبات کا جاننا۔ پانی۔ آگ اور ہوا پر چلنا۔ اور زمین وغیرہ کا طے کرنا۔ اس قسم کی کرامتوں کا چنداں اعتبار نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ اہل دین اور نیز بے دین دونوں کو حاصل ہوتی ہیں۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ابن ضائد سے پوچھا۔ کہ "ما تری قال اری عرش علی الماء فقال علیہ السلام ذاک عرش ابلیس" (تم کو کیا دکھائی دیتا ہے۔ اس نے عرض کی عرش پانی پر۔ جناب نے فرمایا یہ شیطان کا عرش ہے) دوسرے یہ کہ اس قسم کی خرق عادات دجال میں ہونگی۔ جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے۔ کہ وہ انسانوں کو مار ڈالیگا بھی اور زندہ بھی کریگا۔ لیکن جسے اصلی کرامت کہتے ہیں۔ وہ اہل دین ہی کو حاصل ہوتی ہیں۔ وہ یہ ہے۔ جو روحی کشف کے بعد خفی مکاشفات ظاہر ہوتے ہیں۔ اس واسطے کہ روحی کافر اور مسلمان دونوں کو ہوتا ہے۔ لیکن خفی روحی ایک خاص ہے۔ جو بارگاہ کے خاصوں کے سوا کسی کو عطا نہیں ہوتی۔ جیسا کہ فرمایا۔ "کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم

بروح منہ" (ان کے دلوں میں ایمان لکھا گیا ہے۔ اور ان کو اس کی روح سے تائید حاصل ہے) اور ایک اور جگہ فرمایا ہے "یلقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہٖ" (اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے امر سے روح کا القا کرتا ہے)۔

اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا۔ "وکذالک اوحینا الیک روحًا من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلناہ نورًا نھدی بہ من نشاء من عبادنا" (اور اسی طرح ہم نے اپنے امر سے ایک روح بطور وحی تیری طرف بھیجی تجھے یہ معلوم نہ تھا۔ کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا لیکن ہم نے ہی اسے نور بنایا۔ جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں۔ اس کی راہنمائی کرتے ہیں) یعنی حضرتی نور بعض بندوں کو عطا کرتے ہیں۔ تاکہ اس کے وسیلے صفات خداوندی کے عالم کی راہ انہیں ملجائے۔ مصرعہ ہم رخش رستم کشد رستم را

جس طرح دل عالم جسمانی اور عالم ملکوتی کا وسیلہ ہے۔ اس کا ایک رخ عالم ملکوت میں ہے۔ اور دوسرا عالم جسمانی میں۔ تاکہ اس رخ سے جو ملکوت کی طرف ہے۔ روحانیات کے انوار کے آثار اور معقولات نفس اور بدن دونوں کو پہنچائے۔ اور سر عالم دل اور عالم روح کا وسیلہ ہے۔ تاکہ اس رخ سے جو عالم ارواح کی طرف ہے۔ روح کے فیض سے مستفید ہو۔ اور اس رخ سے جو عالم دل کی طرف ہے۔ فیض روح کے حقائق دل کو پہنچائے۔ اسی طرح خفی صفات خداوندی کے عالم اور روحانیت کے عالم کا وسیلہ ہے تاکہ صفات حضرتی کے مکاشفات کے قابل ہو جائے۔ اور ان اخلاق کا عکس عالم روحانیت میں پہنچائے۔ تاکہ تخلقوا باخلاق اللہ کے شرف سے مشرف ہو جائے۔ اسی کو کشف صفاتی کہتے ہیں۔ اس حالت میں اگر عالمی صفت سے مکاشف ہو۔ تو علم لدنی ظاہر ہوتا ہے۔ اور سمعی صفت سے ہو۔ تو کلام اور خطاب سنائی دیتے ہیں۔ اور اگر بصیری صفت سے مکاشف ہو۔ تو رویت اور مشاہدہ ظاہر ہوتا ہے۔ اور اگر جمال کی صفت سے مکاشف ہو۔ تو شہود حضرتی کا ذوق ظاہر ہوتا ہے۔ اور اگر جلالی صفت سے مکاشف ہو۔ تو حقیقی فناء ظاہر ہوتی ہے۔ اور اگر وحدانیت کی صفت سے مکاشف ہو۔ تو وحدت ظاہر ہوتی ہے۔ باقی صفات کو بھی اسی طرح قیاس کرلو۔ لیکن کشف ذاتی کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے۔ اس کے بیان سے عبارت اور اشارت عاجز ہیں۔ مصنف علیہ الرحمۃ

فرماتے ہیں۔ رُباعی

تا بر سرِ کوئے عشق تو منزلِ ماست
سِرِّ دو جہان بجملہ کشفِ دلِ ماست
وانجا کہ قدمگاہِ دلِ مقبلِ ماست
مطلوب ہمہ جہانیان حاصلِ ماست

یہ تمام رموز بیان تجلّے کی فصل میں انشاء اللہ تعالےٰ بیان کی جائینگی +

فصل ۱۹

{تجلّے ذات وصفات خداوندی کے بیان میں}

اللہ تعالیٰ جلشانہ فرماتا ہے۔ "فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا وخرّ موسیٰ صعقا" (پس جب کوہِ طور پر تجلّے کی۔ کہ تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوکر گر پڑے)۔ اور پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "اذا تجلی اللہ لشئ خضع لہٗ" (جب اللہ تعالیٰ کسی شے پر تجلّے ڈالتا ہے۔ تو اسے عاجز اور فروتن کر دیتا ہے) اور نیز فرماتے ہیں "ان اللہ خلق آدم فتجلی فیہ" (بے شک اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ اور اس میں تجلّے کی) +

واضح رہے کہ تجلّے سے مراد ذات وصفاتِ خداوندی کا ظہور ہے۔ جیسا کہ انشاء اللہ آگے چلکر بیان کیا جائیگا۔ اور روح کو بھی تجلّے ہوتی ہے۔ اِس بارے میں سالکوں کو اکثر غلطی واقع ہوتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ صفاتِ رُوح ذاتِ رُوح کے ساتھ تجلّے کرتی ہیں۔ اور سالک کو تجلّی حق کا سا ذوق حاصل ہوتا ہے۔ اور بہت سے سالک اسی مقام میں مغرور ہو جاتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں۔ کہ بس ہمیں تجلّے حق نصیب ہوگئی۔ اگر اس وقت کوئی صاحب تصرف اور کامل شیخ اُن کی مدد نہ کرے۔ تو اس صورت سے ان کا رہائی پانا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ اگرچہ متقدمین مشائخ رحمۃ اللہ علیہم نے ان حقائق کی کشف میں بہت کم کوشش کی ہے۔ اور جہاں تک ہو سکا ہے۔ ان کو غیر سے پوشیدہ رکھا ہے۔ مگر پھر بھی یہ بندہ (مصنف رہ) اس بنا پر کہ بہت سے بے معنی مدعی اِس گروہ میں آملے ہیں۔ اور شیطان کی پھسلاوٹ اور نفس کے مکر سے مغرور ہو گئے ہیں۔ اور چند بوسیدہ سُنی سنائی باتیں لیکر یہ خیال کر بیٹھے ہیں۔ کہ ہم نے تو اِس راہ کا مقصد اور مقصود پالیا ہے۔ اور مردانِ خدا کے مشاہدہ کا ذوق حاصل کر لیا ہے۔ اور اپنے تئیں سلطنت میں جائز التصرف خیال کرتے ہیں۔

اور ملحد اور زندیق ہو گئے ہیں ۔ جیسا کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں ۔ رباعی

پوشیدہ مرقع اند زیں خامے چند | بگرفتہ ز طامات الف لامے چند
نارفتہ رہِ صدق و صفا گامے چند | بدنام کنندہ نکو نامے چند

چاہتا ہے ۔ کہ ان مدعیوں کی پرکھ کے لئے سلوک کے کچھ احوال اور مقدمات کا ذکر کرے ۔ تاکہ وہ اس کسوٹی پر اپنے تئیں پرکھیں ۔ اگر ان احوال میں سے اپنے آپ میں کچھ نہ پائیں ۔ تو شیطان کی پھسلاوٹ اور مکر نفس کی گھات سے بچ نکلیں ۔ اور سیدھی راہ کا رخ کریں ۔ جو تابعداری کی راہ ہے ۔ اور اگر ان میں طلب کی کچھ راہ باقی ہے ۔ تو کسی ایسے صاحبِ دولت کا دامن پکڑیں ۔ جس کے وسیلے وہ اصلی مقصد تک پہنچ جائیں ۔ جیسا کہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے " واتوا البیوت من ابوابھا " (گھروں میں دروازوں کی راہ داخل ہوا اس بارے میں مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ۔ رباعی

تا زاغ صفت بجیفہ پر آلائی | کے چوں شاہیں درخور شاہاں آئی
چوں صعوہ اگر غذائے بازے گردی | باز نے گردی کہ دست شہ راشائی

اور نیز (احوال و مقامات کا ذکر) محقق طالبوں اور صادق مریدوں کے لئے راہِ صواب کا رہنما اور جائے بازگشت کے لئے شوق دلانے والا ہو ۔ اب میں (مصنفؒ) تائیدِ ربانی اور توفیقِ یزدانی سے تجلے کی شرح اور روحانی اور ربانی تجلے کا فرق بیان کرتا ہوں ۔

واضح ہے ۔ کہ جب دِل کا آئینہ ماسوی اللہ کے وجود کی کدورت سے صاف ہو جاتا ہے ۔ اور بدرجہ کمال صفائی حاصل کر لیتا ہے ۔ تو جمالِ دولت کے آفتاب کے چمکنے کی جگہ اور ذاتِ حق کا جامِ جہاں نما بن جاتا ہے ۔ لیکن یہ ضروری نہیں ۔ کہ جس شخص کو دلی صفائی حاصل ہو جائے ۔ اسے تجلے کی سعادت بھی حاصل ہو ۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء " (یہ فضل الٰہی ہے جسے چاہتا ہے عنایت کرتا ہے) مگر اتنا ضرور ہے ۔ کہ جو دِل صاف ہے ۔ وہ اس سعادت کے قابل ضرور ہو جاتا ہے ۔ جیسا کہ شیخ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔ کہ تجلےٰ حق اچانک آتی ہے ۔ لیکن واقف دِل پر آتی ہے ۔ اور شیخ علی یونانی خواجہ ابوبکر ساسان رحمۃ اللہ علیہم کی بابت روایت فرماتے ہیں ۔ کہ خواجہ صاحب نے فرمایا ۔ کہ یہ ضروری نہیں ۔ جو شخص دوڑا اس نے قبر کو پکڑا ۔ البتہ جو دوڑا اسے قبر نے پکڑ لیا ۔ یہ بھی ممکن ہے ۔ کہ ابتدا میں جب دِل کا آئینہ صفات بشریت اور زنگارِ طبیعت سے صاف

ہوجاتا ہے۔ تو بعض صفات روحانی دِل پر تجلّے کرتی ہیں۔ اور یہ تجلیات انوار روحانیت کے غلبے کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ ذکر کا نور اور طاعت کا نور انوار روح پر غلبہ کرتا ہے اور روحانیت کا دریا ٹھاٹھیں مارتا ہے۔ اور لہروں کی فوج دِل کے ساحل پر حملہ آور ہوتی ہے۔ جس سے آئینہ دِل کی صفائی پر تجلّے نمودار ہوتی ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ روح تمام صفات سے تجلّے میں آتی ہے۔ اور یہ حالت تمام صفات بشریہ کے آثار بالکل مِٹ جانے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ ذکر ذاکر کا نور ذکر مذکور کے نور سے مِل کر تجلّے مذکور کا ذوق بخشتا ہے۔ اور در اصل وہ نہیں ہوتا۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ ذاتِ روح جو خلیفہ حق ہے۔ تجلّے میں آتا ہے۔ اور خلافت حق میں انا الحق کا دعوے کرنا شروع کرتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ تمام موجودات کو خلافتِ روح کے تخت کے سامنے سجدے کی حالت میں پاتا ہے۔ اور اِس غلطی میں پڑ جاتا ہے۔ کہ شاید یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کیونکہ "اذا تجلی اللہ شئ خضع لہٗ" پر قیاس کرتا ہے۔ اِس قسم کی غلطیاں اکثر واقع ہوتی ہیں۔ اور نفس اپنے حظ کی خاطر اِس قسم کا دھوکا کھاتا ہے۔ اور ہر ایک سالک حق اور باطل میں فرق اور تمیز نہیں کرسکتا۔ سوائے ان کے جو منظورِ نظرِ حق ہیں۔ اور جو نفس کے مکر اور شیطانی دھوکے سے محفوظ ہیں۔

تجلّیٔ روحانی اور تجلّیٔ ربانی کا فرق

اوّل یہ کہ تجلّی رُوحانی میں حدوث کا عیب ہے۔ اس میں فنا کرنے کی قوت نہیں ہوتی۔ اگرچہ ظہور کے وقت صفات بشریہ کو دُور کر دیتی ہے۔ لیکن بالکل فنا نہیں کرسکتی۔ اور جب تجلّی حجاب میں ہو جاتی ہے۔ تو پھر صفاتِ بشری لوٹ آتی ہیں۔ "عاد المشئوم الیٰ طبیعتہ" اچانک ایسا ہوتا ہے۔ کہ نفس کو روحانیت کی تجلّی سے ایک اور آلہ مِل جاتا ہے جو علم اور معرفت سے مکر حیلے اور اپنے مقصدوں کے حاصل کرنے میں جو اس سے پہلے اسے حاصل نہ تھے کام آتا ہے۔ اور تجلّے حق میں یہ مصیبت پیش نہیں آتی۔ اِس واسطے کہ تجلّی حق سے نفس کے کوہِ طور کا پاش پاش ہونا۔ اور اس کی باطل صفات کا زائل ہونا لازمی امر ہے "جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا" (سچ آیا اور جھوٹ زائل ہوا۔ بیشک جھوٹ زائل ہونے والا ہے)

دوسرے یہ کہ تجلّی روحانی کے حاصل ہونے سے دِل کو تسکین حاصل نہیں ہوتی۔ اور شک

وشبہ کی میل کچیل سے صاف نہیں ہوتا۔ اور معرفت کا ذوق پورے طور پر اسے حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن تجلی حق اس کی ضد ہے ؁

تیسرے یہ کہ روحانی تجلی سے غرور اور گمان پیدا ہوتا ہے اور تکبر اور خود پسندی بڑھتی ہے۔ اور طلب میں نقصان واقع ہوتا ہے۔ اور خوف اور نیاز کم ہو جاتے ہیں۔ اور بسط اور گستاخی بڑھ جاتی ہے۔ لیکن تجلئے حق سے ان تمام کا قلع وقمع ہو جاتا ہے۔ اور ہستی نیستی سے بدل جاتی ہے۔ اور طلب کی درد پہلے کی نسبت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور پیاس مطلوب زیادہ ہو جاتی ہے۔ رباعی

سوز دل خستہ از وصالش ننشست ۔۔۔ واین تشنگی از آب زلالش ننشست

نیرنگ وجود نقش ہستی برخاست ۔۔۔ وز سر ہوس عشق جمالش ننشست

لیکن تجلی حضرت حق کی دو قسمیں ہیں۔ تجلی ربوبیت اور تجلی الوہیت۔ تجلی ربوبیت موسیٰ علیہ السلام پر ہوئی جس کا طفیلی کوہ طور تھا۔ "فلما تجلی ربہ للجبل جعلہٗ دکا وخر موسیٰ صعقا" (پس جس وقت اسکے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی کی۔ تو اسے پاش پاش کر دیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے) تجلی سے پہاڑ کے نصیب پاش پاش ہونا تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نصیب بے ہوش ہونا۔ جب حق تعالیٰ نے اپنی ربوبیت سے تجلی کی۔ تو کوہ طور اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہستی نہ رہی۔ اگرچہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ پھر بھی ان کا وجود باقی رہا۔ اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔ لیکن ربوبیت اُن کی پالنے والی اور نگہداشت کرنے والی تھی۔ تجلی الوہیت حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم پر ہوئی۔ جس سے آنحضرت صلعم کی ساری ہستی لُٹ گئی۔ اور وجود محمدؐی کے عوض ذات الوہیت کے وجود کا ثبوت فرمایا۔ "ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم" (بیشک جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بیعت کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے) اس سعادت کی کمالیت کسی اور پیغمبر کو نصیب نہیں ہوئی۔ البتہ اس کھلیان کے خوشہ چینوں کو اس شرف سے مشرف فرمایا۔ اور اس خرمن سے یہ خوشہ عنایت فرمایا۔ "لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احبہٗ فاذا احبتہٗ کنت لہٗ سمعًا و بصرًا و یدًا ولسانًا فبی یسمع وبی یبصر وبی یبطش وبی ینطق" (بندہ بذریعہ نوافل میرا قرب حاصل کرنے کی خواہش کرتا رہتا ہے۔ یہانتک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔

تو میں اسکے لئے کان - آنکھ - ہاتھ اور زبان ہو جاتا ہوں - پھر وہ مجھی سے سنتا ہے - مجھی سے دیکھتا ہے - مجھی سے پنجہ مارتا ہے - اور مجھی سے بولتا ہے) اور یہ سعادت ذاتِ الوہیت کی تجلی کی خاصیت سے ہے - لیکن تجلیٔ صفات کی دو قسمیں ہیں - تجلیٔ صفات جلال - تجلیٔ صفات جمال - تجلیٔ صفات جمال کی پھر دو قسمیں ہیں - صفاتِ نفسی - صفاتِ معنوی - صفات نفسی وہ ہیں - کہ مخبر کی خبر ذات باری جل علا پر دلالت کرے نہ کہ معنی پر - جیسا کہ موجودی اور واجدی اور قائم بنفسی - پس اگر صفت موجودی سے تجلے کرے - تو وہ اس بات کی مقتضی ہوتی ہے جو جنید بغدادی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے - "ما فی الوجود سوی اللہ" (وجود میں اللہ تعالےٰ کے سوا اور کوئی نہیں) اور اگر واجدی صفت سے تجلے کرے - تو وہ اس بات کا اقتضاء کرتا ہے - جو ابو سعید علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے - "ما فی الجبۃ سوی اللہ" (پیشانی میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں) اور اگر قائم بنفسی کی صفت سے تجلی کرے - تو وہ اس بات کا اقتضا کرتا ہے - جو بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ نے فرمائی ہے - "سبحانی ما اعظم شانی" (پاک ہوں میں - کیا ہی اعلیٰ شان ہے میری) اور صفات معنوی یہ ہے - کہ مخبر کی خبر ذات باری تعالیٰ پر زیادتی کے معنوں کی دلالت کرے - جیسا کہ میں (مصنف) کہتا ہوں - کہ اسے علم - قدرت - ارادت - کان - آنکھ - زندگی - کلام اور بقا ہے - پس اگر عالم ہونے کی صفت سے تجلے کرے - تو مختلف علوم کے حقائق بے واسطہ ظاہر ہوتے ہیں - جیسا کہ آدم علیہ السلام کو ہوا - "وعلم آدم الاسماء کلھا" (اور آدم علیہ السلام کو ان سب کے نام سکھا دئے) اور اگر قدرت سے تجلی کرے - تو ایسا ہوتا ہے - جیسے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوا - جنہوں نے انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دئے - اور ایک مٹھی بھر خاک سے سارے لشکر کو شکست دی - "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ" (جس وقت تو نے مٹی پھینکی تھی - وہ در اصل تو نے نہیں پھینکی تھی - بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی) اور اگر مریدی کی صفت سے تجلی کرے - تو ایسا ہوتا ہے - جیسے ابو عثمان خیری علیہ الرحمۃ کو ہوا تھا - جو یہ فرماتے تھے - کہ تیس سال سے یہ حالت ہے - کہ اللہ تعالیٰ وہی چاہتا ہے - جو ہم چاہتے ہیں - اور اگر سمعی صفت سے تجلی کرے - تو ایسا ہوتا ہے - جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوا تھا - کہ چیونٹی کی آواز بہت دور فاصلہ سے سن لی تھی - "قالت نملۃ یا ایھا النمل ادخلوا مساکنکم" (چیونٹی نے چیونٹیوں کو کہا کہ اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ) اور اگر بصیری صفت سے تجلے کرے - تو

ایسا ہوتا ہے۔ جیسے مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

زاں روئے کنوں کا ئینہ روئے توام　　　　از دیدہ تو بروئے تو مے نگرم

حقیقت میں جان لو۔ کہ انسان ذات وصفاتِ حق کا آئینہ ہے۔ جب آئینہ صاف ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالےٰ کی جو صفت اس پر تجلی کرتی ہے۔ وہی صفت اس میں نمایاں ہوتی ہے۔ جو صفت آئینے سے ظاہر ہوتی ہے۔ وہ صاحب تجلی کے تصرف سے ہوتی ہے۔ نہ کہ آئینہ سے۔ کیونکہ آئینے میں پہلے قبولیت عکس کی قابلیت نہ تھی۔ جب صاف ہو گیا۔ تو پھر اس میں قابلیت آ گئی۔ خلافت کا بھید یہی ہے۔ کہ وہ ذات وصفات خداوندی کا مظہر تھا اور اگر صفت حیات سے تجلی کرے۔ تو وہ حالت ہوتی ہے۔ جو خضر اور الیاس علیہم الرحمۃ کی ہے یعنی انہیں حیات باقی حاصل ہے۔ اور اگر صفتِ کلام سے تجلی کرے۔ تو وہ حالت ہوتی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی ہوئی۔ ”وکلم اللہ موسیٰ تکلیما“ (اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی) اور اگر صفتِ بقا سے تجلی کرے۔ تو انانیت انسانی کو دور کرتی ہے۔ اور صفاتِ ربانی کا اثبات کرتی ہے ”یمحو اللہ ما یشاء و یثبت“ (اللہ تعالےٰ جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے) حسین منصور رحمۃ اللہ علیہ نے اسی واسطے فرمایا ہے ؎

بینی وبینک انی یراحمنی　　　　فارفع بجودک انی من البین

میرے اور تیرے درمیان انانیت مزاحمت کرتی ہے۔ تو از روئے کرم اسے بیچ میں سے اٹھا دے۔

اور صفات فعلی جیسے۔ رزاقی۔ خالقی۔ زندہ کرنا۔ مارنا۔ ان میں سے جب رزاقی صفت سے تجلی ہوتا ہے۔ تو وہ حالت ہوتی ہے۔ جو مریم علیہا السلام کی تھی۔ ”وھزی الیک بجذع النخلۃ تساقط علیک رطبا جنیا“ (اور کھجور کی جڑ کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تم پر پکی پکی تازہ کھجوریں جھڑ پڑینگی)۔

اور جب خالقی صفت سے متجلی ہوتا ہے۔ تو وہ حالت ہوتی ہے جو عیسےٰ علیہ السلام کی ہوئی تھی۔ ”واذا تخلق من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیھا فتکون طیرا باذنی“ (اور جب تو مٹی سے جانوروں کی شکلیں تیار کرے تو ان میں پھونک دینا تو وہ میرے حکم سے پرند بن جائینگے)۔

اور جب زندہ کرنے کی صفت سے متجلی ہو۔ تو وہ حالت ہوتی ہے۔ جو ابراہیم علیہ السلام کی

ہوئی۔ " رب ارنی کیف تحی الموتی" (اے پروردگار! تو مجھے دکھا کہ تو کس طرح مُردوں کو زندہ کرتا ہے) یہاں تک کہ فرمایا۔ " ثم ادعھن یاتینک سعیا" (پھر ان کو بلا وہ تیرے پاس دوڑتی ہوئی آئینگی)۔

اور اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام سے ہوا۔ " وتحی الموتی باذن اللہ" (تو مُردوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کرتا ہے) اور اگر مار ڈالنے کی صفت سے متجلی ہو۔ تو وہ حالت ہوتی ہے جو بایزید علیہ الرحمۃ کی ہوئی۔ یعنی جس وقت بایزید علیہ الرحمۃ نے ابو تراب نخشبی علیہ الرحمۃ کے مرید پر نظر کی وہ فوراً نعرہ مار کر مرگیا۔ ایسا شخص اگر کسی پر قہر کرے۔ تو اسے ہلاک کر دیتا ہے۔ اگرچہ یہ صفت صفات فعلی سے ہے۔ لیکن صفاتِ جلال سے تعلق رکھتی ہے۔

صفات جلال کی بھی دو قسمیں ہیں۔ صفات ذات۔ اور صفاتِ فعل جیسا کہ مار ڈالنے کی صفت میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن صفات ذات کی دو قسمیں ہیں۔ صفات جبروت۔ اور صفاتِ عظموت۔ جب صفات جبروت سے متجلی ہوتا ہے۔ تو لا انتہا نور بہت ہی ہیبت ناک صورت میں نمایاں ہوتا ہے جسکی نہ کوئی صورت ہوتی ہے۔ اور نہ کوئی رنگ۔ اور بے کیفیت ہوتا ہے۔ اس نور کی ابتداء بے رنگ معلوم ہوتی ہے۔ جس سے فوراً صفاتِ انسانیت کی فنا ظاہر ہوتی ہے۔ اور ہستی کے آثار مٹ جاتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ فنار کا شعور بھی نہیں رہتا۔ اور اگر جام تجلی میں " وسقیھم ربھم" کا ساقی شراب جلال کا ایک قطرہ ولایت سالک کی خوراک سے زیادہ ڈال دے۔ تو اس شراب کی تیزی تمام ولایت کو اس طرح گھیر لیتی ہے۔ کہ پھر وجود اور وجود کی فنار کا شعور تک نہیں رہتا۔ اسی حالت کو صعقہ (بے ہوشی) کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ اثنائے سلوک میں مجھ ضعیف (مصنف رح) نے اس حال کے مناسب ایک رُباعی کہی تھی۔ رُباعی

زاں بادہ نخوردہ ام کہ ہشیار شوم — واں مست نیم کہ باز بیدار شوم
یک جام تجلی جلالِ تو بہ بخش — تا از عدم و وجود بیزار شوم

تجلی صفات عظموت کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک صفت حی و قیومی۔ دوسری صفت کبریا۔ عظمت اور قہاری جب حی اور قیومی کی صفت سے متجلی ہوتا ہے۔ تو فنار الفنار ظاہر ہوتی ہے۔ اور بقار البقار نمودار ہوتی ہے۔ اور اس نور کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ جس کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " یھدی اللہ لنورہٖ من یشاء" (جسے چاہتا ہے اپنے نور سے ہدایت

بخشتا ہے) وہ ایک ایسا ظہور ہوتا ہے۔ جو کبھی نہیں چھپتا۔ اور ایک ایسا طلوع ہے۔ جو کبھی غروب نہیں ہوتا۔ صفات جمال کی تجلے میں کبھی ستر ہوتا ہے اور کبھی تجلے۔ اس واسطے کہ یہ مقام تلوین ہے۔ مگر جہاں صفات جلال ہیں۔ وہ تمکین کا مقام ہے۔ وہاں سے دو رنگی اٹھ جاتی ہے۔ اگرچہ یہ شاذونادر ہی ہوتا ہے۔ مثلاً ایک مرتبہ جبکہ شیخ ابوسعید علیہ الرحمۃ طلب کی حالت شباب میں شیخ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر تھے۔ اور شیخ ابو علیؒ مقام تجلی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ کہ شیخ ابوسعید رح وقت کے غلبات میں اٹھ کر فرمانے لگے کہ یا شیخ! یہ بات (تجلی) ہمیشہ ہوتی رہتی ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ بیٹھ جا۔ ہمیشہ نہیں ہوتی۔ پھر ایک گھڑی بیٹھ کر اُٹھے اور فرمانے لگے۔ کہ یہ بات ہمیشہ ہوتی رہتی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ بیٹھ جا۔ اول تو یہ ہمیشہ نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی بھی ہے۔ تو شاذونادر۔ شیخ ابوسعید نعرہ مار کر گھومنے لگے۔ اور فرمانے لگے۔ کہ یہ اسی شاذونادر کی ایک مثال ہے۔ اس مقام جو ایمان ہوتا ہے۔ ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور جو ظاہر ہوتا ہے۔ وہ پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ کفر اور ایمان سے اعتبار اُٹھ جاتا ہے۔ اور وصال اور ہجر کی دو رنگی رہ جاتی ہے۔ جیسا کہ مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ رُباعی

با روئے تو روئے کفر و ایمان نماند	با نورِ تجلیت دل و جان بنماند
چوں مائی ما از تجلی بستند	امید وصال و بیم ہجراں بنماند

یہاں پر پہنچ کر " فاعلم انه لا اله الا الله " (واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں) کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ الوہیت کی سلطنت ولایت پر غالب آ جاتی ہے۔ اور وجودیت بالکل ملیامیٹ ہو جاتا ہے۔ " استغفر لذنبك اى لذنب وجودك ووجودك ذنب لا يقاس به ذنب " (میں تیرے گناہ کے لئے طلب بخشش کرتا ہوں۔ یعنی تیرے وجود کے گناہ کے لئے کیونکہ تیرا وجود ایک ایسا گناہ ہے جس کے برابر اور کوئی گناہ نہیں) اور پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں " انه ليغان على قلبى وانى لاستغفر الله فى كل يوم سبعين مرة " (وہ میرے دل کو ڈھانپتا ہے۔ اور میں ہر روز ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں (یعنی خلقت کے ساتھ ملنے جلنے اور احکام رسالت کی تبلیغ اور معاملات بشری میں مشغول ہونے کی وجہ سے جو وجودی نفس پیدا ہوتا ہے۔ اور اعمال کا جو بادل حقیقی آفتاب کے سامنے آ جاتا ہے۔ میں استغفار سے دن بھر میں ستر مرتبہ اُن کی

نفی کرتا ہوں۔ دوسرے یہ۔ کہ جب کبریا عظمت اور قہاری کی صفات سے سالک کی ولایت پر تجلی ہوتا ہے۔ تو جو کچھ سالک نے حاصل کیا ہُوا ہوتا ہے۔ سب کا سب گم ہو جاتا ہے اور حاصل کردہ کی بجائے وحشت اور حیرت آ جاتی ہے۔ اور علم اور معرفت جہالت اور بے خبری سے بدل جاتے ہیں۔ یہ اِس جہالت کے باعث ہے۔ جس کا مرتبہ علم سے بھی اعلےٰ ہے۔ اور پھر ہمیشہ بھی کہتا ہے۔ رباعی

اے در بچنگ آمدہ در عمرِ دراز | آوردہ ترا از قعرِ دریا بفراز
غواص نہادہ برکفِ دستِ نیاز | غلطیدہ ز دستِ یاز دریا شدہ باز

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی مقام میں پہنچکر "وقل رب زدنی علماً" (اے پروردگار! میرے علم کو زیادہ کر) کے وظیفے کے بعد "یا دلیل المتحیرین زدنی تحیراً" (اے حیرانوں کے رہنما میری حیرانی کو زیادہ کر) کا ورد اختیار کیا۔ سالک اِس مقام میں پہنچکر دریا کی طرح ہو جاتا ہے۔ اور اس کا سارا وجود اس حدیث میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ اور پھر بھی مارے پیاس کے اسکے ہونٹ خشک ہی رہتے ہیں۔ مصنف علیہ الرحمۃ خشک ہونٹ اور تر آنکھ سے زبان جان سے حسب ذیل رباعی فرماتے ہیں۔ رباعی

اے لعل لبت بخونِ دلہا تشنہ | چشمِ تو بدیدارِ تو چوں ما تشنہ
ہر دو چشم بر و ئے تو تشنہ ترا ست | ایں طرفہ کہ دریا شد و دریا تشنہ

ے

بدبخت اگر بر لبِ دریا باشد | گو بالبِ خشک ہیچو دریا باشد

اگر عام طور پر کبریا عظمت اور قہاری کی صفات سے متجلی ہو۔ تو اسے روزِ قیامت کہتے ہیں۔ اور قہاری تجلی کے آثار کے ظہور میں موجودات کی پیشانی پر "کل شیئ ھالک الا وجہہ" لکھدیتے ہیں۔ اور "لمن الملک" کی منادی کرتے ہیں "بلا داعی ولا مجیب" یہاں تک کہ صفت الوہیت سے خطاب عزت کا خود ہی جواب دیتا ہے "للہ الواحد القھار"۔

واضح رہے۔ کہ درحقیقت مشاہدے۔ مکاشفے اور تجلے میں بڑا باریک فرق ہے۔ ہر ایک کامل سالک اس سے واقف نہیں ہوتا۔ یہاں صرف اس قدر ظاہر کیا جاتا ہے۔ کہ مشاہدہ معہ تجلی بھی ہوتا ہے اور بغیر تجلی بھی۔ اور تجلی بغیر مشاہدہ کے بھی ہوتی ہے۔ اور مشاہدے کے

ساتھ بھی۔ جب تجلی صفات جمال سے ہوتی ہے۔ تو با مشاہدہ ہوتی ہے۔ اور جب صفات جلال سے ہوتی ہے۔ تو بے مشاہدہ ہوتی ہے۔ حقیقی تجلی وہ ہے۔ جس میں تجلی پر بے مشاہدہ شعور حاصل ہو۔ اس واسطے کہ مشاہدہ مفاعلت کے باب سے ہے۔ اِس میں دو کا ہونا ضروری ہے لیکن حقیقی تجلی تثنیہ کو دور کرتی ہے۔ اور وحدت کا اثبات کرتی ہے۔ لیکن مشاہدہ اور تجلی مکاشفہ بغیر نہیں ہوتے۔ مگر مکاشفہ بغیر تجلی اور مشاہدہ ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے۔ "ان اللہ خلق آدم فتجلی فیہ" (بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ اور اس میں تجلی کی) یہ تجلی آدم علیہ السلام میں تمام صفات اور ذات کی تجلی اظہار کے لئے تھی۔ نہ کہ ظہور کے لئے۔ اِس واسطے تجلی پر مشاہدہ اور شعور نہیں ہوتے۔ لیکن ہاں اس میں ذات وصفات کا اظہار ضرور ہوتا ہے۔

پیر ہروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا اظہار کرنا چاہا۔ تو آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔ اور جب چاہا۔ کہ اپنے تئیں ظاہر کرے۔ تو آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ اور روح پھونکنے کے وقت خاص اپنی رُوح اس میں پھونکی۔ اور اس میں تجلی کا بھید اور علم اسماء تعبیہ کیا۔ "ولقد کرمنا بنی آدم" کا اختصاص بھی سعادت کے انہیں دو بیجوں کے سبب سے ہے۔ جو آدم علیہ السلام کی مٹی میں بوئے گئے۔ اور "لما خلقت بیدی" (جب میں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا) کا اشارہ بھی انہیں دونوں جزوں کی طرف ہے۔ اور خلافت کی حقیقت بھی اسی سبب سے ہے۔ کہ خداوندی ذات وصفات سے اس میں متجلی ہوا۔ جس سے ساری صفات اس میں آگئیں۔ اور اسی واسطے ملائکہ نے اسے سجدہ کیا۔ چونکہ آدم علیہ السلام میں خود اللہ تعالیٰ ہی جلوہ گر تھا۔ اِسلئے وہ سجدہ آدم علیہ السلام کے لئے نہ تھا۔ جیسا کہ آج فنار کعبے کو نہیں۔ بلکہ گھر کے مالک کو ہے۔ یہاں پر بھی سجدہ گھر کے مالک کو کیا جاتا ہے۔ چونکہ شیطان کی صرف ایک آنکھ تھی۔ جس سے وہ گھر کو دیکھتا تھا۔ اور دوسری آنکھ نہ تھی جس سے گھر کے مالک کو دیکھتا۔ اِس واسطے وہ نہ دیکھ سکا اور لعنتی ہو گیا۔ "کل ناقص ملعون" (ہر ایک ناقص لعنتی ہے) اگرچہ تجلی کا بیج ابتداء میں آدم علیہ السلام کی مٹی میں بویا گیا تھا۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام کی ولایت میں ارنی کا سبزہ اُگا۔ اور ولایت محمدی میں "الم تر الی ربك" کا پھل اپنی کمالیت کو پہنچ گیا۔ جس سے آخرت بلکہ ابد الآباد تک اس دولت کے خرمن کے خوشہ چین اِس سے نیک بختی کا پھل حاصل

کرینگے۔" وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ" (بعض چہرے اس دن تروتازہ ہونگے جو اپنے پروردگار کو دیکھتے ہونگے۔) وصلی اللہ علےٰ محمد وآلہ وسلم۔

فصل ۲۰

{حضرت خداوندی سے بے اتصال وانفصال وصول کے بیان میں}

اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتا ہے۔ "ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین اوادنی" (پھر وہ نزدیک ہوا۔ پس ان دونوں میں دو کمان کے دو گوشوں کے برابر فاصلہ رہ گیا۔ بلکہ اس سے بھی کم)۔ اور نیز فرماتا ہے۔ "ان الی ربک المنتہی" (بیشک تیرے رب کی طرف انجام ہے)

اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسیٰ وقال تجوع ترانی تجرد تصل الی" (اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا کہ اگر تو مجھے دیکھنے کا مشتاق ہے۔ تو مجرد ہو کر مجھ سے آمل۔ اور جس وقت تو بھوکا ہوگا۔ اس وقت مجھے دیکھے گا)۔

واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ملنا کچھ اس قسم کا نہیں۔ کہ جیسے جسم سے جسم ملتا ہے۔ یا عرض جسم سے۔ یا علم معلوم سے۔ یا عقل معقول سے یا چیز چیز سے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے بہت بلند اور اعلےٰ ہے۔ اور نیز یہ کہ وصول الی اللہ بندے کی طرف سے نہیں۔ بلکہ محض بے علت عنایت اور جذباتِ الوہیت کے تصرف سے ہے۔ شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دو راہیں جاتی ہیں۔ ایک بندے سے حقتعالیٰ کی طرف۔ دوسرا حقتعالیٰ سے بندے کی طرف۔ جو بندے سے حق تعالیٰ کی طرف ہے۔ وہ محض گمراہی ہے۔ اور جو حقتعالیٰ سے بندے کی طرف ہے۔ وہ ہدایت ہی ہدایت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی راہ سے گیا۔ "ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا" (اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے وقت مقررہ پر آیا) اس واسطے جب اس نے کہا۔ "ارنی انظر الیک" (مجھے دکھا تاکہ میں تیری طرف دیکھوں) تو اسے کہا گیا۔ "لن ترانی" (تو ہرگز نہیں دیکھ سکیگا) اے موسیٰ تو اپنی راہ سے آیا ہے۔ اس بارگاہ کی راہ اسے نہیں ملتی۔ جو خود آنا چاہے بلکہ اسے ملتی ہے۔ جسے خود لایا جائے۔ مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ رباعی

باعشق جمال ما اگر ہم نفسی ۔۔۔ یک حرف بس است اگر در تن توکسی

تا با توئی دولت ما نرسی　　در ما تو گہی رسی کہ در ما برسی

لیکن چونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ کی راہ سے خود لیجایا گیا تھا۔ "سبحانی الذی اسری بعبدہ" (پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو لے چلا)۔ اس واسطے آنحضرت کو مقام قاب قوسین سے بھی آگے بڑھا دیا۔ اور مقام او ادنے تک پہنچا دیا۔ اور حضرت محمدؐ کی ہستی کا جو لباس تھا۔ وہ آنحضرتؐ کے وجود سے اُتار لیا گیا۔ کہ "ما کان محمداً ابا احد من رجالکم" (حضرت محمد تم میں سے کسی کا باپ نہیں) اور رحمت کی خلعت عطا کی۔ اور اس رحمت کی صورت کو خلقت کے پاس بھیجدیا۔ جب حق تعالیٰ کے پاس گئے۔ تو محمدؐ تھے۔ جب واپس آئے تو رحمت حق تھے۔ "وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین" (ہم نے تمہیں اہل عالم کے لئے باعث رحمت بھیجا ہے۔) اس واسطے وصول کی کمالیت وہ گانگت کی دوری۔ اثبات وحدت میں یہ خوشخبری امت کے پاشکستہ اور مذہب کے کمزوروں کو پہنچائی۔ کہ اگر کسی شخص کا براق ہمت آستانہ بشریت کی دہلیز سے روحانیت کے سدرۃ المنتہیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور ہماری بارگاہ میں بھیجنے سے بہرہ ور ہونا چاہتا ہے وہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی دہلیز پر سر رکھے اور آنحضرت صلعم کی تابعداری کے لئے کمربستہ رہے۔ کیونکہ وہاں پر دوگانگی دور ہے۔ اور یگانگت قائم ہے۔ جس نے اسے پالیا۔ اس نے ہمیں پالیا۔ "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" (جس نے رسول اللہ کی تابعداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی تابعداری کی)۔ یہ بیگانگت نہیں۔ تو ہمارا ہے اور ہم تیرے ہیں اس بارے میں مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ رباعی

اے سلسلہ زلف تو دلہا بستہ　　وے غمزہ خونخوار تو جانہا خستہ

یارب منم این چنیں بتو پیوستہ　　برخاستہ من زمن توئی بنشستہ

"ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ" (جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بیعت کرتے ہیں یہ مقام کشف ہے۔ پس جس صاحب سعادت کا مرجع بارگاہ الٰہی ہے "وان الی ربک المنتہیٰ" اس کے ذرہ انسانیت اور اس کی روحانیت کی مٹی کے خمیر میں خداوندی نور "الست بربکم" کے زمانہ ہی سے رکھا ہوا ہے "ان اللہ خلق الخلق فی ظلمۃ ثم رش علیھم من نورہ" (بیشک اللہ تعالیٰ نے خلقت کو تاریکی کی حالت میں پیدا کیا۔ اور پھر اس پر اپنا نور چھڑکا) اور جام الست کے پینے سے اسکی جان

حلق کو ایک خاص قسم کا ذوق بخشدیا ہے۔ جس کا اثر اسکی جان کے حلق سے دور نہیں ہوتا۔ اس مقام کی زندگی اسی ذوق پر منحصر ہے۔ اور اس نور کا قصد ہمیشہ اپنے مرکز اور اپنی کان کی طرف رہتا ہے۔ اور اس سبب سے وہ اس جہان سے الفت نہیں کرتا۔ اور ایک دم بھی اس مشرب کے شرب سے کنارہ نہیں کرتا جیسا کہ مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ رباعی

عشاق تو از الست مست آمدہ اند — سرمست زبادہ الست آمدہ اند

مے مے نوشند و بندِ مے می نوشند — کیشان زالست مے پرست آمدہ اند

جس طرح کہ اگر تیل کا ایک قطرہ دریا کے نیچے مٹی میں رکھدیا جائے۔ تو جتنا رنج وہ مٹی سے جدائی ڈھونڈیگا۔ اور باوجود ان تمام باتوں کے دریا سے الفت نہیں کریگا۔ اور نہ ہی پانی سے ملیگا۔ یہانتک کہ جب اسے موقع ملیگا۔ اور مٹی سے خلاصی پائیگا۔ تو فوراً دریا کی سطح پر آجائیگا۔ اور دریا کے سارے پانی کو اپنے نیچے لیگا۔ اور باوجود اسقدر عجیب و غریب جواہرات کے جو دریا میں ہے انکی طرف مطلق توجہ نہ کریگا۔ اور اگر روغن کا ایک اور قطرہ آجائے۔ تو بے جدا ہو کر اس پہلے قطرے سے آن ملیگا۔ اور اگر اسے دولت وصال ہاتھ آئیگی۔ تو بے توقف اپنی ہستی پہلے قطرے کے وجود پر قربان کردیگا۔ اور اگر اس سارے دیا کو آگ کے سامنے رکھدے۔ تو نہ آگ دریا میں جائیگی۔ نہ پانی آگ سے ملیگا۔ بلکہ جہاں تک ہو سکیگا۔ اس سے دُور بھاگیگا۔ اسی طرح انسانی نفوس اگرچہ دنیا کے دریا کا قطرہ ہیں۔ اس سے جلدی ملتے ہیں۔ بلکہ بڑی خواہش سے اس کے ساتھ ملتے ہیں۔ لیکن بارگاہی ارواح روغن کی طرح ہیں۔ وہ ہرگز دریائے دنیا کے شہواتی پانی کے ساتھ نہیں ملتے۔ بلکہ قطرہ روغن کی طرح آخرت کی خوش نصیبی حاصل کرتے ہیں۔ اور اسی سے ملتے ہیں۔ اور اگر جلالِ حق کی آگ کی چنگاری پالیتے ہیں۔ تو ہمہ تن اس میں مستغرق ہو جاتے اور اپنا وجود اس کے وجود پر قربان کردیتے ہیں۔ اور وجود حقیقی کی ہستی وجود مجازی کی نیستی میں خیال کرتے ہیں۔ مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ غزل

ہر کرا ایں عشقبازی در ازل آموختند — تا ابد در جانِ او شمعے ز عشق افروختند

واں دلے راکز برائے وصل او پرداختند — ہمچو بازش از دو عالم دیدگان بردوختند

پس دریں منزل مگو بہ تاب ہجر آرند باز — بیدلانے کاندراں منزل بوصل آموختند

لاجرم چوں شمع گاہ از ہجر او بگداختند — گاہ چوں پروانہ بر شمع وصالش سوختند

در خراباتِ فنا ساقی چو جام اندر فگند | ہر چہ بود اندر دو عالم شان ہے بفرو فتند
نجم رازی را مگر رانے ازیں معلوم شد | ہر چہ غم بُد در دو عالم بہر او اندو ختند

جس کی گردن میں عنایت کی کمند ڈالی گئی۔ اسی روز ڈالی گئی۔ اور جس کی گردن قہر کی زنجیر سے جکڑی گئی۔ اسی جگہ جکڑی گئی۔ "السعید من سعد فی بطن امہ والشقی من شقی فی بطن امہ" (سعید وہ ہے۔ جو ماں کے پیٹ ہی میں سعد ہو گیا۔ اور بدبخت وہ ہے۔ جو ماں کے پیٹ ہی میں بدبخت ہو گیا) شیطان علیہ اللعنۃ کی پیشانی پر کفر اسکی پیدائش سے پہلے ہی لکھا گیا تھا۔ "وکان من الکافرین" (وہ ناشکر گذاروں میں سے تھا) اور اس کے بعد لعنت کا داغ اسکے ماتھے پر دیا گیا۔ "وان علیک لعنتی الی یوم الدین" (بیشک تجھ پر روز قیامت تک میری لعنت ہے) یہ کوئی آج کا واقعہ نہیں۔ بلکہ ازل ہی میں اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا۔ **مصرعہ** - ایں رنگِ گلیم ما بہ گیلاں کردند

وہ جانور جو آج محبت کے جال کے گرد پھرتے ہیں۔ اور محبت کا دانہ چگ رہے ہیں۔ وہ اس جال کی گردن اور اس دانے کے لئے پوٹا دوسرے جہان سے لیکر آئے ہیں۔ جیسا کہ مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ **رباعی**

اصل گہرِ عشق ز کانِ دگراست | منزل گہِ عاشقاں جہانے دگراست
واں مرغ کہ دانۂ غمِ عشق خورد | بیروں زدو کون آشیان دگراست

نور کا چھڑکاؤ اس پر کیا گیا ہے۔ "ثم رش علیھم من نورہ فمن اصابہ ذالک النور فقد اھتدیٰ ومن اخطاہ فقد ضل" (پھر اس پر اپنا نور چھڑکا۔ پس جسے یہ نور پہنچ گیا۔ اس نے راہِ ہدایت پائی اور جو چوک گیا۔ وہ گمراہ ہو گیا) لیکن پتھر سے اس شرارے کے ظاہر کرنیکے لئے لوہے کی ضرورت پڑی۔ جس میں "لا الہ الا اللہ"۔ بمنزلہ لوہے کے بھیجدیا۔ "امرت ان اقاتل الناس حتیٰ یقولوا لا الہ الا اللہ" (مجھے اس بات کا حکم ہوا ہے۔ کہ میں لوگوں سے جنگ کروں۔ یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہدیں) اور فرمایا۔ کہ "اذکروا اللہ ذکراً کثیراً" (اللہ تعالیٰ کی یاد بہت کیا کرو) کے تصرف سے اس آہن صفت کلمے کو دل کے پتھر پہ مارا کرو۔ کہ آتش عشق کی چنگاری جو اس میں رکھی گئی ہے ظاہر ہو جائے۔ اور نیز نفسِ امارہ کی ظلمت کو فرشتوں کی طرح نظرِ حقارت سے نہ دیکھنا۔ کہ انہوں نے کہدیا تھا۔ "اتجعل فیھا من یفسد فیھا" (کیا تو روئے زمین پر ایسے شخص

کو بنا تا ہے۔ جو اس میں فساد برپا کریگا) فرشتے نا تجربہ کار بچوں کی طرح تھے۔ "انی اعلم مالا تعلمون" (میں وہ کچھ جانتا ہوں۔ جس کی تمہیں خبر بھی نہیں) جب اُنہوں نے خلیفے کا نام سنا۔ تو غور سے نگاہ کی۔ اور نفس کی تاریکی انہیں دکھائی دی۔ اِس سیاہی کو دیکھ کر بھاگ گئے۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہ تھا۔ کہ معرفت کا آب حیات اس تاریکی میں چھپا ہوا ہے اس واسطے کہ جب آگ کی چنگاری دِل کے پتھر اور کلمے کے لوہے سے ظاہر ہوتی ہے تو روحانیت کی اطلس اگرچہ بہت قیمتی اور لطیف ہے۔ اس شرارے کو قبول نہیں کر سکتی۔ وہاں پر وہی جلا ہوا سیاہ رو انسانی نفس ہی چاہیئے۔ جو بے توقف جان و دِل سے لے اٹھائے۔ "وحملها الانسان انهٗ کان ظلوماً جهولاً" (اور اسے انسان نے اُٹھایا۔ بے شک وہ ظلوم اور جہول تھا) اور اس غیبی آگ کی میزبانی کر۔ تاکہ عالم شہادت کا قیم ہو جائے۔ یہ بات صفات بشری کے بغیر ہو نہیں سکتی۔ "فاذکرونی اذکرکم۔" (تم میری یاد کرو۔ تاکہ میں تمہارا ذکر خیر کروں) اور اگر ایک دم بھی یہ غذا نہ پائے۔ تو وہ غیبی مہمان نہیں آتا۔ "نسوا الله فنسیهم" (وہ اللہ تعالیٰ کو بھلا دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں بھلا دیتا ہے) جونہی انسانی درخت سے صفات بشری کی شاخ نکلتی ہے۔ اسی وقت صادق عاشق لا الٰہ کی کلہاڑی اُس پر دے مارتا ہے۔ اور الا اللہ کی آگ اس پر ڈالتا ہے۔ آگ "واذکروکم" کے موافق اس میں لگ جاتی ہے۔ اور جس قدر ایندھن اسی سے لیتا ہے دِل وہ آتشی وجود اسے دیتا ہے۔ یہاں تک کہ انسانی درخت سارے کا سارا مو بشری شاخوں اور ملکوتی روحانی جڑوں کے جلا دیتی ہے۔ اور اس سے سارا وجودی درخت روشن ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ سارا وجود آگ میں خرچ ہو جاتا ہے۔ جب تک درخت رہتا ہے۔ آگ بھی رہتی ہے۔ اسی مقام پر وصال حقیقی حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں رباعی

ازعشق مے کہ بر لب آمد جانم   گفتم کمنی بوصل خود درمانم

گفتا کہ از وصال ما مے باید   رو ہیچ مماں تو تا ہمہ من مانم

جب انسانی سبز درخت حقیقی آگ پر قربان ہو جاتا ہے۔ "الذی جعل لکم من الشجر الاخضر ناراً" (اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ بنائی) تب آگ درخت کی زبان پر آواز دیتی ہے۔ کہ اے بے خبرو! میں آگ ہوں۔ درخت نہیں ہوں "نودی من شاطی الواد الایمن فی البقعة المبارکة من الشجرة ان یا موسٰی

اللہ لنورہ من یشاء" (اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نور سے ہدایت بخشتا ہے)۔ رُباعی

اے دل ایں راہ بقیل و قالت ندہند | جز بر دو نیستی و صالت ندہند
ونگاہ درآں ہوا کہ مرغان دے اند | تا با پر و بالے پر و بالت ندہند

اب تک تو تُو اپنے پروبال سے اُڑتا رہا۔ اِس لئے دیوانہ پروانہ تھا۔ لیکن اب جب کہ تو ہمارے پروبال سے اُڑیگا۔ تو تُو یگانہ روزگار ہو جائیگا۔ اب تو ہم سے بیگانہ نہیں۔ بلکہ ہمارا ہے۔ ساری خودی پیچ ہیں سے نکال ڈال۔ تو ہی موتی ہے۔ تو ہی موتی کا دانہ ہے۔ تُو ہی جان بھی ہے اور معشوق بھی ہے

تو جانی و پند اشتی کہ شخصی | تو آبی و انگاشتی سبوئی

اس کے بعد تو تُو نہیں۔ اِس واسطے کہ تیرا نام ہی نام ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ رُباعی

عشق آمد و شد چو خونم اندر رگ و پوست | تا کرد مرا تہی و پُر کرد ز دوست
اجزائے وجود من ہمہ دوست گرفت | نامے است ز من بر من و باقی ہمہ اوست

وصلی اللہ علی محمد و آلہ اجمعین ٭

(۴)

بابِ چہارم

{نیک بختوں اور بدبختوں کے نفوس کی جائے بازگشت کے بیان میں}

یہ باب اللہ تعالیٰ کے اس قول کہ "فخذ اربعۃ من الطیر" سے تبرکاً چار فصلوں پر منقسم ہے ٭

فصل - ۱

{ظالم نفس کی جائے بازگشت کے بیان میں}

ظالم نفس کو نفس لوامہ بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جلشانہٗ فرماتا ہے۔ "کما بدأکم تعودون فریقاً ھدی و فریق حق علیھم الضلالۃ" (جس طرح تم کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اسی طرح تم لوٹائے جاؤ گے۔ اس وقت بعض حق پر ہونگے اور بعض گمراہ)۔ اور نیز فرماتا ہے "ثم اوُرثنا

الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنہم ظالم لنفسہ ومنہم سابق بالخیرات باذن اللہ" (پھر ہم نے کتاب کا وارث اپنے برگزیدہ بندوں کو بنایا بعض ان میں سے اپنی جان پر ظلم کرنیوالے ہیں۔ اور بعض میانہ رو اور بعض حکم الٰہی سے نیکی میں سبقت لے جانے والے ہیں) ٭

اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "کما تعیشون تموتون وکما تموتون تحشرون" (جس طرح تم زندگی بسر کرو گے۔ اسی طرح مرو گے۔ اور جس طرح مرو گے اسی حالت میں تمہارا حشر ہوگا) ٭

واضح رہے۔ کہ نفوس انسانی کی بازگشت بارگاہ الٰہی میں یا اختیار سے ہوتی ہے جیسے نیک بختوں کے نفوس یا گھبراہٹ سے جیسے بدبختوں کے نفوس سب کی بازگشت بارگاہ الٰہی ہے۔ جیساکہ "ان الینا ایابھم" (بے شک اُن کی بازگشت ہماری طرف ہے) سے واضح ہے۔ اور نیز فرماتا ہے۔ "کما بدأکم تعودون" یہاں نفوس انسانی رُوح دل اور نفس کا مجموعہ مراد ہے۔ لفظ نفس سے اسواسطے اسکو موسوم کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بھی مراجعت کے وقت اس کو لفظ معنی سے پکارا ہے "یا ایتہا النفس المطمئنۃ" (اے نفس مطمئنہ لیکن حقیقت میں انسانی ذات کو مخاطب فرمایا ہے۔ جو ایک مجموعہ ہے نہ صرف ایک جزو سے جس کو قالب سے تعلق یا اپنے وقت روح کے نام سے موسوم کیا۔ کہ "ونفخت فیہ من روحی" (اس میں میں نے اپنی روح پھونکی۔) اس واسطے کہ اصل تو وہی تھا۔ دل اور نفس روح اور قالب کے ملنے سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیساکہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ مراجعت کے وقت اس سارے مجموعے کو لفظ نفس سے پکارا۔ اس واسطے کہ نفس کہہ کر اس سے مراد ذات لیتے ہیں "نفس الشیٔ ذاتہ" (کسی چیز کا نفس اسکی ذات ہے) اور حقتعالیٰ نے اپنی ذات کو بھی نفس فرمایا ہے "تعلم مافی نفسی ولا اعلم مافی نفسک" یعنی فی ذاتک (نفس سے مراد ذات ہے۔)

باغبان بوتے وقت بیج کو باغ میں بیجتا ہے تاکہ بوئے۔ لیکن جب وہ بیج کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ تو پھر اس کا پھل گھر لاتا ہے۔ حالانکہ بیج خود اس پھل میں داخل ہوتا ہے۔ انسانی نفس بھی روحانی بیج کا پھل ہے۔ جب بیج بویا گیا۔ تو اسے روح کے نام سے پکارا۔ اور جب وہ بیج پھل لایا۔ اس کو نفس کے نام سے پکارا۔ لیکن محقق اور اہل سلوک

مختلف الرائے ہیں۔ کہ آیا نفس اپنے پہلے مقام سے آگے بڑھ سکتا ہے یا نہیں بعض کی یہ رائے ہے۔ کہ تربیت سے ترقی پاتا ہے۔ اور پہلے مقام سے ترقی کر کے دوسرے مقام میں آتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ جب اپنے معلومہ مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ تو اسکی ترقی مسدود ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے مقام میں جہاں کی استعداد اس میں نہیں ہوتی۔ نہیں پہنچ سکتا۔ جیسا کہ گیہوں کا بیج تربیت سے گیہوں ہونیکے مقام سے آگے ترقی نہیں کرتا۔ یعنی چنا وغیرہ نہیں بنجاتا۔ اور نہ ہی معکوس ترقی کر کے جو وغیرہ بن سکتا ہے۔ اسی جو یا چنا گیہوں نہیں بن سکتے۔ ہاں اتنا ضرور ہے۔ کہ ان میں سے ہر ایک جب اپنے اپنے مقام میں تربیت پاتے ہیں۔ تو اپنے مرتبہ کی کمالیت کو پہنچ جاتے ہیں۔ اور اگر تربیت میں کسی قسم کی کوتاہی آجائے۔ تو اس میں بھی نقصان آجاتا ہے۔ اور کمزور اور بے مغز رہتا ہے۔ لیکن جو کچھ اس ضعیف (مصنف) نے مختلف چیزوں کے حقائق اور معانی کو کشف سے مشاہدہ کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ بعض نفوس تربیت کے سبب اپنے پہلے مقام سے ترقی کر جاتے ہیں۔ اور دوسرے مقام میں پہنچ جاتے ہیں۔ اور بعض اگرچہ تربیت پاتے ہیں۔ تو بھی دوسرے مقام میں نہیں پہنچتے۔ اور یہ اسی طرح ہے۔ جس طرح ارواح کی پیدائش کے شروع میں چار صفیں ہو گئیں تھیں۔ "الارواح جنود مجندۃ"

صف اول میں انبیاء علیہم السلام اور خاص اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی روحیں مقام بیوسطگی میں تھیں۔

صف دوم میں عام اولیاء اور خاص مومنوں کی تھیں۔

تیسری صف میں عام مومن اور خاص خاص گنہگاروں کی تھیں۔

چوتھی صف عام گنہگاروں، کافروں اور منافقوں کی تھیں۔

پس چوتھی صف والے تیسری صف والوں میں پہنچتے ہیں۔ اور تیسری والے دوسری میں اور دوسری والے پہلی میں ہیں۔ پہلی صف والے جو مقام بیوسطگی میں پڑے ہیں۔ اور جن کی پرورش حضرت الوہیت کی صفات کے انوار سے ہوئی ہے۔ وہ الوہیت کو جذبات کے مستحق ہیں۔ تاکہ روحانیت کے مقام سے صفات خداوندی کے عالم میں پہنچیں جیسے بجھا ہوا کوئلہ۔ جس نے آگ کے تصرف سے پرورش پائی ہے۔ اور اسی لئے آگ کی چنگاری

کو قبول کرلینا اس کے وجود میں ہے۔ تاکہ اگر بجلی چمکے یا پتھر لوہے پر ماریں اور شعلہ اس پر پڑے تو اس میں آگ لگے گی۔ پاس خواہ ہزاروں قسم کا نفیس اسباب یا جواہرات پڑے ہوں۔ اُن پر کارگر نہیں ہوگا ے

بارِ دیگر زدہ آتشے اندر دلِ من   در دلِ سوختہ آتش زدن آساں باشد

جلے ہوئے کی طرح جانِ شوق کی زبان سے جذبات کی آگ کی چنگاری کو کہتی ہے ے

قدرِ سوزِ تو چہ داند ازیں مشتے خام   ہم مرا سوز کہ صد بار دگر سوختہ ام

جب وہ آتش اشتیاق کے جلے ہوئے بشریت کے فراق کے جنگل سے خلاصی پاتے ہیں۔ اور پھر کعبۂ وصال کی سرحد پر پہنچتے ہیں۔ تو خود بخود اس مقام سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ہاں عنایت الٰہی کے استقبال کرنیوالے از راہِ لطف جذبات کی صورت میں ان کا استقبال کرتے ہیں۔ اور اسی استعداد کے موافق جو شروع میں اسکے اندر رکھی گئی تھی۔ دولت کی پناہ میں لاتے ہیں۔ "سبعة یظلهم الله تحت ظله" اسی بارے میں فرماتا ہے "جذبة من جذبات الحق توازی عمل الثقلین" (ایک جذبہ حق دونوں جہان کے عمل کے برابر ہے) اس واسطے کہ اگر تمام فرشتوں۔ جنوں اور انسانوں کے معاملے کو جمع کیا جائے۔ تو ایک بندے کو حقتعالیٰ کی تجلی کے لائق بناتا ہے۔ لیکن ایک جذبہ حق بندے کو او ادنیٰ کے قرب کی بساط پر بٹھا دیتا ہے اسی لئے ایک جذبہ حق تمام خلقت کے معاملے سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جنہوں نے خودی سے خلاصی پائی ہے۔ اور جذبات کے تصرف سے عالم الوہیت کی سیر کرتے ہیں۔ ان کا ایک دم دونوں جہان کے معاملے کے برابر ہے۔ بلکہ اس سے بھی برتر ے

صوفیاں در دمے دو عید کنند   عنکبوتاں مگس قدید کنند

فانی صوفی کے لئے ہر دم ایک نیا ہی وجود پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر وہ وجود جذبہ حق کے تصرف سے محو ہو جاتا ہے۔ اور اس محویت سے عالم الوہیت کی سیر میں ایک قدم آگے بڑھتا ہے۔ کہ "یمحوا الله ما یشاء و یثبت" (اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے) پس ہر دم نہیں محو اور اثبات حاصل ہوتا ہے۔ اسی واسطے صوفی کو دو خوشیاں ہوتی ہیں۔ ایک محو کی دوسری اثبات کی۔ یہ ایسا مقام ہے

جہاں پر پہنچکر سالک کا وجود لاالہ الا اللہ کا وجود ہو جاتا ہے۔ عین نفی اور اثبات کی حالت میں اِسے اگر اس مقام میں روح اللہ وکلمۃ اللہ کہا جائے تو بجا ہے۔ اور یہ لباس اس کے بدن پر ٹھیک آتا ہے۔ دوسری صفوں والے اِس کمالیت کی دولت سے تو محروم ہیں۔ لیکن اتنا ضرور ہے۔ کہ جب اپنے مقام میں بدرجہ کمال پرورش پاتے ہیں۔ تو ترقی پاکر ایک ایسے مقام تک پہنچ جاتے ہیں۔ جو پہلے انہیں نصیب نہ تھا۔ جیسے گیہوں کے بیج۔ کہ جب بویا جاتا ہے۔ تو اس وقت وہ کمزور ہوتا ہے۔ لیکن جب مناسب طریق سے اس کی پرورش ہوتی ہے۔ تو ایک ایک کے سات سو ہو جاتے ہیں۔ اور ڈھیر لگ جاتے ہیں۔ اِسی طرح ہر صف والے جب استعداد کی خوبی اور صفائی حاصل کر لیتے ہیں۔ تو اپنے سے اوپر کی صف کے مقابل آ جاتے ہیں۔ اور اعلےٰ صف کے عکسی کمالات کے قبول کرنے کے لائق ہو جاتا ہے اگرچہ ان میں سے نہیں ہو جاتا۔ تو بھی ان کے ساتھ ضرور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ "المرء مع من احب" (مرد اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے محبت کرتا ہے) جیسا کہ فرماتا ہے۔

"اولٰئک الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین وحسن اولٰئک رفیقاً ذٰلک الفضل من اللہ" یعنی یہ مرتبہ جو انہیں حاصل ہے۔ اِس کی استعداد انکی فطرت میں نہ تھی۔ بلکہ محض فضل الٰہی ہے۔ "للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ" (نیکی کرنیوالوں کے واسطے نیکی ہے۔ بلکہ اس سے کچھ زیادہ بھی) کا اشارہ بھی اِسی کی طرف ہے۔ حسنیٰ بہشت کی نعمتیں ہیں۔ جو احسنوا کے بیج کا پھل ہے۔ اور صفاتِ خداوندی کا مشاہدہ اور دیدارِ الٰہی کی دولت جو انہیں ملتی ہے۔ یہ فضل وکرم ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے چاروں صفوں والوں کو چاروں قسموں میں منقسم فرمایا ہے۔ تین قسمیں اہل اصطفا اور قبول اور چوتھی بدبخت۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔

"ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنہم ظالم لنفسہ ومنہم مقتصد ومنہم سابق بالخیرات" (پھر ہم نے کتاب بطور ورثہ اپنے برگزیدہ بندوں کو دی۔ پس ان میں بعض اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔ اور بعض میانہ رو اور بعض اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیکی میں سبقت لے جانے والے ہیں) یہ تینوں گروہ اہل قبول ہیں۔ اِس واسطے کہ لفظ اصطفا سے ان کا ذکر کیا گیا ہے یعنی

ہم نے ان کو برگزیدہ بنایا اپنے بندوں میں سے اور اس کتاب (قرآن مجید) کو بطور میراث
انہیں دیا۔ اگرچہ بعض ان میں اپنے نفس کے لئے ظالم تھے۔ اور قرآن مجید پر عمل کیا
اگرچہ انہوں نے گناہ کیا۔ لیکن اس گناہ کا اعتراف کرلیا۔" واٰخرون اعترفوا
بذنوبھم خلطوا عملاً صالحًا واٰخر سیئًا عسی اللّٰہ ان یتوب علیھم"
(اور کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنی خطا کا اقرار کیا۔ اور انہوں نے ملے جلے عمل
کئے۔ کچھ بھلے اور کچھ برے۔ سو عجب نہیں۔ کہ اللہ ان کی بھی توبہ قبول کرلے) اور مردودوں
کی جدا قسم کرکے فرمایا "لایصلٰھا الّا الاشقی الذی کذّب وتولّٰی" (اس میں وہی
بدبخت داخل کیا جائیگا جس نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور ہم سے روگردانی کی)
پہلے تین گروہوں کا مرجع اور معاد ان کے درجات کے مطابق بہشت ہے۔" ان
الابرار لفی نعیم" (نیک لوگ بہشت کی نعمتوں میں بسر کرینگے)۔

مردودوں۔ کافروں اور منافقوں کا مرجع اور معاد دوزخ ہے۔" ان اللّٰہ جامع
المنافقین والکافرین فی جھنم جمیعا" (اللہ تعالیٰ سارے کافروں اور
منافقوں کو دوزخ میں اکٹھا کریگا) چونکہ انسانی وجود دو عالموں روحانی اور جسمانی کا مجموعہ
ہے۔ اس لئے جو کچھ ان دونوں عالموں میں ہے۔ وہ انسانی وجود میں بھی نمودار
ہوتا ہے۔ جس طرح عالم ارواح میں چار قسمیں ہیں۔ اسی طرح وجود انسانی کے
عالم میں نفس کے چار مرتبے امارہ۔ لوامہ۔ ملہمہ۔ اور مطمئنہ ہیں۔ تاکہ ارواح کی
چار صفوں میں سے ہر ایک کے لئے ایک خاص قسم کا نفس ہو۔ پہلی صف والوں
کا نفس مطمئنہ ہوتا ہے۔ دوسری صف والوں کا ملہمہ۔ تیسری والوں کا لوامہ اور
چوتھی والوں کا امارہ ہوتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے مقام سے نہیں گذر
سکتا۔ اس واسطے کہ اس کے بیج میں اس سے زیادہ استعداد رکھی ہی نہیں گئی۔ ہاں
پہلی صفت والوں کو حاصل ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ
سوال کرے۔ کہ چونکہ اسی مقام میں جائیگا۔ جہاں سے آیا تھا۔ تو پھر اس آنے کا سبب
کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اگرچہ جاتے تو اسی مقام میں ہیں جہاں سے آئے تھے
لیکن ویسی حالت میں نہیں جاتے۔ جیسی حالت میں آئے تھے۔ بعض نیک بختی کے درجے
حاصل کرکے جاتے ہیں۔ اور بعض بدبخت ہوکر جاتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔" والعصر

ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملوا الصالحات" (عصر کے وقت کی قسم کہ سارے ہی انسان گھاٹے میں ہیں۔ مگر وہ جو ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل بھی کیئے)۔ اس کی مثال اس بیج کی طرح ہے۔ جو زمین میں ڈالا جاتا ہے۔ پہلے تو وہ بیج بگڑتا ہے۔ اور نیست ہونا شروع ہوتا ہے۔ جس بیج کی پرورش مناسب طور پر ہوتی ہے۔ اور آفتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ تو ایک کے دس یا سو یا سات سو ہو جاتے ہیں۔ اور جس کی پرورش نہیں ہوتی۔ وہ بالکل زائل ہو جاتا ہے۔ نہ بیج ہی رہتا ہے۔ نہ پھل ہی لاتا ہے۔ نیز بیج بھی مختلف ہوتے ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں۔ کہ جب بیج کی پرورش ہو جاتی ہے۔ تو اس کا پھل بعینہٖ بیج کی طرح ہوتا ہے۔ جیسے گیہوں، جو، چنے، مسور وغیرہ۔ جب یہ اپنے کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ تو ان کا چھلکا یا مغز نہیں ہوتا۔ اور بعض بیج ایسے ہوتے ہیں۔ جو بعینہٖ اسی طرح تو ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا چھلکا ہوتا ہے مگر بے مزہ۔ ہاں ان کے گودے میں لذت ہوتی ہے۔ جیسے اخروٹ۔ بادام۔ وغیرہ۔ ان کا چھلکا تو ہوتا ہے لیکن بے مزہ۔ اور بعض بیج ایسے ہیں کہ بعینہٖ اسی طرح پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا چھلکا مزیدار ہوتا ہے۔ لیکن گودا بے لذت ہوتا ہے جیسے کھجور۔ زیتون۔ آم وغیرہ۔ ان کا چھلکا لذیذ ہوتا ہے لیکن گٹھلی وغیرہ بے مزہ۔ اور بعض بیج ایسے ہیں۔ کہ بعینہٖ اسی طرح پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان کا پھل بھی ہوتا ہے۔ جن کا بیج اور پھل دونوں مفید ہوتے ہیں۔ جیسے شفتالو۔ زردآلو۔ انگور اور انجیر وغیرہ۔ تمام قسم کے میوہ جات ان چار قسموں سے باہر نہیں۔ انسانوں کی روحیں جو چار گروہوں میں منقسم ہوئی ہیں۔ ان میں بھی یہی مناسبت ہے۔ جب قالب کی زمین میں بیج بویا جاتا ہے۔ تو اس کا پھل چار طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو کافروں کے ارواح کا بیج ہے۔ جو صاحبِ نفس امارہ ہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ یہ چھلکے اور مغز بغیر ہوتے ہیں۔ جیسے گیہوں، جو وغیرہ۔ دوسرے ظالم مسلمانوں کے ارواح جو صاحب نفس لوامہ ہیں۔ ان کا چھلکا تو ہوتا ہے۔ لیکن لذیذ نہیں ہوتا۔ جیسے اخروٹ۔ بادام وغیرہ۔ مگر گودا لذیذ ہوتا ہے تیسرے مقتصد مومنوں کے ارواح جو صاحبِ نفس ملہمہ ہیں۔ یہ ربانی الہامات کا چھلکا لیکر پیدا ہوتے ہیں۔ اس واسطے ان کا چھلکا لذیذ ہوتا ہے۔ جیسے کھجور وغیرہ لیکن گودا نہیں ہوتا۔ چوتھے سابقوں کے ارواح جو صاحبِ

نفس مطمئنہ ہیں۔ ان کا چھلکا اور گودا دونوں لذیذ ہوتے ہیں۔ جیسے زردآلو اور انجیر وغیرہ۔ ان سب کا حال انشاء اللہ الگ الگ فصل میں بیان کیا جائیگا۔ اس فصل میں لوامہ کا مفصل حال بیان کیا جائیگا۔ جس سے مراد " فمنھم ظالم لنفسہ" ہے۔ اور جس طرح حقتعالی نے اسی سے ابتداء کی ہے۔ اس لئے پہلے اسی کی جائے بازگشت کا حال لکھنا چاہیئے ۔

واضح ہے۔ کہ ظالم عالم ارواح میں تیسری صف والے ہیں۔ اور اس عالم میں بھی ان کا درجہ تیسرا ہے۔ اس واسطے کہ وہ صاحب نفس لوامہ ہیں۔ اور قرآن شریف میں بھی ان کا درجہ تیسرا ہی ہے۔ سابق اور مقتصد کے بعد تیسرا درجہ ظالم کا ہے۔ اور یہ عام مومنوں اور خاص گنہگاروں کی روحیں ہیں۔ اور ظالم کے اسم سے اس واسطے موسوم ہوئی ہیں۔ کہ باوجود انوار ایمان کے جو ان کے دل میں ہوتے ہیں۔ ظاہر میں اہل کفر کا سا معاملہ کرتے ہیں۔ کیونکہ ظلم کی یہ تعریف ہے۔ " وضع الشئ فی غیر موضعہ" (کسی چیز کو ایسی جگہ میں رکھنا۔ جہاں اس کا رکھنا مناسب نہ ہو) نیز یہ کہ ایمانی نور کو خطاؤں کے ظلم کی تاریکی سے ڈھانپ لیتا ہے۔ اس واسطے اسے ظالم کہا گیا۔ عادل وہ شخص ہوتا ہے۔ جو ایمان کے نور کو خطاؤں کے ظلم کی تاریکی سے نہ ڈھانپے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " الذین امنو ولم یلبسوا ایمانھم بظلم" (ایمان والے جو اپنے ایمانوں کو ظلم سے نہیں ڈھانکتے) نیز اپنے نفس کے لئے ظالم اس واسطے ہے کہ وہ طاعت کے علاوہ خطا کرتا ہے۔ اور جب قیامت کے دن اس کی خطاوں کا پلڑا جس قدر اس کی طاعتوں کے پلڑے سے بھاری ہوگا۔ اُسی قدر وہ دوزخ کا زیادہ مستحق ہوگا۔ " فاما من خفت موازینہ فامہ ھاویۃ" (جس شخص کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا۔ پس اسکے لئے دوزخ ہے) حقیقت میں ہے بھی اسی طرح۔ کہ دوسری مرتبہ کے مقبولوں کی ہر ایک صف تین طرح کی ہوتی ہے۔ کچھ دائیں والے۔ کچھ بائیں والے اور کچھ درمیانی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ " وکنتم ازواجاً ثلثۃ فاصحاب المیمنۃ ما اصحاب المیمنۃ واصحاب المشئمۃ والسابقون السابقون اولئک المقربون" (تم تین گروہ تھے کچھ دائیں والے سو دائیں والوں کا کیا کہنا۔ اور کچھ بائیں والے اور کچھ سابق سو یہی مقرب ہیں) ۔

ہر ایک صف میں اس صف کے مناسب دائیں بائیں والے اور سابق ہوتے ہیں۔ دائیں والے وہ شخص ہوتے ہیں۔ کہ جب انکی روحانیت کے بیج کا تعلق قالب کی زمین سے ہوا۔ اگرچہ اُنکی پرورش بدرجۂ کمال نہ ہوئی۔ کہ ایک سو سے لیکر سات سو تک ہو جاتے۔ اور وہ قالب کی زمین میں صفات بشری کے تصرف سے بند نہیں ہوئے۔ اور نہ ہی بوسیدہ ہوگئے۔ ان کو درخت تو پیدا ہوتا ہے۔ اور تھتی مقام میں پہنچ جاتا ہے۔ اس صورت میں اگر زیادہ نہیں ہوتا تو اس میں نقصان بھی نہیں آجاتا۔ اس گروہ پر ملکی صفت غالب ہوتی ہے۔ یہ لوگ اہل طاعت ہوتے ہیں۔ ان کا میلان طبع گناہ کی طرف بہت کم ہوتا ہے۔ یہ لوگ صاحب نجات ہوتے ہیں۔ دائیں جانب بہشت کی راہ لیتے ہیں یعنی پھر اپنی روحانیت کے مقام میں بے توقف پہنچ جاتے ہیں ٭

بائیں جانب والے وہ شخص ہیں۔ جنہوں نے روحانیت کے بیج کو نقصان پہنچایا ہے۔ اگرچہ بیج بالکل بیکار تو نہیں ہوگیا۔ پھر بھی صفات بشری کے معاملات کے تصرف سے اس میں خلل اور نقصان آگیا ہے۔ ان لوگوں کا میلان طبع زیادہ تر گناہ کی طرف ہوتا ہے۔ ان کو بائیں طرف دوزخ میں دھکیل دیا جاتا ہے۔ اور اس نقصان کے موافق درجوں کی کمی نہیں دیجاتی ہے۔ تاکہ ان سے وہ آلائش دور ہو جائے۔ اور پھر اپنے معلومہ مقام پر آجائیں ٭

بیچ والے وہ لوگ ہیں۔ جو سابق ہیں۔ اور جنہوں نے روحانیت کے بیج کی پرورش کی ہے۔ اور اسے بدرجہ کمال پہنچا دیا ہے۔ یہاں تک کہ سو یا سات سو تک پہنچا دیا ہے۔ ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن پر ابتداء سے لیکر انتہا تک روحانی صفات غالب رہی ہیں۔ اور کبھی بھی گنہگاری کی آفت سے ملوث نہیں ہوئے۔ اور سابقون کے لئے ہماری طرف سے نیکی ہے۔ اور وہ لوگ اس سے دُور رہینگے ”ان الذین سبقت لھم منا الحسنی اولئك عنها مبعدون“ کے موافق نفس کی موافقت اور حرص کی تابعداری سے دور رہے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے ابتداء میں تو نفس کی مراد کے موافق کارروائی کی ہے۔ اور طبیعت کی خواہش کے موافق کچھ عرصہ گذارا ہے۔ اور پھر الٰہی جذبے اور عنایت کی کمند سے حیوانی مراتب اور ڈھور ڈنگروں کی چراگاہوں سے مُنہ پھیر لیا ہے۔ اور شریعت کی اکسیر سے طبیعت کے تانبے کے سے معاملات کو عبودیت

کا خالص سونا بنایا ہے۔ اولئك يبدل الله سيأتهم حسنات "یہ وہی لوگ ہیں جنکی برائیاں اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل ڈالیگا" ان دونوں گروہوں کو زندگی میں اختیار سے سلوک کے مطابق اپنے مقام کی طرف واپس جانا حاصل ہوتا ہے۔ ان کو سابق اس واسطے کہتے ہیں۔ کہ وہ دائیں بائیں والوں سے اس بات میں سبقت لے گئے ہیں۔ کہ وہ تو موت کے بعد اپنے مقام کو پہنچتے ہیں۔ اور یہ زندگی کی حالت میں پہنچ جاتے ہیں۔ جیسا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "سیروا سبق المفردون" (مفرد لوگوں کی سبقت کا مطالعہ کرو) لیکن نفس لوامہ والے جو تیسری صف والے ہیں۔ اصحاب یمین (دائیں جانب والے) کہتے ہیں۔ ان کی بندگی اُن نافرمانیوں پر غالب ہوتی ہے۔ اور اسی لئے یہ اہل نجات ہوتے ہیں۔ "فامامن ثقلت موازینه فهو فی عیشة الراضیة" (جس کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا۔ وہ حسب منشاء زندگی بسر کریگا) اور جو بائیں والے ہیں۔ انکی نافرمانیاں ان کی طاعت پر غالب ہوتی ہیں۔ جس طرح اُنہوں نے دنیا میں حرص و ہوا کی تابعداری کی اسی طرح ان کا مقام بھی ہاویہ ہوگا۔ اس واسطے کہ جب اللہ تعالیٰ نے دل کو پیدا کیا۔ تو عقل کو اس کی دائیں طرف رکھا۔ اور حرص و ہوا کو بائیں طرف۔ اور عشق کو اس کے سامنے۔ اس لئے جنہوں نے عقل کی پیروی کی۔ وہ صاحب یمین کہلائے۔ اور جنہوں نے حرص و ہوا کی متابعت کی وہ صاحب شمال کہلائے۔ اور سابق وہ ہیں۔ جنہوں نے عشق کی متابعت کی۔ پس عقل عاقل کو معقول تک پہنچا دیتا ہے۔ اور حرص و ہوا حرص و ہوا والے کو ہاویہ میں اور عشق عاشق کو معشوق تک پہنچا دیتا ہے۔ جو دُنیا میں حرص و ہوا کی پیروی کرتا ہے۔ وہ "کما تعیشون تموتون وکما تموتون تحشرون" (جس طرح تم زندگی بسر کروگے۔ اسی طرح تم مروگے اسی طرح تمہارا حشر ہوگا) کے موافق ہاویہ میں دھکیلا جائیگا۔ کہ "فامه هاويه" (یعنی اُسکی ماں ہاویہ ہے) اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ وہ نفس لوامہ کے وجود میں بند ہے اس جہان میں اُس نے اپنے آپ سے کچھ نہیں جنا ہاں ایمان کے طفل سے حاملہ ہے۔ اگر جنتا تو صفات حیوانی اور سبعی کے رحم سے نکلتا۔ اور ہاویہ سے خلاصی پاجاتا۔ لیکن چونکہ وہ حاملہ تھا۔ اور یہاں نہ جنا۔ اس لئے ہاویہ میں اس قدر رہیگا۔ کہ آگ اس سے حرص و ہوا اور صفات حیوانی سبعی اور شیطانی وغیرہ کی آلائش کو دور کردے اور طفل ایمان ہے۔ وہ دل کے رحم میں ہاویہ کی ماں سے پیدا ہو اور بہشت کا حق حاصل کرے۔ کہ "یخرج من النار

فی قلبہ مثقال ذرۃ من الایمان" (آگ سے وہ شخص بھی نکالا جائیگا۔ جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا) اس شخص کی مثال اخروٹ کی سی ہے۔ کہ اس میں ایمانی مغز تو ہے۔ لیکن اعمال خالص کا کڑوا چھلکا اس پر ہے۔ چھلکے پر چند چوٹیں لگا کر بیچ میں سے مغز نکال کر چھلکے کو جلا دیتے ہیں۔ "کلما نضجت جلودھم بدلنا جلودا غیرھا" (جب ان کے چمڑے پک جاتے ہیں۔ تو ان کو اور چمڑے دے دئے جاتے ہیں) اور مغز کو لطائف حق کے میووں کے پتوں میں لپیٹ کر بہشت کے صحن میں رکھا جاتا ہے۔ اور پھر "علی سرر متقابلین" کے دسترخوان پر لایا جاتا ہے۔ یہ ان لوگوں کا حال ہے جن کے حق میں فرمایا ہے "واٰخرون مرجون لامر اللہ اما یعذبھم واما یتوب علیھم" (اور کچھ اور لوگ ہیں۔ کہ حکم خدا کے انتظار میں ان کا معاملہ ملتوی ہے اس کو اختیار ہے۔ کہ یا تو ان کو عذاب دے یا ان کی توبہ قبول کرے) اور اگر فضل الٰہی اور تائید آسمانی مرنے سے پہلے ایک دم بھی پہنچ جائے۔ تو اپنے الطاف کی خوشبودار ہوا اس کی جان کے دماغ میں پہنچا دیتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے شکستہ دل اور خستہ جان سے اس دم یہ آواز نکلتی ہے۔ رباعی

باد آمد و بوئے زلف جاناں آورد — وین عشق کہن شدہ ما نو کرد

اے باد تو بوئے آشنائی داری — زنہار بگرد ہیچ بیگانہ مگرد

فوراً اس کے وجود میں درد پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کے معاملات کے خرمن میں ندامت کی آگ لگ اٹھتی ہے۔ اور اس آگ سے ایک گھڑی میں اس سے وہ چیز جل جاتی ہے۔ جو دوزخ کی آگ بہت سے سالوں میں بھی نہیں جلا سکتی۔ اور اسے حرص و ہوا کی ماں کے رحم سے جو ہاویہ صفت تھی پیدا کیا۔ کیونکہ ندامت بھی بمنزلہ توبہ کے ہوتی ہے۔ اور وہ نصوحی توبہ اسے ایک دم میں ایسا پاک کر دیتی ہے۔ کہ گویا اس آلودگی سے کبھی آلودہ ہی نہیں ہوا تھا۔ "التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ" (جو شخص گناہ سے توبہ کرتا ہے۔ وہ ایسے شخص کی طرح ہو جاتا ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو) جب اس میں دوزخ کا حصہ نہیں رہتا۔ اور اسے دوزخ کے دروازے پر لیجایا جاتا ہے۔ تو دروازے سے فریاد آتی ہے۔ کہ "جز یا مومن فان نورک اطفاء لہبی" (اے مومن جا چلا جا۔ کیونکہ تیرا نور میرے شعلوں کو بجھاتا ہے) یہ کیا اشارہ ہے۔ دوزخ حقیقت میں انسان ہی کے اندر ہے۔ اور وہ امارہ بری

صفات ہیں۔ جن سے دوزخ کے درجے ملتے ہیں۔ جب اس پر عنایتِ الٰہی کی نسیم چلتی ہے۔ تو حرص۔ غضب۔ شہوت۔ بخل اور خود پسندی کی آگ بجھ جاتی ہے۔ اور توبہ کا نور جو صفات توابی کے انوار میں کا ایک نور ہے۔ دِل میں قرار پکڑتا ہے۔ اور وجود بشری کے دوزخ سے فریاد نکلتی ہے۔ کہ "جزیا تائب" (اے توبہ کرنیوالے جا) کہ تواب اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو گیا ہے۔ کہ "ان اللہ یحب التوابین" (بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنیوالوں سے محبت کرتا ہے) اور محبوبوں کی تاب تو آٹھوں بہشت بھی نہیں لا سکتے۔ یہ تنگ حوصلہ دوزخ اُن کی کیا تاب لائیگا۔ جیسا کہ مصنف علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔ رباعی

عشاق ترا ہشت بہشت تنگ آید　　وز ہر چہ بدوں تست شاں ننگ آید

اندر وہان دوزخ ازاں تنگ آید　　کز پرتو نور نار بے رنگ آید

اور نفس لوامہ اگرچہ عالم ارواح کی تیسری صف میں پڑا تھا۔ لیکن مجلس انس میں "وسقٰہم ربہم" کا ساقی پہلی صف والے خواص اولیاء اور انبیا علیہم السلام کی ارواح کو فیضان فضل حق کی پاکیزہ شراب کے جام بھر کر دے رہا تھا۔ اور وہ مشاہد جمال صمدی پر نوش کر رہے تھے۔ اس شراب کا ایک گھونٹ دوسری صف کی ارواح کو ملا۔ "شربنا واھرقنا علی الارض سورنا وللارض من کاس الکرام نصیب" (ہم نے پی اور زمین پر اپنی ضیافت سے گرائی۔ اور البتہ بڑے آدمیوں کے پیالوں سے کچھ حصہ زمین کو بھی ملتا ہے) اس گھونٹ کی خوشبو تیسری صف والوں نے بھی سونگھی۔ جو اس شراب کی تیزی سے مست ہو گئے ؎

بوئے بمن آمد و بو مست شدم　　بوئے دگراں بشنو دم از دست شدم

جب اس جہان میں آئے۔ تو اسی خوشبو کے لالچ میں دنیاوی شراب خانوں میں گئے۔ اور اسی خوشبو کی امید پر مٹکے کا ذائقہ چکھا۔ جب کسی مٹکے سے بھی وہ مزہ نہ پایا۔ تو پھر طاعت کی طرف جھکے۔ یہاں سے کچھ خوشبو حاصل ہوئی۔ اسی خوشبو سے مراد ایمان ہے۔ اب ایمانی نور نے نہ چاہا۔ کہ وہ دنیاوی شہوتوں سے یکبارگی مست ہو جائیں۔ اور لذتوں سے آرام حاصل کریں۔ جیسا کہ دوسرے بے خبر جو دُنیا کی واہیات باتوں میں مغرور ہیں۔ اور زندگی پر غرور کرتے ہیں۔ اور اسی ہیچ روزہ زندگی پر راضی ہو گئے ہیں۔ اور فانی نعمتوں میں آرام کئے ہوئے ہیں۔ "رضوا بالحیوۃ الدنیا واطمئنوا بھا" (دُنیاوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں۔

اور اسی پر طلش ہیں، کبھی نفسانی مرادوں کا جام پیتے ہیں۔ اور طاعت روحانی کے خمخانہ سے پیالہ لیتے ہیں۔ "خلطوا عملاً صالحاً واخر سیئا" (انہوں نے نیک و بد اعمال کو گڈمڈ کر دیا) جس وقت دنیاوی شہوتوں کے خمخانہ سے جام پیتے تو نفس لوامہ ملامت کا جوشن پہن لیتا۔ اور اس شراب کا خمار اسے دنیاوی کاموں سے نفرت دلاتا۔ تو آخرت کے کاموں میں مشغول ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ عنایت بے علت کمال مہربانی سے "عسی اللہ ان یتوب علیہم" (ممکن ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اُن کی توبہ قبول کرے) کے بموجب مدد کے لئے زیادہ ہوتی ہے۔ اور اس کی عمر کے معاملات کی نقدی کو توبہ کی کٹھالی میں رکھ کر شوق کی آگ میں رکھتی ہے۔ اور جو پھر کیمیائے محبت اس پر ڈال کر رب کو محبوبیت کا خالص سونا بنا دیتی ہے۔ "ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطہرین" (بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنیوالوں اور پاکیزہ لوگوں کو پیار کرتا ہے) + رباعی

غم با لطفِ تو شادمانی گردد | عمر از نظر تو جاودانی گردد
گر باد بدوزخ برد از کوئے تو خاک | آتش ہمہ آب زندگانی گردد

یہاں پر پہنچکر نفس لوامہ حضرت خداوندی کی قسم کا مقام بنتا ہے۔ "لا اقسم بیوم القیامۃ ولا اقسم بالنفس اللوامۃ" (ہم روز قیامت کی قسم کھاتے ہیں نا اور نیز آدمی کے دل کی قسم کھاتے ہیں نا جو اس کو برے کام پر ملامت کیا کرتا ہے)۔ وصلی اللہ علی محمد وآلہ وسلم +

فصل ۲

{در بیان معاد نفس مقصد}

یہ نفس ملہمہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جلشانہٗ فرماتا ہے "کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتاً فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون" (تم کس طرح اللہ تعالیٰ کی ناشکر گذاری کرتے ہو حالانکہ تم مرے ہوئے تھے۔ پس اُس نے تمہیں زندہ کیا۔ پھر وہ مارے گا۔ اور پھر زندہ کریگا۔ اور پھر تم اس کی طرف لوٹ کر جاؤ گے) + اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "موتوا قبل ان تموتوا" (مرنے سے پہلے مر جاؤ) +

واضح رہے۔ کہ ملہمہ نفس وہ ہے۔ جسے الہامات حق کا شرف حاصل ہو۔ اور اسے قسم حق کا مرتبہ بھی حاصل ہو۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ "ونفس وما سوٰیھا فالھمھا فجورھا وتقوٰیھا" (اور

انسان اور اس ذات کی قسم جس نے اُس کو ایسا درست بنایا - پھر اس کی بدکاری اور پرہیز گاری دونوں باتیں اسے سمجھا دیں) اور وہ یہ ہے - کہ وہ عالم ارواح میں دوسری صف میں تھا - کہ "فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد" (بعض ان میں سے اپنی جان کے لئے ظالم ہیں - اور بعض میانہ رو) مقتصد کا نام اس واسطے رکھا گیا - کہ وہ دونوں عالموں کا متوسط ہے - نہ تو سابقین کے عالم میں ہے جو پہلی صف والے ہیں - اور ظالموں کے عالم میں جو تیسری صف والے ہیں - اور وہ عام اولیاؤں اور خواص مومنوں کے نفوس ہیں - اور الہام حق کا شرف اس واسطے انہیں حاصل ہے - کہ عالم ارواح میں ان کے اور حضرت حق کے درمیان انبیاء اور خواص اولیاء کے ارواح کا وسیلہ تھا - فیض ربانی کی جو امداد پہلی صف والے ارواح کو پہنچتی تھی - اس کا پرتو دوسری صف والوں کو بھی پہنچتا تھا - اور ان الطاف الٰہی میں سے انہیں بھی حصہ ملتا تھا - اور مخاطبات حق کا ذوق پردے کے پیچھے سے انہیں حاصل تھا - جب اس عالم میں آئے - تو اگرچہ وہ امارگی کی صفت میں مبتلا ہوئے - لیکن پھر بھی فیض حق کا ذوق اُن کی جان سے نہ گیا - اور "الست بربکم" کے سننے کی لذت ابھی تک ان کے دلی کانوں میں باقی تھا - جیسا کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں - رباعی

ولست حدیث العھد شوقا ولوعتہ　　حدیث ھواکم فی حشائی قدیم
وما دمت حیا لست انسی ودادکم　　وفی اللحد میتا والعظام رمیم

رباعی

ہرگز نشود مہر تو از دل و خیالت از دیدۂ من　　ہرگز نشود دلے بت بگزیدۂ من
گر از پس مرگ من بجوئی یابی　　مہر تو در استخوان پوسیدۂ من

پس اس شوق کے اثر کے سبب جو ان کی روحانیت کے بیج میں باقی تھا - انہوں نے فانی جہان میں دل نہ لگایا - اور طبیعت کے اسفل السافلین سے عبودیت کے اعلیٰ علیین کے کنگرے کا رُخ کیا - اور "قد افلح من زکیھا" (جس نے اسے پاکیزہ بنایا اس کو فلاحت حاصل ہوئی) کے مطابق نفس کو پاکیزہ بنانے کی کوشش کی - اور اس بیج کی تربیت شریعت کے مطابق اعمال صالحہ کے پانی سے کی - اور قوت طریقت سے اسے تقویت دی - جس تربیت کا اثر امارہ صفت کے بیج میں ظاہر ہوا - اور شریعت کا نور نفس

کی تاریکی پر حملہ آور ہوا۔ اور اس بیج کو جسے ہم نے دانۂ خرمل سے نسبت دی ہے۔ اپنی فصل پر ہلایا۔ اور سبزے نے سر نکالا۔ جب اپنی قید اور حجاب سے تھوڑی سی رہائی پائی۔ اور وجود کے قید خانے کی کھڑکی ہوائے عبودیت کے فضاء کی طرف کھلی دیکھی۔ تو اپنے تئیں دانے کے وجود میں محبوس رہنے پر ملامت کی۔ اور کہا کہ جب تو تزکیہ اور تزکیہ سے اس وجود سے خلاصی پا سکتا ہے اور فلاحیت حاصل کر سکتا ہے۔ تو پھر وجہ کاہلی کی۔ کیونکر ہمت نہیں باندھتا۔ اور لئیموں کی طرح اس گہرائی اور پستی پر راضی ہے۔ اس کو اس مقام میں نفس لوامہ کہتے ہیں۔ جب وہ اپنی ملامت سے اٹھتا ہے۔ تو پھر عنایت کی تاثیر پہلے اسے بندگی کے کام میں ہر گھڑی جرأت دلاتی ہے۔ اور اسکے شوق اور محبت کو زیادہ کرتی رہتی ہے اور شوق کے غلبات اور ذوق کی رغبتوں سے وہ مجاہدے کی کثرت اور معاملے کی تیزی میں زیادہ کوشش کرتا ہے۔ اور جو کام فرمانِ الٰہی کے قانون کے مطابق کرتا ہے اس سے ایک خاص قسم کا نور پیدا ہو کر اس کے ایمان کو تقویت بخشتا ہے " لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم " (تاکہ ان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے) اور عبودیت کا پودا ہر روز نئی طراوت حاصل کر کے عالم سفلی سے عالم علوی کی طرف ترقی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ سارا یہ دانے سے نکل آتا ہے۔ " وکنتم امواتا فاحیاکم " (تم مرے تھے۔ پس تمہیں زندہ کیا) یعنی دانہ مردہ تھا جب اس سے سبزہ پیدا ہوا۔ تو گویا وہ زندہ ہو گیا۔ " ثم یمیتکم " (پھر تمہیں مار ڈالیگا) یعنی دوسری مرتبہ دانہ بالکل پردے میں محو ہو جاتا ہے۔ " ثم یحییکم " (پھر تمہیں زندہ کریگا) یعنی دوسری مرتبہ اس دانے کو شگوفے کے لباس میں درخت سے پیدا کریگا۔ اگرچہ وہ درخت میں مٹ چکا تھا۔ اور مردہ ہو گیا تھا۔ پھر دوسری مرتبہ شاخ پر لگ کر زندہ ہو گیا۔ اور شاخ کی قبر سے سر نکالا۔ اور شگوفے کا کفن پہن لیا۔ رباعی

فردا کہ مقدساں خاکی مسکن ۔۔۔ چوں روح شوند رکب مرکب تن
چوں لالہ بخونِ جگر آلودہ کفن ۔۔۔ از خاک سر کوئے تو برخیزم من

نفس اس حال میں اپنے اصلی مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ جبکہ شگوفے کی طرح عبودیت کے درخت پر لگتا ہے۔ لیکن چونکہ پھل کی طرح اپنے کمال کو نہیں پہنچا۔ اس لئے ایک قدم ابھی پھل ہونے کے مقام میں رہتا ہے۔ اور اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ " فجعلناہ

ھبا منشورًا" (پس ہم نے اسے ملیامیٹ کردیا) کی تند ہوا یا سردی نقصان نہ پہنچائے۔ اسے اِس مقام میں اس بات کا استحقاق حاصل ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اپنا نفع یا نقصان شاہدہ کرتا ہے۔ اور ہمیشہ ڈرتا اور کانپتا رہتا ہے۔ اور الہامات ربانی کی مدد اسے لاحق ہو کر اسکی پرہیزگاری اور بدکاری اس پر عیاں کرتی رہتی ہے۔ اِس حالت میں وہ بڑے خطرے میں ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ مخلصی ہے۔ یعنی دانے اور درخت کی قید سے اسے خلاصی حاصل ہوتی ہے۔ اور اخلاص کی شاخ پر ہوتا ہے " والمخلصون علیٰ خطرٍ عظیم " (اور مخلص لوگ بڑے بھاری خطرے میں ہوتے ہیں) اس سے پیشتر جبکہ درخت میں بند تھا۔ دانے کے اندر قید تھا۔ تو اسے یہ خطرہ نہ تھا۔ کہ ہوا یا سردی سے زائل ہو جائیگا ؎

زلفِ تو نہ ایم تا بکشتر بادے　　　دور از رویت شویم دور از رویت

لیکن اب جبکہ درخت کے رحم سے نکل چکا ہے۔ اور شگوفے کی نازک جھلیوں میں لپٹا ہوا ہے۔ تو اُس کی حالت نئے پیدا شدہ بچے کی سی ہے تھوڑی سی تکلیف سے وہ زائل ہو سکتا ہے۔ اگر اس کے احوال کی نگہبانی شرائط کے موافق نہ کی جائے۔ تو نفس کو اس مقام میں الہامات حق کا جو ذوق حاصل ہوا ہے۔ اور عالم غیب سے آشنائی حاصل ہوئی ہے۔ اسے اس بات کا ڈر ہے۔ کہ وسوسہ شیطانی کی ہوا یا نفسانی خود پسندی کی سردی کے سبب عبودیت کے درخت سے بلعم کی طرح گر نہ پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس حالت میں تاکید کے لئے پندرہ قسمیں کھائی ہیں۔ تاکہ سالک غفلت نہ کرے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ اگر نفس کی پرورش کریں۔ تو اس مقام میں فلاحیت حاصل ہوتی ہے۔ یعنی ملہمگی کے شگوفے سے مطمئنگی کے پھل کو پہنچ جاتے ہیں۔ اور اگر تربیت سے محروم رہجائے۔ تو نقصان میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اور شگوفے کی حالت میں کملا کر ناچیز ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے " قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا " (جس نے اسے پاکیزہ بنایا۔ اس نے فلاح حاصل کی۔ اور جس نے اسے ردی کردیا۔ اس نے نقصان اٹھایا) قرآن شریف میں کسی مقام پر اس قدر قسمیں اکٹھی نہیں کھائیں۔ اِس میں بھید یہ ہے۔ کہ مخلوقات میں سے کوئی چیز انسان سے بڑھ کر شریف نہیں۔ جب یہ اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ تو اشرف المخلوقات ہو جاتا ہے۔ اور نفس کے لئے جو خطرہ مقام ملہمگی میں ہے۔ اور کسی مقام پر نہیں۔ کیونکہ ابھی تک اس نے اپنے آپ پورے طور پر خلاصی نہیں پائی۔ اور الہامات غیبی کا ذوق

پاکر اس پر مغرور ہو سکتا ہے۔ جو مقام کمال کا مکر ہے۔ شاید شیطان کے دھوکے اور نفس کے فریب میں آجائے۔ اور خود پسندی اختیار کرکے اور اپنی بزرگی اور نیکی کا خیال کرے۔ اور ابلیس وقت بن کر لعنت کی تند ہوا سے شگوفے کی طرح قبولیت کی شاخ سے خواری کی خاک پر گر پڑے۔ اور نفس کو اس مقام میں بعد اس کے کہ جب وہ پہلے درخت کی طرح دلنے سے پیدا ہوا درخت میں بند تھا۔ اور پھر کچھ دوسری مرتبہ شگوفے کی طرح درخت سے پیدا ہوا۔ اور پیدائش کی ٹہنی پر لگا۔ اور الہامات حق کا ذوق پایا۔ دوسری مرتبہ بھی شگوفے سے پیدا ہونا چاہیئے۔ تاکہ پھل بنے اور پھل کیحالت میں پکنے کے کمال کو پہنچ جائے۔ تاکہ اس مقام کا کامل ہو جائے۔ اس واسطے کہ ہر ایک مقام میں نفس کیلئے ابتداء بھی ہوتی ہے اور انجام بھی۔ مقام ملہمگی میں اُسکی ابتداء یہ ہے۔ کہ اپنے آپ میں الہامات حق کا ذوق پائے۔ اور ہر ایک بدکاری یا نیکوکاری کا بھید معلوم کرے۔ تاکہ حق کو باطل سے تمیز کر سکے۔ اور سچ جھوٹ میں فرق کر سکے۔ حق کی پیروی کرے۔ اور باطل سے کنارہ کشی کرے۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم اس مقام میں دعا کیا کرتے تھے۔ "اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ" (اے پروردگار! ہمیں ٹھیک ٹھیک حق دکھا اور اُسکی تابعداری ہمارے نصیب کر۔ اور جھوٹ بھی ہم پر ظاہر کر دے۔ اور اس سے کنارہ کشی ہمارے نصیب کر) شروع میں سچ جھوٹ میں تمیز کرنا ہے۔ اور انجام کار حق کی پیروی کی توفیق اور باطل سے کنارہ کشی کی قوت طلب کرنا۔ اور یہ بات صفات ذمیمہ سے نفس کو مارنا اور صفات حمیدہ سے دل کو زندہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ کہ "موتوا قبل ان تموتوا" (مرنے سے پہلے مرجاؤ) اس مقام میں صادق مرید کے لئے سماع حلال ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ ہے۔ کہ جب نفس بُری صفات سے مرجاتا ہے۔ تو اس کے عرس کا سماع کرنا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جب صوفیوں کا کوئی عزیز انتقال کر جاتا ہے۔ تو اس کے عرس پر سماع کرتے ہیں۔ دوسرے دل کو مُبارک باد دینے کے لئے کہ معانی غیب سے اس کا نکاح ہوا ہے۔ اور صفات حمیدہ سے اس کا عقد ہوا ہے۔ اور نکاح کے اعلان میں سماع سنت ہے۔ "اعلوا النکاح ولو بضرب دف" (نکاح کا اعلان کرو۔ خواہ دف ہی سے کرنا پڑے) تیسرے جب نفس کو حق بین آنکھ اور حق سُننے والے کان حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور الہامات کا ذوق حاصل کرتا ہے۔ تو پھر کسی مناسبت سے وہ الہامات غیب کا ذوق حاصل کر سکتا ہے۔ اور اسکی جنبش

حق کی طرف ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا ہے۔ "الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ"
وہ لوگ ہیں جو بات کو سن لیتے ہیں۔ اور جو اس بات کی خوبی ہو۔ اس کی پیروی کرتے ہیں۔
پس جو قول قوال سے سنتا ہے۔ اسے عمدہ آواز اور موزون وزن میں سنکر خطاب الست
کا ذوق یاد آتا ہے۔ اور اس آواز اور وزن سے شوق کی جنبش حق کی طرف ہوتی ہے۔
آخر اونٹ سے کم تو نہیں۔ جو ساربان کی خوش آوازی سے اپنے وطن مالوف اور ایسی
مشہور چراگاہ کی طرف شوق سے ہلتا ہے۔ پس اس موزون وزن سے روحانیت کا مرغ
اپنے اصلی ٹھکانے اور گھونسلے کا قصد کرتا ہے۔ اور جب پرواز کرنا چاہتا ہے۔ تو قالب
کا پنجرا جس میں مرغ روح حواس کی قید میں مقید ہے مزاحمت کرتا ہے۔ چونکہ خطاب
کا ذوق اس نے پالیا ہے۔ اس لئے مرغ روح آرام نہیں کرسکتا۔ گھبراتا ہے اور پنجرے
کو توڑ کر اپنے عالم میں جانا چاہتا ہے ؎

آں بلبل محبوس کہ نامش جان است ۔۔۔ دستش بشکستن قفس مے نرسد

اور قالب کا پنجرا ابھی گھبراتا ہے۔ جس سے مراد رقص اور حالت ہے۔ رباعی

رقص آں نبود کہ ہر زمان برخیزی ۔۔۔ بے درد چو گرد از میان برخیزی
رقص آں باشد کز دو جہان برخیزی ۔۔۔ دل پارہ کنی وز سر جاں برخیزی

جب صاحب ریاضت مرید اس حالت اور اس مقام میں ہو۔ تو اسے مناسب ہے۔
کہ کبھی کبھی ایسے سماع میں شریک ہو جس میں دف اور بانسری ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اپنے
شیخ کی خدمت میں ہو یا ہمدرد یاروں کی صحبت میں۔ جہاں تک ہو سکے۔ غیر فنکی صحبت سے
دور رہے۔ مگر ہاں انکی صحبت میں جانے کا کچھ ڈر نہیں۔ جو بڑے نیاز اور اعتقاد سے
حاضر ہوں۔ اور جن کی صحبت با ادب اور حرمت ہو۔ مرید کو چاہئے۔ کہ سماع میں تکلف
سے حرکت نہ کرے۔ اور دل کو نغمات اور اشعار کے معنوں کی طرف لگائے۔ اور جو درد دل
میں پیدا ہو۔ یا جو حالت ظاہر ہو۔ اسکے سبب حرکت نہ کرنے لگے۔ اور جہاں تک ہو سکے
سماع کو دل میں پی جائے۔ اور اگر اس پر سماع غالب آجائے۔ اور بے اختیار اسے
حرکت میں لائے۔ تو پھر حرکت کرنا جائز ہے۔ یاروں کی موافقت میں تواجد کو بھی جائز رکھا
گیا ہے۔ جب اس عونت سے نفس خالی ہو۔ سماع میں بہت سے آداب کو ملحوظ رکھنا پڑتا
ہے۔ یہاں پر ان کا پورا بیان تو نہیں ہو سکتا۔ ہاں کچھ بیان کرتا ہوں۔ سو یہ ہے۔ کہ

جہاں تک ہوسکے۔ یارانِ طریقت کی حرمت میں کوشش کرے۔ تاکہ اسکی حرکات سے کسی کا دِل ناراض نہ ہوجائے۔ اور سماع کو شرب کے خیال سے نہ کرے۔ معنوں کے چھپانے اور دعووں کی ترک میں کوشش کرے۔ اور تمام الہامات میں حق کا منتظر رہے۔ یہاں تک کہ جو کچھ کرے الہامات کے نور سے کرے۔ نہ کہ طبیعت کی تاریکی سے۔ اس مقام کے ابتداء میں اپنے احوال کی بھلائی بُرائی الہام سے معلوم کرسکتے ہیں۔ اور وسط میں حق تعالیٰ کی اشارت سے۔ الہام حق اور اشارت کلام میں فرق یہ ہے۔ کہ الہام ایک ایسا خطاب ہوتا ہے۔ جو حقتعالیٰ کی طرف سے دِل میں باذوق ہوتا ہے۔ لیکن بےشعور۔ اور اشارت ایک ایسا خطاب ہوتا ہے جو باذوق اور باشعور ہوتا ہے۔ لیکن رمز کے طور پر ہوتا ہے۔ نہ کہ صریح۔ مگر مقامِ ملہمگی میں نفسِ کلام ظاہر نہیں ہوتا۔ ہاں مقام مطمئنگی میں نفسِ کلام ظاہر ہوتا ہے۔ کہ "یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک" (اے نفس مطمئنہ! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آ) یہ ایک صریح خطاب ہے۔ مقام ملہمگی کی انتہا یہ ہے۔ کہ نورِ حق دِل میں مقام کرجائے۔ تاکہ سب کی طرف دیکھے۔ نورِ حق سے دیکھے۔ کہ "ینظر بنور اللّٰہ" مومن اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ جس وقت سے الہام شروع ہوتا ہے۔ تب سے لیکر اس وقت تک کہ نورِ الٰہی دِل میں مقیم ہو۔ خواص مومنوں کا مرتبہ ہے۔ اس کے بعد عوام اولیاء کا مرتبہ ہے۔ کہ "اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور" (جو لوگ ایمان لاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا دوستدار ہے۔ اور ان کو تاریکی سے نکال نور کی طرف لے آتا ہے) جب اس مقام میں پہنچ جائے۔ تو اس گروہ کی جائے بازگشت کے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ جسے مقصد کہتے ہیں۔ اور جو عالم ارواح میں دوسری صف میں تھے۔ اور جنہیں الطافِ الٰہی کے انوار اور فیضِ حق ارواح انبیاء و خواص اولیاء کے پردوں پیچھے سے کھینچتا رہا ہے۔ پس دوسری صف والوں میں سے ہر شخص میں دنیا کے اندر انبیاء اور اولیاء کی متابعت کی کوشش اور طلب اسی قدر ہوتی ہے جسقدر اسے اس جہان میں فیض کا نور پہنچتا رہا۔ اور جس طرح ہر صف میں نزدیک دور اور دائیں بائیں کا فرق رہا ہے۔ اسی طرح بعض روح بعض روحوں سے کوشش اور طلب حق میں مختلف ہیں۔ اور اسی کوشش کے مطابق پاتے ہیں۔ اور جس طرح دوسری صف میں جو روح پہلی صف کے جس روح کے مقابل تھی۔ دنیا میں بھی اسی رُوح یا نبیؑ سے اسے امداد واقع ہوتی ہے۔ اور اُسکی محبت

اس کے دل میں زیادہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منہا ائتلف وما تناکر منہا اختلف" (ارواح بمنزلہ افواج کے ہیں۔ جس نے انہیں پہچان لیا۔ اس نے ان سے رغبت کی۔ اور جس نے نہ پہچانا اُس نے ان سے اختلاف کیا) جس نے وہاں پر جسے پہچانا یا اسکے مقابل تھا۔ یا پاس تھا۔ یہاں پر اسی قدر اس سے اسکی جان پہچان الفت اور محبت ہوتی ہے۔ اگر ظاہر طور پر اس شخص کو نہ دیکھیگا۔ تو خواب میں ضرور دیکھیگا۔ اور اس سے مدد حاصل کریگا۔ اور مشائخ کا مرید ہونا اسی مناسبت کا نتیجہ ہے۔ اس گروہ کو جو دوسری صف والے ہیں۔ مثال میں ہم نے انہیں کھجور کے پھل سے تشبیہ دی تھی۔ کسی میں اگرچہ مزا اور مٹھائی ہے۔ لیکن اس کے چھلکے میں ہے۔ اسکے دانے میں مغز نہیں۔ جو کچھ مزا دے سکے۔ اس سے اشارہ اس بات کا ہے کہ اس گروہ کی جائے بازگشت اگرچہ بہشت کا اعلےٰ طبقہ ہے۔ اور انبیاء اور خواص اولیاء کے قرب جوار میں ہونگے۔ "اولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین" (یہ ان لوگوں کے ہمراہ ہونگے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ اور وہ لوگ نبی۔ صدیق۔ شہید اور صالح ہونگے) یہ لوگ انکے ساتھ تو ہونگے۔ لیکن "فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر" (صاحب اقتدار بادشاہ کے پاس خاص مقام میں) کے مقام عندیت میں ان سے نہیں ہونگے اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام مریدوں اور محبوں کے لئے اس تشریف معیت کا اثبات کیا ہے۔ کہ "المرء مع من احب" (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا۔ جس سے وہ محبت کریگا) لیکن اختصاص اہلبیت کی دولت دل جلے مسلمانوں ہی کو ملی۔ کہ "السلمان منا اھل البیت" انشاء اللہ تعالیٰ اس مقام کی شرح آیندہ فصل میں بیان کی جائیگی +

فصل ۲

{نفس سابق کی جائے بازگشت کے بیان میں جسے نفس مطمئنہ بھی کہتے ہیں}

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ فرماتا ہے "یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ" (اے نفس مطمئنہ اپنے پروردگار کی طرف راضی خوشی لوٹ آ)۔ اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جذبۃ من جذبات توازی عمل الثقلین" (ایک جذبۂ الٰہی

دونوں جہان کے عمل کے برابر ہے) ؎

واضح رہے۔ کہ نفس مطمئنہ انبیاء اور خواص اولیاء کا نفس ہے۔ جو عالم ارواح میں پہلی صف میں تھے۔ اگرچہ ہر ایک نفس کو اطمینان کا ایک خاص درجہ عطا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور وہ ہر صف کے سابقین اور داہیں بائیں والوں کو حاصل ہوتا ہے۔ اور اصل بات تو یہ ہے۔ کہ نفس امارگی کے درجے سے مطمئنگی کے مقام میں سوائے جذباتِ حق اور اکسیر شرع کے تصرف کے پہنچ ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ " النفس لامارة بالسوء الا مارحم ربی " (نفس امارہ بُری چیزوں کے لئے حکم کرتا ہے اس سے وہی بچتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ رحم کرے) ابتدا میں تمام نفوس امارگی صفت سے موصوف ہوتے ہیں۔ خواہ وہ نبی کا نفس ہو یا ولی کا پھر شرعی تربیت سے اطمینان کے مقام تک پہنچتا ہے۔ جو جوہر انسانیت کی استعداد کا انتہائی مقام ہے۔ پھر یہ ارجعی کے خطاب کا مستحق ہوتا ہے۔ کیونکہ شروع میں جب ارواح کو عالم ارواح سے عالم اجساد کے ساتھ تعلق دیا گیا۔ تو ملک و ملکوت کے تمام ممالک سے اسے گذارا۔ یہاں تک آسمانوں ستاروں اور عناصر اور عالم نباتات اور عالم حیوانات سے گذر کر مرتبہ انسانی میں جو موجودات میں سب سے گھٹیل درجہ ہے پہنچا۔ جیسا کہ اوپر مفصل بیان ہو چکا ہے۔ اور پھر دوسری مرتبہ ایمانی نور اور نیک عملوں کے سبب اعلےٰ علیین کا رُخ کرتا ہے۔ کہ " الا الذین آمنوا وعملوا الصالحت " (مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے) لیکن جب تک اسے خطاب " ارجعی الی ربك " کا ذوق حاصل نہیں کر لیتا۔ تب تک مشکل ہے۔ کہ اس میں ایمانی نور پیدا ہو۔ جب تک کہ نیک عملوں کو شروع نہ کرے لیکن نفس کو اس کا ہرگز شعور نہیں ہوتا۔ جو جس کو دیا جاتا ہے۔ وہ ایک سری خطاب جذبہ حق کے لباس میں ہوتا ہے جو روحی سر کو پہنچتا ہے۔ اور نفس اس سے بوجہ صفت امارگی روگردانی کرتا ہے۔ اور ایمان کو قبول کر کے شرع پر چلتا ہے۔ جیسا کہ " یا نار کونی بردا و سلاما " (اے آگ! ٹھنڈی اور باعثِ سلامتی ہو جا) کا خطاب آگ کے سر کو پہنچا۔ آگ کی بے شعوری سے آگ کا جہرا جلانیوالی صفت سے باز رہگیا۔ اور ٹھنڈک اور سلامتی کی صفت اس میں آ گئی۔ اس وقت سے لیکر جبکہ نفس خطاب " ارجعی " کے تصرف سے طبیعت کے گھٹیل مقام سے پھرتا ہے۔ اس وقت تک جبکہ اپنی جائے بازگشت پر پہنچتا ہے۔ واپسی میں ہے۔ یہاں تک کہ خاص

جائے بازگشت تک پہنچ جاتا ہے۔ اور وہ جائے بازگشت یہ ہے۔" فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی " (پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری بہشت میں چلا آ) اور یہ جنت جسے الٰہی جنت ہونے کا شرف حاصل ہے۔ دوسرے بہشتوں پر اس قدر شرف رکھتا ہے۔ جسقدر کعبہ دوسری مسجدوں پر کیونکہ کعبہ کو بیت اللہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ ایک بڑا بھید ہے۔ جس کے معنی ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ اور اس اشارت کا بیان عبارت میں نہیں سما سکتا۔ اور نفس کو امارہ اس واسطے کہتے ہیں۔ کہ یہ قالب کا امیر ہے اور امارہ مبالغے کا صیغہ ہے۔ امیر اور امر سے یعنی اپنی طبیعت کے موافقات اور فرمان حق کی مخالفات پر نہایت بڑھ کر حکم کرنے والا اور حکمران، اور تمام اعضاء پر حکمران ہے تا اس کے فرمان اور اس کی مرضی کے مطابق کام کریں۔ اور جب تک نفس فرمانِ حق نہیں مانتا۔ اور شرع کا فرمانبردار نہیں بنتا۔ امارگی کی صفت سے خلاصی نہیں پا سکتا۔ کیونکہ یہ دونوں صفتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جب تک امارہ (حکمران) ہوگا۔ وہ ماموره (محکوم) نہیں ہو سکتا۔ اور جب محکوم ہو جاتا ہے۔ تو امارگی کی صفت سے خلاصی پا جاتا ہے فلسفیوں کو اس مقام پر بڑی غلطی واقع ہوئی ہے۔ انہوں نے یہ خیال کیا ہے۔ کہ امارگی نفس کے لئے حیوانی بری صفت ہے۔ پس اسی خیال کی بنا پر اخلاق کی تہذیب اور صفات کی تبدیلی کے لئے انہوں نے اس امید پر تکلیف اُٹھائی۔ کہ جس طرح بری صفتیں نیک صفتوں میں تبدیل ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح امارگی مطمئنگی سے تبدیل ہو سکتی ہے۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہ ہوا۔ کہ ان معاملات سے مجرد ہونے کے سبب امارگی نہیں جا سکتی۔ جب تک کہ شرع کا ماموره نہ بنے۔ انہوں نے خیال کیا۔ کہ شرع تہذیبِ اخلاق کے لئے چاہیئے۔ پس انہوں نے کہا۔ جبکہ ہم تہذیبِ اخلاق عقلی نظر سے حاصل کر سکتے ہیں۔ تو پھر ہمیں شرع اور انبیاء کی کیا ضرورت ہے۔ شیطان انہیں اسی وجہ سے دوزخ میں دھکیل دیتا ہے کیونکہ انہوں نے ایمان حقیقی کے نور کو نہ جانا۔ تاکہ انہیں معلوم ہو جاتا۔ کہ طبعی حجاب سے طبیعت کے وسیلے باہر نہیں آسکتے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص عقلی نظر سے ہزار سال بھی نفس کو ریاضت میں مشغول رکھے۔ اور نفس میں ہزار طرح کی صفائی اور بینائی بھی آجائے۔ اور صفات بشری کے بعض حجاب اُٹھ بھی جائیں۔ تو بھی ان تمام سے طبعی حجاب کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اور حقیقی نابینائی اور کدورت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس واسطے کہ جب

اس سے پیشتر اسے صفائی اور بینائی حاصل نہ تھی۔ تو اس بات کا طالب تھا۔ اور یہی خیال جمائے تھا۔ کہ وہ کدورت اور نابینائی میں ہے۔ اب جبکہ اسے نفس میں کچھ صفائی اور بینائی معلوم ہوتی ہے۔ تو خیال کرتا ہے۔ کہ یہی حقیقی صفائی اور بینائی ہے۔ اس واسطے وہ طلب حق سے باز رہتا ہے۔ اور وہ خیال وگمان اس کے لئے بڑا بھاری حجاب ہو جاتا ہے۔ اور حقیقی نابینائی بڑھ جاتی ہے۔ اور یہ معنی اس دل کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ جو تائید الٰہی سے مؤید ہو۔ اور اس کے سر کی آنکھ الٰہی نور سے دیکھنے والی ہو۔ کہ "المومن ینظر بنور اللہ" (مومن اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔) شریعت کے اسرار میں سے ایک یہ ہے۔ کہ درحقیقت طبیعت کے کم درجے سے شریعت کی کمند ہی سے خلاصی پاسکتے ہیں کیونکہ شریعت میں جذبۂ حق ہوتا ہے۔ اور طبع تاریک ہوتی ہے۔ اور شرع نور۔ تاریکی سے نور کے سبب ہی خلاصی پاسکتے ہیں۔ کہ بزرگوں نے فرمایا ہے۔ "وبضدھا تتبین الاشیاء" (اپنی ضد سے چیزیں ظاہر ہوتی ہیں) اور جس شخص کو شرعی نور جو کہ جذبۂ حق کی صورت اور اس کی رحمت کا سر ہے۔ امارگی کے بھنور سے خلاصی نہیں دیتی۔ اسے کوئی چیز بھی خلاصی نہیں دے سکتی۔ "الا ما رحم ربی" (مگر وہ جس پر میرے پروردگار نے رحم کیا)۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے باوجود نبوت اور رسالت کے درجہ کمال کے کہا گیا۔ "انک لا تھدی من احببت" (جس کو تو چاہے اسے راہ راست پر نہیں لاسکتا) تو خود اپنی طبیعت سے کسی کو طبیعت کے کوئیں سے باہر نہیں نکال سکتا۔ "ولکن اللہ یھدی من یشاء" (لیکن اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے۔ راہ راست پر لاتا ہے)۔

ہماری ہدایت کا نور جو جذبہ کی حقیقت ہے۔ وہی اہل طبع کو طبیعت کے ادنیٰ درجے سے قربت کے اعلےٰ درجے پر لیجاتا ہے۔ کہ "ارجعی الی ربک" (اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آ) اور اس حالت میں جبکہ نفس کو اس کی اصلی جائے بازگشت کی طرف واپس بلاتے ہیں۔ اسے تمام مختلف عوالم پر سے گذرنا پڑتا ہے۔ جن سے کہ وہ ابتداء میں گذر آیا تھا۔ اور چاہیئے بھی ایسا ہی۔ کیونکہ اس آمد ورفت میں یہ حکمت ہے۔ کہ تین سو ساٹھ مختلف عوالم حق کو دیکھتا ہے اور ہر عالم میں جو خزانہ مخفی رکھا گیا ہے۔ اسے لیتا ہے۔ اور جو بھید اس میں رکھا گیا ہے۔ وہ جان لیتا ہے۔ کہ "وعلم آدم الاسماء کلھا" (اور ان سب کے نام آدم کو سکھلا دیئے) کیونکہ روحانیت کی ابتداء میں یہ عالم کلیات تھا۔ نہ کہ عالم جزئیات۔ اور عالم غیب تھا۔

نہ کہ عالم شہادت۔ جب اس جہان میں آیا۔ اور اپنی پرورش اور روش کی داد دی۔ تو کلیات اور جزئیات کا عالم بن گیا۔ اور نیز غیب و شہادت کا بھی۔ اور خلیفہ حق ہوگیا۔ اس واسطے کہ عالم ارواح میں ربوبیت کی خلافت کے معاملات پر قدرت اور دسترس نہ رکھتا تھا۔ یہاں پر آن کر اسے قدرت اور دسترس حاصل ہوئی۔ اور خلافت کے درجہ کمال کو پہنچ گیا۔ اور ابتداء میں جب ان مختلف عوالم سے گذارا۔ تو ہر عالم میں کچھ نہ کچھ بطور قرض لیتا گیا۔ اور اپنی طرف سے کوئی چیز گرو رکھتا گیا۔ اب واپس ہوتے وقت جبتک قرضہ ادا کرکے اپنی چیز نہیں لیتا ہے۔ اسے آگے گذرنے ہی نہیں دیتے۔ جیسا کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؂

گر تو باید کہ زین قفس برہی　　　　بازدہ وام ہفت و پنج و چہار

پہلے خاکی منزل سے قدم باہر رکھنا چاہیئے۔ اور یہ دُنیا کی آخری منزل ہے۔ اور روح اور دُنیا میں تعلق ہوتے وقت پہلی منزل ہے۔ اور واپس ہوتے وقت آخرت کی پہلی منزل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آدمی کو قبر میں رکھتے وقت کہتے ہیں۔ "ھذا آخر منزلك من منازل الدنیا واول منزلك من منازل الاخرة" (یہ تیری لئے دنیاوی منزلوں میں سے آخری ہے۔ اور آخرت کی منزلوں میں سے پہلی ہے) لیکن مردہ کو بحالت بے اختیاری لے جاتے ہیں۔ اور چلنے والا زندہ ہوتا ہے۔ جو سلوک کے قدموں سے صفات خاکی سے گذرتا ہے۔ نہ کہ خاک کی صورت سے۔ خاک کی صفات حسب ذیل ہیں۔ تاریکی۔ کدورت۔ کثافت اور ثقل۔ ظلمت سے نابینائی۔ کدورت سے ہر چیز کے ساتھ تعلق پیدا کرنا۔ اور تفرقہ پیدا ہوتا ہے۔ اور کثافت سے بے رحمی بے شفقتی اور سخت دلی پیدا ہوتی ہے۔ اور ثقل سے طبع کی کمینگی۔ کمینہ پن۔ بے ہمتی۔ خواری سستی۔ اور گرانی ظاہر ہوتی ہے۔ سالک نے یہ تمام بُری صفات خاک سے بطور قرضہ لی ہیں۔ اور بخشش۔ مروت۔ جوانمردی۔ عالی ہمتی۔ نرمی۔ رحمت۔ شفقت۔ علم۔ یقین۔ صفا۔ صدق۔ جمعیت۔ نرم دلی۔ نورانیت اور سبکی سب کچھ یہاں گروی رکھا ہے۔ پس خاکی مقام سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ جب تک کہ یہ تمام واپس نہ لیلے۔ اور اسے اپنے عالم کی راہ نہیں ملتی۔ جب تک رہن شدہ صفات کو بُری صفات دیکر واپس نہ لیلے۔ اسی طرح تینوں عنصروں یعنی پانی آگ اور ہوا سے بھی دوسری بُری صفتیں بطور قرضہ لی ہیں۔

اور ہر ایک کے بدلے نیک صفت گرو رکھی ہے۔ اور اسی طرح آسمانوں۔ ستاروں اور دوسرے عالموں سے بھی۔ جب تک یہ سارے قرضے ادا نہیں کر لیتا۔ اور اپنی مرہونہ چیز واپس نہیں لیتا وہ اصلی ٹھکانے پر واپس نہیں آ سکتا۔ جب ایسا کر لیتے اپنے اصلی ٹھکانے پر آ جاتا ہے۔ تو اسے سلطنت کا خلیفہ بنایا جاتا ہے۔ اور غیب و شہادت کے تمام ملکوں کا مالک کر دیا جاتا ہے۔ اور حکمرانی کی باگ اسکے ہاتھ دی جاتی ہے۔ "قل اللھم مالك الملك توتی الملك من تشاء و تنزع الملك ممن تشاء" (کہہ دے کہ اے پروردگار! تو ملک کا مالک ہے۔ جسے تو چاہے دے اور جس سے چاہے چھین لے) جب ملک کا مالک ہو گیا۔ تو جو کچھ اس وقت اس نے بطور قرضہ لیا تھا۔ اسے واپس دینا چاہیئے۔ اب ملک اس کا ہو گیا۔ اس میں بحیثیت مالک تصرف کرتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی خلافت اور نیابت میں غیب اور شہادت کے تمام عوالم کو بندگی کے کام پر لگاتا ہے۔ اور توحید کی دہلیز پر اقرار کرتا ہے۔ نظم

حلقہ در گوش چرخ و انجم کن — تا دہندت بہ بندگی اقرار
آفرینش نثار فرق تو اند — بر مچیں چوں خساں زراہ نثار

جب بارگاہِ الٰہی کے خواصوں میں سے ہو گیا۔ اور اس بارگاہ کا ذوق پا لیا۔ اور خلافت کی عزت دیکھی۔ تو کہنے لگا۔ شعر

وبی والی من الصفا برق — یخبرنی بھا قرب المزار

(صفائی سے میری طرف ایک بجلی سی ظاہر ہوتی ہے۔ جو مجھے قرب مزار کی خبر دیتی ہے)

فلا ارضی الاقامة فی فلاة — و فرق الفرقدین رایت داری

(پس میں چٹیل میدان میں رہنے پر راضی نہیں ہوں۔ اور مجھے اپنا گھر بہت فاصلے پر دکھائی دیتا ہے)

وکیف اکون للزین ان عبد — و اربعة العناصر فی جواری

(میں اب ایک سے زیادہ کا غلام کس طرح نہ ہوں۔ بلکہ میرے قرب جوار میں اربعہ عناصر موجود ہے)

اس راہ کے چلنے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سالک۔ دوسرے مجذوب۔ مجذوب وہ لوگ ہیں۔ جنہیں جذبے کی کمند سے لیجایا جاتا ہے۔ اور ان مقامات سے جلدی سے گذر جاتے ہیں اور شوق کے غلبات کی وجہ سے انہیں راستے کے احوال اور مقامات کی شناخت۔ صفتوں کی کشف اور جو کچھ راستے میں ہوتا ہے۔ کچھ زیادہ خبر نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی انہیں نیکی۔ بدی یا نفع نقصان کی خبر ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ وہ شیخ بنائے جانے کے قابل نہیں ہوتے ہیں۔ اور سالک

وہ ہوتا ہے ۔کہ اگرچہ اسے بھی جذبے کی کمند سے لیجایا جاتا ہے۔ لیکن ہر ایک مقام میں آہستگی اور سکونت سے اس مقام کی داد اس سے لی جاتی ہے ۔ اور راستے کی نیکی بدی ۔ بہتری اور بُرائی سب اسے دکھائی جاتی ہے ۔ اور اسے کبھی راہ پر اور کبھی بے راہ لیجایا جاتا ہے ۔ تاکہ اسے راہی اور بے راہی سے واقفیت حاصل ہو جائے ۔ ایسا شخص دوسروں کی راہبری اور راہنمائی کے لائق ہوتا ہے جس قدر علم سے معلوم ہوا ہے ۔ اس راہ کی کوئی انتہا نہیں ۔ اور اس میں ان گنت مقامات ہیں ۔ البتہ ہر ایک مقام کی نسبت جو واقعات میں پیش آتا ہے ۔ کچھ کچھ بطور اشارہ و رمز بیان کیا جاتا ہے ۔ تاکہ چلنے والے کے لئے شناخت ۔ علامت اور کھسوٹی رہنمائی کا کام دے ؛

واضح ہے ۔ کہ ابتداء میں جب خاکی صفات پر اسے عبور کرایا جاتا ہے ۔ تو واقعات میں ایسا دیکھتا ہے ۔ کہ نیچی جگہوں ۔ کوچوں ۔ کنوؤں ۔ اور تاریک جگہوں سے باہر نکلتا ہے ۔ اور جنگلوں ۔ ویرانوں ۔ ٹیلوں اور پہاڑوں پر سے گذرتا ہے ۔ اور ثقل اور کثافت اس سے دور ہو جاتی ہے ۔ اور ہلکا پن اور لطافت اس میں ظاہر ہوتی ہے دوسرے مرتبے میں جب صفات آبی سے عبور کرتا ہے ۔ تو سبزہ زاریں ۔ چراگاہیں ۔ درخت ۔ کھیتیاں ۔ بہتے پانی ۔ چشمے ۔ حوض اور اسی طرح کی چیزیں دیکھتا ہے ۔ اور ان سے عبور کرتا ہے ۔ تیسرے مرتبے میں جب صفات ہوائی پر سے گذرتا ہے ۔ تو ہوا پر چلنے ۔ اڑنے ۔ اور وادیوں پر سے اڑ کر جانے وغیرہ کو دیکھتا ہے ۔ چوتھے مرتبے میں جب آگ کی صفات پر سے گذرتا ہے ۔ تو جلتی ہوئی چیزیں شمعیں مشعلیں بجلی ۔ آگ کے ڈھیر ۔ آگ کے جنگل جلتی ہوئی چیزیں ۔ آگ کے شعلے اور اسی قسم کی چیزیں دیکھتا ہے ۔ پانچویں مرتبے میں جب صفات افلاک اور اجرام سماوی سے گذر کرتا ہے ۔ تو دیکھتا ہے ۔ کہ میں آسمان پر جا رہا ہوں ۔ اڑتا ہوں ۔ اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر جاتا ہوں ۔ اور آسمانوں کو پھراتا ہوں ۔ چھٹے مرتبے میں جب اسے آسمانوں اور ستاروں کے ملکوت کا عبور ہوتا ہے ۔ تو سورج ۔ چاند ۔ ستارے وغیرہ اور اسی قسم کی چیزیں دیکھتا ہے ۔ ساتویں مرتبے میں جب صفات حیوانی اور سبعی سے عبور کرتا ہے ۔ تو مختلف حیوانوں کو جن میں قابل عبرت صفت پائی جاتی ہے دیکھتا ہے ۔ اگر اپنے تئیں اس حیوان پر غالب دیکھے ۔ تو سمجھے کہ اس بری صفت سے بھی اسے عبور حاصل

ہو گیا۔ اور اگر اپنے تئیں (اس حیوان کا مغلوب دیکھے۔ تو سمجھے کہ وہ صفت اس پر غالب ہے
مختلف عوالم سب اسکے لئے مختلف مراتب ہیں۔ باقی کئی ہزار اور عالم ہیں جن سے
سالک کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ اور ہر عالم میں اس کے مطابق مشاہدات اور واقعات
ظاہر ہوتے ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ ایک ہی قسم کے واقعات کئی ایک مقام
میں دیکھے جاتے ہیں۔ اور ہر مقام میں اس مقام کے مناسب اس واقعہ سے خاص ہی
اشارہ ہوتا ہے۔ ان اختلافات اور فرق کو ہر شخص تمیز نہیں کر سکتا۔ کامل شیخ کے سوا
ان کی شناخت نہیں ہو سکتی۔ جب سالک واقعات کی شناخت نہیں کر سکیگا۔ تو وہ واقعات
ہی میں آکر رہجائے گا۔ آگے راہ طے نہیں کر سکیگا۔ اسلئے شیخ کی ضرورت ہے۔ مثلاً
آگ کو چند ایک مقامات میں دیکھتا ہے۔ اور ہر مقام میں اس کے کچھ اور ہی معنے ہوتے
ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ وہ صفت آتشی پر سے عبور کرنے کی علامت ہوتی ہے۔ اور کبھی
گرمئ طلب کی علامت اور کبھی صفتِ غضب کے غلبے کی نشانی ہوتی ہے۔ اور کبھی صفت
شیطنت کے غلبے کا نشان اور کبھی ذکر کا نور ہوتی ہے۔ اس حالت میں وہ آگ صفات
بشری کے ایندھن کو مٹا دیتی ہے۔ اور کبھی یہ آگ قہر کی ہوتی ہے۔ اور کبھی ہیبت کی
اور کبھی شوق کی۔ اور کبھی ہدایت کی۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے تھی "انی انست
من جانب الطور نارا" (کوہ طور کی طرف اس نے آگ دیکھی) اور کبھی ایسا بھی ہوتا
ہے۔ کہ یہ آگ محبت کی آگ ہوتی ہے۔ جو ماسوائے حق کو جلاتی ہے۔ اور کبھی یہ آگ
معرفت کی آگ ہوتی ہے۔ کہ "ولو تمسسہ نار نور علی نور" (اگر اسے آگ چھو جائے
تو نور علی نور ہو جائے) اور کبھی ولایت کی آگ ہوتی ہے۔ کہ "اللہ ولی الذین آمنوا
یخرجھم من الظلمات الی النور" (اللہ ایمان لانے والوں کا متکفل ہے۔ ان
کو تاریکی سے نکال نور کی طرف لے جاتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ یہ آگ مشاہدہ
کی ہوتی ہے۔ کہ "ان بورک من فی النار ومن حولھا" (بے شک جو آگ میں ہے
اور جو اس کے گرد ہے برکت دیا گیا ہے) ان کے علاوہ بھی کئی قسم کی آگ ہوتی ہے جس
کو صاحبِ ولایت اور صاحبِ تجربہ شیخ کے سوا ہر شخص تمیز نہیں کر سکتا۔ البتہ ان دلیلوں
اور نشانیوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔ جو ولایت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ باقی واقعات
اور ان کے فرق کو اسی پر قیاس کر لو۔ لیکن جب انسانی نفوس کا ان مقامات سے عبور شروع

ہوتا ہے۔ تو ہر نفس استعداد اور تائید ربانی کے موافق ایسے مقام میں پہنچتا ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔ اور عالم ارواح میں اس درجے کو پہنچتا ہے جس کی قابلیت اس میں ہوتی ہے۔ مثلاً لوائگی۔ اور ملہمگی اور مطمئنگی۔ پھر اس مقام میں بند ہو جاتا ہے اور کہتا ہے "وما منا الا لہ مقام معلوم" (ہم میں سے ہر ایک کا ایک معلوم مقام ہے) اور فریاد کرتا ہے۔ کہ "لو دنوت انملۃ لاحترقت" (اگر میں ایک انگل بھر تک نزدیک ہوتا۔ تو بیشک جل جاتا) اس واسطے کہ ہر ایک جانور کا مقام کوہ قاف کی چوٹی پر نہیں ہو سکتا۔ اس کی چوٹی پر رہنے کے لئے سیمرغ ہی چاہیئے۔ اور نیز ہر ایک جانور شمع کی چوٹی پر گھونسلا نہیں بنا سکتا۔ اس کے لئے دیوانہ پروانہ چاہیئے۔ ہر ایک مردار خور پرندہ بادشاہوں کے ہاتھ پر نہیں بیٹھ سکتا۔ اسکے لئے سفید باز چاہیئے۔ رباعی

تا زاغ صفت بجیفہ پر آلائی — کے چو شاہیں درخور شاہاں آئی
چوں صعوہ اگر غذائے بازے گردی — بازے گردی کہ دست شہ راشائی

مور میں اگرچہ جمال بدرجہ کمال ہے۔ اور بلبل خوش آواز ہے۔ اور طوطی انسان کی سی زبان رکھتی ہے۔ لیکن یہ صرف دیکھنے کے لائق ہیں۔ دیکھنے والے کو بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ جہاں پر شمع کے شعلے پر جاں بازی کرنی پڑتی ہے۔ وہاں پروانے کے سوا اور کوئی جانور کام نہیں آتا۔ کیونکہ عاقل کا کام صرف دیکھنا ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ رباعی

در دام میا کہ مرغ ایں دانہ نۂ — در شمع میا چوں کہ پروانہ نۂ
دیوانہ کسے بود کہ گردد بسر ما — کم گرد بگرد ما کہ دیوانہ نۂ

اے جانِ جہاں واضح رہے۔ کہ جو لوگ مجلس انس کے ندیم ہونے اور حظائر قدس کی ملازمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور وصول اور وصال کے صاحب ہیں اور فضل اور بخشش کے مالک وہ یہاں پر غیرت کے گنبد تلے چھپے ہوئے ہیں "اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری" (میرے اولیاء میری قباء کے نیچے چھپے ہوئے ہیں ان کو میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا) وہ بہت شوریدہ حال۔ بے سرو سامان اور بے پرو بال ہوتے ہیں "رب اشعث اغبر ذی طمرین" (بہت سے بکھرے بالوں والے غبار آلودہ پھٹے پرانے کپڑوں والے) وہی ہیں۔ اور "الفقراء الصابرین ھم جلساء اللّٰہ

(صابر فقیر اللہ تعالیٰ کے ہم جلیس ہیں) وہ ہی درویش ہیں ؎

ایشاں کہ سر زلف پریشاں دارند　　ایشاں دارند دل من ایشاں دارند

یہ وہ لوگ ہیں۔ جو مقبول ہیں۔ اور جن کو نفسانی لذتیں اور شہوتیں اور انسانی مرادیں اور ہوسیں ان کی جان کے حلق پر تلخ کر دی گئی ہیں۔ اور جن کو کسی اور ہی گھاٹ سے چاشنی چکھائی ہے ؎

ما کہ از دست روح قوت خوریم　　کے نمک سود عنکبوت خوریم

ان کا دل دونوں جہان کی کسی چیز سے اطمینان نہیں پاتا۔ البتہ اس حدیث کے ذکر سے مطمئن ہوتا ہے۔ کہ "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" (ہاں اللہ تعالیٰ کی یاد سے دلوں کو تسکین و طمانیت حاصل ہوتی ہے) سے وہ ابھی تک خطاب "الست بربکم" کی شراب کے ذوق کے سرمست ہیں۔ اور موجودات پر یہ آیت پڑھتے ہیں "قل اللہ ثم ذرھم" (اللہ تعالیٰ کہو اور ان سب کو چھوڑ دے) جیسا کہ مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ رباعی

ما مست ز بادۂ الستیم ہنوز　　وز عہد الست باز مستیم ہنوز

در صومعہ با سجادہ و مصحف و ورد　　در دے کش و رند و می پرستیم ہنوز

ان کا مقام ہمیشہ وجود کے شراب خانوں میں ہوتا ہے۔ اور ان کا جام ہمیشہ شراب شہود سے لبالب۔ جو کچھ آٹھوں بہشتوں میں ہے۔ وہ ان شرابیوں کے نقل کے لائق ہے۔ یہ سب کچھ نفس ملہمہ اور نفس لوامہ کا من بھاتا کھاجا ہے۔ نفس مطمئنہ کو ان سے اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ اسے "ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی" (میں اپنے پروردگار کے ہاں رہا وہی مجھے کھانا پلاتا رہا) کے دستر خوان سے "ارجعی الی ربک" (اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آ) کا لقمہ دیا جاتا ہے۔ رباعی

بازے کہ ہمے دست ملک را شاید　　منقار بمردار کجا آلاید

بر دست ملک نشیند آزاد ز خویش　　در بند اشارتے کہ او فرماید

نہیں نہیں۔ اس بات کا یہ کونسا موقعہ ہے۔ "الذین سبقت لھم منا الحسنیٰ اولئک عنھا مبعدون" (جن کو ہماری طرف سے نیکی پہنچی ہے۔ وہی اس سے دور رہتے ہیں) اس کے جانور باز ہونے کے مرتبے کو قبول نہیں کرتے۔ بلکہ اس مقام کو کھیل خیال کرتے ہیں۔ باز اگرچہ سفید باز ہی ہو۔ پھر بھی پروانے کی طرح کب جان پر

کھیل سکتا ہے۔ باز جان کا شکاری ہے۔ پروانے کو جان سے واسطہ ہی کیا ہے۔ باز ایک شکاری ہے۔ جس سے شکار جانبر نہیں ہوتا۔ پروانہ ایک عاشق ہے۔ جو معشوق کے لئے صرف جان کا تحفہ لیجاتا ہے۔ جبرائیل اور میکائیل شکار گاہ ملکوت کے سفید باز تھے۔ وہ مرغانِ تقدیس اور تنزیہ کے مرغوں کا شکار کرتے تھے۔ کہ "ونحن نسبح بحمدك ونقدس لك" (ہم تیری تعریف کی تسبیح پڑھتے ہیں۔ اور تیری تقدیس کرتے ہیں) جب جمال و جلال صمدیت کے شکار کا کام کرنے کو کہا گیا۔ تو ان کے پروبال رہ گئے۔ اور شکار اور شکاری پنے سے ہاتھ اٹھا لیا۔ کہ "لو دنوت انملتہ لاحترقت" (اگر میں انگلی بھر اور نزدیک ہوتا تو ضرور جل جاتا) ؎

مرغ کہ آنجا پرید پر بنہد دیو کہ آنجا رسید سر بنہد

اُن کو کہا گیا۔ کہ ہم نے ایک شکاری کو ازل کی شکار گاہ میں تقدیم کے جال سے پکڑ لیا ہے۔ اب ہم اسے ہی اس مقصود گاہ میں لائینگے۔ کہ "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" (میں زمین پر ایک نائب بنانے والا ہوں) تاکہ وہ شکاری تمہیں دکھلادے۔ کہ شکاری کس طرح ہو سکتے ہو۔ شیخ صاحب حقیقت کو بیان فرماتے ہیں رُباعی

در بحر عمیق غوطہ خواہم کردن یا غرقہ شدن یا گہرش آوردن
کار تو مخاطر است خواہم کردن یا سرخ کنم روئے ز تو یا کردن

سب نے کہدیا۔ کہ اگر یہ شکاری شکار کھیلنے میں ہم پر سبقت لے جائے۔ یا اس میدان میں دعوے کی گیند معنی کے بلے سے لیجائے۔ اور کوئی ایسا کام کرے۔ جسے ہم نہیں کرسکتے۔ اور کوئی ایسا شکار کھیلے۔ جسے ہم نہیں کھیل سکتے۔ تو ہم سب اسکی خدمت کے لئے کمربستہ ہو جائینگے۔ اور بڑی خوشی اور تہ دل سے اسے سجدہ کرینگے۔ جناب الٰہی سے خطاب ہوا۔ کہ خبردار اسے کم ور ساز و سامان والا نہ دیکھنا۔ "وخلق الانسان ضعیفاً" اور نہ ہی حقارت کی نگاہ سے اسے دیکھنا۔ نہیں تو ہمارے فعلوں کے منکر ٹھیرو گے۔ اور نہ ہی اپنے فرشتہ پروبال پر گھمنڈ کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ شیطان کی طرح اس درگاہ سے دور ہو جاؤ۔ کیونکہ حقیقت میں اسکے پروبال ہم ہی ہیں۔ اور نہ ہی ہم چاہتے ہیں۔ کہ ہمارے سوا اس کے کوئی اور پروبال ہوں۔ کہ "وحملنٰھم فی البر والبحر" ہم ہی اسکو جنگل اور سمندر میں اٹھائے پھرتے ہیں) وہ ہمارے ہی پردوں سے پرواز کرتا

ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ۔ رباعی

جز دست تو زلفِ تو نیارست کشید　　جز پائے تو سوئے تو ندانست دوید

اندر وئے تو دیدہ ام طمع زاں ببرم　　جز دیدۂ تو روئے تو نتواند دید

جو ہمارے پروں سے پرواز کرتا ہے۔ دیکھو کہ وہ کیسا شکار کرتا ہے ؎

آں پشہ کہ در کوئے تو پرواز کند　　صیدے کند او کہ باز نتواند کرد

جب نفسِ مطمئنہ کو جو سابقین میں سے تھا " ومنھم سابق بالخیرات " "ارجعی" کو شکار کرنے کے لئے اڑایا ۔ اور موجودات کے گرد شکار کی تلاش میں بھیجا ۔ تو اسے ساتوں ولایتوں میں کوئی ایسا ہرن نہ ملا ۔ جو اس کے پنجے کے لائق ہو ۔ اور آٹھوں بہشتوں کے کرۂ ہوائی میں کوئی چکور ایسا نہ ملا ۔ جو اس کی چونچ کے لائق ہو ۔ دیوانے پروانے کی طرح ان سب سے گذر گیا ۔ اور شمع جمال کے وصال کا رخ کیا ۔ اپنی مجازی ہستی کی پرواہ نہ کی ۔ اور اپنا وجود اسے دو بھر معلوم ہونے لگا ۔ اور جان تک اسے ناگوار معلوم ہونے لگی

نظم

ہر دم ز وجود خود ملالم گیرد　　سودائے وصال آں جمالم گیرد

پروانۂ دل چو شمع روئے تو بدید　　دیوانہ شود کم دو عالم گیرد

شک نیست کہ پروانہ کم خود گیرد　　شمعش بہ ہزار لطف محرم گیرد

پروانہ نخست جاں نہد بر کفِ دست　　پس قصد کند کہ شمع ۔ در بر گیرد

وہ اسی طرح بے پرواہوں کی طرح آگے بڑھتا گیا ۔ یہاں تک کہ ساتوں آسمانوں اور آٹھوں بہشتوں سے گذر گیا ۔ تمام فرشتے حیران رہ گئے ۔ کہ یہ کس قسم کا پرندہ ہے ۔ اتنا تو کمزور اور پر ظلم و ستم ۔ " انہ کان ظلوماً جھولا " اور وہ زبانِ حال سے انہیں کہہ رہا تھا ۔ کہ میں وہی پرندہ ہوں ۔ جو ابھی نغمہ کے گھونسلے سے اڑا بھی نہ تھا ۔ اور نہ ہی قالب کے پنجرے میں گرفتار ہوا تھا ۔ کہ تم مجھے ملامت کرتے تھے " اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء " (کیا تو اس میں ایسے شخص کو بنانا چاہتا ہے ۔ جو اس میں فساد برپا کریگا ۔ اور خونریزیاں کریگا) ۔ اور " ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک " کے نکارپنے پر ناز کرتے تھے ۔ لیکن تمہیں یہ معلوم نہ تھا ۔ کہ ؎

فراز کنگرہ کبریاش مرغانند　　فرشتہ صید و پیمبر شکار و سبحان گیر

اب تم میرے شکار کھیلنے کو دیکھو۔ اور میری خونریزی اور فساد کو دیکھو۔ کہ میں خونریزی تو کرتا ہوں۔ لیکن اپنے وجود کی۔ اور فساد کرتا ہوں لیکن جمال حضرت پر اپنے وجود کو چھینکتا ہوں۔ مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ رباعی

آنروز کہ دوختی مرا دلق وجود — گفتند بطعنہ مرزا ضلق وجود
خونریزی را چہ میکنی راست بداں — من خونریزم ولکن از حلق وجود

اور وہ اسی طرح تیز پروازی میں مشغول تھا۔ یہاں تک کہ اڑتے اڑتے لامکان کی حد تک پہنچ گیا۔ پھر فرشتوں نے کہا۔ وہ تو مکانی ہے۔ لامکان کی سیر نہیں کر سکیگا۔ یہاں آنکر ضرور عاجز رہ جائیگا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا۔ "الم اقل لکم انی اعلم مالا تعلمون" (کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا۔ کہ میں زیادہ جاننے والا ہوں جسے تم نہیں جانتے) اب انکار کی تلوار سونتتے ہو۔ اور عاجزی نہیں کرتے ؎

منگر چہ شوی بجالت خستہ دلاں — نے ہر چہ ترا نیست کسے را نبود

اور اس جان پر کھیل جانے والے پروانے کو اپنے مطابق خیال نہ کرو۔ کہ رباعی

درعشق تو ملامتم ننگے نیست — با بیخبراں بدیں سخن جنگے نیست
ایں شربتِ عاشقی ہمہ مرد از است — نامرد از ادریں قدح رنگے نیست

انہوں نے نہ جانا۔ کہ یہ قلندروں کا ساپروانہ کیا چیز بنجائے گا ؎

آئین قلندری و آئین قمار — در شہر من آور دہ ام اے زیبا یار

جب پروانہ شمع جلال کی شعاعوں کے سراپردوں کے پاس پہنچا۔ تو ایک شعلہ پروانے کے لئے بطور دربان بھیجا گیا۔ جب پروانے نے دربان کو دیکھا۔ چونکہ اسے اپنے آپ کی پرواہ نہ تھی۔ اس لئے محافظ کی گردن میں باہیں ڈال دیں۔ جب اس نے غور سے دیکھا۔ تو پروانے کے پروبال ٹھتے۔ جب ان مجازی پروبال کو دے دیا۔ تو "من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا" (جو نیکی سے آئے تو اس کے لئے ویسی ہی دس اور ہیں) کے موافق شعلے کے محافظ نے جو شمع کی زبان تھی۔ شمع کے سے اسے حقیقی اور باقی رہنے والے پروبال عنایت فرمائے۔ جس نے اس نے شمع کی ہوائے ہویت میں پرواز کیا۔ اور پرند نے دوگانگی کو بیگانگی کی طرح یگانگت کی دہلیز پر گرا دیا۔ اور اپنی ہستی سے ہستی کو فناء کرکے شمع کی ہستی میں دوڑ گیا۔ کہ "ففروا الی اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو) اپنے وجود کو

چھوڑا اسی میں لپٹ گیا۔ اور نیست ہو گیا۔ نیسی ہستی میں مل گئی۔ جب اپنی ہستی کو اس کی ہستی کی خاطر خرچ کر دیا۔ تو ساتھ ہی دوزخ کے خوف اور بہشت کی امید کو بھی چھوڑ دیا۔ مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ رباعی

این ہفت سپہر در گذشتیم آخر　　وز دوزخ و فردوس در گذشتیم آخر
ہم گشت فدائے تو توئی مائی ما　　اے دوست تو ماد ما تو گشتیم آخر

" وادخلی جنتی " کا اشارہ اور جذبہ کی خاصیت الہی معنوں کے لئے ہے۔ اس قسم کے لوگ وہ ہیں۔ جو ظاہری موت مرنے سے پیشتر " موتوا قبل ان تموتوا " (مرنے سے پہلے مرجاؤ) کے اشارے کے موافق حقیقی موت مرے ہیں۔ چونکہ موت سے پہلے مر گئے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو حشر سے پہلے ہی زندہ کر کے ان کی جائے بازگشت اپنی بارگاہ مقرر فرمائی ہے۔ کہ " ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون " (پھر وہ تمہیں زندہ کریگا اور پھر تم اس کی طرف لوٹ جاؤ گے) بیٹھے تو اس عالم میں ہیں لیکن حقیقت میں وہ آٹھوں بہشتوں سے بھی گذر گئے ہیں۔ " وتری الجبال جامدۃ وھی تمر مر السحاب صنع اللہ " (تو پہاڑوں کو ایک جگہ جمے ہوئے دیکھتا ہے۔ حالانکہ وہ بادلوں کی طرح ہوا میں اڑ رہے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے) یہی نفس مطمئنہ کی جائے بازگشت ہے۔ جو فرمایا گیا ہے۔ " ارجعی الی ربک راضیۃ " (اپنے پروردگار کی طرف راضی خوشی لوٹ آ) و صلی اللہ علی محمد و آلہ وسلم ٭

فصل ۴

{ بدبختوں کے نفوس کی جائے بازگشت کے بیان میں جسے نفس امارہ کہتے ہیں }

اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں " فاما من طغی و اثر الحیوۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماوی " (پس جس نے سرکشی کی اور دنیاوی زندگی کو پسند کیا۔ بے شک اس کا ٹھکانا دوزخ ہے)۔ اور نیز فرمایا ہے۔ " لا یصلیھا الا الاشقی الذی کذب وتولی " (دوزخ کی آگ میں اس بدبخت کے سوائے کوئی اور نہیں ڈالا جائیگا جس نے آیات الہی کو جھٹلایا۔ اور اس سے پھر گیا)۔ اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں " حفت الجنۃ بالمکارہ وحفت النار بالشھوات " ٭

واضح ہے ۔کہ راہ معاد کے چلنے والے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ایک نیک بخت ۔ دوسرے بد بخت۔ان میں سے ہر ایک کے لئے خاص قدم ہیں ۔جن سے وہ چلتے ہیں۔اور ایک خاص راہ ہے ۔جس کی یہ سیر کرتے ہیں۔اور ہر ایک کے لئے ایک خاص جائے بازگشت ہے ۔کہ ان قدموں وہ راہ طے کر کے اس جائے بازگشت میں پہنچ جاتے ہیں۔اب نیک بختوں کے پھر دو گروہ ہیں۔ایک خاص دوسرے عام ۔عام تو نفس وحرص کی مخالفت ۔لذتوں اور شہوتوں کی ترک کے قدموں شریعت کے فرمان کی پیروی اور سنت کی مطابعت کی راہ چلکر آٹھوں بہشتوں اور ان کے درجات کو پہنچ جاتے ہیں ۔کہ" فاما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنتہ ھی الماوی"۔(جو اپنے پروردگار سے ڈرا۔اور نفس کو خواہشات سے روکا۔اس کا ٹھکانا بے شک و شبہ بہشت ہے) اور جو خواص ہیں۔ وہ یحبہم کے قدم سے یحبونہ کی راہ مقعد صدق اور مقام عندیت کی جائے بازگشت کو پہنچتے ہیں ۔کہ" ان المتقین فی جنات ونھر فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر" (جو لوگ پرہیزگار ہیں۔ وہ بہشت کے باغوں اور نہروں میں سچی عزت کی جگہ بادشاہِ دوجہان قادر مطلق کے مقرب ہونگے) جیسا کہ مفصل طور پر پہلے بیان ہو چکا ہے۔ بدبختوں کے بھی دو گروہ ہیں۔ایک کم درجے کے بدبخت۔اور ایک اعلیٰ درجے کے بدبخت ۔جو کم درجے کے بدبخت ہیں۔ وہ اُمت محمدی کے بعض گنہگار ہیں۔جو خواہشاتِ نفسانی پر جمے رہے اور فرمانِ حق کی مخالفت کرتے رہے۔ اور نفسانی لذات کو پُورا کرنے کے لئے نافرمانی کر کے دوزخ میں پہنچے۔" فاما من طغی وآثر الحیوۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماوی"۔(پس جس نے نافرمانی کی۔اور دنیاوی زندگی کو پسند کیا۔اس کا ٹھکانا بے شک و شبہ دوزخ ہے۔) اور یہی وجہ ہے۔کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے " اکثر ما یدخل امتی النار الاجوفان الفم والفرج" (جو چیز زیادہ تر میری امت کو دوزخ میں لیجائیگی وہ مُنہ اور شرمگاہ ہے) یعنی منہ سے لقمہ حرام کھانا۔اور حلال کے کھانے میں اسراف کرنا اور شرمگاہ سے حرامکاری کرنا۔اور شہوت رانی کے لئے طرح طرح کے ظلم و فساد میں پڑنا۔ رباعی

فرج است و دہاں ہر دو بہم برزدہ دست
از دست دو اژدہا چنیں نتواں رست
آں پردہ صد ہزار عباد درید
ویں توبہ صد ہزار زہاد شکست

لیکن جو اعلیٰ درجے کے بدبخت ہیں۔ وہ کافر اور منافق ہیں۔ جو ہمہ تن دنیا کی طلب اور اسکے منافع میں مشغول ہیں۔ اور ڈھور ڈانگروں کی طرح اپنی ساری ہمت نفسانی اور حیوانی لذتوں۔ شہوتوں اور نعمتوں پر خرچ کرتے ہیں۔ اور دینی۔ آخروی کاموں اور راہ آخرت سے روگردانی کرتے ہیں۔ اور جنہوں نے باقی رہنے والی نعمتوں کو فنا ہونیوالی عیش کے عوض برباد کر دیا۔ دنیا بھی گئی اور آخرت بھی۔ "من کان یرید حرث الدنیا نؤته منها وما له فی الاخرة من نصیب" (جو دنیا کی کھیتی کی خواہش کرتا ہے۔ ہم اسے اس میں سے کچھ دیدیتے ہیں۔ لیکن آخرت میں اسے کچھ نہیں ملیگا) کم درجے کے بدبخت اور اعلےٰ درجے کے بدبخت میں فرق یہ ہے۔ کہ اگرچہ کم درجے کے بدبخت فرمانِ حق کی مخالفت اور حقتعالیٰ کی نافرمانی کی بدبختی میں گرفتار ہیں۔ لیکن ان کے دِل قبول ایمان اور تسلیم فرمانِ حق کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں ؎

گرچہ بسر کوئے تو بر نگذشتیم　　　　ہرگز از سر کوئے تو در نگذشتیم

انہیں زبانی اقرار اور دلی تصدیق کی دولت حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ ارکان کے عہد میں نقصان کرتے ہیں۔ ایسے لوگ عہدِ حق کے مطابق دوزخ میں تو جائینگے۔ کہ "واما الذین شقوا ففی النار لهم فیها زفیر وشهیق خالدین فیها ما دامت السموٰت والارض الا ما شاء ربك" (لیکن وہ لوگ جو بدبخت ہیں وہ دوزخ میں ڈالے جائینگے۔ جہاں پر وہ (مارے مصیبت کے) گدھے کی طرح چلائینگے۔ اور جب تک زمین و آسمان ہے وہ اسی میں رہینگے مگر جسے تیرا پروردگار چاہے) لیکن لا الہ الا اللہ اور شفاعت محمدی انہیں وہاں نہیں رہنے دینگے۔ الا ما شاء ربک کے مطابق آخر کار دوزخ سے خلاصی پا جائینگے۔ اور اپنی اصلی جائے بازگشت یعنی بہشت میں آجائینگے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے۔ کہ ایک گروہ کو دوزخ سے جلے ہوئے کوئلے کی حالت میں نکالا جائیگا۔ اور پھر اس کو نہر الحیوٰۃ میں لیجایا جائیگا۔ جہاں پر گوشت اور چمڑا نیا پیدا ہوگا۔ اور ان کے چہرے بدر کی طرح چمکتے ہونگے۔ اور ان کی پیشانیوں پر لکھا ہوگا۔ کہ "ھؤلاء عتقاء اللہ من النار" (یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے آزاد کر دیا ہے) لیکن اعلےٰ درجے کے بدبخت وہ ہیں۔ جو ہمیشہ اور ابد الآباد تک دوزخ میں ہی رہینگے۔ اور ان میں لا الہ الا اللہ کا نور نہیں ہوگا۔ کہ اسکے وسیلے خلاصی پا سکیں۔ اور نہ ہی وہ شفاعت محمدی

کے لائق ہونگے۔ صرف ایسے شخص ہی ہمیشہ دوزخ میں رہینگے۔ جیساکہ فرمایا ہے۔ "لا یصلیہا الا الاشقی الذی کذب وتولی" "دوزخ میں نہیں ڈالا جائیگا۔ مگر وہ بدبخت جس نے جھٹلایا اور پیٹھ پھیر گیا) مومنوں کے لئے وُرود ہوگا۔ کہ "ان منکم الا واردھا" "تم میں سے بعض ایسے بھی ہونگے۔ جو اس میں آکر اُترینگے۔ (یعنی تھوڑے عرصے کے لئے پڑینگے) لیکن اس میں تکلیف نہیں اُٹھائینگے۔ صلی صرف اعلےٰ درجے کے بدبخت ہونگے جیساکہ "لایصلیہا الا الاشقی" سے ظاہر ہے۔ بدکار۔ گنہگار اور کافر وغیرہ میں سے ہر ایک کو اس کے چال چلن کے موافق دوزخ کے مختلف درجے ملینگے۔ جیساکہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "ان ابا طالب لفی ضحضاح من النار" (بیشک ابو طالب دوزخ کے پہلے درجے میں ہونگے) یعنی صرف پاؤں کے تلووں پر آگ کا اثر ہوگا۔ اور سب سے کم درجے کا عذاب یہ ہے۔ کہ صرف اس کے پاؤں کے تلووں کو آگ کا اثر محسوس ہو۔ لیکن اس آگ کا اثر اس قدر ہوگا۔ کہ مغز بھی سر میں جوش مارنے لگیگا۔ منافقوں کے حق میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ فرماتے ہیں۔ "ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار" (بیشک منافق دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہونگے) کفر کفر میں فرق ہے اور نفاق نفاق میں بھی ان میں ہر ایک کی راہ اور جائے بازگشت الگ الگ ہے۔ تقلیدی کافر اور ہیں۔ اور محقق کافر اور۔ جس طرح کہ اہل ایمان بھی بعض مقلد ہیں۔ اور بعض محقق جسطرح محقق کے ایمان کو مقلد کے ایمان پر فضیلت حاصل ہے۔ اسی طرح محقق کافر کا عذاب مقلد کافر سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔ تقلیدی کفر تو یہ ہے۔ کہ والدین سے بطور تقلید حاصل کیا جاوے۔ کہ "انا وجدنا اباءنا علی امۃ وانا علی اثارھم مقتدون" (ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک خاص اُمت پایا۔ اور ہم بھی انہیں کے قدموں کے نشانات کی پیروی کرتے ہیں) جو کچھ انہوں نے اہل شہر اور ولایت اور ماں باپ سے دیکھا یا سُنا اسی کی تقلید کرتے رہے۔ اور اسی کی خواری میں پڑے رہے۔ وہ تو دوزخ کے پہلے درجے میں ہونگے۔ درصل کفر اس بات کا نام ہے۔ کہ جو کچھ انہیں والدین سے بطور تقلید حاصل ہوا ہے۔ اس پر قناعت نہ کرکے عقل کے موافق کارروائی کرنے میں تکلیف اور محنت برداشت کی جائے۔ اور علوم کفر میں عمریں بسر کی جائیں۔ اور کتابیں حفظ کی جائیں۔

اور مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول ہو کر تصفیہ دل و نفس کی کوشش کی جائے۔ اور عقلی دلائل اور براہین سے ایسے شبہات حاصل کریں۔ جن سے صانع حقیقی کی نفی اور صانع ناقص کا اثبات ہو۔ اور کہیں کہ وہ مختار نہیں اور عالم کی جزئیات ہیں نہیں اور نہ ہی جہان کا پیدا کرنے والا ہے۔ نہ ہی اس کا موجد ہے۔ اور اُس کو از سر نو پیدا کرنے والا بلکہ خود موجب اور مؤثر ہے۔ اور جہاں اُس کا اثر ہے۔ مؤثر اثر پر مقدم ہوتا ہے۔ نہ بلحاظ تقدم زمانی۔ اس سے خواہش یہ ہو۔ کہ جہان قدیم ہے اور باقی ہے۔ اُس کو فنا نہیں ہوگی۔ اور کہیں کہ حقتعالیٰ جہان کو فناء کر دینے پر قادر نہیں۔ اور دوسرے جہان کو پیدا کرنے سے عاجز ہے۔ "تعالی اللہ عما یقولون الظالمون" (جو کچھ ظالم لوگ اللہ تعالیٰ کی نسبت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے) اس قسم کے کفر کو شیطان ان کی نظروں میں آراستہ کرتا ہے۔ اور اُنکے نفسوں میں غرور پیدا کر دیتا ہے۔ کہ معرفت اور حکمت کا کمال تو اسی میں ہے۔ اور جو شخص اس پر اعتقاد نہیں کرتا۔ وہ مقلد ہے۔ نابینا ہے۔ تا کہ انبیاء کا سہارا لے۔ اور نیز کہتے ہیں۔ کہ تمام انبیاء حکیم تھے۔ جو کچھ اُنہوں نے کہا۔ از روئے حکمت کہا۔ لیکن جاہلوں سے اُن کی سمجھ اور ان کے حوصلے کے موافق گفتگو کی۔ ان کو کہا۔ کہ ہم خدا کے رسول ہیں۔ اور جبرائیل ہمارے پاس آتا ہے۔ اور خدا کا پیغام لاتا ہے۔ اور خدا کی طرف سے ہمارے پاس کتاب لایا ہے۔ اور یہ کہ در اصل کتاب انہیں کا کلام ہے۔ اور شرعی احکام سب پیغمبروں ہی نے بنائے جن کی بنا قانونِ حکمت کے موافق مصالحت خلق پر مبنی تھی۔ اور انہوں نے جو کچھ خلقت کو کہا بطور اشارہ کہا۔ اور اس سے معنی اَور لئے۔ جبرائیل سے مراد کام کرنیوالی عقل تھی۔ اور میکائیل سے مراد فائدہ رساں عقل جنہوں نے عقل کل سے فائدہ اُٹھایا۔ اور معقول معانی سیکھے۔ اور نفس مدرکہ اور نفس ناطقہ کو آگاہی دیتے تھے۔ یہ لوگ اسی قسم کے اور بڑے بڑے خیالات اور توہمات اور شبہات کھڑے کرتے ہیں۔ اور دوسروں کی سن گھڑت باتیں قبول کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ نفسانی خواہشوں کے مطابق ہوتی ہیں۔ اس واسطے کہ نفس خود از روئے جبلت کافر ہے۔ "ان النفس لامارۃ بالسوء" (بیشک نفس بری باتوں کا حکم کرتا ہے) اور جب ان شبہات کو دلائل اور براہین معقول نما کے ساتھ سنتا ہے۔ تو جان و دل سے ان کو مانتا ہے۔ "وافق شن طبقہ" (اس کے شبہات

اس کی طبیعت سے موافقت کھا جاتے ہیں۔ یہاں تک اس کُفر کا اقرار کر لیتا ہے۔ اور نفس دین اور شرع سے زیادہ انکار کر جاتا ہے۔ پس کُفر کا اقرار اور دین کا انکار نفس کے لئے دو قدم ہیں۔ جن سے دوزخ سے سب سے نچلے طبقے میں پہنچ سکتے ہیں۔ "خطوتان وقد وصلت" (دو ہی قدموں سے وہاں پہنچ جاتا ہے) اور یہ آفت آجکل مسلمانی میں بہت ہو گئی ہے۔ کیونکہ بہت سے بد اصل خبیث نفس اس قسم کے علوم میں مشغول ہیں۔ اور اس کا نام علم اصول دین رکھا ہوا ہے۔ تا کہ کوئی شخص اُنکے عقیدے کی خباثت اور ان کے معاملے کی بُرائی سے واقف نہ ہو جائے۔ اور زمانے کے بہت سے طالب علم جنکو دینی علوم کی خبر نہیں یا عالم یقین کا نور انہیں حاصل نہیں۔ علم کی طلب میں سفر اختیار کرتے ہیں۔ اور بیہودہ تکلیفیں اُٹھاتے ہیں۔ اتفاقاً جب کسی ایسے فلسفی کے پاس جا پھنستے ہیں۔ کیونکہ آج کل کے مدارس بالعموم ایسے ہی فلسفیوں کے سپرد ہیں۔ تو وہ اسی قسم کے علم اسے سکھاتے ہیں۔ اور بتدریج یہ کُفر کی باتیں اس کی نظروں میں آراستہ کر کے دکھاتے ہیں۔ اور اس کے دل میں اس علم کی تحصیل اور اس کفر اور گمراہی کا اعتقاد جس کا نام اُنہوں نے علم حکمت اور اصول رکھا ہوا ہے اسے دلاتے ہیں۔ اور وہ بیچارہ ناتجربہ کار دین کے حقائق اور اہل یقین کے مقامات سے بے خبر اس جہالت میں پھنس جاتا ہے۔ اور وہ اس دھوکے میں آجاتا ہے۔ کہ کسی دن محقق بنجائیگا۔ ہاں البتہ کفر میں محقق ہو جاتا ہے۔ اور تقلید سے خلاصی پا جائیگا مگر تقلید ایمانی سے۔ وہ خواص میں سے ہو جاتا ہے لیکن شیطان کا خواص بنتا ہے۔ اور جو عام سمجھ کا بیچارہ آدمی ان میں سے کسی کی صحبت میں آجاتا ہے۔ تو اس قوم کے مرد اور نفس اور دم کی وجہ سے اس کے ایمان میں ہزار طرح کے شک و شبہے اور نقصان اور خلل پیدا ہوتے ہیں۔ اور بہت دفعہ ایسا ہو ہے۔ کہ ان کفر کی باتوں کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ اور ان کفروں کی تقلید کو قبول کر لیتا ہے۔ اور بالکل دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور یہ بد اعتقادی انکے وسیلے دوسروں میں اثر کر جاتی ہے جیسا خارشتی اونٹ دوسرے اونٹوں کو بگاڑ دیتا ہے۔ کسی بادشاہ کو بھی اس بات کا خیال نہیں آیا۔ کہ اس مصیبت کو دُور کرے۔ یا اس خلل کو رفع کرے۔ یہ آفت ان بیس سالوں میں پیدا ہو کر شائع ہوئی اور قوت پکڑ گئی۔ لیکن پہلے وقتوں میں کسی کو اس بات کی مجال نہ تھی۔ کہ اس قسم کی باتوں کو ظاہر کرے۔

بلکہ ہمیشہ اپنے کفر کو پوشیدہ رکھا کرتے تھے۔ اس واسطے کہ اہل دین میں پرہیزگار۔ خدا ترس امام ہوا کرتے تھے۔ اور بادشاہ دیندار جو کہ دین کو ایسی آلائشوں سے تیغ بے دریغ کے وسیلے محفوظ رکھا کرتے تھے۔ ابھی تھوڑے عرصے کا ذکر ہے۔ کہ چند مشہور فلسفیوں کو قتل کیا گیا۔ اور اس کو جہاد اکبر جانا۔ اس عہد میں پرہیزگار امام بہت کم ہیں۔ جو دینی امور میں حصہ لیتے ہیں۔ اور اس قسم کی باتوں کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اسلئے اس بات کا خوف ہے۔ کہ دین کے بارے میں جو قیل و قال بعض کے دلوں میں ہے۔ وہ بھی رہی سہی اٹھ جائے۔ اور جہان میں کفر کا ذکر مذکور ہو جائے۔ اور جو مسلمانی کی حقیقت ہے۔ وہ دلوں میں نہ رہے۔ الا ماشاء اللہ۔ زبانوں میں بھی اس کی بو آتی ہے۔ کہ نہ رہیگی (یعنی سننے میں بھی آیا ہے) انہیں احوال کی نحوست ہے۔ کہ حقتعالیٰ نے اپنے قہر و غضب کو تاتار کے کافروں کی صورت میں بھیجا ہے۔ تاکہ جس طرح مسلمانی اٹھ گئی ہے۔ یہ چند بے معنی صورتیں بھی اٹھ جائیں۔ مصرعہ

ایں کار بکجا رسیدہ خواھد گوئی

اب یہ حالت ہے۔ کہ دن بدن ان ملعونوں کا غلبہ۔ مکر اور حیلہ ترقی پر ہے۔ اور اہل اسلام کی غفلت اور گنہگاری زیادتی پر "ظھر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس" (جو کچھ آدمیوں کے ہاتھوں نے کمایا۔ اس کے سبب خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہوا) ؎

باقی است شراب تلخ در جام ہنوز ۔ تا خود بکجا کشد سر انجام ہنوز

"الحکم للہ انا للہ رضینا بقضاء اللہ" (حکم پروردگار کے لئے ہیں۔ ہم اللہ کے ہیں۔ اور اس کی قضاء پر راضی ہیں) نفاق بھی الگ ہے۔ ایک نفاق اسلام میں ہے۔ اور ایک کفر میں۔ اسلامی نفاق تو وہ ہے جس کی بابت پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "ثلث من کن فیہ فھو منافق و من کانت فیہ خصلۃ منھا ففیہ خصلۃ من النفاق حتی یدعھا و ان صام و صلی و زعم انہ مسلم اذا حدث کذب و اذا وعد خلف و اذا ائتمن خان" (تین خصلتیں ہیں۔ جس میں یہ تین خصلتیں ہیں۔ وہ منافق ہے۔ اور جس میں ان تینوں میں سے ایک پائی جائے۔ اس میں وہ وانگ نفاق ہوتا ہے۔ جب تک کہ ان خصلتوں کو بالکل ترک نہ کرے

خواہ وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔ اور وہ خصلتیں یہ ہیں۔ کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ اور جب وعدہ کرے تو اسکے خلاف کرے۔ اور جب امانت اسکے پاس رکھی جائے۔ تو اس میں خیانت کرے) ایک اور روایت کے مطابق دو اور خصلتیں بھی نفاق میں داخل ہیں "اذا عاھد غدر و اذا خاصم فجر" (یعنی جب عہد کرے تو بے وفائی کرے۔ اور اگر کسی سے جھگڑے تو فحش بکے اور گالی دے) یہ معاملات اہل اسلام کا نفاق ہیں۔ اور جو کچھ حقیقت ہے۔ ان حدیثوں میں جھڑکی وغیرہ اہل اسلام کے لئے جتلادی ہے۔ اس واسطے بہت کم لوگ ایسے ہیں۔ جن میں یہ خصلتیں نہ پائی جاتی ہوں۔ دعاؤں میں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے "اللھم انی اعوذ بک من الشقاق والنفاق وسوء الاخلاق" (اے پروردگار دشمنی نفاق اور بداخلاقی سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں ہم پر بدرجہ اَولیٰ واجب ہے۔ کہ ہمیشہ یہ دعا کرتے رہا کریں۔ کفر کا نفاق وہ ہے۔ جو دہریئے۔ طبیعی۔ تناسخی۔ مباحی اور اسماعیلی کرتے ہیں۔ جو مسلمانوں میں رہ کر یہ کہتے ہیں۔ کہ ہم مسلمان ہیں۔ لیکن ان کا اعتقاد بدستور انہیں کفرات اور شبہات پر ہوتا ہے۔ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اور جب اپنے ہم جنسوں سے ملتے ہیں۔ تو اپنا اعتقاد ظاہر کر کے کہتے ہیں۔ کہ ہم ان مقلدوں کو مخول کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکے احوال کی خبر دیتا ہے۔ کہ "واذا لقوا الذین اٰمنوا قالوا اٰمنا واذا خلوا الی شیاطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزءون ہ اللہ یستھزءبھم ویمدھم فی طغیانھم یعمھون ہ" (اور جب یہ لوگ اہل ایمان سے ملتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ کہ ہم بھی ایمان لائے ہیں۔ اور جب اپنے ہمجولیوں سے ملتے ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھ ہیں۔ ہم تو صرف ان سے مخول بازی کرتے ہیں۔ در اصل اللہ تعالیٰ ان سے مخول کرتا ہے۔ اور اُن کی سرکشی زیادہ کرتا ہے۔ مگر وہ اس بات کو سمجھتے نہیں) اور جو کافر کُفر کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ اور زبانی مسلمانی کا دعوے کرتا ہے۔ وہ بھی انہیں میں سے ہے اور منافقوں کا انجام اور جائے بازگشت وُہی ہے۔ جس کا ذکر اس طرح پر ہے "ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار ولن تجد لھم نصیرا" (منافقوں کا مقام دوزخ کا سب سے نچلا درجہ ہوگا۔ اور وہاں پر ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا) دولت

اسلام کی قدر کون جانتا ہے۔ اور نعمت ایمان کا شکر کون بجالا سکتا ہے۔ رُباعی

اے قبلۂ ہر کہ مقبل آمد کویت   روئے دِل جملہ بختیاراں سویت

امروز کسے کز تو بگرداند روئے   فردا بکدام دیدہ بیند رویت

ہزاروں مصیبتیں اور آفتیں جو آدمی کی راہ میں رکھی گئی ہیں۔ اور کئی اقسام کی آزمائشوں میں مبتلا کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت اُسکی فریاد رسی اور دستگیری نہ کرے۔ تو دُنیا کے ادانگاہ سے جو زین للناس سے آراستہ ہے۔ اور شہوات کی محبت کے بندوں سے مضبوط جکڑی ہوئی ہے۔ کس طرح خلاصی پا سکتا ہے۔ خصوصًا جبکہ اس جال پر" والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضتہ والخیل المسومتہ والانعام والحرث" (اور وہ سونے چاندی کی تھیلیاں۔ عمدہ گھوڑے۔ چوپائے اور کھیتی باڑی) کے سات دانے بکھیرے ہوں۔ اگر ان ساتوں قسم کے دانوں میں سے ایک قسم کا دانہ بھی ہوتا۔ تو بھی نفس چوپائیوں کی طرح اسکو کھا لیتا۔ آدم علیہ السلام کو باوجود اس قدر شرف و مرتبہ کے صرف ایک ہی دانے کے کھانے سے منع کیا گیا تھا۔" ولا تقربا ھذہ الشجرۃ " (اس درخت کے پاس نہ جانا) لیکن چونکہ منع رکھنے کی توفیق اس کی رفیق نہ بنی۔ اِس لئے نسیان کے جال میں پھنس گیا " وعصیٰ ادم ربہ فغوی " (آدم علیہ السلام نے نافرمانی کی اور وہ بہک گیا) جب اسے اسی پر چھوڑ دیا۔ تو " وعصیٰ آدم " اس کی صفت تھی۔ لیکن جب اس پر اپنا لُطف فرمایا۔ تو اُس کی صفت " اصطفیٰ آدم " ہوگئی۔ اور بہشت اس کا مقصود گاہ ہوگیا " ولکن فیھا ما تشتہیہ الانفس" رجب تک توفیقِ الٰہی آدم کی رفیق نہ بنی۔ وہی بہشت بمنزلہ جال ہوگیا، شیطان نے ایک دانے سے دو شکار کئے " فازلھما الشیطان" (ان دونوں کو شیطان نے پھسلایا) دُنیا بھی جال کا مقام تھی۔ لیکن جب توفیق الٰہی رفیق بنی۔ تو یہی دنیا صرف ایک کلمے سے مقصود کا مقام ہوگئی۔ " ربنا ظلمنا " اور " ثم اجلناہ " کے مقصود کو حاصل کر لیا۔ ایک گھڑی لُطف الٰہی کی مدد نہ پہنچی۔ تو اسی دم قائم نہ رہ سکا۔ لیکن جب لُطفِ الٰہی کی مدد آن پہنچی۔ تو قدموں پر قائم رہا۔ مصنف علیہ الرحمۃ کے شیخ فرماتے ہیں۔ رُباعی

از لطفِ تو ہیچ بندہ نومید نشد   مقبولِ تو جز مقبل جاوید نشد

لطف بکدام ذرہ پیوست شے — کاں ذرہ بہ از ہزار خورشید نشد

اور درحقیقت جو زنجیریں اور طوق بدبختوں اور اعلےٰ درجے کے بدبختوں کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔ ان سب کا اسباب انہیں سات چیزوں سے لیا گیا ہے۔ "ذالک متاع الحیوٰۃ الدنیا" (دنیاوی زندگی کے یہی اسباب ہیں) اور دوزخ کے گھٹیل درجے جو ان کے لئے خالی کئے گئے ہیں۔ ان سب کا سرمایہ زین للناس کی دکان سے لیا گیا تھا حب الشہوات کی سات شہوتوں سے دوزخ کے ساتوں دروازے کھل جاتے ہیں۔ "لہا سبعۃ ابواب" (اس کے سات دروازے ہیں) اور سات مختلف راہیں اُن کی طرف جاتی ہیں۔ "صفت النار بالشہوات" ان ساتوں شہوتوں کا بیج انسان کے ساتوں اعضاء میں بو دیا۔ اور حواس خمسہ کو اُن کی تربیت کے واسطے مقرر کیا۔ تاکہ پندرہ سال کے عرصے میں ہر درخت پر شہوت کا پھل لگ جائے۔ بعد ازاں صاحب شرع کو اس کا عامل بنا کے بھیجا۔ اس نے جا کر ہر عضو پر سجود کا اخراج مقرر کیا۔ کہ "امرت ان اسجد علی سبعۃ آراب" (مجھے اسبات کا حکم ہوا ہے۔ کہ ساتوں اعضاء پر سجدہ کروں) اور فرمایا۔ کہ ان درختوں کے پھلوں کو سعادت آخروی کا بیج بناؤ۔ اور عبودیت کی زمین میں شریعت کے ہاتھ سے بوؤ۔ کہ "الدنیا مزرعۃ الاخرۃ" (دنیا آخرت کی کھیتی ہے) عنایت لایزالی اور عاطفت ذوالجلالی نے ایک گروہ کو پیدائش کے شروع ہی سے درجات کی طرف "وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ زمرا" (وہ لوگ جو اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے۔ وہ سب کے سب بہشت کی طرف لے جائے جائینگے) کی باگ کھینچنے سے "واما من خاف مقام ربہ" کی راہ پر "ونھی النفس عن الھوی" کے قدم سے "فان الجنۃ ھی المأوی" کی جائے بازگشت کو پہنچا دیا۔ اور غیرت الٰہی نے بے پرواہی کی تیزی کے سبب ایک گروہ کو پیدائش ہی سے درجات کی کمی کی طرف قہر کے چابک سے "وسیق الذین کفروا الی جھنم زمرا" (جنہوں نے ناشکری کی وہ دوزخ کی طرف دھکیل دئے جاوینگے) "فاما من طغی" کی راہ پر "واثر الحیوٰۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماوی" (اس نے دنیاوی زندگی کو پسند کیا۔ پس اس کا ٹھکانا دوزخ ہے) کے قدم سے دوڑایا۔ کہ "ھولاءِ فی الجنۃ ولا ابالی وھولاءِ فی النار ولا ابالی" (وہ بہشت میں ہیں تو بھی مجھے پرواہ نہیں۔ اور وہ دوزخ میں ہیں

انکی بھی مجھے پرواہ نہیں)۔ اگر عنایت بے علت جان کے گریبان سے سر نکالتی۔ تو اُسکے قہر کی کمند اور اسکے مکر کی زنجیروں سے کس طرح نکل سکتے۔ اور اسکے طلسمات اعظم کے بند کس قوت سے توڑ سکتے۔ رباعی

سیر آمدۂ زخویشتن مے باید — برخواستۂ زجان وتن مے باید
درہر گامے ہزار بند افزون است — زیں گرم روے بند شکن مے باید

سلوک کی تمنا کے خیال کو بادشاہوں اور سلطانوں کے سر نہیں چاہئیں۔ ہر ایک مفلس قلاش، گداگر کے ہاتھ پاؤں سے اس طرح کی بڑی فتح نہیں ہوسکتی۔ البتہ اگر مکار شیطان کے تصرف سے خلاصی پاکر اسلام کا لباس اور ایمان کی پوشاک لیکر اس جہان سے جان بچاکر نکلجائیں۔ تو بیشک یہ بڑی بھاری نعمت ہے۔ اللہم اختم لنا بخاتمۃ الایمان والاسلام" (اے پروردگار! ہمارا خاتمہ ایمان اور اسلام پر کر) رباعی

گر روز پسین چراغ عہدم نکشی — جانے بدہم براحت وخوش منشی
در جامۂ اسلام زنا بر نکشی — مرگے کہ در اسلام بود آنست خوشی

زندہ کرنیکے بعد مارنے اور مارنے کے بعد زندہ کرنے میں کیا حکمت تھی۔ اس کا جواب غافل اور گم گشتہ سے سنو۔ جو کہتا ہے۔ رباعی

دار ندہ چو ترکیب طبائع آراست — باز از چہ قبیل فگندش اندر کم وکاست
گر زشت آمد پس ایں صورت عیب کراست — ورنیک آمد شکستن از بہر چراست

واضح ہے۔ کہ آدمی کی پانچ حالتیں ہیں۔ اول حالت عدم۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئاً مذکورا" یعنی عدم کے پردے میں انسان کو علم حق میں تو وجود تھا۔ لیکن اسے اپنے وجود کی خبر نہ تھی۔ نہ ہی یہ اپنا ذکر تھا۔ اور نہ ہی مذکور۔ دوسری حالت وجود۔ جو عالم ارواح میں اسکو حاصل ہوئی۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ "الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منھا ائتلف وما تناکر منھا اختلف" یعنی جب عدم کے پردے سے عالم ارواح میں آیا۔ تو پھر اسے اپنے وجود کا کچھ شعور ہوا۔ اور اپنا ذاکر اور مذکور بنا۔ تیسری وہ حالت جبکہ روح کا تعلق قالب سے ہوا۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ "ونفخت فیہ من روحی" (اس میں

میں نے اپنی رُوح پھونکی)۔ چوتھی وہ حالت جبکہ روح کا تعلق قالب سے جدا ہونا ہے جیسا کہ فرمایا ہے۔ "کل نفس ذائقۃ الموت" (ہر ایک نفس کو موت چکھنی پڑیگی) پانچویں رُوح کا قالب میں دوبارہ آنا۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ "وھو الذی یبدی الخلق ثم یعیدہ" (وہ پاک ذات ہے۔ جو خلق کو پیدا کرتا ہے۔ اور پھر اسے واپس لاتا ہے) یہ پانچوں حالتیں انسان کے لئے ضروری تھیں۔ تاکہ ذات وصفات خداوندی کی معرفت میں اپنے کمال کو پہنچ جانا۔ اور نیز خلقت کے پیدا کرنے میں جو اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی وہ بھی حاصل ہو جائے۔ کہ "کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف" (میں ایک چھپا خزانہ تھا۔ پس میں چاہتا تھا۔ کہ پہچانا جاؤں) +

پہلی حالت عدم تو اس واسطے چاہئے تھی۔ کہ جب عالم ارواح میں اس کا وجود از سر نو پیدا ہو۔ تو اسے اپنی ہستی کا شعور حاصل ہو جائے۔ اور اپنے حدوث سے آگاہ ہو جائے۔ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے۔ کہ اپنے بنانے والے کے قِدم کو پہچانے +

دوسری حالت یعنی عالم ارواح میں آنا اس واسطے ضروری تھی۔ کہ اس سے پیشتر کہ عالم اجسام میں آئے۔ اور روحانیت کی صفائی میں شہود بے واسطہ کا ذوق حاصل کرے اور بے حجاب فیض سے فیض اُٹھائے۔ اور خطاب "الست بربکم" کے سننے کا استحقاق اور "بلیٰ" کہنے کی سعادت کی استعداد اسے حاصل ہو۔ اور جب بے واسطہ ہم کلام ہونے کی دولت اسے مل جائے۔ تو پہچان لے۔ کہ اللہ تعالیٰ میرا پرورش کنندہ ہے۔ اور نیز اس کی باقی صفات یعنی مریدی۔ حی۔ متکلمی۔ سمیعی۔ بصیری۔ عالمی۔ قادری اور باقی وغیرہ کو پہچان لے۔ جو کہ ذاتی صفات ہیں۔ اگر عالم ارواح میں اس کا وجود نہ ہوتا۔ اور عالم ارواح میں آئے بغیر عالم اجسام میں آجاتا۔ تو نہ ہی ان صفات ذاتی کی حقیقی معرفت اسے حاصل ہوتی۔ اور نہ ہی اسے یہ استحقاق ہوتا۔ کہ عالم اجسام میں دوسری مرتبہ تربیت سے رُوحانی صفائی حاصل کرتا۔ یا یہ کہ خدا کی ہمکلامی کا مرتبہ حاصل کرتا۔ یہ بیج ابتدا ہی میں بونے چاہئیں۔ تاکہ انجام میں یہ پھل حاصل ہو سکیں +

تیسرے روح کو قالب سے تعلق ہونے کی حالت بھی ضروری ہے۔ تاکہ کمالات معرفت کے آلات حاصل کر سکے۔ اور ان کے ذریعے غیب و شہادت کی جزویات اور کلیات کی واقفیت حاصل کر سکے۔ اور اس حالت میں حقتعالیٰ کو رزاق۔ رحمان۔ رحیم۔

غفار ستار نعمت دہندہ۔ محسن۔ وہاب۔ اور نواب جانے اور روح کی تربیت میں ان آلات کی مدد سے معرفت میں مقامات کو پہنچ جائے۔ جو کہ عالم ارواح میں حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔ اور وہ حسب ذیل ہیں مشاہدات۔ مکاشفات۔ علوم لدنی۔ تجلیات۔ تصرفات جذبات۔ بارگاہ الٰہی میں پہنچنا۔ اور طرح طرح کے معارف جن کا قدرے قلیل ذکر تو اوپر ہو چکا ہے۔ مگر ان کی شرح آسمان اور زمین میں بھی نہیں سما سکتی۔

چوتھے۔ روح کا قالب سے جدا ہونا۔ اس حالت کی ضرورت کی دو وجوہ ہیں۔ ایک یہ کہ جو آلائش روح کو جسم کی صحبت سے حاصل ہوئی ہے۔ وہ مفارقت میں آہستہ آہستہ اس سے دور ہو جائے۔ اور جو انس اور الفت اسے جسم سے پیدا ہو گئی ہے۔ اسے دور کر دے۔ اور دوبارہ روحانی صفائی حاصل کرے۔ اور یہ بات نیک بختوں کے ارواح کو حاصل ہوتی ہے۔ جو خلاصہ موجودات ہیں۔ اور یہ کہ ان صفات کے ذریعے جو قالب کے اوزار سے حاصل کئے ہیں۔ قالب کی رکاوٹ بشریت کی آلایشوں بغیر اور حقیقت کی کدورت بغیر بارگاہ الٰہی سے معرفت اور قرب حاصل کر سکے۔ دوسرے یہ کہ معارف غیبی کے اور ذوق ان آلات کے وسیلے جو قالب سے حاصل کئے ہیں بے قالبی کی حالت میں حاصل کر سکے۔ جو اسے عالم ارواح میں حاصل نہ تھے۔ اس واسطے کہ اگر عالم اجسام میں انکے ادراک کے آلات نہ تھے۔ تو اس کا ذوق بھی نہ رکھتا تھا۔ کیونکہ جو کچھ اسے ملتا وہ قالب کے پردہ پیچھے سے ملتا تھا۔ اور وہی کچھ اب قالب کی مزاحمت بغیر اسے ملتا ہے جس سے لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ پھل کی طرح کہ جب تک درخت پر ہوتا ہے۔ جیسے انگور۔ زرد آلو۔ تب تک ان کا خاص ہی ذائقہ ہوتا ہے۔ اور جب درخت سے اتار کر کچھ مدت دھوپ میں رکھے جاتے ہیں۔ کہ انگور کا منقہ اور زرد آلو کا کشٹہ بن جائے۔ تو ان کا اور ہی قسم کا ذائقہ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ درخت پر بھی اسے دھوپ تو لگتی تھی۔ مگر چونکہ درخت پر تھا۔ اس لئے درخت کی طبعی خاصیت کے سبب آفتاب کی مدد سے کچھ جمع کرتا تھا۔ اور اس میں رطوبت اور کھٹاس باقی تھی۔ اب جب کہ درخت کا وسیلہ بیچ سے اٹھ گیا۔ تو منقے اور کشٹے کا مزا اور ہی ہو گیا۔ جو درخت کی رکاوٹ بغیر آفتاب کی تربیت سے ان میں پیدا ہو گیا۔ ابتداء میں انگور کو تربیت حاصل کرنے کے لئے درخت کی ضرورت تھی۔ اگر درخت نہ ہوتا۔ تو محض آفتاب کے تصرف سے انگور

پیدا نہ ہو جاتا اور جب انگور درخت پر پک جائے۔ تو درخت پر ہی رہکر وہ منقہ نہیں بن سکتا۔ بلکہ ایسا کرنیکے لئے انگور کو درخت سے اُتار کر دھوپ میں اس کی پرورش کرنی چاہئے تاکہ منقہ میٹھا ہو جائے۔ پس اسی طرح رُوح کو عملوں کے پھلوں کی پرورش کے لئے قالب کے درخت کی ضرورت تھی۔ جب درخت ہونے کی کمالیت کو پہنچ گیا۔ تو جب تک قالب کے درخت پر رہا۔ اگرچہ عنایت حق کا آفتاب اسکی پرورش کرتا رہا۔ لیکن پھر بھی قالب کے درخت کی طبعی خاصیت سے عملوں کا بادل مزاحمت کرتا رہا۔ "انہ لیغان علی قلبی" (وہ میرے دل پر پردہ ساڈالتا ہے) اور جو ذوق معارف غیبی کا اسے حاصل ہوتا تھا۔ وہ قالبی صفات کی رطوبت اور کھٹاس بغیر نہ ہوتا تھا۔ اب روح کو پھل کی طرح قالب کے درخت سے اُتار کر نظرِ الٰہی کی دھوپ میں رکھنا چاہیئے۔ تاکہ اس دھوپ کا اثر قالب کے درخت کے وسیلے بغیر اس پر عمل کرے۔ کیونکہ ابتداء میں جبکہ انسانی درجہ کی کمالیت کو نہیں پہنچا تھا۔ عالم ارواح میں ان نظروں کے تصرفات کے قابل نہ تھا۔ اور نیز یہ کہ ظاہری موت بغیر اللہ تعالیٰ کی ممیتی (مارنیوالی) صفت کا حقیقی عارف نہیں ہوسکتا۔ اس میں بڑے گہرے اسرار ہیں۔ جن کی مفصل کیفیت بڑی بڑی کتابوں میں نہیں سما سکتی ۔

پانچویں رُوح کا دوبارہ قالب میں آنا۔ یہ اس واسطے ضروری ہے۔ کہ اس میں انسان کا کمال ہے۔ کیونکہ ایسا کرنیسے غیب و شہادت اور دُنیا و آخرت کے تمام ملکوں میں خلافت خداوندی سے متصرف ہوتا ہے۔ اور دونوں جہان کی گوناگون نعمتوں سے بدرجہ کمال فائدہ حاصل کرتا ہے۔ کہ "اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر" (میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ وہ چیزیں تیار رکھی ہیں جنکو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سُنا اور نہ ہی انسان کو ان کا کبھی وہم و گمان ہوا) یہ نعمتیں بعض روحانی ہیں۔ اور بعض جسمانی جو جسمانی ہیں۔ ان میں دوسرے آلات جسمانی بغیر تصرف نہیں کرسکتے۔ پس دنیاوی فانی قالب کو نورانی اور باقی آخرت کی صُورت میں اُٹھائینگے۔ کہ "یوم تبدل الارض غیر الارض" (قیامت کے دن زمین اور زمین میں تبدیل ہو جائیگی)۔ اگر وہی قالب ہوگا۔ تو اسی صورت میں ہوگا۔ لیکن اس طرح کا نہیں ہوگا۔ دنیاوی قالب تو چار عنصروں مٹی ہوا پانی اور آگ سے بنا ہے تھا۔ مگر پانی اور

مٹی اس پر غالب تھے۔ کہ "من طین لازب" (چمٹ جانیوالی مٹی سے) اور یہ دونوں محسوس اور کثیف ہیں۔ جن کو آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ اور ہوا اور آگ دونوں لطیف اور نامحسوس ہیں۔ جن کو آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ قالب میں یہ دونوں مغلوب ہیں۔ اسی قالب کو آخرت میں جو کہ عالم لطیف ہے بنائینگے تو انہیں چار عنصروں سے۔ مگر وہاں ہوا اور آگ کو مٹی اور پانی پر غالب کرینگے۔ کیونکہ پہلے دونوں لطیف ہیں۔ اور موخرالذکر کثیف۔ تاکہ جسم نہایت ہی لطیف ہو جائے۔ اور دنیا میں جو نور مومن کے دل میں ہے۔ قیامت کے دن وہی نور اسکے قالب پر ہوگا۔ کہ "یسعیٰ نورھم بین ایدیھم" (ان کا نور ان کے سامنے دوڑتا ہوگا) اور "یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ" (قیامت کے دن بعض چہرے سفید ہونگے اور بعض سیاہ) کا اشارہ بھی اسی واسطے ہے۔ پس جبکہ قالب لطیف اور نورانی ہوگا۔ تو روح کے لئے رکاوٹ نہیں ہوگا۔ اس واسطے کہ جس سے رکاوٹ پیدا ہوتی تھی۔ وہ "نزعنا مافی صدورھم من غل" (ہم نے ان کے سینوں کے کھوٹ دور کر دئے ہیں) کے تصرف سے باہر نکال دیا جائیگا۔ اور وہ اس آئینے کی طرح ہونگے جس کے جوہر سے خاک اور کدورت صاف کی گئی ہو۔ اور اس کے ظاہر و باطن سے دکھائی دیتا ہو۔ تاکہ ظاہر و باطن یکساں ہو جائے۔ یعنی وار پار دکھائی دیتا ہو "یوم تبلی السرائر" (قیامت کے دن بھید ظاہر ہو جائینگے) کا اشارہ اسی طرف ہے۔ یعنی جو کچھ باطنوں میں ہے۔ وہ ظاہر ہو جائیگا۔ "رق الزجاج ورقت الخمر فتشابھا فتشاکل الامر" (شراب اور شیشہ دونوں روشن ہوئے۔ اور وہ دونو ہر بات میں ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے) یہاں تک کہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ بہشتی کی ہڈیوں میں بسبب اسکے شفاف ہونیکے مغز تک دکھائی دیگا۔ پس قالب کو اس لطافت سے اٹھایا جائیگا۔ تاکہ آٹھوں بہشتوں کی نعمتوں سے فائدہ حاصل کر سکے۔ اور اس سے کسی قسم کی کدورت پیدا نہ ہو۔ جو مشاہدات روح کی مزاحمت کر سکے۔ اور نیز یہ بھی ہے۔ کہ صورتی زندگی کے وسیلے بغیر اللہ تعالیٰ کی زندہ کرنے والی صفت کے حقیقی عارف نہیں ہو سکتے۔ کہ "قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ" (اے پیغمبر! کہدے کہ ان کو وہی زندہ کریگا جس نے پہلی مرتبہ انہیں پیدا کیا) اور روح کو اس کے بعد کہ قالب کی صورت میں اس نے پوری پرورش پائی تھی۔ اور معرفت کے تمام

آلات حاصل کرتے تھے۔ اور قالب سے جدا کرکے مدتوں عالم غیب میں نظر عنایت کی گرمی میں تربیت پانیکے سبب جسمانی آلائش اس سے دور ہو گئی تھی۔ اور حقتعالے سے بے واسطہ رزق اسے نصیب ہوتے۔ کہ " یرزقون فرحین بما اتیھم اللہ من فضلہ " (اور پوری طرح سے طاقت حاصل کرچکا تھا۔ عالم قالب میں بھیجا۔ تاکہ آلات جسمانی کے وسیلے تمام ممالک میں تصرف کرے۔ اور بیواسطگی کے مقام میں آلات جسمانی کی مزاحمت بغیر روحانی نعمتوں کا لطف اُٹھائے۔ اور معرفت اور مقام عندیت " فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر " (صاحب اقتدار بادشاہ کے پاس خاص مقام میں) کی کمالیت کا ذوق حاصل کرے۔ اس طرح کہ نہ روح اپنے کام میں لگی ہے اور جسم اپنے کام میں " لایشغلہ شان عن شان " (کوئی اور حالت اس حالت سے ہٹا نہیں سکتی) اس واسطے نامۂ حق کا عنوان اس کا شروع تھا۔ کہ " من الملک الحی الذی لایموت الی الملک الحی الذی لایموت " (زندہ اور نہ مرنیوالے بادشاہ کی طرف سے زندہ رہنے والے نہ مرنے والے بادشاہ کی طرف) اس مقام میں بندگی اور خداوندی میں یہ فرق ہے۔ کہ حقتعالیٰ ان ممالک میں بغیر ضرورت آلات بطور استقلال اور اصالت متصرف ہے۔ اور بندہ بوسیلہ آلات بطور نیابت اور خلافت متصرف ہے " واللہ اعلم بالصواب والیہ مرجع المآب " (اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اور اسی کی طرف لوٹ جانا اور واپس جانا ہے۔ اسی قدر اشارہ کافی ہے۔ اسرار الٰہی کو ظاہر کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ " افشاء سر الربوبیۃ کفر " (ربوبیت کے اسرار کا ظاہر کرنا کفر ہے) جو سمجھ گیا سمجھ گیا۔ جو نہ سمجھا نہ سمجھا۔ وصلی اللہ علی محمد وآلہ وسلم۔

باب پنجم (۵)

{مختلف طائفوں کے سلوک کے بیان میں}

یہ باب تبرکاً اللہ تعالیٰ کے اس قول " ثمانیۃ ازواج " کے موافق آٹھ فصلوں پر منقسم ہے۔

فصل ۱

{صاحب فرمان اور بادشاہوں کے سلوک کے بیان میں}

اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتا ہے۔ "یاداود انا جعلناك خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی فیضلك عن سبیل اللہ ان الذین یضلون عن سبیل اللہ لھم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب" (اے داؤدؑ! ہم نے روئے زمین پر تجھے اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ پس لوگوں میں عدل سے حکمرانی کر۔ اور حرص و ہوا کی پیروی نہ کرنا۔ کیونکہ یہ تجھے راہ خدا سے گمراہ کردیگی۔ اور جو لوگ راہ خدا سے بھٹک جاتے ہیں۔ ان کے لئے اس کے عوض روز قیامت کو بڑا سخت عذاب ہوگا) پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "السلطان ظل اللہ فی الارض یاوی الیہ کل مظلوم" (بادشاہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا سایہ ہوتا ہے۔ ہر ایک مظلوم اسی کی پناہ میں آتا ہے) *

واضح رہے۔ کہ سلطنت روئے زمین پر اللہ تعالےٰ کی خلافت اور نیابت ہے۔ اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ کو اللہ تعالےٰ کا سایہ فرمایا ہے۔ اُسکے بھی معنے خلافت ہی کے ہیں۔ اس واسطے کہ عالم صورت میں جب کوئی شخص کوٹھے پر ہو۔ اور اس کا سایہ زمین پر پڑے۔ تو وہ سایہ اُسکی ذات کا خلیفہ ہوتا ہے۔ اور وہ سایہ اسی شخص کا کہلاتا ہے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ فلاں شخص کا سایہ ہے۔ اور جو کچھ اس شخص کی ذات اور صفات میں ہوتا ہے۔ اس کا اثر عکس کے طور پر اس سائے میں ظاہر ہوتا ہے یہ ایک بڑا بھید ہے "ان اللہ خلق آدم علی صورتہ" اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی صورت کا سایہ بنایا، کا اشارہ بھی اسی بارے میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف کے اسرار سے ایک سر ہما میں جو ایک کمزور سا پرندہ ہے۔ رکھا تو دیکھ کہ اس کے سائے میں کیا خاصیت آگئی۔ اُسکی یہ تاثیر ہے۔ کہ جس پر اس کا سایہ پڑے وہ بادشاہ ہو جاتا ہے۔ پس حقتعالیٰ جب کمال عنایت الٰہی سے بندے کو تمام مخلوقات سے برگزیدہ کرے۔ اور اسے ظل الٰہی سے مخصوص کرے۔ اور ذات و صفات خداوندی کی عکس کی قبولیت کی استعداد اسے عنایت فرمائے۔ تو اس ذات مشرف اور گوہر مکرم میں کس قسم کا

اقبال۔ عزت اور کرامت رکھی ہوگی۔ اس شریف ذات اور لطیف عنصر کی ادنیٰ خاصیت یہ ہے کہ جس لائق یا نالائق پر نظر عنایت کرتا ہے۔ اُسے سارے جہان کا مقبل اور مقبول بنا دیتا ہے اور جسے قہر کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اسے سارے جہان کا مردود اور بدبخت کر دیتا ہے۔ کسی گذشتہ بادشاہ کی بابت کہتے ہیں۔ کہ وہ کہا کرتا تھا۔ کہ "نحن الزمان فمن رفعناہ ارتفع ومن وضعناہ اتضع" (ہم ہی زمانہ ہیں۔ جسے ہم اونچا کرتے ہیں۔ وہی اُونچا ہوتا ہے اور جسے ہم گرا دیتے ہیں۔ وہ گر جاتا ہے) یہ بات بلحاظ معنوں کے تو بالکل ٹھیک ہے۔ مگر اس بادشاہ کی نظر حاصل نہ تھی۔ اگر کامل ہوتی تو اپنے آپ کو بہتر خیال کرتا۔ اور "نحن الزمان" کی بجائے "نحن خلفاء الرحمان" کہتا +

بادشاہوں کے دو گروہ ہیں۔ ایک دنیاوی بادشاہ دوسرے دینی بادشاہ۔ جو دنیاوی بادشاہ ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات لطف وقہر کی صورت ہیں۔ لیکن اپنی صورت ہی میں بند ہیں۔ اور اپنی صفات کی شناخت سے محروم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات قہر کی صورت ہیں۔ لیکن اُن پر ظاہر نہیں ہوتی۔ جیسے کہ چاند کا چہرہ جو اپنے جمال سے خود بیخبر ہے۔ اُسکے جمال سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ جو اسے دیکھتے ہیں ؎

خوش باشد عشق خوب روئے کو خوبیٔ خود خبر ندارد

اور جو دینی بادشاہ ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات قہر ولطف کے ظاہر کرنیوالے اور جائے ظہور ہیں۔ جنہوں نے صورت کے طلسم اعظم کو شریعت کی کنجی سے طریقت کی دستکاری کے ساتھ کھولا ہے۔ اور احوال وصفات کے خزانوں اور دفینوں کو جو اُنکے وجود کی بُنیاد میں گاڑے گئے ہیں حقیقت کی آنکھ سے دیکھ لیا ہے۔ اور "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا) کے خزانے تک پہنچ گئے ہیں۔ اور خلافت ابدی کی سلطنت کے تخت اور ہمیشہ رہنے والی سلطنت کے تخت پر مالک ہو کر بیٹھے ہیں۔ "واذا رایت ثم رایت نعیما وملکا کبیرا"

ان اللہ ملوکا تحت اطمارٍ

(ایسے لوگوں کے بادشاہ۔ سلطان۔ دہقان برابر ہیں۔ اگرچہ وہ گدڑیوں میں ہیں لیکن ان کے دل زندہ ہیں۔ رباعی

ما ملکِ زندہ پوشاں سلطاں چہ کار دارد در بزم ورد نوشاں خاقاں چہ کار دارد

باجانِ عشق بازاں غم راچہ آشنائی   برگردن مسیحا پالاں چہ کار دارد

خوشی سے زندگی بسر کرنیوالے گداگروں کی ہمت کو "غدوھا شھر ورواحھا شھر"
(صبح کسی شہر میں اور شام کو کسی شہر میں) سے شرم آتی ہے۔ کیونکہ ایک لمحہ میں وہ دونوں
جہان کے ملکوں کی سیر کر آتے ہیں۔ اور دونوں جہان بھی اُن کی جاگیر کے لائق نہیں۔ رباعی

هر کجا شهرے است اقطاع من است   گر بایراں ور بتوراں میروم
صد هزاراں ترک وارم در ضمیر   هر کجا خواهم چو سلطاں میروم

لیکن بڑی سعادت اور اعلےٰ درجے کی نعمت اِس باب میں ہے۔ کہ کسی صاحب
دولت کو دین و دنیا کی سلطنت عنایت کریں۔ تاکہ "وان لنا للآخرۃ والاولیٰ" (اور
ہمارے لئے آخرت ہے۔ اور وہی بہتر ہے) کی خلافت میں دونوں سلطنتوں پر
قابض ہو جائے۔ جس طرح کہ داؤد علیہ السلام کو یہ مرتبہ عنایت ہوا تھا۔ "یا داود
انا جعلناك خلیفۃ فی الارض ....الخ) اے داؤد! ہم نے تجھے روئے زمین پر
بادشاہ بنایا ہے) اللہ تعالیٰ جلشانہ نے اِس ایک آیت میں دس حکمتیں ثابت کی ہیں۔
اور فرمانرواؤں اور بادشاہوں کو فرمانروائی۔ حکمرانی۔ آدابِ سلطنت اور انصاف کے طریقے
کی نسبت متنبہ فرمایا ہے۔

اوّل۔ یہ فرمایا۔ کہ "انا جعلناك خلیفۃ" (ہم نے ہی تجھے بادشاہ بنایا) اِس سے اِشارہ
ہے۔ کہ بادشاہ کو اپنی بادشاہی اللہ تعالیٰ کی عنایت کردہ سمجھنی چاہیئے۔ اور سلطنت کو اسکی بخشی
ہوئی خیال کرنی چاہیئے۔ کہ "توتی الملك من تشاء" (جسے چاہتا ہے ملک عنایت کرتا
ہے)۔

دوسرے۔ بادشاہ کے لئے یہ تنبیہ ہے۔ کہ ہم نے تجھے ملک دیا ہے۔ اور جسے ہم نے دیا
ہو۔ اس سے نہ لے۔ کیونکہ اس سے بھی ایک روز یہ ملک لے لیا جائیگا۔ اور دوسرے کو
دیا جائیگا۔ "وتنزع الملك ممن تشاء" (اور جس سے چاہتا ہے ملک لے لیتا ہے) اور
اس بات کی کوشش کرے۔ کہ اس فانی اور مستعار ملک سے حقیقی ملک حاصل کرے۔ اور
اپنے تئیں دونوں جہان میں نیک تعریف اور عمدہ جزا سے محروم نہ کرے۔

تیسرے۔ یہ کہ بادشاہی کو اللہ تعالیٰ کی نیابت اور خلافت سمجھے۔ اور خلق خدا سے
خوش اخلاقی اور خوش اسلوبی سے پیش آئے۔

چوتھے۔ فرمایا ہے۔ " فاحکم بین الناس بالحق " اِس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ خلقِ خدا میں خود اپنی ذات سے حکمرانی کرے۔ اور جہاں تک ہوسکے رعیت کے کاروبار اور احکام کو دوسروں کے سپرد نہ کرے۔ کیونکہ سلطنت کے نوابوں اور امیروں کو رعایا پر وہ شفقت۔ نرمی اور مہربانی رعایا پر نہیں ہوتی۔ جو خود بادشاہ کو اس کے حال پر ہوتی ہے۔ اِس واسطے کہ جو شفقت و رحمت پانچ گروہوں کو پانچ گروہوں پر ہوتی ہے۔ وہ ان کے غیر پر نہیں ہوتی۔ اول خدا کی رحمت بندے پر۔ دوم نبی کی نرمی امت پر۔ سوم بادشاہ کی شفقت رعیت پر۔ چہارم والدین کی محبت فرزندوں سے۔ پنجم شیخ کی عزت مرید پر +

چھٹے۔ جب حکومت راستی سے کرے۔ تو فرمانِ حق کے مطابق کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کی خاطر کرے نہ کہ خلقت کی خاطر +

ساتویں۔ فرمایا ہے۔ " ولا تتبع الھوی " یعنی خواہشات نفسانی کی پیروی کسی حالت اور کسی کام میں نہ کر۔ جو شخص کسی قسم کی تابعداری خواہش کی کریگا۔ وہ کسی طرح بھی کوئی اور کام محض اللہ تعالیٰ کی خاطر نہیں کرسکیگا۔ اس میں ضرور خواہش ملی ہوگی۔ اِس واسطے کہ جب حرص و ہوا مرد پر غالب ہوتی ہے۔ تو اس کے اوامر و نواہی پر وہی حرص و ہوا قابض ہوتی ہے اور حرص و ہوا سے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے برخلاف ظہور میں آتا ہے۔ اور کوئی کام جو اُس کے برخلاف نہ کیا جائے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آتا۔ خدائی کا دعوےٰ بھی کیا تھا۔ تو اسی خواہش نے کیا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ " افرایت من اتخذ الٰھہ ھواہ " کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے حرص و خواہش کو اپنا معبود ٹھیرایا۔ اگر فرعون نے خدائی کا دعوےٰ کیا۔ تو خواہش کے سبب۔ اگر بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش کی۔ تو خواہش کے سبب۔ اگر ایک قوم نے بتوں کو خدا مانا تو خواہش کی وجہ سے۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ " ماعبد الہ ابغض علی اللہ من الھوی " حرص سے بڑھ کر کسی معبود کا کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے بغض نہیں کرتا اور درحقیقت یہ خواہش ہی ہے۔ جو خدا انگیز ہے۔

اے ہوا ہائے تو ہوا انگیز   وے خدایانِ تو خدا آزاد

آٹھویں۔ پھر ظاہر کیا۔ کہ حرص کی پیروی کرنا راہ خدا سے بھٹک جانا ہے۔ " فیضلک عن سبیل اللہ " اور حرص و ہوا کی مخالفت کرنا راہ خدا پر چلنا ہے۔ " ونھی النفس عن الھوی

فان الجنۃ ھی الماوی" (اور نفس کو خواہشات سے روکا پس اس کا ٹھکانا جنت ہے)۔

نویں۔ فرمایا ہے۔ ان الذین یضلون عن سبیل اللہ لھم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب" اس سے یہ اشارہ ہے۔ کہ جو شخص خدا کی راہ سے بھٹک جائے۔ اور حرص و ہوا کا مغلوب ہو جائے۔ ایسی حالت میں اگر وہ اسی پر تلا رہے۔ تو اس سے کفر لازم آتا ہے۔ جس کے سبب وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اس واسطے کہ کفر کی مراد ہے۔ آخرت کا بھول جانا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فراموش کر دینا نہایت سخت عذاب ہے یہ نسوا اللہ فنسیھم" (وہ اللہ تعالیٰ کو بھول گئے۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کو بھول گیا)۔

دسویں۔ حقتعالیٰ نے پھر یہ بات واضح کر دی۔ کہ نبی ہو کر بھی جہان کی بادشاہی کر سکتے ہیں۔ اس طرح پر کہ حکمرانی۔ جہانگیری اور عدل گستری کے حقوق کو بھی ملحوظ رکھے۔ اور رعیت پروری کرے۔ اور ساتھ ہی راہ دین کے سلوک اور معاملات شرع کے حفظ مراتب بجا لائے۔ اور ولایت کی رسموں اور نبوت کی شرطوں کو بجا لائے۔ تاکہ بادشاہوں اور فرمانرواؤں کو اس بہانے کا موقع نہ ملے۔ کہ ہم تو دنیاوی سلطنت اور رفاہ عام کے امور میں رہ کر دینی فائدوں اور سلوک کے نفعوں سے محروم رہ گئے۔ بلکہ اصل بات تو یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنیکے لئے رب سے کامل ذریعہ ہے۔ اور قرب حق کا سب سے اعلیٰ وسیلہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی بات کو مدِ نظر رکھ کر ملک کی درخواست کی تھی۔ اور علم اور نبوت نہیں مانگا تھا کی خواہش نہیں کی تھی۔ "رب ھب لی ملکاً لا ینبغی لاحد من بعدی" (اے پروردگار! مجھے ایسا ملک عنایت کر جو میرے بعد کسی کو نصیب نہ ہو) اس میں حسب ذیل فوائد اور حکمتیں تھیں۔

اوّل۔ بادشاہ ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اور علم اور نبوت اس کے علاوہ ہے لہذا مؤخر الذکر دونوں بندگی کی علامت ہیں۔

دوسرے۔ اُنھوں نے یہ جانا تھا۔ کہ جب سارا ملک ہو جائیگا۔ تو علم و نبوت بھی اسی میں شامل ہونگے۔ جیسا کہ آدم علیہ السلام کو جب خلافت عطا ہوئی۔ تو اس میں علم اور نبوت بھی شامل تھے "انی جاعل فی الارض خلیفۃ" (میں روئے زمین پر ایک بادشاہ بناتا ہوں) اور یہ نہ فرمایا کہ میں کوئی پیغمبر یا عالم یا عادل پیدا کرتا ہوں۔ اور اسی طرح داؤد علیہ السلام کو فرمایا۔ "انا جعلناک خلیفۃ" اور "نبیاً و مولاً او عالماً" نہ فرمایا۔ اس واسطے کہ خلافت کی تحت

میں یہ سب کچھ شامل ہے۔

تیسرے۔ یہ کہ نبوت اور علم کے ساتھ جب سلطنت کی طاقت اور شوکت بھی مددگار ہو۔ تو اس کی تاثیر اور اس کا تصرف پہلے سے ہزار گنا ہو جاتا ہے۔ اور دین کی عزت تلوار کے ذریعے ظاہر کر سکتے ہیں۔ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے شروع میں اسی وجہ سے یہ دُعا کی تھی۔ کہ "اللھم اعز الاسلام بعمر او بابی جھل" (اے پروردگار! تو اسلام کو عمر سے یا ابی جہل سے عزت بخش۔ اور اپنی نبوت کو تلوار سے نسبت دی۔ "انا النبی السیف" (میں صاحبِ تلوار نبیؐ ہوں)۔

چوتھے۔ یہ کہ جب بادشاہ حکمرانی میں رعیت کے ساتھ عدل و انصاف سے زندگی بسر کرتا ہے۔ اور ظالموں کو ظلم سے اور بدکاروں کو بُرے کاموں سے منع کرتا ہے۔ اور کمزوروں کو طاقت دیتا ہے۔ اور طاقتوروں کی تربیت کرتا ہے۔ اور علماء کی عزت کرتا ہے۔ تاکہ علم شریعت کے سیکھنے سکھانے کی انہیں رغبت ہو۔ اور نیک بختوں سے یمن اور برکت کا متلاشی ہوتا ہے۔ تاکہ وہ صلاحیت اور عبودیت کی طرف زیادہ مایل ہوں۔ اور امر معروف پر قائم رہیں۔ اور نہی منکر سے باز رہیں۔ اور رعایا کو آسودہ رکھتا ہے۔ تاکہ بندگی میں مشغول ہوں۔ اور آمد و رفت کرنے والوں کے لئے راستے پر امن کرتا ہے۔ اور شہروں سے ملعون کافروں کی شرارت کو دُور کرتا ہے۔ تو جو نیکی۔ طاعت۔ عبادت اور سکھانا اسکی رعایا کرتی ہے۔ اور جو آرام اور فارغ البالی اور خوشحالی جو اس کی رعایا کو حاصل ہوتی ہے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں کے دفتر میں درج کرتا ہے۔ اور جو ظلم و ستم اور فسق و فجور اور خلافِ شرع کھیل کود سے منع کرتا ہے۔ اور اس کی جھڑکی سے رعیت ان کاموں سے باز آجاتی ہے۔ یہ سب کچھ اسکے لئے بارگاہِ الٰہی میں قرب کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک اس کے لئے راہ حق طے کرنے میں بمنزلہ قدم ہو جاتا ہے۔ تاکہ اگر کوئی اور ایک قدم سے راہِ حق کو طے کرے۔ تو بادشاہ کئی ہزار قدموں سے اُس راہ کو طے کرتا ہے۔ جس طرح رعایا میں سے ہر شخص کسی صنعت و حرفت میں دن رات محنت شاقہ اُٹھاتا ہے یا تجارت اور زراعت کرتا ہے۔ اور ان سب کا محصول بغیر تکلیف اور مشقت شاہی خزانے میں لایا جاتا ہے۔ اور سلطنت کی عزت کی وجہ سے سب اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اسی طرح بغیر کسی محنت و مشقت اور معاملات و مجاہدات دینی کے

محصول کے رعیت عادل بادشاہ کے ثواب کے خزانے میں پہنچاتے ہیں۔ یہ نیک بختی ہر ایک کو حاصل نہیں۔ "ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء" (یہ فضل الٰہی ہے۔ جسے چاہے۔ عطا فرمائے)۔

پانچویں۔ یہ کہ سلطنت اور بادشاہی نفسانی مرادوں کے حاصل کرنے اور اس کی شہوتوں اور لذتوں کے پورا کرنے کے لئے ایک کامل اوزار ہے۔ اور جسے نفسانی خواہش پورا کرنے کی مقدرت نہ ہو۔ وہ اس خواہش کو پورا نہیں کر سکتا۔ اور اسی سبب سے طاعت میں مشغول ہوتا ہے۔ اگرچہ اس میں بھی ثواب تو بہت ہے۔ لیکن اس شخص کا سا نہیں جس کے پاس نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کا سامان مہیا ہو۔ اور پھر سب کو ترک کر کے خواہشات کے پورا کرنے سے باز رہے۔ اور محض اللہ تعالیٰ کی خاطر ان خواہشات کو ترک کئے رکھے۔ ایسے شخص کو ہر ایک آنے۔ قوت اور قدرت کے سبب جو نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے کے لئے اسے حاصل ہیں۔ اور جن سے وہ قرب الٰہی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ایک خاص قرب۔ درجہ۔ مرتبہ اور عزت بارگاہ الٰہی میں حاصل ہوتا ہے۔ جو اس کے غیر کو حاصل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے۔ کہ صحابہ کرام میں سے درویشوں نے رسول صلعم کی خدمت بابرکت میں عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ "ذھب اھل الدثور بالاجور والفوز التام والنعیم المقیم فی الدنیا والآخرۃ" یعنی ان دولتمندوں نے نجات۔ ثواب اور دونوں جہان کی نعمتیں حاصل کر لیں۔ آنحضرت صلعم نے پوچھا کس طرح؟ انہوں نے عرض کی۔ کہ ہم بھی نماز پڑھتے ہیں۔ اور وہ بھی پڑھتے ہیں۔ روزہ ہم بھی رکھتے ہیں اور وہ بھی رکھتے ہیں۔ لیکن وہ صدقہ اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور ہم نہیں دے سکتے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں تمہیں ایک ایسی بات سکھلاتا ہوں۔ کہ جب تم وہ کرو گے۔ تو وہ تمہارے حق میں اس سے بہتر ہوگی۔ کہ ساری دنیا تمہارے قبضے میں ہو۔ اور اسے راہ خدا میں صرف کرو۔ اور کسی شخص کی طاعت تمہاری طاعت کا لگا نہیں کھا سکیگی۔ مگر اس شخص کی جو یہی عمل کرے۔ انہوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ وہ کونسی بات ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ وہ یہ ہے۔ کہ ہر نماز فریضہ کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر اور ایک مرتبہ لا الٰہ الا اللہ پڑھا کرو۔ انصاری انصاری صحابہ میں سے ایک نے خواب میں دیکھا۔ کہ آنحضرت صلعم اسے فرماتے ہیں۔ کہ اگر

پچیس مرتبہ سبحان اللہ اور پچیس مرتبہ لاالٰہ الا اللہ اور پچیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھو تو بہتر ہوگا۔ اُس انصاری نے آکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سارا خواب عرض کر دیا۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ " افعلوا کما قال الانصاری" اچھا جیسے یہ انصاری کہتا ہے ویسا ہی کرو۔ اس کے بعد درویش ہر نماز کے بعد یہی ذکر کیا کرتے۔ پھر صحابہ کرام میں سے جو دولتمند تھے۔ جب اُنہوں نے یہ بات سنی۔ تو اُنہوں نے بھی ایسی ہی عرض کی۔ اور یہی آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ پھر دوبارہ درویش جناب کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ دولتمند بھی وہی تسبیح پڑھتے ہیں۔ جو ہم پڑھتے ہیں۔ اور خیرات وغیرہ جو وہ کر سکتے ہیں۔ ہم نہیں کر سکتے۔ یہ سُنکر پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ " ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء" (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جسے چاہتا ہے عنایت کرتا ہے یعنی یہ ایک فضیلت ہے۔ جو اللہ نے انہیں دے رکھی ہے۔ کہ وہ نفس سے بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور مال سے بھی۔ پس سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ نفس۔ مال۔ ملک اور جنوں انسانوں۔ وحشیوں پرندوں اور کیڑوں۔ گھوڑوں کی رعیت اور دوسرے اسباب سلطنت سے اللہ تعالیٰ کی عبودیت کرے۔ اور ان سب کے ذریعے قرب الٰہی حاصل کرے۔ کیونکہ جسقدر قرب کے سامان زیادہ ہونگے۔ اتنا ہی قرب زیادہ ہوگا۔ اور قرب کے درجات اعلےٰ ہونگے۔

چھٹے۔ یہ کہ سلطنت اور حکمرانی نیک و بد صفات کی پرورش کے لئے بڑا زبردست آلہ ہے۔ اگر ان آلات سے نفس کی پرورش کریں۔ تو بری صفات میں ایسے درجے کو پہنچ جاتا ہے۔ کہ خدائی کا دعویٰ کرنے لگتا ہے۔ اور یہ بری صفات کی انتہا ہے۔ اور اس ادنےٰ درجے میں سوائے ان آلات کے نہیں پہنچ سکتے۔ اس واسطے کہ کسی عاجز و بیکس درویش نے کبھی خدائی کا دعوےٰ نہیں کیا۔ کیونکہ اسکے نفس کو تکبر و تجبر اور انانیت کی صفات کو بدرجہ کمال پرورش کرنیکے اسباب مہیا نہ تھے۔ اور فرعون کے پاس یہ اسباب پورے پورے طور پر تھے۔ اس واسطے اُس نے نفس کی پرورش تکبر۔ تجبر اور انانیت میں بدرجہ کمال کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اس نے " انا ربکم الاعلیٰ" (میں تمہارا بڑا خدا ہوں) کہا۔ اور اس دعوے میں سلطنت کو دلیل ٹھیرایا۔ کہ " الیس لی ملک مصر وھذہ الانھار تجری من تحتی" (کیا یہ ملک مصر میرا نہیں اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہتیں) اسی طرح اگر نفس کو نیک صفات میں انہیں آلات کے ذریعہ تربیت کیا جائے۔ تو ایسے

مقام کو پہنچ جاتا ہے۔ کہ اخلاقِ حق سے متخلق ہو جاتا ہے۔ اور صفاتِ ربوبیت سے متصف ہو جاتا ہے۔ اور یہ نیک صفات اور دین کے کمال کی انتہا ہے۔ جیسا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" (میں اس واسطے پیغمبر بنایا گیا ہوں کہ عمدہ اخلاق کو مکمل کروں) ان اخلاق کا کمال سلطنت اور حکمرانی کے آسرے بغیر نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص چاہے کہ اپنے تئیں بخشش کی صفت میں پرورش کرے۔ جو کہ صفت حق ہے۔ اور وہی صفت اس میں آ جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ "تخلقوا باخلاق اللہ" (اللہ تعالیٰ کی سی عادتیں پیدا کرو) یہ ایک ایسا حکم ہے۔ جو نہایت واجب ہے۔ بلکہ نبیوں کی شریعت۔ کتابوں کا نازل ہونا۔ اور مختلف مذاہب اور دین سب اسی کمال کے حاصل کرنے کے لئے ہیں۔ جو سوائے بہت سا مال اور مرتبہ خرچ کرنیکے پرورش نہیں پا سکتا۔ اور اگر حلم کی صفت کی پرورش کرنا چاہے۔ تو اسکے لئے بھی سلطنت کی قوت اور قدرت درکار ہے۔ تاکہ جب خلق خدا کی طرف سے تکلیف پہنچے۔ تو تحمل کرے۔ اگر اس میں قوت اور قدرت نہ ہوگی۔ تو یہ تحمل اضطراری ہوگا نہ کہ اختیاری۔ وہ حلم نہیں بلکہ عجز ہوگا۔ حلم حقتعالیٰ کی صفت ہے۔ اور عجز خلقت کی صفت ہے۔ اور جب چاہے کہ معاف کرنے کی صفت کی پرورش کرے۔ تو اس کے لئے بھی غلبہ اور قدرت درکار ہیں۔ تاکہ مجرموں کے قصوروں سے درگذر کرے۔ اور صفتِ حق سے موصوف ہو کر محبوبِ خدا ٹھہرے۔ "ان اللہ عفو یحب العفو" (اللہ تعالیٰ خود معاف کرتا ہے اور معاف کرنے کو عزیز جانتا ہے) یہ سب کچھ لطف حق کی صفات ہیں۔ اب اگر وہ قہر حق کی صفت سے متصف ہو۔ تو اس کے لئے بھی سلطنت اور حکمرانی درکار ہے۔ تاکہ کافروں اور اہلِ نفاق اور اہلِ بدعت کا اچھی طرح قلع قمع کر سکے جیسا کہ فرمایا ہے۔ "لیعذب اللہ المنافقین والمنافقات والمشرکین والمشرکات" (اللہ تعالیٰ منافق اور مشرک مردوں اور عورتوں کو ضرور عذاب دیگا) اور یہ بات مذہبی لڑائیاں لڑنے۔ کفار کی ولایتوں کو فتح کرنے۔ اہلِ ظلم و فسق کو سزا دینے۔ کمزور مظلوم کا انصاف طاقتور ظالم سے ولانے۔ رہزنوں اور چوروں کو دور کرنے۔ گنہگاروں پر شرعی احکام استعمال کرنے۔ خونیوں سے خون کا بدلہ لینے۔ ملکوں میں ملک کی حفاظت۔ رعایا کی مصلحت اور فساد کے دور کرنے کے لئے بے دھڑک حکمرانی کرنے اور اس قسم کی باتوں سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی چاہے۔ کہ رحمت۔ راحت اور عاطفت کی صفات سے موصوف ہو۔ تو اس کے

لئے بھی بڑی وسیع سلطنت درکار ہے۔ تاکہ عایا بہت ہو۔ اور خزانہ وافر جس سے ہر ایک گروہ پر اسکے استحقاق کے موافق شفقت۔ نرمی اور مہربانی کر سکے۔ اور ان صفات میں اپنے کمال کو پہنچ جائے۔ بندے کے لئے عبودیت حق۔ درجات کے حاصل کرنے۔ قرب کے پالینے اور مقامات کے سلوک میں سب سے زبردست آلہ انسان کی ہمت ہے۔ کیونکہ دوسری صفات کے ذریعے حقتعالیٰ کی بارگاہ کی سیر کر سکتے ہیں۔ کہ "المرء یطیر بہمتہ الطائر بجناحیہ" (مرد اپنی ہمت سے اسی طرح پرواز کرتا ہے جس طرح پرندے اپنے دونوں بازوں سے) اور تمام نیک اخلاق اور صفات ہمت ہی کے ذریعے کمال کو پہنچائی جا سکتی ہیں۔ پس ہمت کی پرورش اچھی طرح سے سلطنت ہی کی صورت میں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس میں مال نعمت۔ دولت۔ سرداری۔ مرادوں پر فتح پانا اور قسم قسم کی نعمتیں اور آسائشیں حاصل ہوتی ہیں۔ ان میں سے کسی کی طرف بھی توجہ نہ کر کے حیوانی۔ بشری۔ اور ڈھور ڈنگروں کی سی خواہشات سے فائدہ نہ اٹھائے اور نہ ان میں سے کسی ایک کی طرف مائل ہو جائے۔ اور طبیعت اور خواہش کے موافق عمل نہ کرے۔ بلکہ سب سے روگردانی کر کے فرمان حق اور قانون شریعت کی پیروی کر کے دین کی راہ پر مستقل رہے۔ اور ہمت کو ان سب سے بیزار رکھے۔ تاکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی طرح ان تمام کے شرک سے خلاصی پائے۔ کہ "انی بری مما تشرکون" بلکہ دشمنی کی نگاہ سے سب کی طرف دیکھے۔ "فانہم عدو لی الا رب العالمین" اور ہمت بلند رکھے۔ اور ان سب میں نہ پھنسا رہے۔ بلکہ دل اللہ تعالیٰ کی طرف لگائے "انی وجہت وجہی للذی فاطر السموات والارض حنیفاً وما انا من المشرکین" میں نے اپنا رخ اُس کی طرف کیا ہے۔ جس نے زمین آسمان پیدا کئے۔ اور میں مشرکوں میں سے نہیں رباعی

خواہم کہ مرا باغم او خو باشد | گر دست دہد غمش چہ نیکو باشد
ہاں اے دل بے غم غم او در بر گیر | تا در نگری خود غم او او باشد

جب ہمت بدرجہ کمال پرورش پا چکتی ہے۔ تو تمنائے حق کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ جو صاحب سلوک کے لئے سب سے شریف مقام ہے۔ جب تک پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے علو ہمت میں کمالیت کا درجہ حاصل نہ کیا "ما زاغ البصر وما طغیٰ" نہ اُسکی آنکھ چوکی۔ اور نہ اُس نے نافرمانی کی جناب کو "ووجدک عائلاً فاغنیٰ" اور تم کو مفلس پایا تو اُس نے

غنی کردیا ہے کہ غنا کے درجے کا استحقاق حاصل نہ ہوا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس واسطے کہ ہمت کو سلطنت حکومت مال و دولت اور نعمت سے پرورش کریں۔ خود دست مبارک سے زنبیل سیا کرتے تھے۔ اور اس کی قیمت سے ساوی غذا حاصل کیا کرتے تھے۔ اور وہ بھی کسی شکستہ حال درویش کو کھلا دیا کرتے اور فرماتے "مسکین جالسا مسکینا" (مسکین مسکین کا ہمنشین ہے) اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ جب ملک اور سلطنت سے اس قسم کے فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور اس سے قبولیت اور قرب حق حاصل ہوتے ہیں۔ تو پھر پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو کیوں سلطنت نہ دی گئی۔ تاکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سبب اور زیادہ قرب حق حاصل کرتے۔ اور اخلاق اور صفات کی پرورش اور اچھی طرح کر سکتے۔ اس سوال کے دو جواب ہیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے دو گروہ ہیں۔ ایک نازنین۔ دوسرے نیازمند۔ نازنینوں کو تو بن مانگے مقصود عطا ہوتا ہے۔ اور ان کو اس کے حصول کے اسباب کی تکلیف سے بری رکھا جاتا ہے۔ شعر

خلیلی هل ابصرتما وسمعتما   باکرام من مولی یمشی الی عبد

(اے میرے دوستو! کیا تم نے میرے آقا (خدا) سے بڑھ کر کوئی کریم دیکھا یا سنا ہے۔ جو بندے کی طرف خود آتا ہے)۔

اتی زائراً من غیر وعد وقال لی   اصونک عن تعذیب قلبک بالوعد

(وہ بغیر کسی وعدہ کے میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ کہ میں تیرے دل کو وعدہ کے عذاب سے بچاتا ہوں)۔

اور نیازمندوں کو اس وقت ان کی حاجت دی جاتی ہے۔ جب وہ خواہش کرتے ہیں۔ اور نیز اس کے حاصل کرنے کا احسان بھی ان پر ہوتا ہے۔ ان دونوں کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی شخص بڑی محنت و مشقت سے تیر و کمان مانگے۔ اور جب اسے ملجائے۔ اور وہ شکار کو جاوے اور تکلیفیں اٹھائے۔ اور کئی ایک تیر جانوروں پر پھینکے تب کہیں اسے شکار ہاتھ آئے۔ اور دوسرے شخص کو کوئی شخص مرغابی عنایت کرے۔ یا ایسا باز سپید دیدے۔ جو بجائے خود شکاری ہے۔ اور اسی شخص کو خود کسی قسم کی تکلیف نہ کرنی پڑے۔ پس آنحضرت صلعم بارگاہ الٰہی کے نازنین تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ آنحضرتؐ کی جان اور سر کی سوگند کھایا کرتے تھے۔ کہ "لعمرک" تیری عمر کی قسم یعنی تیری جان کی قسم۔ جو مقصود کہ سلطنت اور حکمرانی سے حاصل ہوتا تھا۔ وہ بغیر طلب محنت مشقت اور احسان کے خود ہی اللہ تعالیٰ نے

آنحضرت صلعم کو عطا فرما دیا تھا۔ " وکان فضل اللہ علیک عظیما " (بیشک اللہ تعالیٰ کی تم پر بڑی ہی مہربانی تھی) اس فضلِ عظیم سے مراد تخلق باخلاق حق ہونا ہے۔ جو آنحضرت صلعم میں بدرجہ کمال تھا۔ اور سو طرح کی نازبرداری بھی فرمائی۔ " وانک لعلی خلق عظیم " جب مرغ وصال کو مہتر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے " ارنی انظر الیک " کے تیر وکمان سے شکار کرنا چاہا۔ تو نہ کر سکے کیونکہ اس مرغ وصال کو " لن ترانی " کے کبریائی اوج کی عزت حاصل تھی۔ لاکھوں لطف اور اعزاز سے اسے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے باز کی شست میں دیا۔ کہ " الم تر الی ربک " اگر بنظر حقیقت دیکھا جائے۔ تو آنحضرتؐ خود ہی اس جال کا شکار بھی تھے۔ اور ایسے پرند کے شکاری بھی تھے۔ جو " انا من اللہ " کے گھونسلے سے اڑ کر شکاری کی صورت میں " الی الاحمر والاسود " کائنات کے گرد پرواز کرتا تھا۔ نہ اس طرح کہ جیسے باز کے پر۔ اس واسطے کہ اسکے پر و بال کائنات میں نہیں سما سکتے۔ وہ خود ہی مرغ تھا اور خود ہی دانہ اور خود ہی شمع تھا۔ اور خود ہی پروانہ۔ رباعی

ما در غمِ عشق غمگسار خویشیم — شوریدہ و سرگشتۂ کار خویشیم
محنت زدگان روزگار خویشیم — صیاد انیم وہم شکار خویشیم

حضرت سلیمان علیہ السلام کو پہلے " ھب لی ملکا " کی درخواست کے مطابق بڑے احسان سے سلطنت کی اونٹنی کی مہار نیازمندی کے ہاتھ دی گئی۔ اور درمیان میں درخواست کی تکلیف دی گئی۔ " والقینا علی کرسیہ جسدا " اور آخرکار " انی احببت حب الخیر " میں مبتلا کیا۔ اس سے کس بات کی طرف اشارہ ہے۔ یہ ہے۔ کہ چونکہ وہ نیازمند تھے۔ اور انہوں نے خواہش کی تھی۔ اس لئے انہیں اتنی بازپرس ہوئی۔ مگر چونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم " اسریٰ بعبدہ " کے نازنین تھے۔ اس لئے جب سلطنت کے مقام سدرہ میں دونوں جہان آنحضرت صلعم کے روبرو پیش کئے گئے۔ تو جناب نے آنکھ اُٹھا کر بھی انکی طرف نہ دیکھا۔ اور فرمایا " یا طالب الدنیا لستہ فترکہا ابرا ابرا " (اے دُنیا کے طالب اس سے بیزار ہو۔ اور اسے چھوڑ دے۔ بری ہو جا۔ بری ہو جا۔ بری ہو جا) فرد

چنداں مروت است اندر دادن — در ناستدن ہزار چندانست

جبکہ نازنینی کی داد " ما زاغ البصر وما طغیٰ " کے بھید میں بدرجہ کمال دی۔ اس لئے دونوں جہان کے مقصود بغیر کسی محنت اور تکلیف اور طلب کے خود بخود عطا کئے گئے۔ کہ

لقد رای من ایات ربه الکبری" شیخ ابوسعید فقاع اسی واسطے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کرتے تھے۔ کہ اے پروردگار! مجھے روٹی دے۔ گاؤں نہ دے۔ اور انگور دے زر نہ دے۔

جواب دوم۔ یہ کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم "نحن الاٰخرون السابقون" کے گرم رو تھے۔ جو مقامات تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی ساری عمر میں عبور کئے اور پھر بھی ایک خاص ہی مقام میں رہے۔ جیسا کہ آدم صفوت میں نوح دعوت میں ابراہیم خلت میں موسیٰ مکالمت میں عیسیٰ کلمہ میں۔ داؤد خلافت میں اور سلیمان سلطنت میں علیہم الصلوٰۃ۔ ان سب کو آنحضرت صلعم نے تھوڑی مدت میں عبور کر لیا تھا۔ کہ "اولئک الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ" (یہ وہ لوگ ہیں جن کی رہنمائی اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ پس تو ان کی ہدایت کی پیروی کر۔ اور ان سب سے آگے بڑھ گئے۔ کہ "نحن الاٰخرون السابقون" اور ایسے مقامات میں پہنچے جہاں کوئی نہ پہنچا۔ اور ایسے فضائل کا ذائقہ چکھا جو کسی نے نہ چکھا تھا۔ جیسا کہ فرماتے ہیں "فضلت علی الانبیاء بستت" چھ چیزوں سے انبیاء پر مجھے فضیلت حاصل ہے۔ درحقیقت یہ شعر آنجناب کے حق میں درست ہے۔ رباعی

آنم کہ چو من ہنم بگیتی دروبس
تا بودہ مقیم در مقامے دونفس
بیہودہ راہے کہ نہ پیماید کس
جائے کہ نہ جائی بود و نہ پیش و پس

جو مقامات۔ درجات اور کمالات تمام انبیاء علیہم السلام کو دیئے گئے۔ وہ سب کے سب آنحضرت صلعم کو حاصل تھے۔ اور چھ چیزوں سے سب پر فضیلت تھی۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔ کہ "بعثت الی الاحمر والاسود" ہر ایک پیغمبر کو کسی خاص قوم کے لئے مبعوث کیا۔ لیکن آنحضرت کو تمام اُمت کے لئے۔ اور تمام دُنیا کی سلطنت و حکومت آنجناب کے پیش کی گئی۔ کہ "خیرت بین ان اکون ملکا نبیا وبین ان اکون فقیرا نبیا فاخترت ان اکون نبیا فقیرا اجوع یوما واشبع یوما" (مجھے اس بات کا اختیار دیا گیا۔ کہ خواہ میں بادشاہ پیغمبر بنوں۔ خواہ فقیر پیغمبر۔ سو میں نے فقیر پیغمبر ہونا پسند کیا۔ تاکہ ایک دن بھوکا رہوں۔ اور ایک دن پیٹ بھروں) اور نیز فرماتے ہیں کہ "اوتیت بمفاتیح خزائن الارض" یعنی روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں مجھے دی گئیں۔ اور حکم ہوا کہ اگر تو چاہے۔ تو ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ کہ مکے کے تمام پہاڑ سونا بن

جائیں۔ اور جہاں تو جائے۔ تیرے ساتھ ساتھ چلیں۔ میں نے کچھ بھی قبول نہ کیا۔ اس لئے جہان کے سارے ملک میری اُمت کو دیئے گئے۔ کہ "زویت لی الارض فاریت مشارقہا و مغاربہا سیبلغ ملک امتی ما زوی لی منہا" مجھے زمین دکھائی گئی۔ اور میں نے اُس کے مشرق اور مغرب کو دیکھا۔ عنقریب ہی میری امت ان ملکوں کو لے لیگی جو مجھے دکھائے گئے ہیں۔ اولادِ آدم میں سے سردار بننے کی سلطنت تمام انبیاء میں سے خاص میرا ہی حصہ ہے میں ان سب سے بڑی جلدی گذر گیا۔ اور کسی کی طرف مائل نہ ہوا۔ اور کہیں توقف نہ کیا۔ کہ "انا سید ولد آدم ولا فخر" جب یہ سلطنتیں مجھے حاصل ہوگئیں۔ تو جو کچھ ان کا خلاصہ اور مغز تھا۔ وہ میں نے ہمت کی پرورش اور ماسوائے حق کی طرف بے التفاتی سے لے لیا۔ اور باقی جو کچھ چھلکا اور فضلہ تھا وہ بادشاہی صورت سے جو کہ تکبر اور تجبر کا گھر ہے۔ پھینک دیا۔ کہ "مالی والدنیا" اور باقی جوابات اور بہت سے ہیں۔ لیکن انہیں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ تاکہ طول نہ ہو جائے پس تحقیق ہوگیا۔ کہ بادشاہی سلطنت اور مال بارگاہ الٰہی میں قرب حاصل کرنے کا بڑا بھاری وسیلہ ہے۔ اور یہ کہ درحقیقت سلطنت خلافت حق ہے۔ اور یہی سبب ہے۔ کہ بادشاہ ظل اللہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر چیز کا سایہ اس چیز کا خلیفہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ سایہ ہونا اور خلافت اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ اس میں یہ صفات بھی پائی جاتی ہوں۔ اسی واسطے ظل اللہ کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ "یاوی الیہ کل مظلوم" (سارے مظلوم اس کی پناہ ڈھونڈھتے ہیں) یعنی بادشاہ سارے مظلوموں کی پناہ گاہ ہے۔ تاکہ ان پر کسی قسم کا ظلم و ستم نہ ہونے پائے۔ لیکن جب بادشاہ ہی کی طرف سے ظلم و ستم ہونے لگے۔ تو وہ ظل اللہ اور خلیفہ حق کس طرح ہو سکتا ہے ؎

وارد چو سبب درو شد اینجا چہ امید ست   زائل شدن عارضہ و صحت بیمار

مطلب یہ ہے۔ کہ بادشاہوں کو دو قدموں سے سلوک حاصل ہوتا ہے۔ ایک قدم خدا کے ساتھ راست رکھنا۔ اور ایک قدم خلقت سے انصاف سے پیش آنا۔ جو قدم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ فرمانِ حق پر قائم رہے۔ اور خواہشات کی پیروی سے کنارہ کشی کرے۔ اور سلطنت کے مال و اسباب کو کلمہ کے دشمنوں اور دین و مذہب کو تقویت دینے میں خرچ کرے۔ سلطنت کی نعمت کا شکر ادا کرے۔ اور سلطنت اور حکومت کے درجات اور قرب کا وسیلہ بنائے۔ نہ کہ ان آلات سے دُنیا پر مفتون ہو جائے اور نفس امارہ کی خواہشوں کو

کو پورا کرتا ہے۔ بلکہ اسے چاہیئے۔ کہ ہر لحظہ اور ہر دم عالی ہمتی کے سبب جمالِ حضرت کے شوق میں دُنیا اور آخرت دونوں کا خیال بر طرف کر دے۔ غزل

کیمیائے عشقِ او از خونِ دلہا ساختند ۔۔۔ عاشقانش در طلب بیں رو بجانہا باختند
غیرتِ سلطانِ عشقش چوں زسر معلوم شد ۔۔۔ حجرۂ دل خاص با سودائے او پرداختند
در گذشتند از زمان و از مکان مرغانِ او ۔۔۔ در ہوائے بے نیازی آشیانہا ساختند

لیکن جو خلقت کے ساتھ قدم رکھنا ہے۔ اس سے یہ مراد ہے۔ کہ رعایا کو دولت کی پناہ میں رکھا جائے۔ اور عمدہ طور پر نگہبانی کی جائے۔ اور حکمرانی کی جائے۔ انصاف اور عدل کے ذریعے عبودیت کی داد دی جائے۔ اور سلطنت میں جو اہل علم اور معرفت ہوں۔ ان کے ساتھ احسان اور نیکی کی جائے۔ اور ظالموں اور بدکاروں کو ظلم اور بُرے کام سے روکا جائے۔ جب یہ دونوں قدم صدق سے رکھے جائیں۔ اور بادشاہی میں بندگی کی داد دی جائے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے الٰہی فضل و کرم اور عنایت سے صفاتِ الوہیت میں اس کی راہ کھول دیتا ہے۔ اور ایسا ہونے سے وہ بارگاہِ الٰہی میں باریاب ہو جاتا ہے۔ کہ "خطوتان قد وصلت" ایسی حالت میں وہ موجودات کا خلاصہ اور کائنات کا برگزیدہ ہو جاتا ہے۔ اور اسے خلافت کا مرتبہ اور ظلِ الٰہی کا درجہ مِل جاتا ہے۔ اور اس شخص کا وجود لطف ربوبیت کی صفات کی صُورت بن جاتا ہے۔ اور "من الملک الحی الذی لا یموت الی الملک الحی الذی لا یموت" (زندہ اور نہ مرنے والے بادشاہ سے زندہ اور نہ مرنے والے بادشاہ کی طرف) کے خطاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ دُنیاوی فانی چھوٹے جہان سے اُخروی باقی بڑا جہان اسے مل جاتا ہے۔ کہ "واذا رایت ثم رایت نعیما وملکا کبیرا" جب تو بہشت کی مجموعی حالت کو دیکھے۔ تو تجھ کو اس میں ہر ایک قسم کی نعمت اور بڑی سلطنت کا ساز و سامان دکھائی دیگا۔ بادشاہوں کے احوال اور ان کی خصلتوں کا باقی حال انشاء اللہ تعالیٰ دوسری فصل میں بیان کیا جائے گا +

فصل ۔ ۲

{بادشاہوں کے احوال اور رعایا میں سے ہر گروہ سے اُنکے سلوک اور خلق خدا کے احوال پر انکی شفقت کے بیان میں}

اللہ تعالیٰ جلشانہٗ فرماتے ہیں۔ "ان اللہ یامرکم بالعدل والاحسان وایتاءِ ذی القربیٰ

وینہیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون " (بیشک اللہ تعالیٰ عدل احسان اور قریبیوں کی مدد کرنے کے لئے حکم کرتا ہے۔ اور فحش منکرات اور سرکشی سے منع فرماتا ہے یہ تمہارے لئے نصیحت ہے۔ تاکہ تم اُس کی یاد کرو) ٭

اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ " ان افضل عباد اللہ عند اللہ یوم القیامتہ امام عادل رفیق وان اشر عباد اللہ منزلتہ یوم القیامتہ اما جابر حرق " (بے شک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اللہ تعالےٰ کے بندوں میں اس شخص کا مرتبہ بڑا ہوگا جو عادل اور رفیق الملم ہو۔ اور قیامت کے روز سب سے شریر خدا کے نزدیک وہ شخص ہوگا۔ جو ظالم اور جابر امام ہو۔) ٭

واضح رہے۔ کہ ہر بادشاہ کی تین حالتیں ہوتی ہیں۔ اول اس کی حالت اپنے نفس کے ساتھ۔ دوسری رعایا کے ساتھ۔ تیسری اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ ان میں سے ہر حالت میں تین باتوں کے لئے مامور ہے۔ اور تین باتوں سے اسے منع کیا گیا ہے۔ جن کے لئے مامور ہے۔ وہ عدل۔ احسان اور ایتار ذی القربیٰ ہے۔ اور جس سے منع کیا گیا ہے۔ وہ فحش۔ منکر۔ اور بغی (نافرمانبرداری) ہے۔ جیسا کہ آیت مذکورہ سے ظاہر ہے۔ بادشاہ کی مذکورہ بالا تینوں حالتوں میں ان تینوں کے کچھ اور ہی معنی ہیں۔ جو اس حالت کے مناسب ہیں۔ پہلی حالت میں جو بادشاہ کو اپنے نفس سے ہے۔ اس میں عدل سے مراد یہ ہے۔ کہ اپنے نفس سے توحید حاصل کرے۔ اور احسان سے یہ مراد ہے۔ کہ اپنے فرائض منصبی کو ٹھیک ٹھیک ادا کرے۔ اور ایتار ذی القربیٰ سے مراد یہ ہے۔ کہ اپنے اعضاء کے حقوق کو ملحوظ رکھے۔ اور نفس سے دشمنی دل کی نگہبانی اور ظاہری اور باطنی حواس کی حفاظت کرے۔ تاکہ ان میں سے ہر ایک کو اُسی کام میں لگائے۔ جس کے لئے وہ مامور ہے۔ اور جس سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے ہٹائے رکھے۔ اور فحشاء منکر اور بغی سے مراد ناپسندیدہ۔ ناشائستہ افعال۔ اقوال اور احوال مراد ہے۔ کہ حسن سے ظلمت۔ حجاب۔ اور دوری پیدا ہوتی ہے۔ اور جن سے اور بُری بُری صفات پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً جھوٹ۔ چغلی۔ بہتان۔ گالی۔ فحش بکنا۔ زناء۔ بدکاری۔ کفر۔ سخت دلی۔ غصہ۔ حرص۔ حسد۔ تکبر۔ خود پسندی۔ بدخوئی۔ تندی۔ ظلم و ستم۔ اور جور و جفا وغیرہ وغیرہ۔ جب تک بادشاہ اپنی خاص الخاص بادشاہی کی داد جو کہ اس

کی ذات کے متعلق ہے نہ دے ۔ تو وہ عام بادشاہی کی داد جو کہ عام رعایا کے متعلق ہے ۔ کس طرح دے سکتا ہے ۔ کہ "کلکم راعنا و کلکم مسئول عن رعیته" تم میں سے ہر ایک نگہبان چرواہا ہے ۔ اور ہر ایک سے اسکی رعیت کی بابت باز پرس ہوگی ۔ ہر ایک شخص بادشاہ ہے ۔ اور اسکے اعضاء ۔ پانچوں حواس ۔ قوائے بشری ۔ نفس ۔ دِل اور روح اُس کی رعیت ہیں ۔ یہ خاص الخاص بادشاہی ہے ۔ پہلے اس کو رعیت کی غمخواری کرنی چاہیئے ۔ اور ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں جسکے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے لگانا چاہیئے ۔ اور ان کے ساتھ عدل اور انصاف سے سلوک کرنا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے انہیں محفوظ رکھنا چاہیئے ۔ اور فرمانِ حق کی بجا آوری کے وسیلے ان کو دوزخ کی آگ سے بچانا چاہیئے ۔ پس خاص رعیت کو جو اہل وعیال ہیں عدل اور انصاف سے رکھنا چاہیئے ۔ اور اُن کی بھی اللہ تعالیٰ کے حقوق سکھانے چاہئیں ۔ اور اُن پر کاربند کرنا چاہیئے ۔ اور دوزخ کی آگ سے ان کی حمایت کرنی چاہیئے ۔ کہ "یا ایھا الذین اٰمنوا قوا انفسکم و اھلیکم نارا" (ایمان والو اپنے تئیں اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ) جب نفس اور اہل وعیال کی بادشاہی سے عہدہ برآ ہوگا ۔ تو وہ عام بادشاہی کے فرائض منصبی کو بھی کماحقہ بجا لائیگا ۔ لیکن بہت شخص ایسے بھی ہیں ۔ جو خاص بادشاہی کے فرائض کو تو کماحقہ بجا لاتے ہیں ۔ لیکن عام بادشاہی کے فرائض کو بجا نہیں لا سکتے ۔ اس واسطے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نیابت اور خلافت ہے ۔ اور نبوت کی پیروی ہے ۔ اور اس سے بڑھ کر افضل اور بڑا کام اور کوئی نہیں ۔ چونکہ اس میں محنت زیادہ پڑتی ہے ۔ اور کوئی عبودیت اس سے بڑھ کر شاقہ نہیں ۔ اس لئے اُسکا ثواب بھی بیشمار ہے ۔ اور کوئی طاعت اس سے افضل نہیں ۔ جیسا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ " ان افضل عباد اللہ عند اللہ منزلتہ یوم القیامتہ امام عادل رفیق " (قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندوں میں سے وہ بندہ از روئے قدر و منزلت افضل ہوگا ۔ جو عادل اور رفیق بادشاہ ہو) حق تعالیٰ نے بادشاہی کے درجے کی فضیلت اور مرتبے کی بلندی کے سبب عادل بادشاہ کی طاعت کو اپنی اطاعت اور اپنے رسول کی طاعت کے برابر شمار کیا ہے ۔ کہ " اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم " (اللہ تعالیٰ اسکے رسول اور اپنے حاکم وقت کی اطاعت کرو) لیکن یہ بات

تحقیق ہے۔ کہ جو شخص خاص بادشاہت کے حقوق کو ملحوظ نہیں رکھ سکتا۔ وہ عام بادشاہی کے فرائض کو بھی بجا نہیں لاسکتا۔ اسکی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے کہ کوئی شخص اپنے تئیں تیر کر نہیں بچا سکتا۔ اس کے لئے محال ہے کہ کسی ڈوبتے کو بچائے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے۔ کہ جب اپنے نفس کی بادشاہی میں عدل و انصاف سے کام لے اور نفس امارہ کو شرع کی اکسیر سے امارگی کے مقام سے مامورگی کے مقام میں لا ڈالے۔ جیسا کہ تزکیہ نفس کی فصل میں مفصل بیان ہوچکا ہے اور دل کو من بھاتی چیزوں سے باز رکھے۔ اور بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ کر لے۔ تاکہ فضل حق کے فیضان کے قابل ہو جائے۔ اور تائید الٰہی سے موید ہو جائے۔ تو پھر جب ربانی قوت اور تائید ایزدی سے عام بادشاہی کو شروع کریگا۔ اور خلق خدا پر اللہ تعالےٰ کی خلافت اور نیابت سے متصرف ہوگا۔ تو ضرور احکام سلطنت فرمان الٰہی کے مطابق کریگا۔ ایسی حالت میں جو کوشش اور عمل اس بارے میں کریگا۔ اس کے سبب بارگاہ الٰہی میں اسے قرب۔ بلندی اور درجہ حاصل ہوگا +

دوسری حالت جو بادشاہ اور رعایا کے درمیان ہے۔ اس سے یہ مراد ہے۔ کہ خلق خدا کے ساتھ عدل اور راستی کرے۔ اور انصاف کرے۔ ظلم نہ کرے۔ اور رعایا کو ایک نگاہ دیکھے۔ تاکہ طاقتور۔ کمزور پر ظلم نہ کرنے پائے۔ اور دولتمند فقیر کے دل کو نہ دکھا سکے۔ احسان سے یہ مراد ہے۔ کہ رعایا کے ساتھ مروت اور بخشش سے پیش آئے۔ مثلاً ضعیف حال والوں کو قوی حال بنانا۔ اور قوی حال والوں سے نرمی سے پیش آنا۔ اور درویشوں اور عیالداروں کی مدد صدقات اور نفقات سے کرنا۔ اور جو مسافر ہوں۔ انکی ذمہ واری لینا خاص کر انکی جو دور دراز فاصلے سے بارگاہ میں کسی امید کے لئے تکلیفیں برداشت کرکے آئیں۔ ایسا کرنے سے ثواب بھی بڑا ملیگا۔ اور نیک نامی بھی ہوگی۔ عالموں کی عزت کرنا۔ اور ان کی روزی کا خود کفیل ہونا۔ اور طالب علموں کو انعام و اکرام سے تحصیل علوم کی طرف راغب کرنا۔ اور نیکوں پرہیزگاروں۔ زاہدوں۔ عابدوں۔ اور صوفیوں کو معزز اور متبرک سمجھنا۔ اور بااحتیاج سے انکی مدد کرنا۔ انکی ضروریات پورا کرنے کو غنیمت جاننا۔ اور گوشہ نشینوں اور تارک الدنیا کو بلاکر خواہ وہ خود کچھ بھی نہ طلب کریں۔ وجہ حلال سے انکی مدد کرنا۔ اور ان کو فارغ البال رکھنا۔ تاکہ وہ فراغدلی اور دلجمعی سے یاد الٰہی میں مشغول و مصروف رہ سکیں۔ کیونکہ جہان انہیں کے اخلاص اور انفاس کی برکت سے قائم ہے۔ اور بیت المال

میں ان سب کا حق اور حصہ ہے۔ اور حصہ داروں کو ان کا حق دینا واجب ہے۔ اگرچہ وہ دین کی پاس عزت اور علو ہمت کے سبب خود کچھ بھی طلب نہیں کرتے۔ اسی طرح سیدوں کی عزت کرنا واجب ہے۔ اور لوٹ کے مال سے پانچواں حصہ ان کو دینا عین فرض ہے۔ اگرچہ ان کو صدقہ تو نہیں دے سکتے۔ مگر پھر بھی صلے ہے۔ وظیفے یا ہدیئے کے طور پر کچھ دینا چاہیئے اگر ان گروہوں کے ادائے حقوق میں کسی طرح کی کوتاہی ہو جائے۔ تو وہ بمنزلہ ظلم اور گناہ کے ہے۔ واللہ اعلم ٭

ایتار ذی القربیٰ سے مراد عام رعایا کی حق گذاری ہے۔ کیونکہ رعیت بادشاہ کے لئے بمنزلہ قریبیوں کے ہے۔ بلکہ بجائے اہل و عیال کے ہے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت اور حالت وفات میں یہ وصیت فرمائی "والصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم" یعنی نماز قائم کرو۔ اور زیر دستوں سے نیک سلوک کرو۔ بادشاہ رعایا کے حق جو انعام۔ احسان۔ انصاف۔ بخشش۔ مکرمت۔ صلح۔ نرمی۔ مہربانی۔ شفقت۔ نگہبانی اور سیاست کرتا ہے وہ سب کچھ سلطنت کی دوستی اور صلہ رحم ہے۔ اور یہی چیزیں سلطنت کو پائیدار اور مضبوط بناتی ہیں جیسا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "العدل والملک توامان" عدل اور ملک دو بھائی ہیں جو ایک شکم سے ایک ہی وقت پیدا ہوں" اور نیز فرمایا ہے "الملک یبقی مع الکفر ولا یبقی مع الظلم" یعنی ملک کفر سے تو پائدار رہ سکتا ہے۔ لیکن ظلم سے پائدار نہیں رہ سکتا۔ جو نیک طریقہ خلقت کے آرام اور رعایا کی بہبودی کے لئے جاری کیا جائے اور جو بری بدعت دور کی جائے یہ سب صلہ رحم میں داخل ہے۔ اور جب تک جہان باقی ہے جو بادشاہ اس نیک طریق پر کاربند ہوگا۔ اور ان تخفیفات کو مقرر رکھیگا۔ ان سب کا ثواب اسی بادشاہ (نیک طریق کا جاری کرنے والے) کے دفتر اعمال میں لکھا جائیگا۔ اور اگر عیاذاً باللہ اس کے برخلاف بادشاہ ظلم کرے۔ اور بری بدعت قائم کرے۔ اور کوئی ایسا قانون بنائے جو پیشتر رائج نہ ہوا ہو۔ یا ہوا ہو۔ تو کسی بادشاہ نے منسوخ کر دیا ہو۔ تو جب تک دنیا باقی ہے۔ جو بادشاہ اس بدعت اور قانون پر کاربند ہوگا۔ ان سب کا عذاب اس ظالم بدعتی کے دفتر اعمال میں لکھا جائیگا جیسا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا الی یوم القیامۃ ومن سن سنۃ سیئۃ وزرھا ووزر من عمل بھا الی یوم القیامۃ" یعنی جس نے کوئی نیک طریقہ قائم کیا۔ اس کو قیامت

تک اس کا ثواب بھی ملیگا - اور نیز اُس شخص کا جو اس پر کاربند ہوگا - اور جس نے کوئی برا طریقہ رائج کیا - اسے قیامت تک اس کا گناہ ملتا رہیگا - اور نیز اس شخص کا گناہ بھی جو اُس پر عمل کریگا در حقیقت عادل بادشاہ پر واجب ہے - کہ اگر دوسروں کے عہد میں کوئی برا قانون نافذ ہوا ہو - یا رعیت پر کسی طرح کا ظلم و ستم ہوتا رہا ہو - یا رعیت پر خراج زیادہ ہو - تو اسے کر کے اور اس قانون کو منسوخ کرے - یہ عذر قابل سماعت نہیں ہوگا - کہ میں نے یہی قانون دیکھا - یا یہ کہ اس کا وبال رائج کرنے والے ہی پر ہے - بیشک وبال تو اس شخص پر بھی ہوتا ہے - جو اس مروجہ قانون کو باوجود اس کی قباحت کے منسوخ نہ کرے - نیز بادشاہ بمنزلہ گدڑیئے کے ہے اور رعیت بمنزلہ ریوڑ کے - گدڑیے پر واجب ہے - کہ ریوڑ کو بھیڑیئے سے بچائے - اور اس کے شر کو دفع کرنے کی کوشش کرے - اور اگر ریوڑ میں بعض مینڈھوں کے سینگ ہوں - اور بعض کے نہ ہوں - اور سینگوں والے بے سینگوں والوں کو ستانا چاہیں - تو انہیں روکے - پس اسلام کے ریوڑ کے لئے کافر بمنزلہ بھیڑیئے کے ہیں - اور اس عہد میں وہ زوروں پر ہیں - ان کے شر کو دور کرنیکے لئے - بادشاہوں - حاکموں امیروں اور لشکروں کو جان و دل سے کوشش کرنا واجب ہے - کیونکہ اُن پر کھانا پینا اس وقت حلال ہوتا ہے - جبکہ دین کے دشمنوں اور کافروں سے جنگ کریں - اور مسلمانوں سے اُنکے شر کو رفع کریں - اگر کافر مسلمانوں کی مزاحمت نہ بھی کریں - تو بھی بادشاہوں پر واجب ہے کہ مذہبی لڑائی لڑیں اور کافروں کے ملک فتح کریں - اور اسلام کو رونق دیں - اور کلمہ توحید کی ترقی میں کوشش کریں - " لیکون کلمۃ اللہ ھی العلیا " رعیت کے ریوڑ میں زبردست ظالم - امیر - لشکری - حکام - کوتوال - جاگیردار - صاحب دیوان منصب دار - نواب - گماشتے - دیہاتی - قاضی - رند اور اوباش سبھی بمنزلہ سینگ دار مینڈھوں کے ہیں - کیونکہ جب کبھی انہیں موقع ملتا ہے - تو اپنے حسب مقدور و طاقت یہی چاہتے ہیں - کہ دوسروں کو تکلیف اور نقصان پہنچائیں - رعایا کو بالکل انہیں کے حوالے نہیں کر دینا چاہیئے - اور کسی پر بھی پورا بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے - بلکہ ہمیشہ ہر گروہ کے احوال کی تفتیش خود کرنی چاہیئے کیونکہ قیامت کے دن رعایا کے احوال اور ان کا خیر و شر ذری ذری بادشاہ سے پوچھا جائیگا کہ " الامیر راع علی رعیتہ وھو مسئول عنہم " امیر اپنی رعیت کا نگہبان ہے - اور اسے اس کی نسبت باز پرس ہوگی - رہی بادشاہ کی فحش - منکر اور لغو سو رعیت کے ساتھ ان کے

پہنچی ہیں۔ کہ ان کے ساتھ یہ بھی فسق وفجور اور ظلم وستم میں زندگی بسر کرے۔ اور انکو ہر فساد آمادہ رکھے۔ یا فساد سے نہ روکے۔ یا عیاذا باللہ انکے فرزندوں کو خیانت کی نگاہ سے دیکھے۔ اور خاندانوں کو بدنام کرے۔ اور اسکے عہد میں اہلِ فساد ترقی پر ہوں۔ اور امر معروف کے کام میں خلل آجائے اور کوئی منکرات سے منع نہ کر سکے۔ اور اہلِ دین۔ اہل علم اور اہلِ صلاح کی کساد بازاری ہو۔ اور اہل فسق وظلم اور فسادیوں۔ مطربوں اور مسخروں کی گرم بازاری ہو۔ اور چغلخوروں اور باتونی اشخاص کا طوطی بولتا ہو۔ اور سلطنت میں کمینے۔ بداصل۔ بے اصل مفسد چغلخور۔ ظالم۔ چرب زبان۔ ستمگار۔ بے وفا۔ مکار۔ حیلہ باز۔ شوخ چشم۔ اور بےحیا برسرکار ہوں۔ اور ظلم وفساد کو نصیحت اور مصلحت کی صورت میں بادشاہ کو دکھلائیں۔ اور اپنی اعراض فاسدہ کے سبب بادشاہ کو جتائیں۔ کہ ہم اس سلطنت کے بڑے خیر خواہ اور دوست ہیں۔ اور خزانہ بادشاہی کو زیادہ کر رہے ہیں۔ اس بہانے سے ملک میں بدعتیں جاری کریں۔ اور نئی نئی رسوم قائم کریں۔ اور خرچ بڑھا دیں۔ پرانے کام چھوڑ نئے کو ترقی دیں۔ اور جن چیزوں پر ٹیکس نہیں اُن پر لگا دیں۔ اور لوگوں پر پچر پوچ بہانے سے جرمانہ کردیں۔ اور بے جرم ان سے تاوان لیں۔ اور بے گناہوں کو تہمت آلود کرکے بہت سا تاوان لیں۔ تعلیم ناواجب طور پر کریں۔ یتیموں اور ورثہ کے مال میں بیجا مداخلت کریں۔ اور اہلِ تجارت پر ٹیکس اور محصول مقرر کریں۔ اور رستوں کا محصول لیں اور وقف میں بیجا تصرف کریں۔ مستحق کو اس کا حق نہ دیں۔ بلکہ ان سے رشوت اور نذرانہ لیں۔ اور غیر معتبر اشخاص کو حقوق کے باطل کرنے اور اوقاف کے مصارف پر مقرر کریں۔ اور اماموں سیدوں۔ زاہدوں۔ عابدوں۔ فقیروں۔ اور حافظوں کے وظیفوں روزینوں اور معاش کے بارے میں طعن کریں۔ اور اس خیرات کے باطل کرنے کی کوشش کریں۔ اور اس کو بے اعتقادی۔ جہالت اور غفلت سے خدمت خیال کریں۔ اور ایک قسم کی فضولخرچی سمجھیں اور اسی خیال سے اہل ضرورت کو بارگاہ سے محروم رکھیں۔ اور ان کے احوال کو عرض ہی نہ کریں۔ اور بادشاہ کے صدقے۔ صلے۔ نیکی اور خیرات مستحقوں کو نہ پہنچنے دیں۔ یہ تمام وہ اشخاص ہیں۔ جو بادشاہ کی دینی اور دُنیاوی بدنامی کرتے ہیں۔ اور بادشاہ کو کم ہمتی۔ بخل۔ بدکاری۔ اور ظلم میں سارے جہان کے اندر مشہور کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسے لوگ مفت کے قاصد ہوتے ہیں۔ اسی واسطے بادشاہ کو جہان میں بدخصلت۔ بے مروت اور کمینہ مشہور کردیتے ہیں۔

اور جب تک جہان ہے۔ اس کا بُرا نام مشہور رہتا ہے۔ اور دعا کے وقت خلقت اور دوسرے بادشاہ اس کی زندگی میں اور نیز وفات کے بعد اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ لوگ اس کو زبان سے بُرا کہتے ہیں۔ اُسکے دِل اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اہلِ علم اور صاحبِ دِل کی دُعائیں اس سے منقطع ہو جاتی ہیں۔ اور نیکوں کی نیک دعا سے محروم رہ جاتا ہے۔ یہ تو دُنیا میں اسکی حالت ہوتی ہے۔ اب قیاس کر سکتے ہو۔ کہ قیامت کے دن اس کی کیسی درگت ہوگی۔ جو کچھ یہ مفسد دوستی اور ہوا داری کا دعوٰے کر کے اس کے قریبی بنکر اسکی نظروں میں بھلا دکھاتے ہیں۔ اور اپنی بُری اغراض کو حاصل کرتے ہیں۔ جب قیامت کا دِن ہوگا۔ تو سب چھوٹی بڑی چیز کا حساب اسی سے لیا جائیگا۔ اور ذرہ بھر نیکی یا بُرائی کے لئے اسے جزا یا سزا دی جائیگی۔ کہ "فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہٗ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہٗ" (جو ذرہ بھر بھی نیکی کریگا۔ اسے اسکی جزائے خیر ملیگی۔ اور جو ذرہ بھر بھی بُرائی کریگا اسکی جزا بد اُسے ملیگی) آج کے لئے کل اور ہر پستی کے لئے بلندی ہے۔ رباعی

افراز ملوک را نشیب است مکن | در ہر دل وجان از تو نہیب است مکن
بر طبق ستم اگر شیب است مکن | در ہر شیئے با توحسیب است مکن

درحقیقت وہ اشخاص جو بادشاہ مقرب بنکر اسے ظلم وستم اور فساد پر آمادہ کریں۔ اور مال ومتاع جمع کرنے کی اسے ترغیب دیں۔ تاکہ جائز اور ناجائز طور پر مال جمع کرے۔ اور درویشوں کا خون کر کے مستحقوں کو محروم رکھے۔ اور اپنے لئے وبال اور مصیبت جمع کرے۔ ایسا مال ضرور بالضرور کسی حادثے یا اس کی موت کے سبب تلف ہو جاتا ہے۔ کہ "بشر مال البخیل بحادث او وارث" (بخیل کا مال حادث یا وارث کو ملتا ہے) اور دُنیا کی بدنامی اور آخرت کا عذاب ان پر رہتا ہے۔ اگرچہ وہ دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ لیکن وہ جانی دشمن ہیں۔ اگر بادشاہ مقبل اور صاحب نظر ہے۔ تو وہ اُن کو شاہی عقلمندی سے تاڑ جاتا ہے۔ اور ایسے مفسدوں کو بارگاہ میں آنے ہی نہیں دیتا۔ اور نہ کوئی کام اُنکے سپرد کرتا ہے۔ اور جب ان سے ایسے افعال سرزد ہوتے دیکھتا ہے۔ تو ان کو نکال دیتا ہے۔ بلکہ اپنی حدود سے باہر کر دیتا ہے لیکن فی زمانہ ہر ایک بادشاہ کو ایسی نظر عطا نہیں ہوئی۔ بلکہ اہل روزگار دنیاوی حرص کی وجہ سے اُیسے بدذات مددگاروں کو خود کام پر لگاتے ہیں۔ اور انہیں اپنا مقرب بنا لیتے ہیں۔ اور ایسا کرنے سے ہنرمندوں۔ آزاد۔ اہل معنی۔ صاحب فضل اصحاب بیوتات۔ نیک رائے دینے والوں

اور ناصح مشفق۔ خدا کے پیاروں اور نیک اعمالوں کی صحبت کے فوائد سے محروم رہتے ہیں۔ اور اگر شاذ و نادر اس قسم کا کوئی آدمی بارگاہ میں ہو بھی۔ تو اسکی طرف توجہ ہی نہیں کی جاتی اور نہ اسکی بات مانی جاتی ہے۔ اس واسطے کہ اس کی نیک خصلتی کے باعث دُوسرے لوگ ڈرتے ہیں۔ کہ کہیں انکی بدذاتی ظاہر نہ ہو جائے۔ بادشاہ کے ہاں اسکی نسبت ظاہر کرتے ہیں۔ کہ وہ خزانہ شاہی کو ترقی دینے کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ اُلٹا گھٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس میں بہادری اور کفایت شعاری نہیں۔ یہاں تک کہ موقع پاکر اسے بادشاہ کی نظر سے گراہی دیتے ہیں۔ عقلمند اور بارگاہ الٰہی کی تائید کے موافق وہ بادشاہ ہے جو شاہانہ عقلمندی کے نور سے زمانے کے احوال کو دیکھے۔ کہ اس مکار بے وفا۔ نمک حرام بڑھیا نے پھرنے والے آسمان کے زمانے سے لیکر آخیر تک کئی ہزار خوبصورت نوجوانوں کو اپنا شوہر بنایا۔ اور ایک ہاتھ سے بڑے ناز و نشاط سے بغل میں لیا۔ اور دوسرے ہاتھ سے قہر کی خنجر سے ہلاک کیا۔ وہ کونسا سر ہے جسے اس نے اپنے سرہانے پر رکھا۔ دیکھ کر ڈرانہ دیا ہو۔ وہ کونسا پیٹ ہے جسے پُر کرنیکے بعد اُسے پھاڑ نہ ڈالا ہو۔ کسے اس نے شہد دیا جسے ساتھ ہی ڈنگ نہ مارا۔ اور کسے اس نے روٹی دی۔ اور اس کے زخمی دل پر نمک نہ چھڑکا۔ جس کے آگے اس نے گوشت کا ٹکڑا رکھا۔ اس کا چمڑا اُدھیڑ لیا۔ جس کو ہڈی دی۔ اسکا مغز کوٹ لیا۔ جس کو جان دی۔ اسی کو موت کا مزہ چکھایا۔ جس کے سر پہ تاج رکھا۔ اُسی کے سر کو برباد کر ڈالا۔ جس نے اس سے دل [illegible] یا۔ اُسی کی اُس نے کمر توڑی۔ جو اُسکے سبب خوش ہوا۔ اُسی نے رنج اُٹھایا۔ **نظم**

کہ جز بے معنی چون تو دلدار نہ پسندد — کسے کاندر تو دل بندد ہمی بر خویشتن خندد

قبا ہا کز تو بر دوزد کمر ہا کز تو بر بندد — اگر تو کینۂ عشقی بہا تو از شوخی بدست آئی

کہ یک چشمت ہمی گرید دگر چشمت ہمی خندد — اگر تو خود نہ جز جان چنان بستانم از تو دل

جس دوست کو اس نے بلایا۔ اُسے دشمنی کے دروازے سے باہر کیا۔ جس عزیز کو نوازا۔ اُسی کو ذلیل کیا۔ جس سے نردیں کھیلیں۔ اسی سے دغا کی جس کو امیر کیا۔ آخر کار اسی کو اسیر کیا۔ جسے ملک کا مالک کیا۔ اُسی کی سلطنت کو درہم برہم کیا۔ جس کو شاہی تخت پر بٹھایا۔ اسی کی حالت شطرنج کے شاہ کی سی کی تاکہ جب عبرت کی نگاہ سے ناپائیدار دُنیا کی بدعہدی اور مکار آسمان کی بے وفائی دیکھ لے۔ تو غرور کی رسی سے کنوئیں میں نہ گر پڑے۔ اور دُنیائے فانی کی چند روزہ نعمتوں

اور عیش و عشرت پر دھوکا نہ کھائے۔ اور یقیناً جان لے۔ کہ جس طرح دوسروں کے ساتھ اس نے وفا نہیں کی۔ اسی طرح اس سے بھی نہیں کریگی۔ پس اس مستعار جہان کی خاطر خلق خدا اور اپنے اوپر ظلم نہ کرے۔ کیونکہ اس بے وفا دنیا کی حقیقت چیونٹی کی تکلیف کے برابر بھی نہیں کس واسطے کوئی عقلمند اس کی خاطر خلق خدا کو ستائے اور اپنے اوپر وبال لے۔ اس واسطے کہ اگر یہ ہاتھ آ بھی جائے۔ تو پھر بھی کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ جیسا کہ مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ نظم

خسروا بشنو فرزونی زچو من کم کاستے ۔۔۔ راستی بتواں شنودن از ہمہ ناراستے

زشت باشد بہر دنیا موے آزردن ولیک ۔۔۔ چوں بدست آید اگر یا دارد لے زیباستے

شرم دار آخر مجوز یں بیشتر آزار خلق ۔۔۔ از برائے بیوفائی تا کسے کم کاستے

گر نہ دنیا بیوفا بودے و مردم کش چنیں ۔۔۔ در جہاں حاکم کنوں ہم آدم و حواستے

چوں جہاں بگرفت اسکندر ز دارا ہم بداشت ۔۔۔ گر جہاں وارستے شہ در جہاں داراستے

از ہمہ شاہان ایرانی و تورانی کہ ماند ۔۔۔ کز نہیب تیغ شاں بستہ کمر جوزاستے

در نظر کن مے بہ بزم و رزم شاں گفتی خرد ۔۔۔ کز سپاہ گنج ہر شاہ جہاں دریاستے

خاک تیرہ باز گفتے حال ہر شہ رو نشست ۔۔۔ تا شدے معلوم رایت خاک گر گویاستے

آنکہ نیکی کرد نام نیک زو باقی بماند ۔۔۔ ور بدی کردے بگیتی ہم بدا سواستے

برگرفتی عبرت از حال ملوک پاستان ۔۔۔ چوں شنیدی داستان شاں گر کسو داناستے

آنچہ فردا دیدہ خواہد غافلے امروز ہم ۔۔۔ باز دیدے عاقلے کش چشم دل بیناستے

ہر کسے فردا چو کشت خویشتن خواہد درود ۔۔۔ کشت خود امروز بہتر کاستے گر خواستے

ایں خلق از کار دنیا گشتہ ناپروا چنیں

اے دریغ آں خلق را با کار دیں پرواستے

تیسری حالت جو بادشاہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اس میں عدل سے مراد ظاہر و باطن کو ٹھیک رکھنا ہے۔ اور ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ سے یک رنگ ہونا ہے۔ اور ظاہر اور پوشیدہ ایک ہی دھن میں لگے رہنا۔ اور سلطنت اور بادشاہی میں بندگی حق تعالیٰ کے لئے کمربستہ رہنا۔ اس طرح کہ خدائی محض اللہ تعالیٰ کی خاطر کرنا نہ اس طرح کہ سلطنت اور خدائی اپنی خاطر کرنا۔ اور احسان۔ کے یہاں وہی معنی ہیں۔ جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فاعلم انہ یراک"

احسان اس بات کا نام ہے۔ کہ تو حقتعالیٰ کی بندگی اس طرح کرے۔ کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو اسے نہ دیکھے۔ تو اتنا ضرور یقین کرے۔ کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ بادشاہ کا بندگی اور عبادت کرنا یہ نہیں کہ نماز روزے اور تلاوت قرآنی نافلہ عبادتوں میں مشغول رہے اور اپنا بہت سا وقت تنہائی اور گوشہ نشینی میں صرف کرے۔ اور رفاہِ عام کے امور کو بالائے طاق رکھے۔ اور حاجتمندوں کو محروم رکھے۔ اور ملک کی بھلائی برائی سے بے خبر رہے۔ اور رعایا کو ظالم حاکموں کے سپرد کردے اور حدود کے کام میں خلل واقع ہونے دے۔ کیونکہ ایسا کرنا باقی اور گناہوں سے کہیں بڑھ کر ہے بلکہ بادشاہ کا عبادت کرنا یہ ہے۔ کہ فرائض و سنن ادا کرنے کے بعد ملکی امور کی طرف متوجہ ہو۔ شہروں اور رعایا کے حال کی تفتیش کرے۔ اور مسلمانوں اور مسلمانی حقوق کو مدنظر رکھے۔ اور خلق اللہ میں بادشاہی احکام اس طرح جاری کرے۔ کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر اس میں یہ قوت نظری نہ ہو۔ تو اس پر ضرور یقین کرے۔ کہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ اسے ضرور دیکھ رہا ہے۔ تاکہ جو کچھ کرے فرمانِ حق کے مطابق کرے۔ اور طبیعت کو نفسانی خواہشات کی آلائش سے پاک رکھے۔ تاکہ ہر ایک فعل اُسکے لئے راہِ حق میں بمنزلہ قدم کے ہو جائے۔ اور جس کے سبب اسے بارگاہِ الٰہی میں قرب و منزلت حاصل ہو۔ ایتاء ذی القربیٰ سے مراد عبودیت کا صلہ رحم ہے۔ کہ بندگی کی دہلیز سے ایک لحظہ بھی سر نہ اٹھائے۔ اور جس حالت میں حضوریٔ دل کے ساتھ زبانی ذکر میں لگا رہے۔ مگر ان موقعوں پر نہ کرے۔ جہاں پر ذکر زبانی منع ہے اس حالت میں دل سے لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کرے۔ اور باقی وقتوں میں دل اور زبان دونوں سے کلمہ شریف کے معنی اور صورت دونوں کا خیال رکھے۔ جیسا کہ کیفیت ذکر اور اس کے آداب کی فصل میں مفصل بیان ہو چکا ہے۔ اور کسی حال میں مجازی فانی دنیاوی۔ بادشاہی پر فریفتہ اور مغرور نہ ہووے۔ کہ "لا تغرنکم الحیوۃ الدنیا" (دنیاوی زندگی تمہیں غرور میں نہ ڈالے) سے

بہ آستانِ فنا دل منہ کہ بہائے دگر — برائے نزہت تو برکشیدہ اند قصور

اور اس بات کی بڑی احتیاط رکھے۔ کہ کسی وقت بھی خود پسندی کی نگاہ سے فرعون کی طرح سلطنت کو یا اپنے آپ کو نہ دیکھے۔ جو کہا کرتا تھا۔ "الیس لی ملک مصر و ھذہ الانھار تجری من تحتی" (کیا ملک مصر میرا نہیں۔ اور کیا یہ نہریں میرے محلوں کے نیچے نہیں بہتیں۔) آخر کار یہاں تک مغرور ہو گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ سے بالکل محجوب ہو گیا۔ انا ربکم الاعلیٰ کی لاف زنی

نہ کرے۔ بلکہ عجز و انکسار اور عاجزی اور مسکنت سے ہمیشہ عبودیت کے آستانہ کی ملازمت میں رہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ رباعی

زکویش اے دل پر درد پائے بازمکش　　وگرچہ دائم کیں بادیہ پہنائے تو نیست
بر آستانہ در سر تو بر زمین میزن　　کہ پیشگاہ سرائے جلال جائے تو نیست

محمودی سلطنت پر بھروسہ نہ کرے۔ بلکہ اپنے وقت کا ایاز بنے۔ ہمیشہ عجز کی نگاہ سے اپنے آپ کو دیکھتا رہے۔ رہی محش منکر اور سرکشی سو وہ اس حالت میں بادشاہی تکبر اور نخوت اور سلطنت کی فوقیت اور رفعت ہے۔ جو اختیاراً بادشاہوں کے دماغ میں آ جاتی ہے۔ اور یہ اس بات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ کہ وہ خود بے پرواہ ہوتے ہیں۔ اور لوگ اُن کے کثرت سے محتاج ہوتے ہیں۔ اگر اس مرض کا علاج بادشاہ نہ کریں۔ تو اس سے اللہ تعالیٰ کے سرکش ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "ان الانسان لیطغیٰ ان راٰہ استغنیٰ" بیشک اگر انسان اپنے تئیں بے پرواہ دیکھے۔ تو بیشک سرکشی کرتا ہے) اور ایک اور جگہ فرمایا ہے۔ "ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض" اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی روزی وسیع کر دے۔ تو البتہ وہ روئے زمین پر بغاوت پھیلا دیں، یقیناً جاننا چاہیئے۔ کہ جب بندہ غنا۔ استغنا اور عزت کی نگاہ سے اپنی سلطنت کو دیکھتا ہے۔ تو اسکے دماغ میں تکبر اور تجبر ضرور پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور خلقِ خدا کو حقارت اور ذلت کی نگاہوں سے دیکھنے لگتا ہے جب یہ کیفیت ہوتی ہے۔ تو فوراً عنایت حق کی نگاہوں سے گر جاتا ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا "لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من الکبر" (جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی کبر ہوگا۔ وہ بہشت میں داخل نہیں ہوگا) لوگوں نے پوچھا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبر سے کیا مراد ہے۔ فرمایا "سفہ الناس و غمص الحق" (لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا اور حق سے چشم پوشی کرنا)، اس مرض کا علاج یہ ہے۔ کہ مور کی طرح اپنی سلطنت اور مملکت کے پروبال کی طرف نہ خیال کرے اور نہ اس سے خوش ہو۔ اور جب خود بینی۔ تکبر اور تجبر کے عالم میں پرواز کرنا چاہے۔ تو عجز اور فنا کے سیاہ پاؤں کی طرف نگاہ کرے۔ اور غور کرے۔ کہ میری اصل کیا ہے "الم نخلقکم من ماء مھین" (کیا ہم نے تمہیں ذلیل اور حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا) پھر غور کرے۔ کہ پہلے وہ آبِ خوار قطرہ تھا۔ اور آخر میں مٹھی بھر خاک ہو جائیگا۔ اور ان دونوں

حالتوں کے مابین بدخلقی اور پلیدی کا حامل ہے ۔ ایک لقمے اور ایک قطرے کا قیدی ہے اور عاجز اس درجے کا ہے ۔ کہ چونکہ وہ لقمہ اور خطرہ اس سے گذر جاتا ہے ۔ اگر وہ اس میں بند ہو جائے ۔ تو اس بات پر راضی ہو جاتا ہے ۔ کہ دونوں جہان کی ملکیت دیکر اس سے خلاصی حاصل کرے ۔ اور علاوہ ان تمام باتوں کے ہر لحظہ اجل کے سیلاب کے آنے کا منتظر ہے ۔ اور خانہ عمر کا نشان جسے آسمانی گردش دن رات کے ہاتھوں اینٹ اینٹ کر کے ضائع کر رہی ہے ۔ بالکل خراب کر دینا ہے ۔ ایسی حالت میں چند روزہ سلطنت اور جاہ وحشم پر کیسے مغرور ہونا چاہیئے ۔ اور ایسی سلطنت سے کیوں نئے حساب کے لئے در بدر ہونا چاہیئے ۔ رباعی

عاقل بچہ امید دریں شوم سرائے — بر دوست او دل نہد از بہر خدائے

چون است کہ خواہد کہ نشیند از پائے — گیرد حلبش دست کہ بالا نہ بائے

تاکہ جب ان حالات سے اسے واقفیت ہو جائے ۔ تو اس کے نفس کا مور پر وبال کے حجاب چھوڑ دے ۔ اور مراد پر نہ اٹھائے ۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے ۔ کہ کسی بادشاہ نے اپنے وزیر کو حکم دیا ۔ کہ میرے لئے کوئی ایسی چیز تیار کر ۔ کہ جب مجھ پر بسط غلبہ کرے ۔ تو اس کے دیکھنے سے اس کا جوش ٹھنڈا ہو جائے ۔ اور جب قبض مجھ پر غلبہ کرے ۔ تو اس سے دیکھنے سے میری تسلی ہو جائے ۔ اور اگر غصہ غالب ہو ۔ تو اس کے دیکھنے سے غضب کی چنگاری بجھ جائے اسی مطلب کے لئے وزیر نے ایک انگشتری تیار کی جس کے نگینے میں "شد ماذا" پھر کیا حاصل ہوگا کھدوایا ۔ جب بادشاہ کے دماغ میں ملک کی نخوت آتی ۔ اور اپنی دولت و نعمت اور حکم و سلطنت اسے بھلے معلوم ہوتے ۔ اور دولت مندی کا بسط اور نعمت کی خوشی غالب ہوتے ۔ تو انگوٹھی کے نگینے کو دیکھتا "شد ماذا" یعنی اس دولت اور نعمت سے حاصل کیا ہوگا ۔ عقل اسکے گوش ہوش میں پھونک دیتی ۔ کہ موت ۔ قبر ۔ حساب ۔ میزان اور صراط کے سوا اور کیا حاصل ہوگا ۔ فوراً بسط قبض میں تبدیل ہو جاتا ۔ اور جب کسی حادثے یا مصیبت سے قبض لاحق ہوتی ۔ تو بھی نگینے کو دیکھتا ۔ پھر غور کرتا ۔ کہ جب انجام موت ہے ۔ تو پھر بیفائدہ غم کیوں کرنا چاہیئے ۔ ایسا غور کرنے سے قبض بسط میں تبدیل ہو جاتی ۔ اور جب غضب کی آگ بھڑکتی ۔ تو بھی نگینے کو دیکھتا ۔ اور کہتا ۔ کہ اس ناراضگی کرنے کا نتیجہ کیا ہوگا ۔ کیونکہ موت ۔ حساب ۔ اور صراط درپیش ہے ۔ ایسا کرنے سے اس کا جوش فرو ہو جاتا ۔ اور رحمت اور مرحمت کرتا ہے

چہ باید نازش و نالش باقبالے و ادبارے   کہ تا بر ہم زنی دیدہ نہ ایں بینی نہ آں بینی

رہی یہ بات کہ رعایا میں سے ہر گروہ کے ساتھ بادشاہ کا سلوک اور احوال خلق پر شفقت کرنا۔ سو واضح رہے۔ کہ بادشاہ جہان میں ایسا ہے جیسے بدن میں دل۔ جب بادشاہ بادشاہی کی صلاحیت کرے۔ تو سارا جہان صلاحیت اختیار کرتا ہے۔ اگر بادشاہ بادشاہی میں برے تصرفات عمل میں لائے۔ تو تمام جہان میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کے بارے میں فرمایا ہے۔ " ان فی جسد ابن آدم لمضغۃ اذا صلحت صلح بھا سائر الجسد واذا فسدت فسد بھا سائر الجسد الا وھی القلب " (آدم کے بیٹے کے جسم میں گوشت کا ایک ایسا لوتھڑا ہے۔ کہ جب اس میں صلاحیت آجاتی ہے تو سارے جسم میں صلاحیت آجاتی ہے۔ اور جب وہ بگڑتا ہے۔ تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ اور وہ دل ہے)۔ اسی مناسبت سے فرمایا " الناس علیٰ دین ملوکھم " (لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر ہوتے ہیں یعنی جیسا راجا ویسی پرجا۔ بادشاہ کے لئے وزیر ایسا ہے جیسے دل کے لئے عقل۔ جسطرح دل کیلئے عقل کامل کی ضرورت ہے۔ تاکہ اس کے مشورے اور صلاح سے بدن کے ممالک میں حکمرانی کرے۔ اور بدن کی تمام مصلحتیں اسی کی رائے سے کرے۔ اسی طرح بادشاہ کو بھی ایسے وزیر کی اشد ضرورت ہے۔ جو عالم۔ عادل منصف۔ باتمیز۔ مشفق۔ کافی۔ امین۔ دیندار۔ پاک اعتقاد۔ صاحب ہمت۔ صاحب نیک رائے۔ نیک خلق۔ کریم طبع۔ شریف ذات۔ بامروت۔ اصل۔ واقف۔ جہاندیدہ۔ تجربہ کار۔ کارکن۔ مہربان اور ناصح مشفق ہو۔ تاکہ مملکت کے احوال اور سلطنت کی عام و خاص مصلحتیں اسکے صلاح و مشورے سے کرے۔ اور اسکے مشورے۔ اپنی شاہانہ نظر اور فضل حق کی استعداد سے رعایا۔ شہروں۔ شریف۔ کمینے۔ خاص اور عام کے حقوق کو مد نظر رکھے۔ اور بہادری۔ کفایت اور مباشرت کے سبب وزیر تمام ارکان دولت اور نوابوں اور رعیت کے سر برآوردہ لوگوں کو بادشاہ کی طرف رجوع کرے۔ تاکہ بادشاہ فراغت اور رفاہیت سے ملک رانی کر سکے۔ اور اور سلطنت کی شرائط میں مشغول رہ سکے نہیں تو جب بادشاہ کو ملک رانی اور وزارت کے احکام بھی خود ہی صادر کرنے پڑیں۔ تو وہ ملک رانی اور سلطنت کے ناموس کو بجا نہیں لا سکیگا۔ اور مملکت اور رعایا کی حالت دگرگوں ہو جائیگی۔ داناؤں نے کہا ہے۔ " اکل عمل رجال " (مختلف کام مختلف آدمیوں کے سپرد کر) نیز جو کام نیک رائے وزیر کی مدد سے

کرسکتا ہے۔ وہ بھاری لشکر اور جہان بھر کے خزانے خرچ کرنیسے بھی حاصل نہیں ہو سکتے۔ اور نیز وزیر دین کے کام میں مددگار ہوتا ہے۔ جس کی نصیحت نیکیوں کی طرف رغبت لاتی ہے۔ اور اسی کی مدد سے دینی امور اور عدل کرنے کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔ اسی واسطے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "اذا اراد اللہ بملك خیراً جعل له وزیراً صالحاً فان نسی ذکره وان ذکرا عانه" (جب اللہ تعالیٰ کسی بادشاہ کو نیک بنانا چاہتا ہے۔ تو کسی شخص کو اس کا نیک وزیر مقرر کرتا ہے۔ پس اگر وہ بھول جائے۔ تو وہ اسے یاد دلاتا ہے۔ اور اگر یاد کرے۔ تو وہ اس کی مدد کرتا ہے) درحقیقت نیک وزیر بادشاہ کے لئے دینی اور دنیوی انتظام کا موجب ہے۔ اور اسی کے سبب بادشاہ ہمیشہ آسودہ مرفہ الحال اور مقصود مند ہوتا ہے۔ نظم

بدانائے فرمائے ہموارہ کام — چو خواہی کہ کارت شود چون نگار
کہ دانا بہر کار باشد تمام — بدانا سپارد زمانہ لگام
ز دانا تواں یافت آرام دل — ز ناداں نیاید کسے کام دل
چنیں خواندم از دفتر زردہشت — کہ دانا بود بیگماں در بہشت

اور جب وزیر لائق شخص ہو۔ اور تو اُسکی قدر و منزلت کرنی چاہیئے۔ اور اسکے احکام ملک میں جاری کرنے چاہئیں۔ کیونکہ وزیر کی عزت و حرمت کرنا عظمت سلطنت کا طاقتور بازو ہوتا ہے۔ چنانچہ حق تعالےٰ نے ہارون علیہ السلام کی وزارت کا موسیٰ علیہ السلام پر احسان جتاتا ہے۔ "سنشد عضدك باخیك ونجعل لکما سلطانا" (عنقریب ہی ہم اے موسیٰ! تیرے بھائی سے تیرے بازو کو طاقتور بنائینگے۔ اور تم دونوں کو غلبہ عطا کرینگے) اسی طرح باقی ارکان دولت اور بارگاہ کے خاص افسر بمنزلہ عضو حس اور قوت کے ہوتے ہیں۔ مثلاً داروغہ۔ مشرف۔ ناظر۔ پریڈ لینے والا۔ منشی۔ متصدی۔ دربان۔ خزانچی۔ اور داروغہ دربان اور تمام اندرونی بیرونی نوکر چاکر حواس خمسہ اور قوائے بشری کی جا بجا ہوتے ہیں۔ جیسے آنکھ کان ناک۔ زبان۔ چھونا۔ فکر۔ خیال۔ وہم۔ حافظہ۔ ذاکرہ اور حس مشترک۔ اور سلطنت کے جو امرا قوت۔ شوکت۔ ہمت۔ رجولیت اور تیاری والے ہوں۔ وہ اعضائے رئیسہ کی طرح ہوتے ہیں۔ جیسے سر۔ جگر۔ پھیپھڑے۔ تلی۔ وغیرہ۔ جس طرح اعضائے رئیسہ بغیر انسان کی زندگی ناممکن ہے۔ اسی طرح سلطنت کا قائم رہنا امراء کی مدد بغیر ناممکن ہے۔ اور دوسرے امراء

جوان سے کم درجے کے ہیں۔ وہ بمنزلہ ہاتھ۔ کلائی۔ بازو۔ ران۔ گھٹنے۔ پنڈلی اور پاؤں کے ہیں۔ باقی لشکر۔ پولیس۔ خادم اور عام رعایا اپنے اپنے درجے کے موافق بمنزلہ رگوں۔ پٹھوں۔ جوڑوں۔ ریشوں اور بالوں کے ہیں۔ جسطرح انسانی وجود کو ان سب کی ضرورت ہے۔ اگر ان میں سے ایک نہ ہو۔ تو وجود ناقص ہوتا ہے۔ اسی طرح بادشاہ کو ان سب کی ضرورت ہے۔ اگر ان میں سے ایک نہ ہو تو سلطنت کے کام میں اسیقدر حرج واقع ہوتا ہے۔ پس بادشاہ کے لئے ضروری ہے۔ کہ ارکانِ دولت اور عہدہ داروں کو انکی اہلیت۔ قابلیت۔ امانت۔ دیانت اور نیک خصلتی معلوم کر لینے کے بعد ولایت میں ان کو عہدہ یا جاگیر عطا کرے۔ اور انکی قدر و منزلت کرے۔ تاکہ وہ اپنے فرائضِ منصبی کو اچھی طرح ادا کریں۔ اور بارگاہ کی خدمت عمدگی سے بجالائیں۔ ہر ایک کے احوال سے باخبر رہے۔ اور اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ اس کی سلطنت میں وضیع و شریف سے کیسا سلوک ہو رہا ہے۔ سلطنت کے اہم امور میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ کسی عقلمند۔ ہوشیار۔ معتبر اور سچے آدمی کو مخبر مقرر کرے۔ تاکہ دوست و دشمن کے احوال دور اور نزدیک سے تفتیش کر کے ٹھیک ٹھیک پہنچاتا رہے۔ ایسا کرنیسے بادشاہ سارے ممالک کے احوال سے باخبر ہو جائیگا۔ اور نیز اسے خائنوں کی خیانت اور امینوں کی امانت اور شفقت کا پتہ ملجائیگا۔ اور اگر سلطنت میں کوئی ظالم رعیت پر سختی استعمال کرتا ہو۔ یا کسی شخص سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو۔ جو ملک میں خلل ڈالنے والی ہو۔ تو اس کی خبر بھی بادشاہ کو پہنچ جائیگی۔ اور اس کا تدارک کر سکیگا۔ خیانتیوں کو جرأت نہ دلائے۔ اور طمع کرنے والوں کی طمع توڑ دے۔ اور جو کسی کو جاگیر دے رکھی ہے۔ یا کسی کا وظیفہ مقرر کیا ہے۔ یا حکومت عنایت کی ہے۔ وہ سب پورے طور پر جاری رکھے۔ تاکہ وہ ضروری احتیاج کے سبب خیانت نہ کرنے لگے۔ اور بعض اشخاص کے حق میں بعض کی باتیں بڑی احتیاط کے ساتھ سنے۔ کیونکہ بہت سے ایسے بھی ہیں۔ جو بوجہ حسد بعض امینوں پر طعن کرتے ہیں۔ اور ان کو خائن ظاہر کرتے ہیں۔ اور شفقتوں کو خیانت سے منسوب کرتے ہیں۔ اور مخلصوں پر تہمت لگاتے ہیں۔ اور اگر کسی مخلص سے کوئی چھوٹا موٹا قصور ہو جائے۔ جس سے زیادہ خلل کا اندیشہ نہ ہو۔ تو اسے معاف کر دے۔ اور حلم استعمال کرے۔ ہر ایک خبر سنکر ناراض نہ ہو جائے۔ اور سختی سے احکام کو استعمال نہ کرے۔ البتہ سزا وغیرہ حسب ضرورت اور مناسب دے۔ اور اگر

کوئی ناقابلِ درگذر جرم ہو جائے۔ تو جزاء "سیئۃ سیئۃ مثلھا" (برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہوتا ہے) پڑھے۔ اور ہمیشہ "والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین" (غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کے قصوروں سے درگذر کرنے والے نیک لوگ ہیں؛ اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنیوالوں کو پیار کرتا ہے) کا آئینہ دیکھتا رہے لیکن نہ اس حد تک کہ سہل جانی سُستی مزاجی اور تساہل میں مشہور ہو جائے۔ اور اہل فتنہ و فساد دلیر ہو جائیں۔ اور لوگ شورش برپا کریں۔ بلکہ بادشاہ کو چاہیئے۔ کہ سیاست۔ بدلہ لینے۔ رجولیت اور غیرت میں شہرہ آفاق ہو۔ ہاں اگر قصور چھوٹا موٹا ہو۔ تو صرف جھڑکی اور تنبیہ کر کے معاف کر دے۔ لیکن نصیحت اور حجت کے بعد۔ اور اگر کوئی قابل سزا قصور ہو۔ یا کوئی ایسا جرم ہو۔ جس سے ملک میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہو۔ تو اس میں سستی نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اس میں دیر کرنا مصلحت کے برخلاف ہے۔ اور اچھی طرح تفتیش کرنیکے بعد شرعی حکم کے مطابق بے دھڑک قتل کر ڈالے۔ کیونکہ ایسی بات اس بیماری کی طرح ہے۔ جو بدن کھا جاتی ہے۔ سو جس عضو میں وہ بیماری نمودار ہو۔ اسے فوراً کاٹ کر الگ کر دینا چاہیئے۔ تاکہ وہ بیماری دوسری اعضا میں سرایت نہ کر جائے۔ اور جو قصور اس قسم کا ہو۔ جو بادشاہ کی جان لینے یا ملک لینے کے متعلق ہو۔ تو اس میں کسی وجہ سے بھی دیر نہیں کرنی چاہیئے۔ اس کا انسداد واقعی کرنا چاہیئے ؎

عضوے ز تو گر دوست شود یا دشمن　　　دشمن دو شمر تیغ دو کش زخم دو زن

امور سلطنت میں افراط تفریط کو کام میں نہ لائے۔ بلکہ "خیر الامور اوساطھا" پر عمل کرے۔ اور سیاست اس حد کی بھی نہیں کرنی چاہیئے۔ جس کے سبب لوگ ڈرتے رہیں۔ اور نفرت کرنے لگیں۔ اور مختلف الرائے ہو کر مکر اور حیلے کریں۔ اور ایسے فساد برپا کریں۔ جو تشویش کا باعث ہوں ؎

چناں شاں مگرداں ز بیچارگی　　　کہ جاں از تو گوشند یکبارگی

اور نہ ہی اس قدر حلم استعمال کرنا چاہیئے۔ کہ بادشاہی وقعت اور ہیبت لوگوں کے دلوں سے اٹھ جائے۔ اور مفسد اور رذیل دلیر ہو جائیں۔ اور ظالم غالب آ جائیں۔ جس سے نیک لوگ کمزور اور غریب تنگ آ جائیں۔ اور ملک کے اطراف و جوانب میں خلل عظیم واقع ہو۔ سخاوت بھی اس حد تک نہیں کرنی چاہیئے۔ کہ جو فضول خرچی۔ بربادی اور ضائع کرنا خیال کی جائے۔

کیونکہ ایسا کرنا بھی قابل مذمت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔" ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین" (فضول خرچ شیاطین کے بھائی ہوتے ہیں) اور نیز فرماتا ہے۔ انہ لا یحب المسرفین" (بیشک اللہ تعالیٰ فضول خرچوں کو پیار نہیں کرتا) جو خرچ دنیاوی امور کے واسطے کیا جائے۔ اس میں فضول خرچی اور روپے کا ضائع کرنا ہو سکتا ہے لیکن جو دینی امور میں صرف کیا جائے۔ خواہ کتنا بھی کیا جائے اسے فضولخرچی نہیں کہتے۔ اور مال کو اس قدر محفوظ بھی نہیں رکھنا چاہیئے۔ کہ بخل اور کمینگی سے منسوب ہو جائے۔ کیونکہ بادشاہ کے لئے بخل سب سے بڑھ کر بدنامی اور مصیبت کا باعث ہے۔ اس واسطے کہ بخیل دنیا اور آخرت دونوں میں بُرا ہے۔ اور نقصان اُٹھاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ " ولا تحسبن الذین یبخلون بما اتٰھم اللہ من فضلہ ھو خیرا لھم بل ھو شرلھم سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیامۃ" (جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جو چیز عنایت فرمائی ہے۔ اور وہ اس میں بخل کرتے ہیں۔ یہ گمان نہ کریں۔ کہ وہ چیز اُن کے لئے نیکی کا باعث ہے۔ بلکہ وہ ان کے لئے باعث شر ہے عنقریب ہی قیامت کے دن اس بخل کی وجہ سے انکی گردنوں میں طوق پہنائے جائینگے۔) مال و نعمت اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے۔ خلقِ خدا کو دیتے ہوئے دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ درحقیقت بخیل فضلِ خدا کو اپنے سے ہٹاتا ہے۔ اسے یہ خیال کرنا چاہیئے۔ کہ جو کچھ وہ دیتا ہے۔ وہ اس کا اپنا ہے۔ اور جو نہیں دیتا وہ دوسروں کا مال ہے۔ رباعی

منہ مال فراواں کآں ترا نیست | ترا گردد چو دردادن شتابی
اگر خواہی بنہ تا بازیابند | وگر خواہی بدہ تا بازیابی

حتی الوسع اس بات کی کوشش کرے۔ کہ اپنے مال و ملک سے دنیا کی نیک نامی اور آخرت کے درجات حاصل کرے۔

حکایت۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے۔ کہ کوئی بھوکا آدمی کسی نانبائی کی دوکان پر آیا۔ بہت سی روٹیاں رکھی دیکھ کر دوکاندار کو کہنے لگا۔ کہ تیرے پاس تو ہے۔ کھالے۔ البتہ اس سے پیشتر کہ اجل کا امیر گھات سے نکلکر بادشاہ کو تختِ سلطنت سے اُتار دے۔ اور اس کی اتنی سالوں کی کمائی دشمنوں کے ہاتھ دیدے۔ اور حسرت اور ندامت کی آگ اس کے دل کو لگائے۔ اور وبال اور بوجھ اُس کی گردن پر ہے۔ اور دشمن کو اُس کے تختِ سلطنت پر بٹھائے مصنف علیہ الرحمۃ

فرماتے ہیں۔ نظم

دولتِ ایں جہاں اگرچہ خوش است
دل منہ اندرو کہ دوست کش است

ہر کرا ہمچو شاہ بنوازد
چوں پیادہ بطرح اندازد

ہست دنیا و دولتش چو سراب
در فریبد و لیک ندہد آب

پس کہ آورد چرخ شاہ و وزیر
ملکشاں داد و گنج و تاج و سریر

کارہا را بہ کام ایشاں کرد
خلق را جملہ رام ایشاں کرد

تا چو نمرود مایہ وار شدند
ہمہ فرعون روزگار شدند

خونِ درویشگاں مکیدندے
مغز بیچارگاں کشیدندے

ہمہ مشغول سال و ماہ شدند
ہمہ مغرور جاہ و مال شدند

ناگہاں تند بادِ قہر وزید
از سر تختِ شاں بہ تختہ کشید

تن شانرا بخاک ایمن داد
ملک شانرا بدست دشمن داد

وزر ایشاں بد آنجہاں بردند
مال شاں دیگراں ہمے خوردند

وآنکہ را حق بلطف خود بنواخت
نیک و بد را بنور حق بشناخت

باز داشت نازرا از نور
دل نہ بست اندریں سرائے غرور

باقی عمر خویشتن دریافت
بصلاح و معاد خویش شتافت

غم آں خورد کہ ازیں منزل
چوں کند کوچ شادماں خوشدل

ہرچہ از ملک و گنج و شاہی داشت
بود با خویشتن چو مے نگذاشت

لاجرم چوں رسید کار بہ کار
رفت با صد ہزار استظہار

جن کی بصیرت کی آنکھ نور الٰہی سے منور ہے۔ اس کے لئے اس جہان کا مال و جاہ چھوڑنا بہتر ہے۔ " والباقیات الصالحات خیر عند ربك ثوابًا وخیرا املًا " (اللہ تعالیٰ کے نزدیک ازروئے ثواب اور بعمارہ اجر کے نیک باقی رہنے والی یادگاریں ہیں) وہ باقیات صالحات جو مومن کی دستگیر اور فریاد رس ہیں۔ وہ اس کے بدنی اعمال صالحہ اور مالی باقی رہنے والی خیراتیں ہیں۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ " اذا مات الانسان انقطعت عملہ الا عن ثلث صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعو لہ بالخیر " (جس وقت انسان مرجاتا ہے۔ تو اس کا فعل بھی بند ہوجاتا ہے۔ مگر تین باتیں جاری

رہتی ہیں - جاری رہنے والا صدقہ یا علم جس سے کوئی فائدہ اُٹھائے - یا نیک بچہ جو اُس کے لئے نیک دُعا کرتا ہے) اس سے زیادہ اچھی اور عجیب دولت اور کونسی ہو گی - کہ بندہ تو قبر میں سویا ہو اور اعمال حسنہ نہ کر سکتا ہو - لیکن پھر بھی ہر دم لحظہ بہ لحظہ ملائکہ مقرب بارگاہ الٰہی سے رحمت اور عنایت کے طباق اسے پہنچا رہے ہوں - کہ یہ اس لقمے کا ثواب ہے - جو فلاں مدد سے اور خانقاہ میں فلاں صوفی اور فقیہہ کو پہنچا تھا - یا اس آرام اور آسائش کا ثواب ہے - جو فلاں سلطنت کی دیوار کے سائے سے فلاں مسافر کو پہنچا - یا فلاں مسجد میں دو رکعت نماز ادا کی - یا فلاں مقام پر فلاں پل سے گذرا - کسی بادشاہ کو بھی اپنی دولت کے زمانے میں ایسی سعادتوں کے موقعوں کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہیئے - اور باقی رہنے والی خیرات سے دریغ نہیں کرنا چاہیئے ؎

غافل مشو کہ عمرے زین تازہ تر نیابی   داد کش بدہ کہ چوں شد عمرے دگر نیابی

سبحان اللہ یہ بادشاہی محنت و مشقت کا بوجھ کیوں اُٹھانا چاہیئے - اور خلق اللہ کی فلاح و فساد کی ذمہ داری کیوں لینی چاہیئے - یہ سب کچھ روٹی کپڑے کا دھندا ہے - جس میں کوئی اور بادشاہ کے ساتھ بلا اس قدر رنج و محنت کے شریک ہو گا - کیونکہ اسے ایک ایسی دولت ملی ہے - جو قرب قبول اور رضائے حق کا وسیلہ ہے - یہ نعمت لاکھوں میں سے کسی ایک کو دی جاتی ہے - جس نے اس حالت میں بھی غفلت کی - اور موقعہ ہاتھ سے کھو دیا - اور ملک کے فوائد سے محروم رہا - تو نقصان کا بوجھ گردن پر لئے ہوئے شرمندہ بارگاہ الٰہی میں جائیگا - اور بڑی حسرتوں سے زمین کے نیچے دبایا جائیگا - رباعی

اے خاک بگو خسروایراں را   من خاک نے بوں کندہ ام میرا نرا

من گرسنہ لس کہ خوردہ ام سبزا نرا   من گور بسے گرفتہ ام شیرا نرا

بادشاہ کی سعادت اس میں بھی ہے - کہ دوسروں کے نیکی کے کاموں کو تازہ رکھے اور اوقاف میں ذرہ بھر کی تغیر و تبدل نہ کرے - اور بدخصلت - بُرے عقیدے والے رائے دینے والوں کی صلاح اس معاملے میں نہ برتے - کیونکہ وہ جہالت اور غفلت کے سبب اپنے ایمان اور جان کا خون کر دینے کی کوشش کرتے ہیں - اور انہیں اس بات کی خبر نہیں ہوتی - کہ کونسا عقلمند اتنے کثیر التعداد مستحق محروم مظلوم اشخاص کی بددعا لینی اختیار کریگا جو رب کے سب اہل خیر و صلاح ہوں - اور کونسا دیندار کئی ہزار ارواح کی دعا کو جو خیرات کے

بانی ہیں۔ اپنے بعد اسے جاری رکھنا جائز سمجھیگا۔ کیونکہ جو زمین مقبول ہو۔ اس نیکی کا ثواب اسکے بانی کے لئے بارگاہ الٰہی کے قرب کا وسیلہ بنتا ہے۔ وہ مظلوم بارگاہ الٰہی میں ہمیشہ یہی عرض کرتا رہتا ہے۔ کہ اے مالک میں نے اپنے مال کو اپنے سے جدا کیا۔ اور اس سے فرزندوں کو محروم کرکے تیری رضا کی خاطر تیرے بندوں کے لئے وقف کیا۔ فلاں ظالم میری نیکی کو برباد کرتا ہے۔ اور تیرے بندوں کو محروم کرتا ہے۔ تیرے ساتھ یہ جرأت کرتا ہے۔ اچھا اب وہ اس واقعہ سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ خصوصاً جبکہ اوقاف زیادہ ہوں اور طلب کرنیوالے اور جھگڑنے والے بہت ہوں۔ نعوذ باللہ من عذاب اللہ (عذاب الٰہی سے پناہ بخدا) اگر کوئی چاپلوس عالم اس بات کی اجازت دیدے۔ کہ اوقاف کے مال کو کسی اور رفاہ عام کے کام میں خرچ کرنا چاہیئے۔ یا لشکر کو دینا چاہیئے۔ کہ اس سے مذہبی لڑائی کریں۔ یا کوئی اور پل یا سرائے یا حد یا روک بنانا چاہیں۔ تو ہرگز ہرگز اس سے دھوکا نہ کھائے۔ اور کسی صورت میں بھی اس بات کو جائز نہ رکھے۔ ہاں اپنی صوابدید کے مطابق واقف کے استحقاق اور شرط سے اسے صرف کریں نہیں تو جو شخص فتوے دیگا۔ اور جو حکم دیگا۔ اور جو اس کام کو کریگا۔ اور جو اسے روک سکتا ہو۔ اور نہ روکے۔ ان سب کی گردنوں پر اس کا وبال پڑیگا۔ اور قیامت کے روز ان اوقاف کے مستحق اور واقف سب کے سب ان کے دشمن بنجائینگے۔ اور اپنا انصاف طلب کرینگے۔ بادشاہ پر واجب ہے کہ جو وقف اس کی سلطنت میں ہو۔ وقف کرنیوالے کی شرط کے مطابق اُسکے مستحقوں پر جاری رکھے۔ اور اوقاف پر کوئی ایسا امین مقرر کرے۔ جو دیانتدار اور خدا ترس ہو۔ تاکہ اسکی آبادی میں وہ کوشش کرے۔ اور اوقاف کو جن شہروں میں ہوں۔ انہیں شہروں کے حاکموں کے سپرد نہیں کرنی چاہئیں۔ کیونکہ وہ اوقاف کو مصیبتوں سے بچاؤ کی صورت قرار دیتے ہیں۔ اور اپنے ذاتی خدمتگاروں کو بطور جاگیر دیدیتے ہیں۔ تاکہ کھائیں تو وقف کا مال اور کام ان کا کریں۔ اور جب کوئی مسافر وہاں آکر ٹھکانا کرتا ہے۔ اور ان سے کچھ طلب کرتا ہے۔ تو وہ اوقاف کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ مستحق ہو۔ نہیں تو انکے حق سے زیادہ دیا جاتا ہے۔ اور جب کوئی خدا کا پیارا درویش یا عالم آجاتا ہے۔ اور اگر ان کے حق میں ان کی عمر درازی کی دعا نہیں کرتا۔ یا ان کی خوشامد نہیں کرتا۔ تو وہ اسکی طرف متوجہ بھی نہیں ہوتے۔ اور محروم رکھتے ہیں۔ مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہے۔ جب کوئی فاضل اور دیانتدار امین

اس کام کے لئے مقرر کریں۔ جو متولی یا شیخ الشیوخ ہو۔ تو ممکن ہے۔ کہ مستحق کو حق ملجاوے
پھر بھی وہ وقف اسی پر ہی نہ چھوڑ دیں۔ بلکہ وقتاً فوقتاً اسکی خبر گیری خود بھی کرنی چاہیئے۔
جب یہ صورت ہوگی۔ تو جب اللہ تعالیٰ وقف کرنے والوں اور صاحب خیرات کو ثواب
دیگا۔ ساتھ ہی بادشاہ وقت کو جس نے ان خیرات کے جاری رکھنے میں کوشش کی ہے
ثواب دیگا۔ اگر اسی دینی مہم سے درگذر کر دی جائے۔ تو اس کا وبال بھی بادشاہِ وقت
پر ہی ہوگا۔ ایک مرتبہ میں سات سو ہجری میں مصر کے دریا میں سفر کر رہا تھا۔ تو سنا۔ کہ
ملک صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عادت تھی۔ کہ جب کوئی شہر فتح کرتا۔ تو وہاں خیرات
کے لئے کوئی نہ کوئی عمارت ضرور بنواتا۔ جب اس نے مصر فتح کیا۔ تو اپنے قاضی فاضل
رحمۃ اللہ علیہ کو جو اس کا وزیر تھا۔ کہا۔ کہ میں مصر میں خانقاہ بنوانی چاہتا ہوں۔ قاضی نے کہا۔
کہ میں چاہتا ہوں۔ کہ جناب کی ولایت مصر میں خیرات کی ہزار عمارتیں تعمیر کرائیں۔ اس
نے پوچھا۔ یہ کس طرح ممکن ہے۔ اس نے کہا مصر میں اس وقت ہزار مقام خیرات کے اُجڑی
حالت میں پڑے ہیں۔ اور ان اوقاف کی حالت خلل پذیر ہوگئی ہے۔ اگر بادشاہ حکم دے۔
تو ان کو از سر نو تعمیر کرایا جائے۔ اور غاصبوں کے ہاتھوں سے چھڑا کر دیانتدار امینوں کے
سپرد کئے جائیں۔ تاکہ ان کا مناسب استعمال کریں۔ ان سب کا ثواب جناب کو ملیگا۔
یہ فعل گویا ایسا ہوگا۔ کہ جناب ہی نے انہیں از سر نو وقف کیا ہے۔ پھر اس نے ایسا
کرنے کا حکم دیا۔ اور اپنی طرف سے بھی خاص خیرات کی۔ "تقبل اللہ منہ وشکر سعیہٗ"
(اللہ تعالیٰ اس کی محنت کو قبول کرے۔ اور اس کی کوشش کا صلہ دے) اسی طرح احوال
خلق پر شفقت کرنے کے لئے بادشاہ کو چاہیئے۔ کہ دروازے پر کوئی اعتباری اور دیانتدار
دربان مقرر کرے۔ تاکہ مظلوموں اور حاجتمندوں کے احوال بطور قصہ یا پیغام عرض کرے
اور بادشاہ انکی ضروریات کو پورا کرنا واجب جانے۔ اور غنیمت سمجھے +

نیز بادشاہ پر واجب ہے۔ کہ جہاں کافروں کا شہر ہو۔ وہاں پر کوئی ایسا امیر یا حاکم
مقرر کرے۔ جو تجربہ کار اور بہادر ہونے کے علاوہ دیندار ہو۔ اور اس میں اسلامی حمیت
اور غیرت زیادہ ہو۔ لشکر سے روٹی اور جاگیر کا پورا وعدہ کرے۔ اور حکم دے۔ کہ ایک
رات بھی لشکر آرام نہ کرے۔ بلکہ دن رات حملوں اور جہاد میں مشغول رہیں۔ اور اگر انہیں
مدد کی ضرورت ہو۔ تو ان کی مدد کرے۔ اور حکم دے۔ کہ ہمیشہ طاقتور۔ چالاک بے باک

اور دلیر رہیں۔ اور ہر نئی فتح کے موقع پر انکی نوازش فرمائے۔ اور انکی دلجوئی کرے۔ اور ان کے حوصلے بڑھائے۔ اور جو وعدے ان کے ساتھ کئے گئے ہوں۔ ان کو پورا کرے۔ تاکہ اس امید پر وہ اپنی جانیں قربان کر دیں۔ اور دین کے دشمنوں کی بیخکنی کے لئے کوشش کریں۔ نہ اس طرح کہ غفلت میں پڑے رہیں۔ اور درگذر کر دیں۔ اور کافر غالب آجائیں۔ اور دلیر ہو کر اسلامی شہروں پر حملہ آور ہوں۔ اور مسلمان زن و مرد اور بچوں کو قید کر کے بطور غلام لیجائیں۔ اگر ایسا ہو گا تو بادشاہ خود ذمہ وار ہے۔ قیامت کے روز اس کی جواب دہی اس کے ذمے ہوگی۔

نیز بادشاہ پر واجب ہے۔ کہ جب کسی شہر یا ولایت میں کوئی والی یا حاکم مقرر کر کے بھیجے۔ تو وہ حاکم دانا۔ باتمیز اور دیندار ہونا چاہیئے۔ اور اس میں سیاست۔ دیانت اور مروت کا ہونا لازمی ہے۔ تاکہ اپنے فرائض منصبی کو اچھی طرح بجالائے۔ نہ کہ ظالم شخص کو بھیجنا چاہیئے۔ جو رعیت کا خون کرے۔ اور نہ ہی غافل کو مقرر کرنا چاہیئے۔ جو رعیت کی بہتری سے درگذر کرے۔ اور جو قاضی مقرر کیا جائے۔ وہ عالم۔ عاقل۔ دیندار۔ صالح۔ اور بامروت ہونا چاہیئے۔ تاکہ وہ یتیموں۔ ورثہ اور وقف کے مال اور رشوت وغیرہ سے دست بردار رہے۔ اور اپنی روزی اور جاگیر پر قناعت کرے۔ کتابت احکام اور نکاح وغیرہ کی اُجرت نہ لے۔ اور ان کی طمع نہ کرے۔ کیونکہ ایسا کرنا بُری بدعت ہے۔ اور محض حرام ہے۔ اپنے خدمتگار صالح اور دیانتدار رکھنے چاہئیں۔ جو دعووں میں کسی پر ظلم و ستم نہ کریں۔ اور لالچ میں آکر سچ کو جھوٹ نہ کر دیں۔ اور جھوٹ کو سچ نہ کر دکھائیں۔ اگرچہ یہ بات آجکل کے زمانے میں بہت کم میسر ہو سکتی ہے۔ اس واسطے کہ ان صفات کے قاضی بہت کم ملتے ہیں۔ اور جب ایسے ملتے ہیں۔ تو وہ قاضی بننا پسند نہیں کرتے۔ اور نہ ہی وہ بادشاہوں اور امیروں کی کچہریوں میں پھرنا پسند کرتے ہیں۔ آجکل یہ عہدہ کسی خدمت کے عوض دیا جاتا ہے یا کسی مربی کے وسیلے۔ بلحاظ فضیلت و لیاقت نہیں دیا جاتا۔ اور یہ ضروری ہے۔ کہ جو شخص خدمت دیگا۔ وہ لیگا بھی ضرور۔

نیز بادشاہ کے لئے ضروری ہے۔ کہ باوفا اور وعدے کو پورا کرنے والا ہو۔ اور اپنے مخلص قدیمی خدمتگاروں کے پہلے حقوق کی تلافی انعام و اکرام سے کرے۔ خاصکر ان لوگوں کی جنہوں نے مصیبت اور سختی کے وقت سلطنت کی خیر خواہی کی ہو۔ اور

عبودیت کی راہ پر ثابت قدم رہے ہوں ؎

ان الکرام اذا ما اسھلوا ذکروا　　　　من کان بالفھم فی المنزل الخشن

(بیشک سخی لوگ آرام کی حالت میں ہوتے ہیں۔ تو اُن لوگوں کو ضرور یاد کرتے ہیں۔ جو اُن کے وقت کام آئے ہوں) +

جب بادشاہ ہر گروہ کے احوال کی پرداخت کریگا۔ اور ہر صاحب عمل کے معاملات کی نگرانی کریگا۔ اور اس میں مسلمانی کا درد ہوگا۔ تو اسکے ممالک میں ظلم و ستم نہیں ہونے پائیگا۔ اور سارے کام درست ہو جائینگے۔ اور نالائق لائق بنجائینگے۔ کیونکہ "الناس علیٰ دین ملوکہم" جیسا راجا ویسی پرجا۔ اور اگر عمر غفلت میں بسر کریگا۔ اور لذات اور شہوات میں مگن رہیگا۔ اور خزانوں کے جمع کرنے کی دھن میں لگا رہیگا۔ اور رعیت کی غمخواری نہیں کریگا۔ تو ظالم غلبہ پا جائینگے۔ اور اس کے حاکم بھی ظلم پر آمادہ ہو جائینگے۔ اور مستحقوں کو محروم رکھینگے۔ اور کافر غلبہ پاکر مسلمانوں کو تنگ کرینگے۔ اور چور اور فسادی موقع پاکر رستے پر خطر کردینگے اور ناحق خونریزیاں ہونے لگینگی۔ اور سوداگروں اور غریبوں کے مال لوٹے جائینگے۔ اور ہر طرف فساد برپا ہونگے۔ اور طرح طرح کی مصیبتیں اور دقتیں پیش آئینگی۔ ان سب کا وبال ظالم اور فاسق بادشاہ کی گردن پر ہوگا۔ اسی واسطے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "ان اشر عباد اللہ عند اللہ منزلتہ یوم القیامتہ امام جابر حرق" (یعنی قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بُرا بندہ ظالم بادشاہ ہوگا) ایسی بادشاہی سے تو گدائی ہزار درجہ بہتر ہے۔ اس واسطے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ما من راع لا یحوط رعیتہ بنصیحتہ الا کبہ اللہ بمنخرۃ فی النار" (جو حاکم اپنی رعایا کو نصیحت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے مُنہ کے بل دوزخ میں گرائیگا)۔ اور نیز فرماتے ہیں۔ "ما من امیر الا یؤتی بہ یوم القیامتہ مغلولتہ یدہ الی عنقہ اطلقہ الحق فاوثقہ الموۃ" (ہر ایک امیر کے ہاتھ قیامت کے دن اُس کی گردن سے بندھے ہونگے۔ پس اگر اس نے انصاف کیا ہے۔ تو اس سے رہا ہو جائیگا۔ اور اگر ظلم کیا ہے۔ تو وہ اور بھی مضبوط ہو جائینگی۔ ہر ایک بلندی کے مناسب پستی بھی ہوتی ہے۔ کوئی مرتبہ اور درجہ اسقدر بلند اور فاضلتر بادشاہی سے نہیں جب بذات خود کی جائے۔ تو اس کا فائدہ وہی

ہے۔ جو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "مامن احد افضل منزلۃ من امام ان قال صدق وان حکم عدلا وان استرحم رحم" (از روئے مرتبہ اس بادشاہ سے بڑھ کر افضل کوئی شخص نہیں۔ جو سچ بولے۔ عدل سے حکمرانی کرے۔ اور رحم کرے) اس کا نقصان بھی اسی کے مناسب ہوتا ہے۔ وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحابہ وسلم ؛

فصل ۳

{وزیروں۔ اہل قلم اور نائبوں کے سلوک کے بیان میں}

اللہ تعالیٰ جلشانہٗ فرماتا ہے۔ "واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری" (میرے کنبے سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا۔ اور اس سے میری قوت کو مضبوط کر) پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "اذا اراد اللّٰہ بملک خیرا جعل لہ وزیرا صالحا فان نسی ذکرہ وان ذکر اعانہ" (جب اللہ تعالیٰ کسی بادشاہ کو نیک بنانا چاہتا ہے۔ تو کوئی صالح شخص اس کا وزیر کردیتا ہے۔ جو اسے بھول کے وقت یاد دلاتا ہے۔ اور یاد کے وقت اس کی مدد کرتا ہے) ؛

واضح رہے۔ کہ سلطنت وزارت کی پیرو ہوتی ہے۔ اور وزارت سلطنت کا رکن اعظم۔ ہر ایک بادشاہ کے لئے نیک۔ صاحب رائے۔ مشفق۔ کافی۔ عقلمند۔ عالم۔ عامل اور عادل وزیر ضروری ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے وزیر کی درخواست کرتے تھے۔ "واجعل لی وزیرا" (مجھے وزیر عنایت کر۔ جو میری پشت پناہ ہو) پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے۔ "لی وزیران فی السماء ووزیران فی الارض فاما وزیرائی فی السماء فجبرائیل ومیکائیل واما وزیرائی فی الارض ابوبکر وعمر" (میرے دو وزیر آسمان میں ہیں۔ اور دو زمین میں آسمان پر جبرائیل اور میکائیل ہیں۔ اور زمین پر ابوبکرؓ اور عمرؓ) جس سلطنت میں کامل اور قابل تعظیم وزیر نہ ہو۔ اس سلطنت کی شان وشوکت۔ جاہ وحشمت اور زیب وزینت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ سلطنت خیمے کی طرح ہے۔ وزیر خیمے کے ستون کی طرح ہوتا ہے۔ اس خیمے کی رسیاں باقی چھوٹے بڑے امیر جس طرح کہ بعض رسیاں چھوٹی ہوتی ہیں۔ اور بعض بڑی۔ اور لشکر چھوٹی رسیوں کی طرح حلقہ کئے ہوئے ہوتا ہے۔ جو دامن خیمہ میں ہوتی ہیں۔ اور نائب

اور عامل اور دوسرے حکام ان رسیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ جو خیمے کے سرے پر ہوتی ہیں۔ درحقیقت خیمہ بغیر میخوں کے قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ میخیں بادشاہ کا عدل اور انصاف ہے اگرچہ امراء وزراء اور لشکر کتنا ہی کیوں نہ ہو۔ اور قوت و شوکت اور ساز و سامان بیشمار ہی کیوں نہ ہو۔ جب تک عدل نہیں ہوگا۔ سلطنت قائم نہیں رہیگی۔ کیونکہ خیمے میں اِدھر اُدھر کی میخ مضبوط نہ ہوگی۔ اُدھر سے ہی خیمہ ناپائدار ہوگا۔ اسی واسطے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "الملک یبقی مع الکفر ولا یبقی مع الظلم" کفر سے ملک باقی رہ سکتا ہے۔ لیکن ظلم سے کبھی پائیدار نہیں رہ سکتا۔ چونکہ وزیر سلطنت کے خیمے کے لئے بمنزلہ ستون ہے۔ جس قدر ستون بلند اور عالی مرتبہ ہوگا۔ اسی قدر سلطنت کا خیمہ بھی باشان و شوکت ہوگا۔ وزیر میں ستون کی طرح چار خصلتوں کا ہونا ضروری ہے۔ راستی۔ بلندی۔ ثبات اور تحمل اور وزیر کی تین حالتیں ہیں۔ پہلی خدا اور اسکے درمیان۔ دوسری اس کے اور بادشاہ کے درمیان۔ تیسری اس کے اور لشکر اور رعایا کے درمیان تینوں حالتوں میں مذکورہ بالا چاروں صفتوں کو عمل میں لانا چاہئے۔ ہر حالت میں ان خصلتوں کے معنی حسب موقع اور ہیں۔ چنانچہ پہلی حالت میں جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین ہے راستی کے یہ معنی ہیں۔ کہ راستی پیشہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "فاستقم کما امرت" (راست رہو جیسا کہ تجھے حکم ہوا ہے) یعنی شریعت کی راہ پر سیدھے طور چل۔ کیونکہ صراطِ مستقیم (سیدھی راہ) بھی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ" (یہی میری سیدھی راہ ہے۔ پس اسی پر چلو) ہمیشہ جو کام کرے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے پہلو کو مدنظر رکھے۔ اور اس بات سے بچتا رہے۔ کہ ظاہر میں جو کام خلقت کے ساتھ درست کرے۔ اور اللہ تعالےٰ کے پہلو کو فروگذاشت کرے۔ کیونکہ ایسا کرنا ہی سب کجیوں کی جڑ ہے۔ اسے چاہیئے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے درست کام کرے۔ خواہ خلقت سے اس کی بگڑ ہی جائے۔ پھر بھی غم نہ کرے۔ کیونکہ "من کان للہ کان اللہ لہٗ" (جو اللہ کا ہو رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا ہو رہتا ہے۔ رہی بلندی سو اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ بلند ہمت۔ اور عزیز النفس ہو۔ اور دنیاوی مال و جاہ کی خوبصورتی پر فریفتہ نہ ہو جائے۔ اس دنیاوی مُردار کی دھن میں نہ لگا رہے۔ اور حقیقت کی نگاہ سے دنیا کی بے حاصلی دیکھے

چیست دُنیا و خلق استظہار | خاکدانے براں سگ و مردار
ہست مارے گزندہ دولتِ دہر | نرم و رنگیں و اندروں پُر زہر
در غم دِش توانگر و درویش | شادماں چوں خیالِ گنج اندیش

دُنیاوی جاہ و مال کو بمنزلہ توشہ اور سواری جانے۔ اور عمر کو حج کے مہینے خیال کرے اور اجل مختوم کو موسم۔ اور وقفے کے دن۔ اور اللہ تعالیٰ کو بیت اللہ کا قاصد۔ اور یقین جانے کہ یہ سامان اور سواری اسے اس واسطے دِئے گئے ہیں۔ کہ انکے وسیلے صفاتِ نفس امّارہ کے جنگل کو طے کرے۔ جو کہ اس کے اور کعبہ مقصد و مقصود کے درمیان بمنزلہ حجاب ہے۔ اگر اسکو شط العرب حرص کی آب و ہوا پسند آجائے۔ اور طبیعت کے بغداد میں فروکش ہو اور ہر روز اس اونٹ کو سنوارتا رہے۔ اور سفر کی تیاریاں کرتا رہے۔ اور شہواتی شراب سے بدمست رہے۔ اور قافلے اس کے پاس سے گذرتے رہیں۔ لیکن وہ خوش مستی کی نیند سویا ہے۔ تو اچانک حج کا موقعہ آجائیگا۔ جبکہ دوسرے مراد و مقصد کا حج کر لینگے اور یہ جب "الناس نیام فاذا ماتوا انتبھوا" (لوگ سوئے ہوئے ہیں جس وقت مرتے ہیں۔ جاگتے ہیں) کی نیند سے جاگیگا۔ تو اسکے ہاتھ میں بے نصیبی کی ہوا۔ اور سر پر شرمندگی کی خاک۔ آنکھوں میں حسرت کے آنسو۔ اور دل میں ندامت کی آگ کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ یہ حالت اس شخص کی ہے۔ جو دُنیاوی زر و مال کو جو سعادت ابدی کا وسیلہ ہو سکتا ہے۔ ضائع اور رائیگاں کرتا ہے۔ اور اس سے صرف عیش و عشرت ہی کرتا ہے۔ وہ لوگ جو دُنیاوی جاہ و مال کو جو درجات بہشت اور قرب الٰہی کا وسیلہ ہے۔ ہوائے نفسانی کے ہندوستان کے سفر کے لئے توشہ اور سواری بناتے ہیں۔ اور حیوانی اور شہواتی خواہشات کا وسیلہ ٹھیراتے ہیں۔ اور اصلی مقصد اور مقصود کی راہ سے بالکل ہٹے ہوئے ہیں۔ یہ ہرگز ہرگز کعبۂ وصال کا جمال نہ دیکھینگے۔ بلکہ "اولئک کالانعام بل ھم اضل" (یہ لوگ ڈھور ڈانگروں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ) کے درجے میں پڑے رہینگے۔ ان کا نصیبہ یہ ہوگا۔ کہ "ذرھم یاکلوا ویتمتعوا ویلھم الامل فسوف یعلمون" (انہیں کھانے پینے اور عیش و عشرت کرنے دو۔ عنقریب ہی انہیں معلوم ہو جائیگا کہ ان کی امیدیں قابل افسوس تھیں) پس جب انسان عالی ہمت ہوتا ہے۔ تو وہ فانی عیش و عشرت اور ساز و سامان پر مغرور نہیں ہوتا۔ بلکہ اسکی نگاہ اُخروی درجات اور عالی مقامات

پر جمی رہتی ہے۔ اور دنیا دی جاہ و مال کو قبول حق کے قرب کا وسیلہ بناتا ہے ٭

(۲) ثبات سو اسکے یہ معنی ہیں۔ کہ دینی کام میں درست یقین اور ثابت قدم رہے۔ اور جو کام اللہ تعالیٰ کی خاطر کرے۔ اس سے بہ سبب خلقت کی ملامت اور رنجیدگی وغیرہ کے مُنہ نہ پھیر جائے۔ اور کسی سے نہ ڈرے۔ کیونکہ یہ خاصیت خاصانِ حق کی ہے۔ کہ " یجاھدون فی سبیل اللہ ولایخافون لومتہ لائم " (وہ اللہ کی راہ میں کوشش کرتے ہیں۔ اور ملامت کرنے والے کی ملامت کی کچھ پرواہ نہیں کرتے ٭ (۳) تحمل سو اسکے یہ معنی ہیں۔ کہ امانت کا بوجھ اُٹھانے میں شرعی تکلیف جسکے اٹھانے سے اہل زمین و آسمان عاجز رہ گئے تھے۔ کہ " انا عرضنا الامانتہ علی السموات والارض .... الخ " (ہم نے امانت آسمان اور زمین کے پیش کی .... الخ) صبر اور تحمل کرے۔ اور امانت میں خیانت نہ کرے۔ تاکہ اس کا قدم راہِ حق کے سلوک میں اس روز تک مضبوط ہو جائے۔ جبکہ یہ حکم آئے۔ " ان اللہ یامرکم ان تردوا الامانات الی اھلھا " (اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات کا حکم کرتا ہے۔ کہ امانت رکھنے والوں کو اُن کی امانتیں واپس دو۔) اس روز امانت کے واپس دیتے ہُوئے بارگاہِ الٰہی میں سرخروئی حاصل کرے۔ مصنف علیہ الرحمۃ اس بارے میں فرماتے ہیں۔ غزل

بارِ امانتش بدل و جاں کشیدہ ایم — در بارگاہِ عزت بے بار میرویم
با ظلمت نفوس و طبائع در آمدیم — در جاں ہزار گونہ زانوار مے بریم
عمرے اگرچہ در ظلمات ہوا بدیم — آبِ حیات خوردہ خضر وار میرویم
زاں پس کہ بودہ ایم مقیم حریم جہل — ایں فضل بیں کہ محرم اسرار میرویم
در نقطہ مراد بدیں دور مارسیم — نیرا بسر ہمیشہ چو پرکار میرویم

دوسری حالت جو وزیر اور بادشاہ کا باہمی سلوک و تعلق ہے۔ اِس میں بھی انہیں چاروں خصلتوں پر کاربند رہے۔ پہلی خصلت رستی ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ بادشاہ سے ظاہر و باطن میں یکساں رہے۔ اور اپنے باطن کو خیانت۔ کھوٹ۔ اور فریب کی آلائشوں سے پاک کرے۔ اور نفاق نہ کرے۔ کہ اُسکے روبرو تو اسکی خوشامد کرے اور جو نیک و بد کرے یا کہے اس میں اسکی صدیقی کا دم بھرے۔ اور اس کی مزاج کے موافق کام کرے۔ اور جب باہر آئے۔ تو اس کی غیبت کرے۔ اور اُس کے اقوال و

افعال پر اعتراض کرے ۔ اور ہر شخص سے اس کا شکوہ و شکایت کرے ۔ تاکہ اسے بد خصلتی ۔ نادانی اور ظالمیت میں شہرہ آفاق کرے ۔ یا اپنی طمع کی خاطر سلطنت میں کوئی ظلم کرنا چاہے ۔ تو اس کا بہانہ بادشاہ کو ٹھیرائے ۔ کہ بادشاہ کا حکم ایسا ہے ۔ اور اپنے تئیں بری الذمہ ظاہر کرے ۔ ایسا کرنا نفاق ۔ خیانت اور کجی ہے ۔ راستی ۔ امانت اور اخلاص یہ ہے ۔ کہ جو مصلحت وقت اور درست رائے کا مقتضی ہو ۔ اسے بادشاہ کی خدمت میں تعظیم اور تواضع کے ساتھ بڑی چالاکی سے نرم اور شائستہ الفاظ میں بوقت فرصت عرض کر دے ۔ اگر بادشاہ اس پر کچھ اعتراض کرے یا اس میں کسی قسم کی اصلاح کرنی چاہے تو اس سے نہ نہ کرے ۔ اور اسکی بات کو غلط نہ سمجھے ۔ کیونکہ بادشاہوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شاہانہ عقلمندی عطا ہوتی ہے ۔ اور داناؤں نے کہا ہے ۔ ”کلام الملوک ملوک الکلام“ (بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے) اُسکی بات رضا کے کانوں سے سُن لیوے ۔ اور اپنی ہی بات پر نہ اڑا رہے ۔ بلکہ اس بات پر خوب غور و خوض کرے ۔ اگر خود اس میں کچھ اضافہ یا اصلاح مناسب سمجھے ۔ تو ٹھیر کر عرض کر دے ۔ مختصر یہ کہ سچ بات کہنے سے کبھی دریغ نہ کرے ۔ البتہ وقت فرصت اور بادشاہ کی حالت کو ملحوظ رکھے ۔ ایسا نہ ہو کہ بادشاہ اس پر ناراض ہو جائے ۔ کیونکہ ناراضگی حق کو دیکھنے والی آنکھ اور حق کو سننے والے کان کے لئے بمنزلہ حجاب ہے ۔ جو کچھ حق اور درست ہو ۔ اسے عمدہ طور پر اسکے ذہن نشین کر دے ۔ تاکہ راستی اور اخلاص پر عملدرآمد ہو جائے ۔ دوسری خصلت بلندی ہے ۔ بادشاہ کی خدمت میں رہ کر بلند ہمتی سے زندگی بسر کرے ۔ کمینگی اور خست سے بُری خواہش نہ کرے ۔ کسی چیز پر نگاہ نہ ڈالے ۔ اور فضول التماس کے لئے دروازہ بند رکھے ۔ بلکہ عزیز النفس قانع اور کوتاہ دست رہے ۔ کیونکہ جب بادشاہ عقلمندی کی آنکھ سے ان اخلاق کا مشاہدہ کریگا ۔ تو وہ بادشاہ کا منظور نظر اور محبوب ہو جائیگا ۔ اور اُسکی قدر و منزلت زیادہ کریگا ۔ اور نیک نامی میں شہرہ آفاق ہو جائے گا ۔ تیسری خصلت ثبات ہے چاہیئے ۔ کہ بادشاہ کی خدمت میں وفادار ۔ نیک عہد اور ثابت قدم ہو ۔ تاکہ اگر بادشاہ کے دشمن اور بد اندیش کسی طرح اسے فریفتہ کرنا چاہیں ۔ اور اسے کتنا ہی مال و اسباب دیں وہ کسی طرح اُسکی وفاداری سے قدم باہر نہ رکھے ۔ چوتھی خصلت تحمل ہے ۔ کہ

اس طرح متحمل اور بردبار رہنا چاہیئے۔ کہ جب بادشاہ ناراضگی۔ تیزی یا بادشاہی نخوت اور دبدبے سے کوئی بات کہے یا کرے۔ اس سے یا کسی اور سے۔ تو اس سے تندی نہ کرے۔ بلکہ نرمی اور مہربانی سے پیش آئے۔ اور ایسے کلمات کہے۔ جن سے آتش غضب کی چنگاری بجھ جائے۔ اور ایسے کلمات سے بچنا ہے۔ جن سے غصے اور کینے کے پیدا ہونے کا احتمال ہو۔ اگر بادشاہ پر دشمن کی طرف سے کچھ آبنے۔ تو اس میں خوب غور و فکر کے بعد اگر صبر۔ سکون اور نیک تدبیر سے اس کا تدارک ہو سکتا ہے تو کرے۔ اور بادشاہ کو کہدے۔ کہ لڑائی بھڑائی نہیں کرنی چاہیئے۔ اور جان۔ مال اور ملک کا نقصان نہیں کرنا چاہیئے۔ الصلح خیر پڑھے۔ لیکن اگر ایسی صورت ہو۔ جس میں ضرور لڑائی کرنی پڑے۔ صلح وغیرہ سے کام نہ نکلے۔ تو بادشاہ کو لڑائی پر آمادہ کرے۔ لیکن اس میں کسی کا فتور نہ کرائے ؎

ہر کجا داغ بایدت فرمود چوں تو مرہم نہی ندارد سُود

خصوصًا یہ معاملہ کافروں سے کرنا پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں اسے اس بات پر دلیر کرے۔ اور اسے رغبت دلائے۔ اور اس کی ہر طرح سے مدد کرے۔ اور اگر بادشاہ لڑائی کرنیسے ڈرتا ہو۔ چرب زبانی سے اس کے دل سے خوف دور کردے۔ اور اسے اللہ تعالیٰ پر اور اسکے فضل پر بھروسہ کرنے کے لئے کہے۔ اور اسکے دل کو فتح اور نصرت اور اللہ تعالیٰ کی تائید سے مضبوط کرے۔ "الا ان حزب اللہ ھم الغالبون" (اللہ تعالیٰ کے لشکر غالب ہوتے ہیں) اور اگر لشکر تھوڑا ہو۔ اور دشمن زبردست ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ کے قول پر بھروسہ کرے۔ کہ "کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ واللہ مع الصابرین" (بہت سے لشکر جو تعداد میں تھوڑے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کثیر التعداد لشکر پر غالب آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنیوالوں کے ہمراہ ہے) ہر حالت میں وہ امور پیش کرے۔ جن میں ملک۔ دین اور رعیت کی بہتری ہو۔ اور اس کام کے کرنے میں سستی نہ کرے۔ اور جن امور سے فساد کا اندیشہ ہو۔ ان کے کرنے سے اسے نفرت دلائے۔ اور ان کے دفع کرنے کی کوشش کرے۔ نیک کاموں کی طرف اسے رغبت دلائے۔ اور ان میں اس کی مدد کرے۔ تاکہ "ان نسی ذکرہ وان ذکر اعانہ" (اگر وہ بھول جائے تو اسے یاد دلائے۔ اور اگر اسے یاد ہو۔ تو نیکی میں مدد کرے)

پر کاربند ہو۔ جب وزیر میں یہ اوصاف ہونگے۔ تو وہ بادشاہ کے لئے پشت و پناہ ہوگا۔ اور سلطنت کے لئے طاقتور بازو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر ان کے بھائی کو وزیر بنا کر احسان جتلایا۔ اور فرمایا۔ " سنشد عضدك باخيك ونجعل لكما سلطانا "، (عنقریب ہی ہم تیرے بازو کو تیرے بھائی کی مدد سے مضبوط کر دینگے)۔

رہی تیسری حالت جو وزیر اور رعیت کے مابین ہے۔ اس میں بھی انہیں چاروں خصلتوں کو استعمال کرنا چاہیئے۔

اول راستی۔ رعیت کے ساتھ راستی کے یہ معنی ہیں۔ کہ ان سے عدل و انصاف کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ اور ان کے حال پر مہربان اور مشفق رہے۔ اور ہمیشہ انکی غمخواری اور تسکین خاطر کی کوشش کرتا رہے۔ چنانچہ لشکر کے پاس کافی ساز و سامان ہونا چاہیئے اور رعیت آسودہ اور مرفہ الحال ہونی چاہیئے۔ اور ان پر بھاری ٹیکس نہیں لگانے چاہیئں یہ بات اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ وزیر ولایت کے آباد اور قابل زراعت بنانے کی کوشش کرے۔ اور بادشاہ کو مال جمع کرنے کی نہ پڑی ہو۔ کیونکہ اگر بادشاہ کے دل میں مال جمع کرنے کی خواہش ہوگی۔ تو وہ ضرور کوئی نہ کوئی نئی بدعت کھڑی کریگا۔ اور لشکر کی رسومات میں کمی آجائیگی۔ ایسا کرنے سے رعیت بھی تباہ حال ہوگی۔ اور لشکر بھی بے ساز و سامان رہ جائیگا۔ اور جب رعیت تباہ ہوگی۔ تو ملک خود ہی ویران ہو جائیگا اور جب لشکر کے پاس ساز و سامان نہیں ہوگا۔ تو ملک میں کھلبلی مچ جائیگی۔ اس واسطے کہ دل متغیر ہو جائینگے۔ اور زمانے کی ہوا پلٹ جائیگی۔ ایسے موقع پر ایسی بھاری فتنہ و فساد اور ظلم و تعدی کی امید کی جا سکتی ہے۔ جن کو روئے زمین کا خزانہ بھی دفع نہیں کر سکتا۔ ہمیشہ ملک کی آبادانی اور رعیت کے آرام و آسائش کے خیال میں رہنا چاہیئے۔ تاکہ اس سے لشکر کے لئے کافی ساز و سامان مہیا ہو سکے۔ اور جب لشکر بارعب ہوگا۔ تو سلطنت کو اور ترقی ہو سکتی ہے۔ اور جب ملک میں ہر طرح کا امن چین ہو۔ تو تمام جہان ہی بادشاہ کے لئے بمنزلہ خزانے کے ہے۔ وزیر کو بادشاہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے ملک میں نئی بدعتیں نہیں جاری کرنی چاہئیں۔ کیونکہ ان سے مخلصی اور دوستی پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ پوری دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسا کرنا دنیا کی بدنامی۔ آخرت کا عذاب۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا جمع کرنا اور رعیت کی بد دعا لینا ہے۔ کیونکہ وزیر کا فرض ادنے یہ بھی ہے۔ کہ بادشاہ کے لئے رات کا لشکر

بہ نسبت دن کے لشکر کے زیادہ اچھا جمع کرے۔ اس واسطے کہ دن کا لشکر رات کو رات کے لشکر کی دعا کی ڈھال سے مضبوط ہوتا ہے۔ دعا کا جو تیر کسی شکستہ دل کی گھات سے چھوٹتا ہے۔ وہ ایسا کام کر جاتا ہے۔ کہ بازو کی کمان کے ہزار تیر بھی نہیں کر سکتے۔

آنچہ یک پیر زن کند بسحر نکند صد ہزار تیر و تبر

وزیر کے لئے ضروری ہے۔ کہ دعا لینے کی خاطر رعیت کے بوجھ کو ہلکا کرے۔ اور وظیفے جاگیریں اور مدد معاش بڑھا دے اور جاری رکھے۔ اور بادشاہ کے صدقات اور صلے آنے والے اماموں۔ عالموں۔ سیدوں۔ زاہدوں۔ عابدوں۔ صوفیوں اور صاحبدلوں کو دلائے۔ جو کہ سلطنت کے پشت پناہ اور بادشاہت کو ہمیشہ رکھنے کا باعث ہوتے ہیں۔ اور آخرت کے درجات اور قربات حق کا موجب ہوتے ہیں۔ وزیر کو اپنے مال سے بھی اسی طرح خیرات کرنی چاہیئے۔ اور اپنی بارگاہ کا دروازہ حاجتمندوں کے لئے کھلا رکھنا چاہیئے۔ اور لوگوں سے تکبر۔ ترشروئی۔ اور چھچھوراپن سے سلوک نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ خوش خلقی عنایت اور شفقت سے اُن کے ساتھ بسر کرنی چاہیئے۔

دوسری خصلت بلندی ہے۔ چاہیئے۔ کہ لشکر اور رعایا کے ساتھ بلند ہمتی سے زندگی بسر کرے۔ ان سے رشوت اور خدمت کی طمع نہ کرے۔ اور حتی الوسع اپنی مروت اور بخشش کے آثار ان پر بصورت خلعت۔ تشریف وغیرہ ظاہر کرے۔

تیسری خصلت ثبات ہے۔ چاہیئے۔ کہ رعیت اور لشکر کے ساتھ ثابت قدمی سے رہے۔ اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ جب کسی امیر کو کوئی علاقہ دے یا کسی حاکم کو کسی کام پر مقرر کرے۔ اور کسی کو کوئی عہدہ سپرد کرے۔ تو اس میں پھر ناجائز تبدیلی نہ کرے۔ اور صاحب اغراض کی بات بے سبب نہ سنے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "یا ایھا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین" (اے ایمان والو! جب کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لائے۔ تو اس کی اچھی طرح چھان بین کرو۔ اگر تم جہالت سے کسی کو سزا دو گے۔ تو اپنے کئے پر شرمندہ ہو گے)۔ اور جب کسی کی خیانت یا قصور ثابت ہو جائے۔ تو اس میں نرمی اور شفقت استعمال نہیں کرنی چاہیئے۔ اس کا معاوضہ دینے میں کوتاہی یا تاخیر نہیں کرنی چاہیئے۔ خاصکر اس معاملے میں جو قصاص یا اللہ تعالیٰ کے احکام کے متعلق ہو۔ اور اس بات کے بھی کان رکھے۔

کہ درگاہ پر لوگوں کو رشوت یا خدمت سے نہ در غلائیں۔ کیونکہ وہ عیب پوشی کرتے ہیں۔ اور سفارش کی کوشش کرتے ہیں جن سے دوسروں کو حیرانی آتی ہے۔ اور رعیت پر ظلم و ستم کا ہاتھ کشادہ ہو جاتا ہے۔ نیز وزیر پر واجب ہے۔ کہ جب کسی کو کوئی کام یا عہدہ دینے لگے۔ تو بڑی احتیاط کے ساتھ جس میں اس کام یا عہدہ کی قابلیت ہو۔ اور وہ اس کا مستحق ہو اسے دے۔ کیونکہ دینی اور دنیوی کاموں میں اسی واسطے خلل پیدا ہوتا ہے۔ کہ کام یا عہدے نالائقوں اور غیر مستحقوں کو دئے جاتے ہیں۔ بلکہ ان کو دئے جاتے ہیں۔ جن سے کوئی خدمت ظاہر ہوئی ہو۔ یا سفارش لائے ہوں۔ ایسی صورت میں رشوت یا ملازمت کی وجہ سے لائق اور نالائق کو نہیں دیکھا جاتا۔ اور جن میں دینی یا دنیاوی کام سرانجام دینے کی لیاقت ہے۔ تو دین کی عزت اور پائداری وضع کی وجہ سے اس بات کو پسند نہیں کرتے۔ کہ بادشاہ کی بارگاہ میں آئیں۔ اور ہر لائق و نالائق کی خدمت بجا لائیں۔ یا خدمت کرائیں۔ اس واسطے کام اور عہدے مستحقوں سے خالی رہتے ہیں۔ اور اہل روزگار کو اسکی ہمت نہیں ہوتی۔ کہ ہر کام کے مستحق کو طلب کرے۔ بہت سے دینی منصب اسی وجہ سے نالائقوں کو ملے۔ جن سے فساد برپا ہوا۔ اگر مستحقوں کو عہدے نہ ملیں۔ تو یہ وزیروں۔ حاجبوں اور نائبوں کا قصور ہے۔ کیونکہ وہ احوال کی تفتیش نہیں کرتے۔ اور اہل فضل و ہنر اور دیانتداروں کی جستجو نہیں کرتے۔ ہنرمندوں کو گوشوں میں چھوڑ نالائقوں کو طمع فاسد سے عہدے دے دیتے ہیں ؛

چوتھی خصلت تحمل ہے۔ یہ ضروری ہے۔ کہ وزیر خیمے کے ستون کی طرح سلطنت رعیت اور لشکر کا بوجھ اُٹھائے۔ اور رعایا کو رحمت اور شفقت کی نگاہ سے دیکھے۔ اگر ان سے ایسے چھوٹے چھوٹے قصور جو اُسکی ذات سے تعلق رکھتے ہوں۔ صادر ہوں۔ تو ان کو معاف کرے۔ اور درگذر کرے۔ اور حلم اور تحمل کرے۔ مگر ہاں جس سے خلل کا اندیشہ ہو۔ ان کا قرار واقعی تدارک کرے۔ اور ملول طبع نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ایسا ہونے سے ملک اور رعیت کے کام میں خلل واقع ہوتا ہے۔ چاہیئے۔ کہ ملک اور رعیت۔ دوست اور دشمن۔ اور دوسرے ملکوں اور ان کے بادشاہوں کے احوال سے باخبر ہو۔ تاکہ جو دینی یا دنیاوی خلل پڑنے کا اندیشہ ہو۔ اس کا قبل از وقت تدارک کر سکے۔ کیونکہ جب کوئی واقعہ یا حادثہ آن پڑتا ہے۔ تو اس وقت اس کا تدارک ذرا مشکل سے ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ دین اور اہل دین

کے کاموں کی تربیت اور رائج کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ کیونکہ دونوں جہان کی سعادت اس میں پائی جاتی ہے۔ اور اہلِ ظلم وفسق کی ہمیشہ گوشمالی کرتا رہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے دین کی صلاح ہوتی ہے۔ اور اس بات پر یقین کرے۔ کہ جن خصلتوں کا بیان اوپر ہو چکا ہے۔ اگر ان کے ساتھ رعایا اور بادشاہ سے زندگی بسر کریگا۔ اور تمام احوال میں نیک نیتی کو کام میں لائیگا۔ اور یہ خیال کریگا۔ کہ بادشاہ اور رعیت کی یہ ساری خدمت اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر ہے۔ اور میں اس بات کی کوشش کرتا ہوں۔ کہ اس کے بندوں کی مصلحت کو ملحوظ رکھوں۔ اور نیز اس بات کی کہ کسی مومن کے دِل کو آرام اور راحت دوں۔ اور یہ کہ مظلوم سے شر کو رفع کروں۔ اور ظالم کو ظلم سے باز رکھوں۔ اور اس سے قربِ حق ڈھونڈوں۔ جیساکہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "انصر اخاك ظالماً او مظلوماً قیل یا رسول اللہ انصرہ مظلوماً فکیف انصرہ ظالماً فقال ان تمنعہ من الظلم فذالك نصرك ایاہ" (تو اپنے بھائی کی مدد کر۔ خواہ وہ مظلوم ہو۔ خواہ ظالم۔ لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مظلوم کی تو مدد ہو سکتی ہے۔ ظالم کی کس طرح ہو سکتی ہے۔ آنجنابؐ نے فرمایا۔ کہ اگر تو ظالم کو ظلم سے منع کرے تو یہی تیری مدد ہے) اور چاہتا ہوں۔ کہ حتے الوسع اہلِ دین اور دنیا دونوں کی تربیت اور تقویت کروں۔ تو ایسی صورت میں جو حرکت۔ کوشش۔ صبر۔ راستی۔ سکون۔ ثبات۔ حلم۔ تحمل۔ امر۔ نہی۔ عدل۔ انصاف۔ خدمت۔ تواضع۔ رنج۔ مشقت۔ لین دین۔ آمدنی۔ خرچ۔ اور کہنا سننا۔ دوست و دشمن۔ خاص و عام اور بادشاہ اور رعیت سے کریگا۔ وہ راہِ حق کے سلوک میں اسکے لئے بمنزلہ قدم کے ہوگا۔ جس سے اسے ایک خاص قرب۔ بلندی۔ اور درجہ حاصل ہوگا۔ لیکن اس میں ضروری شرط یہ ہے۔ کہ حرص کی مطابعت نفس کی رعونت۔ خواجگی کی نخوت اور تکبر۔ نعمت کے غرور۔ حکومت کی بو۔ ریاکاری اور النسانی لاف زنی اور تکلیف کی آلائشوں سے محفوظ اور پاک ہو۔ تاکہ اللہ تعالےٰ اسے قبول کرے۔ کہ "ان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب" (اللہ تعالےٰ خود طیب ہے۔ اور طیب کے سوا کسی کو قبول نہیں کرتا)۔ اور اسی طرح اگر دوسرے حکام اور نائب اور اہلِ قلم اپنے اپنے کام میں دیانت اور امانت استعمال کریں۔ اور اپنے تئیں اپنے اپنے مرتبے کے موافق مندرجہ بالا خصلتوں سے آراستہ کریں۔ اور حق کے پہلو کو

ملحوظ رکھیں۔ اور رعایا کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کریں۔ تو وہ درجات اور قرب الٰہی کے مستحق ہو جائینگے۔ اور وزیر اور ان لوگوں کے لئے بھی ورد اور وقت مقرر ہوتے ہیں۔ مثلاً کچھ رات رہی اٹھ کر مع ان شرائط کے جو فصل ذکر میں مذکور ہو چکی ہیں یادِ الٰہی میں مشغول ہونا اور صبح اور دیگر کی نماز کے بعد کچھ دیر ذکر کرنا۔ اور قرآن کی تلاوت کرنا۔ تاکہ وہ بھی ان لوگوں میں سے ہو جائیں جن کی اللہ تعالیٰ تعریف کرتا ہے۔ "ویدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجہ" (صبح شام اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اسی کے چہرے (دیدار) کی خواہش رکھتے ہیں) اگر دن کے وقت لاالٰہ الا اللہ کے ذکر میں زبان اُٹھتے بیٹھتے۔ چلتے۔ پھرتے مشغول رہ سکے۔ تو اور بھی بہتر ہے۔ پھر اس کا وہی مرتبہ ہو جائیگا جس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "الذین یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً و علی جنوبھم" (وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو اُٹھتے، بیٹھتے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں) الحمد للہ رب العالمین وصلے اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ الطیبین الطاہرین ٭

فصل ۴

{قاضی۔ مفتی اور ذاکروں کے سلوک کے بیان میں}

اللہ تعالیٰ جلشانہٗ نے فرمایا ہے۔ "والذین اوتوا العلم درجات" (وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے۔ گو یا درجے عطا ہوئے ہیں)۔ اور نیز فرمایا ہے۔ "انما یخشی اللہ عبادہ العلماء" (اللہ تعالیٰ کے عالم بندے اس سے ڈرتے ہیں) اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "العلماء ورثۃ الانبیاء ولم نورثوا دیناراً ولا درھم ولکنھم ورثوا العلم فمن اخذ بہ اخذ بحظ وافر" (عالم نبیوں کے وارث ہوتے ہیں۔ انہیں درم و دینار ورثے میں نہیں ملتے بلکہ علم ملتا ہے۔ سو جو شخص اسے لے لیتا ہے۔ وہ کافی حصہ لے لیتا ہے) اور نیز فرماتے ہیں۔ "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" (میری اُمت کے عالم بنی اسرائیل کے نبیوں کے سے ہیں) ٭

واضح رہے۔ کہ علم اللہ تعالیٰ کی معرفت۔ قرب اور صفت کا سب سے شریف وسیلہ ہے۔ اور علم کے وسیلے اعلےٰ درجات کو پہنچ سکتے ہیں۔ کہ "الذین اوتوا العلم درجات" (جن کو علم دیا گیا ہے۔ اُن کو گویا درجے عطا کئے گئے ہیں) لیکن اس میں ضروری شرط یہ ہے

کہ علم کے ساتھ خوف خدا بھی ہو۔ کیونکہ تمام علموں کا اصل اصول خدا ترسی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ عالم اس شخص کو کہتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو۔ "انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" (بیشک اللہ تعالیٰ کے عالم بندے اسی سے ڈرتے ہیں) اور جس قدر علم زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اسی قدر خدا ترسی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ جیسا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "انا اعلمکم باللہ واخشیکم منہٗ" (میں تمہاری نسبت اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اور اس سے تمہاری نسبت زیادہ ڈرتا ہوں) ڈرنے کی علامت یہ ہے۔ کہ علم پر عمل کرے اور اسے آخرت کے درجات کا وسیلہ بنائے۔ نہ کہ دنیاوی مال و جاہ کے سمیٹنے اور حیوانی خواہشات کے پورا کرنے کا وسیلہ جو شخص علم پر عمل نہیں کرتا۔ بلکہ اسے مال و دولت جمع کرنے کا وسیلہ بناتا ہے۔ وہ درحقیقت عالم نہیں۔ بلکہ جاہل ہے۔ اللہ تعالیٰ انکو گدھے کے مشابہ فرماتا ہے۔ "مثل الذین حملوا التوریۃ ثم لم یحملوا ھا کمثل الحمار یحمل اسفارا" (وہ لوگ جو توریت کو اٹھائے پھرتے ہیں۔ اور اس پر عمل نہیں کرتے۔ ان کی مثال ایسی ہے۔ جیسے گدھا جو بوجھ اٹھاتا ہے) علم انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے۔ "وان الانبیاء لم تورثوا دینارا ولا درھما ولکنھم ورثوا العلم" (انبیاء علیہم السلام کو ورثے میں درم و دینار نہیں ملتے۔ بلکہ ان کو ورثہ میں علم ملتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے بطور ورثہ دو طرح کا علم چھوڑا۔ ایک علم ظاہری دوسرا باطنی۔ علم ظاہری تو وہ علم ہے۔ جو صحابہ کرام کو آنحضرت صلعم کے اقوال و افعال سے حاصل ہوا۔ اور اسی پر تابعین اور تبع تابعین نے سلسلہ بسلسلہ عمل کیا۔ اور اسے سیکھا۔ اور وہ علم کتاب۔ علم سنت۔ علم تفسیر۔ علم اخبار۔ علم آثار۔ علم فقہ اور جو انکے متعلق ہے۔ اور علم باطنی احوال کی معرفت اور معانی کا وہ علم ہے۔ جو جبرائیل علیہ السلام کے وسیلے بغیر غیب الغیب سے مقام او ادنیٰ میں بحالت لی مع اللہ وقت حضرت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا۔ کہ "فاوحی الی عبدہٖ ما اوحی" اور نبوت کی ولایت کے بھرے ہوئے پیالوں سے ایک گھونٹ علم طلب کے جگر سوختوں کی جان میں صحابہ کرام کے ہاتھ سے گرایا۔ کہ "ما صب اللہ فی صدری شیئا الا وصببتہ فی صدر ابی بکر" (جو چیز اللہ تعالیٰ نے میرے سینے سے گرائی۔ (جو علم مجھے عطا ہوا) وہی میں نے ابوبکرؓ کے سینے میں گرا دی) جس طرح علم ظاہری کی کئی مختلف قسمیں ہیں۔ اسی طرح علم باطنی بھی مختلف قسم کا ہے۔ جیسے علم ایمان۔

علم احسان - علم ایقان - علم عیان - علم توبہ - علم زہد - علم ورع - علم تقویٰ - علم اخلاص - علم معرفت نفس - علم صفات و اوقات نفس - علم معرفت دل - علم احوال و اطوار دل - علم تزکیت و تربیت نفس - علم تصفیہ و پرورش دل - علم معرفت سر و خاصیت اس - علم معرفت روح - علم تربیت و تجلیت روح - علم معرفت خفی اور اسکے فوائد - علم فرق میان خواطر نفسانی - شیطانی - عقلی - دلی - ایمانی - ملکی - روحانی - اور رحمانی - علم فرق میان اشارت - الہام - خطاب - ندا - یافت - وحی اور کلام حق - علم تہذیب اخلاق - علم تبدیل صفات - علم تخلق باخلاق اللہ - علم مشاہدت اور اس کی قسمیں - علم مکاشفات اور ان کا باہمی فرق - علم توحید اور اسکے مقامات - علم اسماء و صفات حق - علم صفات جمال - علم صفات جلال - علم صفات ذات - علم صفات افعال - علم صفات معانی - علم تجلی صفات علم تجلی ذات - علم مقامات - علم احوال - علم قرب و بعد - علم فنا - علم بقا - علم سکر - علم صحو - علم معرفت اور اسکے اقسام - علم فنا ر الفنا ر - علم بقار البقار - اور علم وصول ان کے علاوہ علم غیبی - اور لدنی کے اقسام جن کا بیان باعث تطویل ہے - اور انکی شرح ازل و ابد کے صحیفے ہیں بھی سما نہیں سکتی - اور لوح محفوظ کو انکی شرح کی تاب نہیں - ان علوم کو ام الکتاب سے مطالعہ کرنا چاہیئے - جہاں پر لکھا ہے " وعندہ ام الکتاب " اور یہ سارے علوم وہ ہیں - جو " علم آدم الاسماء " کے معلم نے محقق عاشقوں اور مدقق سالکوں کو ارواح کے آئینے کے وسیلے ام الکتاب کے عکس کو قبول کرنے کی طاقت اور رب الارباب کی صفات کی تجلی عنایت فرمائی ہے ؎

چوں ندیدی گہے سلیمانرا ۔۔۔ تو چہ دانی زبان مرغانرا

لیکن وہ لوگ جو اس سعادت سے محروم ہیں - اور چند ایک الف لام پر جو انہوں نے سیکھ لیا ہے مغرور ہیں - جب ان علم کی کوئی رمز سن لیتے ہیں - تو انکار کر دیتے ہیں - جیسا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے - " ان من العلوم کھیئۃ المکنون لا یعلمھا الا العلماء باللہ فاذا نطقوا بھا لا ینکرہ الا اھل الغرۃ باللہ " (علوم چھپے خزانوں کی طرح ہیں جنہیں عالم باللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا - اور جب عالم ان کا ذکر کرتے ہیں - تو جاہل ان سے منکر ہوتے ہیں) اسی واسطے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے :- حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعائین من العلم اما احدھما فقد تثبت

واما الآخر لو بثثته تقطع هذا البلعوم" (میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو دعائیں علم کے بارے میں یاد کیں۔ ان میں سے ایک کو تو میں نے ظاہر کر دیا۔ اگر دوسری کو ظاہر کرتا۔ تو بے شک انتڑیاں پھٹ جاتیں +

علماء تین قسم کے ہیں۔ ایک عالم علم ظاہر۔ دوم عالم علم باطن۔ سوم عالم ظاہر و باطن تیسری قسم شاذ و نادر ہوتی ہے۔ سارے جہان میں کوئی ایک آدھ پایا جاتا ہے۔ اگر کسی زمانے میں ایسا عالم ہو۔ تو اسکی برکت شرق سے لیکر غرب تک پہنچتی ہے۔ اور وہ قطب وقت ہوتا ہے۔ اور اہل جہان اسکی دعا و دولت کے زیر سایہ ہوتے ہیں۔ اور وہ ان عالموں سے ہوتا ہے جن کی نسبت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے فخر یہ فرمایا ہے۔ "علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل" (میری اُمت کے عالم بنی اسرائیل کے نبیوں کا سا مرتبہ رکھتے ہیں) انہوں ہی نے علم ظاہری و باطنی کی ورثہ حاصل کی ہے۔ کہ "العلماء ورثة الانبیاء" (عالم انبیاء کے وارث ہوتے ہیں) +

ظاہری علماء کی تین قسمیں ہیں۔ مفتی۔ مذکر۔ قاضی۔ مفتی جو فتوے دیں۔ انکے بھی دو گروہ ہیں۔ ایک وہ جو دل اور زبان دونوں کے عالم ہیں۔ اور ان کے دلوں میں خوفِ خدا ہے۔ اور عالم باعمل ہیں۔ اور فتوے دیتے ہوئے تقوے کا خیال کرتے ہیں۔ اور علم کو سیکھنا یا سکھانا نجات اور درجات کی خاطر کرتے ہیں۔ اور دُنیاوی زر و مال کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور قناعت کئے بیٹھے ہیں۔ اور امن و امان سے گذران کر رہے ہیں۔ یہ خاص بندے ہیں۔ کہ "انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء"۔ دوسرے وہ جو عالم زبان ہیں لیکن دل کے جاہل ہوتے ہیں۔ اُن کے دل میں اللہ تعالیٰ کا نہ خوف ہوتا ہے۔ اور نہ حیا۔ اور یہ مردگی کی علامت ہے۔ اور اسکی نیت علم کے حاصل کرنے یا سکھانے میں ثواب آخرت اور قرب حق حاصل کرنے کی نہیں ہوتی۔ بلکہ قبولیت خلق اور مال و دولت جمع کرنے کی ہوتی ہے۔ اسی واسطے خواہش اس پر غالب آجاتی ہے۔ اور اس کا علم بمنزلہ تلوار ہو جاتا ہے۔ اور خواہش کے مُطابق کام کرتا ہے۔ اور علمائے دین اور مفتیوں پر حسد کرتا ہے۔ اور اُن کی عیب جوئی کرتا ہے۔ اور ان پر بہتان لگاتا ہے۔ اور بحث اور حجت کرنے لگتا ہے۔ اور تکلیف دینے لگتا ہے۔ اور بادلیل بات نہیں کرتا۔ سچ کو نہیں مانتا۔ اور چاہتا ہے۔ کہ اپنی لسانی سے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کر دکھائے۔ اور اسے اس بات کی دھن رہتی

ہے۔ کہ کسی طرح حریف پر غالب آئے۔ اور اپنے فضل و ہنر کو ظاہر کرے۔ اسے دینی فوائد اور اظہار حق کا خیال تک نہیں ہوتا۔ ایسا شخص ان میں سے ہے جن کی نسبت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "اتقوا کل منافق علیم اللسان یقول ما یعرفون ویفعل ما ینکرون" (ہر ایک زبان آور منافق سے ڈرو۔ کیونکہ پسندیدہ باتیں کہتا ہے اور منکرات کو کرتا ہے) اور درحقیقت جو تباہی اور خرابی دین میں ایسے اشخاص کی وجہ سے آئی ہے یا آتی ہے۔ وہ کسی اور چیز سے نہیں آتی۔ جیسا کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "ما قطع ظہری فی الاسلام وحید ان عالم فاجر وناسک مبتدع فالعالم الناس یرغب الناس فی بدعتہ لی یرون من نسکہ" "اسلام میں میری کمر بدکار عالم اور بدعتی عابد نے توڑی ہے۔ کیونکہ عالم لوگوں کو نئی نئی باتیں سکھاتا اور عابد دکھلاوے کے لئے عبادت کرتا ہے +

اس واسطے مجبوراً بُرے علما۔ ریاکار۔ زاہدوں۔ اور گدائی درویشوں کی شامت اعمال کی وجہ سے جو لالچ کی وجہ سے دین کو دنیا کے بدلے بیچتے ہیں۔ اور بڑی خواری سے بادشاہوں کی بارگاہوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ اور حق جتانے کی خاطر امیروں اور دولتمندوں کے دروازوں پر جاتے ہیں۔ اور بڑی ذلت سے ان کی خدمت بجالاتے ہیں۔ اور ان کی تعریف اور فضیلت بیان کرتے ہیں۔ اور نفاق سے جو اوصاف ان میں نہیں بھی پائے جاتے انہیں بھی انہیں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور امیروں کے سچے خیر خواہ ہونے کا دم بھرتے ہیں۔ اور فاسد طمع کی وجہ سے امر معروف اور نہی منکر کی بجا آوری میں سستی کرتے ہیں۔ تاکہ ان سے کوئی کام نکل آئے یا کچھ پیسے مل جائیں۔ یا دوسروں کو رشوت دیکر کوئی عہدہ یا کام حاصل کریں۔ امراء۔ خواجگان اور لشکریوں کے اعتقاد اور بادشاہوں کی ارادت کم ہو جاتی ہے۔ اور پھر وہ خیال کرنے لگتے ہیں۔ کہ زمانہ بھر کے علماء اور مشائخ میں بھی یہی بُری خصلتیں کمینگی اور کم ہمتی کی پائی جاتی ہیں۔ اور اسی وجہ سے اولیاء اللہ اور اسکے خاص بندوں کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں۔ اور ان سے بالکل منکر ہو جاتے ہیں۔ اور ایسا کرنے سے وہ ان کی صحبت بابرکت اور فوائد خدمت سے محروم رہتے ہیں۔ اور ان کی ولایت کے پرتو اور انکے علم کے نور سے بے نصیب رہ جاتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے۔ کہ جس عالم کی غرض علم سے صرف

دنیاوی فائدے حاصل کرنا ہو۔ اسکو علم ثواب میں بھی صرف دنیاوی مال و دولت ملتا ہے۔ اور اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ملتا۔ اور قیامت کے روز سب سے پہلے دوزخ کا ایندھن بنیگا۔ فائدہ نہ پہنچانے والے علم سے توبہ بھلی جیساکہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ " اللھمانی اعوذ بک من علم لا ینفع " (اے پروردگار ایسے علم کی بابت جو فائدہ نہ پہنچائے تیری پناہ مانگتا ہوں) نہ فائدہ پہنچانے والا علم دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک علم بے عمل۔ خواہ وہ علم شریعت ہی کیوں نہ ہو۔ جب تک اس پر عمل نہیں کیا جائیگا اس سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہو گا۔ خواہ وہ فی نفسہ نافع ہو۔ دوسرے علم نجوم۔ رمل اور علوم فلسفہ جنہیں حکمت کہتے ہیں۔ اور بعض اسے علم کلام یا علم اصول کہتے ہیں۔ تاکہ اس علم سے صرف اس کا نیک نام رکھ کر بیچاری خلقت کو کفر اور گمراہی میں ڈال دیں۔ اس قسم کا علم فی نفسہ نہ صرف بے فائدہ ہے۔ بلکہ اُلٹا گمراہی۔ تباہی۔ اور اغوا کا باعث ہے۔ اور بہت سے اسی کی وجہ سے دین کی سیدھی راہ سے منحرف ہو گئے ہیں صرف اس خیال سے کہ ہم تو علم معرفت اور حقیقت حاصل کرتے ہیں۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہ ہوا۔ کہ معرفت حق۔ قرأت اور روایت سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ تو محبوب حق جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی روش کی متابعت سے حاصل ہوتی ہے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ " وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذالکم وصیکم بہ لعلکم تتقون " (یہی میری سیدھی راہ ہے پس تم اسی پر چلو۔ اور دوسرے رستوں پر نہ پڑ لینا۔ کہ یہ تم کو خدا کے رستے سے بھٹکا کر تتر بتر کر دینگے۔ غرض یہ سب وہ باتیں ہیں۔ جن کا خدا نے تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ) + رباعی

گفتی کہ بوقت مجلس افروختن ... آیا کہ چہ نکتہا است بر دوختن
اے بے خبر از سوختہ و سوختن ... عشق آمدنی بود نہ آموختن

پس مفتی کے لئے متقی ہونا ضروری شرط ہے۔ تاکہ علوم اور اُن کی آفات سے کنارہ کشی کرے۔ اور علم شریعت کے سیکھنے اور سکھانے میں نیت صاف رکھے۔ اور جو فتوےٰ دے یا جو سبق پڑھا۔ یا جو مناظرہ کرے۔ اس میں آخرت کے ثواب اور قربت حق کو مد نظر رکھے۔ اور علم کو پھیلائے۔ حق بات کو ظاہر کرے۔ شرع اور دین کو تقویت دے۔ اور نفس

علم کی رعونتوں سے پاک صاف رکھے۔ اور حرص اور طمع کی آلایشوں سے پاک کرے کیونکہ کیونکہ اکثر عالم حرص و طمع کی وجہ سے ذلیل ہوتے ہیں۔ رباعی

آلودہ شد بحرص و مجان عالماں | ویں خواری او گزاف یدنشیاں بجے رسد
دردا و حسرتا کہ بپایاں رسید عمر | واں مردہم بجے بپایاں نے رسد

جب فتوے دینے کی قابلیت اس میں ہو۔ تو فتوے دیتے ہوئے بڑی احتیاط کرے۔ تاکہ نفس کی رغبت اور کسی غرض یا امید سے فتوے نہ دے۔ اور اگر کوئی وقف اس کے ماتحت ہو تو بجا طور پر اس کا استعمال کرے۔ اور بیجا استعمال سے بچتا رہے۔ اور حق سے زیادہ نہ کرے۔ تاکہ لقمہ حرام میں نہ جا پڑے۔ کیونکہ جب مشتبہ لقمہ کھائیگا۔ تو اس کی تاثیر سے حرص۔ شہوت حسد اور ریا بُری صفات پیدا ہونگی۔ اور ایسا ہونیسے اُسکی ساری عمر کی کمائی خاک میں ملجائیگی۔ اور بدعتوں سے بالکل الگ رہے۔ سنت اور متابعت کے طریق پر چلے اور صالحین سلف کی خصلت اور اعتقاد کے موافق چلن رکھے۔ اور اہل سنت وجماعت کا مذہب رکھے۔ اور اپنے اوقات کے لئے کوئی نہ کوئی وظیفہ مقرر کرے۔ تاکہ اپنی عمر کا کوئی حصہ لغو اور بے حاصل امور میں صرف نہ کرے۔ علی الصباح جب صبح کی نماز ادا کرے۔ تو سورج نکلنے تک ذکر اور قرآنی تلاوت میں مشغول ہووے۔ اور پھر دو رکعت نماز ادا کرکے درس و تدریس میں مشغول ہوجائے۔ تو دس بجے تک اس کام سے فارغ ہوجائے۔ تو پھر چاشت کی نماز ادا کرے۔ دو رکعت سے لیکر بارہ رکعت تک جتنی ہوسکے ادا کرے اس کے بعد اپنی روزی۔ نفس کے ضروری حقوق اور اُسکی آسائش کے امور میں مشغول ہووے یہاں تک کہ عصر کی نماز کے بعد پھر دوبارہ ذکر یا تلاوت قرآنی میں مشغول ہوئے۔ تاکہ "واذکر اسم ربك بكرة و اصيلا" (صبح شام اپنے پروردگار کو یاد کر) پر اس کا عملدرآمد ہوجائے۔ کیونکہ ایسا کرنے میں نیکی اور برکت زیادہ ہے۔ اور ان دو وقتوں کو ذکر سے خصوصیت حاصل ہے۔ اور جب شام کی نماز ادا کرچکے۔ تو دونوں عشاؤں کے مابین جاگ سکے اور قرأت اور دردوں میں مشغول رہے۔ تو بہت ہی نیک بختی کی بات ہے۔ جب عشاء کی نماز ادا کرچکے۔ تو کسی سے بات نہ کرے۔ کیونکہ ایسا کرنا سنت ہے مگر ہاں اگر دینی معاملہ کے لئے گفتگو کی ضرورت پڑے۔ تو جائز ہے۔ پھر مطالعہ یا تکرار میں مشغول ہووے۔ یہاں تک کہ رات کا چوتھائی حصہ گذر جائے۔ بعد ازاں ایک

گھڑی رو بقبلہ بیٹھے۔ اور سخت ذکر کرے۔ اور جب نیند غلبہ کرے۔ تو دلِ جمعی سے ذکر کرتا ہُوا دائیں کروٹ لیٹ جائے۔ اور چہرہ قبلے کی طرف رکھے۔ اور دل اور زبان سے یہ دعا پڑھے۔ جو سُنت نبوی ہے۔ "اللھم اسلمت نفسی الیک ووجھت وجھی الیک والجات ظھری الیک رغبۃ ورھبۃ ولاملجاولامنجا منک الا الیک امنت بکتابک الذی انزلت ونبیک الذی ارسلت" (اے خداوند میں اپنے نفس کو تیرے حوالے کرتا ہوں۔ اور تیری طرف رُخ کرتا ہوں۔ اور از روئے رغبت اور خوف تجھے اپنی پشت پناہ بناتا ہوں۔ تیرے ہاتھوں تیرے سوا میرا کوئی ٹھکانا اور جائے پناہ نہیں۔ تیری اُتاری ہوئی کتاب اور بھیجے ہُوئے نبی پر ایمان لایا)

پس دل اور زبان سے ذکر کرتا ہوا دُوسری مرتبہ سو جائے۔ اور نیز مروی ہے۔ کہ جو شخص باوضو ذکر کرتا ہوا سو جائے۔ تو اُس کی رُوح کو عرش کے نیچے لیجایا جاتا ہے تاکہ وہاں پر طاعت میں مشغول ہووے۔ ایسی حالت میں جو خواب دیکھیگا۔ عین سچ ہوگا۔ اور جب عالم سوتا ہے۔ تو "نوم العلماء عبادۃ" (عالموں کا سو رہنا بھی عبادت میں داخل ہے) اس پر صادق آتا ہے۔ پھر اس بات کی کوشش کرے۔ کہ رات کے آخری نصف حصے میں جاگ کر تہجد کی نماز جو سنت نبوی ہے ادا کرے۔ یہ نماز مع وتر تیرہ رکعت ہے۔ دس رکعتیں ایک سلام سے اور تین رکعت وتر ایک سلام سے ادا کرے۔ رات کی نماز میں قرأت جسقدر طویل ہو۔ اسی قدر بہتر ہے۔ اگر چاہے تو یہ نماز ادا کرنے کے بعد پھر سو جائے۔ پھر صبح اُٹھ کر وضو کرے۔ اور ذکر میں مشغول ہو جائے۔ اور نفس کو کسی نہ کسی قسم کے مجاہدے سے کسی وقت بھی خالی نہ چھوڑے۔ اور اس کی خواہشات میں کسی طرح سے بھی مشغول نہ ہووے۔ ہمیشہ نفس کا دشمن بنا رہے اور دل کو طلب کرتا رہے۔ اور جو کچھ ہم نے تزکیہ نفس، تصفیہ دل اور تجلیہ رُوح کے بارے میں لکھا ہے۔ اس پر حتی الوسع کاربند رہے۔ ممکن ہے۔ کہ آہستہ آہستہ اُس کے دِل کی راہ عالم غیب کی طرف کھُل جائے۔ اور بعض حقایق اسے دکھائی دینے لگیں اور اسرار کا کشف ہونے لگے۔ تاکہ اس بات سے وہ محروم نہ رہجائے۔ اور عمر بے فائدہ برباد نہ کرے ؎

درره دیں اگرچہ آں نکنی — دست وپائے بزن زیاں نکنی

رہے مذکر۔ سو وہ بھی تین قسم کے ہیں۔ ایک فصال جنہیں ہم نے قصاص کہا ہے
دوسرے ۔تیسرے مذکر حقیقی۔ فصال وہ ہیں۔ جنہوں نے علوم دینی کی چند ایک مصنع
ومسجع باتیں یاد کرلی ہوں۔ جن سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ بعض انبیاء علیہم السلام کے
قصے اور مشائخ علیہم الرحمۃ کی حکائتیں کبھی تو رنگین عبارت میں ادا کرتے ہیں۔ اور کبھی کسی
آیت کی تفسیر کرکے حفظ کرتے ہیں۔ اور ان کو خوب رٹ لیتے ہیں۔ اور بعض مناجات
جمع کرکے پڑھتے ہیں۔ اور سوال وجواب کے طور پر اشعار پڑھتے ہیں۔ اور اسی قسم کی تصنیفات
جو فصالوں کے پاس ہوتی ہیں۔ جمع کرکے عوام کے پاس خوب خوش الحانی اور شدّ ومد
سے پڑھتے ہیں۔ عام لوگ بیچارے یہی سمجھتے ہیں۔ کہ یہ انہیں کی تصنیف کردہ ہیں
اور کبھی لوگ ان کو انہیں کی تصنیف بتاتے ہیں۔ جس سے وہ غرور میں آجاتے ہیں۔
اس گروہ کی غرض بھی یہی ہوتی ہے۔ کہ قبولیت عامہ پاکر دنیاوی مقصود حاصل کریں۔
اس مطلب کو حاصل کرنے کے لئے سینکڑوں طرح کی بناوٹیں۔ مکر۔ خوشامدیں۔ اور
تعجب انگیز باتیں کرتے ہیں۔ اور منبر پر چڑھ کر بادشاہوں۔ حاکموں۔ امیروں اور وزیروں
بڑے بڑے آدمیوں۔ عہدہ داروں۔ قاضیوں۔ درسیوں۔ ظالموں اور فاسقوں
کی مدح کرتے ہیں۔ اور عام کی طبیعتوں کی من بھاتی کہانیاں سناتے ہیں۔ اور جھوٹی
کہانیاں اور روائتیں جمع کرکے پیغمبر علیہ السلام کے پڑوسیوں پر اس قسم کی باتیں محض
چند ایک درہم حاصل کرنے کے لئے منبر پر چڑھ کر بھیک مانگتے ہیں۔ جن سے چند ایک
درم حلال اور حرام کے انہیں ملجاتے ہیں۔ اور وہ درم زیادہ تر زکوٰۃ کے ہوتے ہیں۔
جو ان کے لئے جائز نہیں۔ کیونکہ وہ خوب صاحب زکوٰۃ ہوتے ہیں۔ مختصر یہ کہ آجکل
اس قسم کے لوگ بہت سے ہیں۔ جو جہان میں پھر کر خلقت کو بدعت اور گمراہی میں
ڈالتے ہیں۔ اور بری اُمید سے گناہوں پر دلیر کرتے ہیں۔ اور تعصب لاتے ہیں۔
اب وہ وقت آنے والا ہے۔ کہ دنیا میں بڑا بھاری فساد پیدا ہو جائے۔ اور ناحق
خونریزیاں ہوں۔ اور یہ لوگ ہیں۔ کہ اہل علم کی عزت کو بٹہ لگاتے پھرتے ہیں۔ اور
لوگوں کی ارادت میں فرق ڈالتے ہیں۔ اور علم کی وقعت لوگوں کے دلوں سے دور کرتے
ہیں۔ ایسے لوگ ان علماء میں سے ہیں۔ جو زبان کے تو عالم ہیں۔ مگر دل کے جاہل
ہیں۔ یہ سب دوزخ کا ایندھن بنینگے۔ واللہ اعلم +

دوسرے واعظ۔ جو متقی امام ہیں۔ اور دینی علوم سے آراستہ ہیں۔ اور بات صرف اللہ تعالیٰ کی رضا۔ آخرت کے ثواب اور درجات کے حاصل کرنے کی خاطر کہتے ہیں۔ اور بدعت اور گمراہی سے دور رہتے ہیں۔ رعونت کے پاس تک نہیں پھٹکتے۔ اور سجع و مضوع سے پرہیز کرتے ہیں۔ بلکہ سنت کے اور سیرت سلف صالح کے مطابق نص اخبار۔ آثار۔ اور مشائخ اور صلحاء کی سیرت کی بابت بیان کرتے ہیں۔ اور خلقت کو بغیر کسی طمع کے "ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ" (اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور نیک نصیحت سے بلا) کے بموجب وعظ نصیحت۔ اور حکمت سے اللہ تعالیٰ۔ اسکی راہ۔ سنت نبوی۔ شرعی طریقہ۔ زہد۔ ورع۔ توبہ۔ بازگشت اور پرہیزگاری بتلاتے ہیں۔ لوگوں کو بُری اُمیدیں دلاکر دلیر نہیں کرتے۔ اور نہ ہی زیادہ خوف دلاکر بخشش حق سے نا اُمید کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ایسا کرنا بھی بُرا ہے۔ طریقہ الٰہی کے موافق وعدہ اور وعید دونوں کو گفتگو میں استعمال کرتے ہیں۔ ابتداء میں دِلی خلوص کی بابت کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ دنیاوی تعلقات سے اس میں کھوٹ نہ پیدا ہو جائے۔ کیونکہ سچی بات اسی وقت کہہ سکتے ہیں اور سُن سکتے ہیں۔ جبکہ دِل کسی منشاء سے خالی ہو۔ بزرگوں نے کہا ہے۔ کہ "الکلام اذا خرج من قلب وقع علی القلب" (جب کلام دِل سے نکلتا ہے۔ تو اس کا اثر دل پر پڑتا ہے) جو بات نفسانی غرض سے آلودہ نہ ہوگی۔ وہ کسی دِل پر اثر نہیں کریگی۔ بعض وقت ایسا ہوتا ہے۔ کہ کانوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ اور طبیعتیں اُسے قبول کرتی ہیں۔ لیکن صاحبدل لوگ اسے قبول نہیں کرتے۔ اور روایت میں آیا ہے۔ "اوحی اللہ الی داؤد علیہ السلام یا داؤد لا یسالن عن عالم قد استکرتہ حب الدنیا فاولئک قطاع الطریق علی عبادی" (اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی۔ کہ اے داؤد ایسے عالم سے کچھ نہ پوچھ جس پر دنیا کی محبت غالب ہو۔ کیونکہ ایسے لوگ میرے بندوں کے لئے بمنزلہ رہزن اور لٹیروں کے ہیں) اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پیغمبر علیہ السلام والصلوٰۃ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "علماء ھذہ الامۃ رجلان فرجل اتاہ اللہ علما فبذلہ للناس ولم یاخذ علیہ طمعا ولم یشتر بہ ثمنا فذالک یصلی علیہ طیر السماء وحیتان الماء ودواب الارض وکرام الکاتبین یقدم علی اللہ یوم القیامۃ سیدا شریفا حتی یرافق المرسلین و

رجلا اتاہ اللہ علمًا فی الدین یضن بہ عن عباد اللہ واخذ علیہ طمعًا واشتریٰ بہ ثمنًا یعذب حتیٰ یفرغ اللہ من عذاب الخلائق" (اس اُمت کے علماء دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم عطا کیا ہے۔ اور وہ اسے لوگوں کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اور اس میں نہ طمع کرتے ہیں۔ اور نہ اسکی قیمت لیتے ہیں۔ سو ایسے لوگوں پر آسمان پرندے۔ پانی کی مچھلیاں۔ زمین کے چوپائے اور کرام الکاتبین درود بھیجتے ہیں۔ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس سردار اور شریف اور معزز ہو کر آئینگے یہاں تک کہ رسولوں کے ہمراہ ہونگے۔ اور دوسرے وہ ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے ویسی علم عطاء کیا ہے۔ لیکن وہ اس میں لوگوں سے بخل کرتے ہیں۔ اور اس سے طمع پورا کرتے ہیں۔ اور اسکی قیمت لیتے ہیں۔ سو ایسے شخصوں کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک عذاب کریگا۔ کہ تمام خلقت کے عذابوں سے فارغ ہو جائیگا) *

اور قوت القلوب میں شیخ ابی طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ومن اغلظ ما سمعت فیمن ابتاع الدنیا بالعلم ما حدثونا عن عبید بن واقد عن عثمان بن ابی سلیمان قال کان رجل یخدم موسیٰ علیہ الصلوٰۃ یقول حدثنی موسیٰ علیہ السلام صفی اللہ حدثنی موسیٰ نجی اللہ حدثنی موسیٰ کلیم اللہ حتیٰ اثری واکثر مالہٗ وفقدہٗ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ فجعل یسئل عنہٗ اثرا حتیٰ جاء رجل ذات یوم وفی یدہٖ خنزیر وفی عنقہ حبل اسود فقال لہٗ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ یعرف فلانا فقال نعم فقال ھو ھذا الخنزیر وقال موسیٰ یارب اسئلك ان تردہ الی حالہ حتیٰ اسالہ مما اصابہٗ فاوحی اللہ الیہ لو دعوتنی بالذی دعانی اٰدم فمن دونہ ما اجبتك فیہ ولکن اخبرتك لم صنعت ھذا بہ لانہ کان یطلب الدنیا بالدین" (سب سے سخت بات جو میں نے اس شخص کے بارے میں سُنی جو علم بیچکر دنیا خریدتا ہو یہ ہے۔ کہ عبید بن واقد عثمان بن ابی سلیمان کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک آدمی جو موسیٰ علیہ السلام کی خدمت کیا کرتا تھا۔ مالدار ہو گیا۔ اور اس سبب سے اس نے موسیٰ علیہ السلام سے میل جول قطع کر لیا۔ جب وہ گم ہو گیا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کی بہتیری جستجو کی۔ لیکن نشان تک نہ پایا۔ ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ ایک شخص ایک سؤر لایا۔ جس کے گلے میں سیاہ رسی پڑی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص سے پوچھا کہ تجھے فلاں شخص کا

کچھ پتا معلوم ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں۔ یہ سؤر وہی شخص ہے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی۔ کہ پروردگار! اسے اپنی اصلی حالت پر لا۔ تاکہ میں اس سے اس صورت کی وجہ پوچھوں۔ بارگاہ الٰہی سے حکم ہوا۔ کہ اگر تو دعا کرے۔ جو آدم علیہ السلام نے کی تھی۔ یا اس کے علاوہ کوئی اور توبھی میں قبول نہیں کرتا۔ البتہ یہ بتائے دیتا ہوں۔ کہ کیوں میں نے اسے اس صورت میں بنا دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شخص دین کے بدلے دنیا دینا چاہتا تھا۔ تاکہ ان سب کو علمائے دین۔ حرص دنیا اور طلب دنیا کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ ہم نے اس قدر تھوڑا سا بطور اختصار بیان کیا ہے۔ جب واعظ دنیا طلب نہ ہو۔ اور ان شرائط اور آداب اور راہ کو جو متقی کے لئے بیان کئے گئے ہیں۔ بجا لائے۔ تو وہ ان اشخاص سے ہوگا۔ جن کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات" (اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں اور علم والوں کے درجات بلند کرتا ہے) اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس سے روایت میں ہے۔ کہ علماء کو سخیوں پر سات سو درجے اور پانسو سالہ راہ کے برابر فضیلت حاصل ہے۔ جو وعظ و نصیحت ایسا شخص کرے۔ اسکو ہر حرف اور کوشش کے بدلے درجہ اور قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور جو شخص اسکی وعظ و نصیحت سن کر ہدایت پائے اور توبہ کر کے طاعت میں مشغول ہو۔ اور دنیا سے روگردانی کر کے طلب حق کی طرف متوجہ ہو۔ تو وہ اور اس کے طالب اور ہر شخص جو ان سے نصیحت سنکر دینی امور میں مشغول ہوگا۔ جب تک جہان باقی ہے۔ سب کا ثواب اسکے نامۂ اعمال میں لکھا جائیگا۔ اور وہ ان عالموں میں سے ہوگا۔ جن کی بابت پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ عالم تو قبر میں سوئے پڑے ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا عمل اس علم کی برکت سے جس سے لوگوں کو فائدہ ہوا۔ ان کا عمل برابر جاری رہتا ہے +

تیسرا گروہ حقیقی مذکروں کا ہے۔ یہ بزرگ مشائخ ہوتے ہیں۔ جو علوم ظاہری اور باطنی دونوں سے آراستہ ہوتے ہیں۔ اور جنہوں نے عنایت حق کے جذبات سے راہ دین کو طے کیا ہوا ہوتا ہے اور عالم یقین کی سیر کی ہوئی ہوتی ہے۔ اور الطافِ خداوندی کے مکاشفات سے انہیں علوم لدنی حاصل ہوتے ہیں۔ اور انوار حق کی تجلی کے پرتو میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اسرار کے معانی ہو گئے ہیں۔ اور مقامات کے احوال اور راہِ حق کے سلوک کی ان کو کامل واقفیت ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے اور ان کی تربیت کے لئے مامور ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے پیشتر کچھ مدت وہ اپنے نفس کے واعظ ہوتے ہیں۔ کہ عظ نفسک فان

اتعظت فعظ الناس والا فاستحی من اللہ واذا واعظ اللہ فی قلب کل مومن" اپنے
نفس کو نصیحت کر۔ اگر تو نے اپنے تئیں نصیحت کر لی ہے۔ تو پھر لوگوں کو وعظ و نصیحت کر۔ نہیں تو
اللہ تعالیٰ سے شرم کر۔ اور جب تیری وعظ سے مومن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اثر ڈال دے۔
تو بار بار وعظ کر) اور جنہیں نفس کے مکر و حیلہ کی گھاتیں معلوم ہیں۔ اور جنہوں نے ہزار مرتبہ لاوبالی
حق کی آگ یقین اور اسکی صفات کے خرمن میں لگائی ہے۔ اور معرفت کے آب حیات کا چشمہ
پی گئے ہیں۔ اور اس کی انابت کی خاک عنایت کے جھونکے سے ہویت کی ہوا میں اڑادی
ہے۔ پس فرمانِ الٰہی کے مطابق لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے میں مشغول ہیں۔ اور خلقت
کو خرابات اور شہوات کی شراب اور غفلتوں کی مستی سے ان حظایرِ قدس۔ مجلس انس اور مقعد
صدق کی طرف بلاتے ہیں۔ جن کے رُوح کا تعلق قالب کی وحشت سرائے اور جسم کے
تاریک گھونسلے سے ہونیسے کئی ہزار سال پیشتر مجاور رہ چکے ہیں۔ اور جہاں پر تجلی جمال کے
جام میں "وسقہم ربہم شرابًا طہورا" (ان کو ان کے پروردگار نے پاکیزہ شراب پلائی)۔
کے ساقی سے شراب طہور شہود پی ہے۔ اور خزانہ کرم سے ملاطفت الٰہی کی پوشاکیں بغیر کسی
وسیلے کے پہنی ہیں۔ اور ان خاکی پنگورے والے بچوں اور ان بے وفا بدعہدوں کو جنہوں
نے غلامی کا بالا پہننے کی بجائے غفلت کی روئی کانوں میں دے رکھی ہے۔ اور یا مہربان
دوست اور پرانے اقرار کو بالکل فراموش کر بیٹھے ہیں۔ دوبارہ ولایت کے پستان سے وہی پیلا
دودھ پلاتے ہیں۔ اور پھر ان کی جان کے باغ میں تذکیر کے ہاتھ سے "وذکرھم بایام
اللہ" شوق اور محبت کا پودا لگاتے ہیں۔ حقیقی مذکر یہی ہیں۔ پروانہ صفت دیوانوں کی سلسلہ
جنبانی کرنی اور پروانوں کو شمع کے جمال سے جلال کی شمع تک پہنچانا انہیں کی خاصیت ہے
ہر ایک پرند کے لئے جدا جدا دانہ ہوتا ہے۔ ایسے لوگ ہر ایک قوم سے انکی عقل سمجھ اور
فہم کے مطابق شریعت۔ طریقت اور حقیقت کا کافی وشافی بیان کرتے ہیں۔ تاکہ ہر
شخص اپنی ہمت کے موافق اس میں اپنا حصہ لے۔ کہ" قد علم کل اناس مشربھم"
ہر شخص نے اپنا گھاٹ پہچان لیا) مگر وہ جانور جو جسم کے گھونسلے سے اڑا ہے۔ وہی ارادت
کے جال میں پھنستا ہے۔ اور محبوبہ کی خوشبو سے بلائے عشق کے جال میں پھنستا ہے۔
سفید باز کو جو کہ ایک نایاب چیز ہے۔ خلوت خانے میں لے جاتے ہیں۔ اور اس کی نفسانی
خواہشوں کی آنکھ دونوں جہان کی مرادوں کے جہان سے سی دیتے ہیں۔ اور ذکر کے طعمے

سے اسکی پرورش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسکے لب وحشت ماسوائے حق کی انقفات سے بالکل کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ اور پہلے انس کے مقام میں پہنچ جاتا ہے۔ اور اس بات کا مستحق ہو جاتا ہے کہ بادشاہ کے ہاتھ پہ بیٹھ سکے۔ ایسے لوگ خلاصۂ موجودات۔ خلیفہ و نائب حق اور انبیاء کے میراث دار ہوتے ہیں۔ کہ "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" (میری امت کے اولیاء بنی اسرائیل کے نبیوں کی سے ہیں) ہر شخص کی آنکھ ان کے جمال باکمال پر نہیں پڑتی۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قلعوں کے دامن میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ اُن کا مشاہدہ کرنیکے لئے ایسی آنکھ ہونی چاہیئے۔ جس میں الٰہی سرمہ لگا ہو۔ ان کی ڈاڑھی اور سر بھی ایسا ہی دیکھتے ہیں۔ جیسے اپنا اور ان کے احوال کو بھی اپنے اور دوسروں کی طرح خیال کرتے ہیں۔ اور ان کو ایک معمولی واعظ یا عالم خیال کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں انہیں معلوم نہیں۔ کہ "لاتقاس الملائکتہ بالحدادین" (فرشتوں کو لوہاروں کا سا قیاس نہیں کرسکتے) جیساکہ مصنف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

داند آنکس کہ او خردمند است   کہ ازیں مالک تا بداں چند است

قاضی بھی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ جیساکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ القضاۃ ثلثۃ قاضیان فی النار و قاضی فی الجنۃ" (قاضی تین قسم کے ہیں۔ دو دوزخ میں جانیوالے اور ایک بہشت میں) دو دوزخ میں جانے والے یہ ہیں پہلے وہ جنہیں قاضیوں کا علم حاصل نہیں۔ محض جہالت۔ نفسانی خواہشوں اور میلان طبع سے بغیر علم کے قاضی کا کام کرتے ہیں۔ اُن کو سچ جھوٹ کی تمیز نہیں ہوتی۔ نہ حق کو باطل سے تمیز کرسکتے ہیں۔ ایسے قاضی ضرور دوزخ میں جائینگے۔ دوسرے وہ جن کو قاضی کا علم تو ہے لیکن اس پر عمل نہیں کرتے۔ بلکہ جہالت اور نفسانی خواہشوں کے مطابق کام کرتے ہیں۔ اور لوگوں کے پہلو کو اللہ تعالیٰ کے پہلو پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور رشوت لیکر قبالے۔ پٹے وغیرہ نوشت کا کام کردیتے ہیں۔ اور نیز اس کے سبب لوگوں سے خدمت لیتے ہیں۔ اور ملک میں رشوت لیکر نائب مقرر کرتے ہیں۔ اور ورثہ اور یتیموں کے مال پر بیجا تصرف کرتے ہیں۔ اور وقف کے مال کو بے واجب خرچ کرتے ہیں۔ اور مستحق کو نہیں دیتے۔ اور مسجدیں۔ مدرسے۔ خانقاہیں نالائقوں اور رشوت خواروں کو رشوت۔ غرض خدمت اور کسی کام کے عوض جو ان سے نکل سکتا ہے دیدیتے ہیں۔ اور اہل دین کی تقویت کا کچھ خیال نہیں کرتے۔ اور امر معروف اور نہی منکر کی

بجا آوری اور باز پرس کو مہمل چھوڑتے ہیں۔ اور نیک نائبوں کے جو متعلق ہے۔ کہ قاضی حق کی رعایت کرے۔ وہ نہیں کرتے بلکہ نائبوں اور خادموں کو رشوت ستانی کی جرأت دلاتے ہیں۔ اور حق کو باطل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور مکر پھیلاتے ہیں۔ اور کمزوروں اور مفلسوں کے پہلو کو فروگذاشت کرتے ہیں۔ یہ بدخصلتیں جب قاضی میں خود پائی جائیں تو وہ اپنے نائبوں اور خادموں کو ایسا کرنے سے کب روک سکتا ہے۔ بلکہ الٹی غفلت کرتا ہے۔ اس قسم کے قاضی بھی دوزخ میں جائینگے۔

رہے وہ قاضی جو بہشت میں جائینگے۔ وہ خود ہی قاضی بہشت ہیں۔ نہیں تو جو دنیاوی قاضی ہیں۔ وہ قضا کے حقوق کی رعایت از خود کب کر سکتے ہیں۔ اسی واسطے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "من جعل قاضیا فقد ذبح بغیر سکین" (جس کو قاضی بنایا۔ اس کو بغیر چھری کے ذبح کیا) قضا کے لائق وہ شخص ہوتا ہے۔ جو تحصیل علوم اور مرتبہ اجتہاد اور عقل کامل کے علاوہ ریاضت پروردہ نفس رکھتا ہو۔ اور جس کے اخلاق حمیدہ ہو۔ اور ارادت نیک اور دل نظر الٰہی سے منور۔ اور جان لطیف اور صاف ہو۔ عالی ہمت۔ نیک نیت ہو۔ بغیر طمع اور رورعایت کے محض اللہ تعالیٰ کی خاطر قضا کے فرائض کو بجا لائے۔ اور جس وقت قضاء کی مسند پر بیٹھے۔ اور [illegible] اس کے روبرو دوزانو بیٹھے اور وکیل اور گواہ آس پاس کھڑے ہوں۔ تو اس حالت کو یاد کرے۔ جبکہ عرصات کے دار القضا میں عدل کی مسند رکھی جائیگی۔ اور قاضی خود اللہ تعالیٰ ہوگا اور مدعی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہونگے۔ اور گواہ کراماً کاتبین اور دعوے اس پر دائر ہوگا۔ اور اس کا ماحصل تکالیف کا برداشت کرنا یا دوزخ میں پڑنا ہوگا۔ پس خلق خدا کے مابین حکومت اس طرح کرے۔ کہ قیامت کو اس دار القضا میں واضح حجت سے سرخروئی حاصل کر سکے۔ قاضی کو مناسب ہے۔ کہ قضاء کے شغل سے فارغ ہو کر باقی وقت ان وردوں میں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے شاغل رہے۔ اور حکمرانی سنت اور سیرت سلف صالح کے مطابق کرے۔ اور قضا کا کام بڑی خوش اسلوبی سے کرے۔ تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس کی وقعت اور ہیبت ہو۔ اور کوئی شخص دھوکا فریب کرنے کی جرأت نہ کرے

میں نے تیس سال سے کچھ زیادہ عرصہ اطراف وجوانب میں پھر کر دیکھا۔ تو بہت سے دینی عہدہ داروں کو اپنے فرائض منصبی عمدہ طور پر بجا لاتے ہوئے پایا۔ جیسا کہ مفتی۔ مدرس۔ مذکر

اور مشائخ - لیکن ایسے قاضی کم دیکھے - جو قضا کی شرط کے مطابق شرعی حکم پر قائم رہتے ہوں - اگر کوئی شخص خود ان شرائط پر کاربند دیکھا - تو اس کے نائب اور خادم کاربند نہ دیکھے - مختصر یہ کہ اگر کوئی شخص ان شرائط پر عمل کریگا - اور رعایا کے پہلو کو ترجیح دیگا - اور جو کچھ پاک اور درست ہوا سے اختیار کرے گا - تو وہ ولی اللہ اور برگزیدہ حق ہو جائیگا - اور جو حکم نافذ کرے گا - یا جو شفقت رعایا کے احوال پر کریگا - اور اس میں شرعی حدود کو ملحوظ رکھیگا - ان کے بدلے اسے درجہ - قرب اور رفعت حاصل ہوگی - اور جہان میں ایسا شخص نادر الوجود ہوگا - ایسے شخص سے ضرور برکت طلب کرنی چاہیئے - اور اسی کی صحبت اختیار کرنی چاہیئے - وصلی اللہ علٰے محمد و آلہٖ واصحابہ اجمعین ؁

فصل - ۵

{دولتمندوں اور غنیوں کے سلوک کے بیان میں}

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا ہے - " وابتغ فی ما اٰتیٰك اللہ الدار الاٰخرۃ ولا تنس نصیبك من الدنیا واحسن کما احسن اللہ الیك ولا تبغ الفساد فی الارض ان اللہ لا یحب المفسدین " (جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دیا ہے - اس سے آخرت کے لئے کچھ حاصل کر - اور اپنے دنیاوی حصے کو نہ بھول جا - اور جیسے اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی کر - اور روئے زمین پر فساد کو پسند نہ کر - کیونکہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا) - اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں " من اصاب مالا حلالا فکف به وجهه وصل به رحمه وقض به دینه واقام به علی جارہ لقی اللہ یوم القیامۃ ووجهه علی ضوء القمر لیلۃ البدر ومن اصاب مالا حراما وکان مکاثرا مفاخرا مرائیا لقی اللہ یوم القیامۃ وهو علیه غضبان " (جسے حلال مال ملے - اور وہ اس پر فخر وغیرہ نہ کرے - صلہ رحم کا خیال رکھے - اپنے قرض کو ادا کرے - اور ہمسایوں کی مدد کرے - تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملیگا - کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح منور ہوگا - اور جسے حرام مال ملے اور اس پر فخر کرے اور اترائے - تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس پر سخت ناراض ہوگا) ؁

واضح رہے - کہ دنیاوی مال و دولت اور جاہ و حشمت سیڑھی کی طرح ہے - جس سے اوپر

بھی چڑھ سکتے ہیں۔ اور نیچے بھی اُتر سکتے ہیں پس اسی مال و دولت کے ذریعے بہشت کے درجات اور قرب حق بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اسی کے وسیلے دوزخ کے درجے بھی خریدے جا سکتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دوری بھی نصیب ہو سکتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سعادت کی کیمیاگری کی طرف اشارہ فرمایا ہے " وابتغ فیما اتیک اللہ الدار الاخرۃ " (جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کے لئے کچھ بنا لے) اس دُنیاوی مال و دولت سے انسان کا حصہ وہی ہوتا ہے جو راہِ خدا میں صرف کیا جائے۔ نہ کہ جو خواہشات کو پورا کرنے کے لئے خرچ کیا جائے۔ کہ " وما عندکم ینفد وما عند اللہ باق " (نہ انہیں کے پاس رہتا ہے۔ اور نہ اُس کا ثواب ہی اللہ تعالیٰ سے انکو ملتا ہے)۔ راہِ خدا میں صرف کرنے کی شرح خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ " من اصاب مالا حلالاً فکف بہ وجہہ ... الخ " (یعنی جسے حلال مل جائے۔ اور اس سے اپنی آبرو قائم رکھے۔ اور اس کے ذریعے خلقت سے بے پرواہ رہے۔ اور طمع کی بے عزتی نہ اٹھائے۔ اور اسکی عزت سے قناعت کرے اور صلہ رحم ادا کرے) ✦

خویش دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک دُنیاوی جس کی مدد مال دولت سے کرنی چاہیئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ " واتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ " (اور مال اللہ کی حب پر رشتہ داروں کو دیا) اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے " من اصاب مالا حلالاً فکف بہ وجہہ " ✦ دوسرے دینی خویش جیسا کہ فرمایا ہے " انما المؤمنون اخوۃ " (مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں) دینی اخوۃ کا صلہ رحم بھی واجب ہے۔ اور اس اخوۃ کی تفصیل خود فرمائی ہے " ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب " (قریبی۔ یتیم۔ مسکین۔ مسافر۔ سوال کرنیوالے اور گرفتار) اور " فقضی بہ دینہ " (اُس سے اپنا قرض ادا کرے)۔ جو فرمایا ہے اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ اس مال سے حقوق اور قرضے کو ادا کرے۔ یعنی اگر اس مال میں کسی کا حق ہو یا اس پر قرض ہو تو ادا کرے۔ اور زکوٰۃ اُسکے مستحقوں کو دے۔ زکوٰۃ دیتے ہوئے مفصلہ ذیل باتوں سے بچے۔ دکھلاوا۔ فخر۔ تکبر۔ رفعت ڈھونڈھنا۔ ایذا دینا۔ احسان جتلانا۔ امید۔ شہوت۔ لاف۔ مکر۔ جھوٹ۔ دھوکا وغیرہ۔ کیونکہ یہ سب ثواب۔ قبول زکوٰۃ اور صدقہ کو باطل کر دیتی ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے " یا ایھا الذین امنوا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی کالذی ینفق مالہ رئاء الناس " (ایمان

والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر یا تکلیف پہنچا کر باطل نہ کرو۔ ایسے شخص کی طرح جو محض دکھلاوے کے لئے مال خرچ کرتا ہے۔) اور بزرگوں نے فرمایا ہے۔ کہ زکوٰۃ کے علاوہ مال میں کئی ایک اور حقوق بھی ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔" وفی اموالھم حق للسائل والمحروم" (اور ان کے مال میں محروم کا حق ہے۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔" فی المال حق سوی الزکوٰۃ " (مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق ہیں) اور دوسرے جو" قام بہ علی جارہ" فرمایا ہے۔ یعنی مال سے ہمسائیوں کے حقوق ادا کرو۔ کیونکہ ہمسائیگی کے حقوق بہت سے ہیں۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ ہمیشہ جبرائیل مجھے ہمسائیوں کے لئے وصیت لاتے۔ یہاں تک کہ مجھے اس بات کا گمان ہوا۔ کہ شائد ہمسایہ کو وارث نہ قرار دیں۔ اور ایک اور حدیث میں فرماتے ہیں۔" من کان یومن باللہ والیوم الاٰخر فلیکرم جارہ " (جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہے۔ اسے اپنے ہمسائے کی عزت کرنی چاہیئے۔) +

واضح رہے۔ کہ دنیاوی مال و دولت درحقیقت کیمیا کے لئے تانبے کی طرح ہے جسے اکسیر کا علم حاصل ہوگا۔ جس قدر اسکے پاس تانبا زیادہ ہوگا۔ اسی قدر وہ زیادہ سونا بنا سکیگا۔ اکسیر کا علم یہ ہے۔ کہ تانبے سے سیاہی۔ کدورت۔ ہلکا پن اور بے ثباتی نکال دی جائے۔ اور سرخی۔ صفائی۔ وزن اور ثبات اس میں پیدا کی جائے۔ جب اس میں یہ صفات ہونگی۔ تو خالص سونا بنجائیگا۔ ایک کے سات سو بنجائینگے۔ دنیاوی مال و دولت کا بھی یہی حال ہے۔ اس میں بھی چند ایک بری صفات ہیں۔ اگر ان کو نکال کر ان کی جگہ چند اچھی صفتیں پیدا کی جائیں۔ تو گویا اکسیر ہو جاتا ہے۔ اور دنیاوی فانی مال کے تانبے ہیں۔ "الحسنۃ بعشر امثالھا الی سبع مائۃ" (نیکی کی ویسی ہی دس نیکیاں ملتی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد سات سو تک بڑھ جاتی ہے) کے مطابق سعادت ابدی اور دولت سرمدی کے خالص سونے کی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے۔ دنیاوی مال و دولت میں حسب ذیل دس بری صفات ہیں:۔

اوّل۔ طغیان (سرکشی) کہ" ان الانسان لیطغی ان راٰہ استغنی" (اگر انسان اپنے تئیں بے نیاز سمجھے تو کر سرکشی کرتا ہے) طغیان کے معنی فرمانِ حق کی مخالفت کرنا اور حق سے دور ہونا ہے

دوم بغی۔ کہ "ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض" (اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا رزق وسیع کر دیتا۔ تو بیشک وہ رُوئے زمین پر بغاوت کرتے) بغی کے معنی بندوں اور شہروں پر ظلم اور فساد کرنا ہے ٭

سوم اعراض۔ کہ "واذا انعمنا علی الانسان اعرض" (اور جب ہم نے انسان کو نعمت دی۔ تو اس نے ہم سے روگردانی کی) اعراض کے معنی اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرنا ہے۔ جیسا کہ یہ صفت فرعون میں تھی۔ مال اور مرتبے کے گھمنڈ میں آکر کہتا تھا۔ "الیس لی ملک مصر وھذہ الانھار تجری من تحتی" (کیا یہ ملک مصر میرا نہیں۔ اور کیا یہ نہریں میرے محلوں کے نیچے نہیں بہتیں۔) ٭

چوتھے۔ تفاخر۔ کہ "وتفاخر بینکم" (تم آپس میں ایک دوسرے پر فخر حاصل کرنا چاہتے ہو) تفاخر کے معنی ہیں۔ ہمعصروں پر فخر حاصل کرنے کی خواہش کرنا۔ اور یاروں سے بڑھنے اور اعلےٰ ہونے کی خواہش کرنا ٭

پانچویں۔ تکاثر۔ کہ "الھٰکم التکاثر" تکاثر کے معنے ہیں۔ زیادتی مال پر گھمنڈ کرنا اور اللہ تعالیٰ سے غافل ہونا ٭

چھٹے مشغولی۔ کہ "سیقول لک المخلفون من الاعراب شغلتنا اموالنا واھلونا" عنقریب ہی پیچھے رہ گئے ہوئے دیہاتی تجھے کہینگے۔ کہ ہم کو تو مال و اسباب اور ہمارے اہل و عیال نے روک رکھا تھا) مشغولی کے یہ معنی ہیں۔ کہ انسان مال و دولت کے جمع کرنے اور اس کی حفاظت کرنے اور دنیاوی مرادوں۔ نفسانی لذتوں اور حیوانی خواہشوں میں اسے خرچ کرنے میں عمر برباد کر دے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نجات اور درجات کے حاصل کرنے سے محروم رہے ٭

ساتویں۔ تبذیر۔ کہ "ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین" (بے شک فضول خرچ شیطان کے بھائی ہوتے ہیں) اسراف کے یہ معنی ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ کی رضامندی اور اس کے فرمان کے برخلاف مال صرف کرنے میں فضول خرچی کی جائے جاہ و منصب کے لئے مال ضائع کیا جائے شہرت اور لوگوں کی واہ واہ کی خاطر مال خرچ کیا جائے کمینوں۔ بدکاروں اور ظالموں کو خرچ دیا جائے۔ اور آخرت۔ موت حیات۔ ترازو۔ پلصراط اور ثواب و عذاب کو فراموش کر دیا جائے۔ اور اللہ تعالےٰ

کی ہیبت وعظمت اور قہاری وجباری سے بے خبر رہنا۔ اور اسکی مہربانی بعنایت۔ رحمت اور لطف پر بغیر طاعت کئے یاگناہ سے توبہ کئے مغرور ہو بیٹھنا۔ یہ تمام مصیبتیں ہیں۔ جو صاحب مال کو دنیاوی مال ودولت سے پہنچ سکتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ " انما اموالکم واولادکم عدولکم" (تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے بمنزلہ دشمن کے ہیں) پس جس صاحب دولت کی مدد نیک بختی کرے۔ اور توفیق الٰہی اسکی مددگار ہو۔ وہ شریعت کی اکسیر طریقت کے ہاتھ سے مال ودولت کے تانبے پر ڈالتا ہے۔ تو مندرجہ بالا دس نقائص رفع ہو کر دس اچھے اوصاف جو ان کے نقیض ہیں۔ پیدا ہو کر ہی مال ودولت عین قبول وقرب حق اور درجات ومرتبہ کی زیادتی کا سبب ہو جاتا ہے۔ کہ " نعم المال الصالح للرجل الصالح" (صالح مرد کے پاس صالح مال کا ہونا بہت ہی بہتر ہے)۔ وہ دس خاصیتیں حسب ذیل ہیں +

پہلے۔ یہ کہ اگر سارا جہان بھی اسکی ملکیت میں آجائے۔ تو بھی اس پر غرور نہ ہو۔ اور اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔ اور یہی خیال کرے۔ کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ دل کو خوش کرنے کی غرض سے اس کی طرف نہ دیکھے۔ تاکہ اس میں سرکشی نہ آجائے! اور نیز ایسا کرنے سے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت پائی جائیگی۔ " اذ یغشی السدرۃ ما یغشی ما زاغ البصر وما طغی" (جبکہ اس سدرہ پر چھا رہا تھا۔ جو چھا رہا تھا یعنی نور۔ اس وقت بھی پیغمبر صلعم کی نظر نہ کسی طرف کو بہکی۔ اور نہ جگہ سے اچٹی) +

دوسرے عفت۔ جب خود پاک دامن ہوگا۔ تو اپنے پر اور دوسروں پر ظلم وفساد کو جائز نہیں رکھیگا +

تیسرے توجہ۔ " انی وجہت وجہی للذی فاطر السموات والارض" (میں اپنا رخ زمین اور آسمان کے پیدا کرنیوالے کی طرف کرتا ہوں) اپنے آپ کو اور اپنے مال وملک کو اللہ تعالیٰ کے واسطے رکھے۔ اور سب کی دوستی سے منہ پھیر کر اللہ تعالیٰ کی دوستی کا رخ کرے۔ اور سب کو دشمن جانے۔ اور دشمن کو دوست کے حاصل کرنے کی خاطر خرچ کرے۔ کہ " فانہم عدو لی الا رب العالمین" (اہل جہان کے پروردگار کے سوا باقی سب وہ میرے لئے دشمن ہیں) +

چوتھے شکر۔ " واشکروا اللہ ان کنتم ایاہ تعبدون" (اگر تم اسی کی عبادت

کرتے ہو۔ تو اس کا شکر بجالاؤ) اس سے مراد صرف الحمد للہ کہدینا ہی نہیں۔ بلکہ حقیقی شکر اس بات کا نام ہے۔ کہ خدا کے دئے ہوئے مال سے اسکی راہ میں خرچ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق اور اپنا عجز جاننا۔ اور اللہ تعالیٰ کی بے نہایت نعمتوں کا شکر بجالانا ہے ۔

پانچویں۔ تواضع۔ "من تواضع للہ رفعہ اللہ" (جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر تواضع کی۔ اس کا مرتبہ اللہ نے بلند کیا) تواضع اسے آپ پہچاننے سے پیدا ہوتی ہے پہلی اپنی حالت پر نظر کرے۔ کہ شروع میں قطرہ ناچیز تھا۔ اس قطرے سے بڑھ کر جو قوت۔ شوکت۔ اوزار۔ اسباب۔ مال و نعمت۔ جاہ و حرمت۔ عقل و دانائی۔ علم اور معرفت سب کو اللہ تعالیٰ کی عنایت۔ مہربانی اور نعمت و رحمت سمجھے۔ اس کے سبب لوگوں پر تکبر۔ فخر۔ ڈینگ اور گھمنڈ نہ کرے۔ تاکہ اس ناشکری کے عوض اس سے یہ عاریتہً دی ہوئی چیز لے نہ لیں۔ "ولئن کفرتم ان عذابی لشدید" (اگر تم ناشکر گذاری کروگے تو یاد رکھو میرا عذاب بہت سخت ہے) ۔

چھٹے۔ سخاوت۔ "السخاشجرۃ تنبت فی الجنۃ" (سخاوت ایک درخت ہے۔ جو بہشت میں اُگتا ہے) سخاوت کی حقیقت یہ ہے۔ کہ مال کو اپنے آپ سے دریغ نہ رکھے۔ اس کا مال وہی ہے۔ جو راہِ خدا میں دے لے۔ نہ وہ کہ جمع کرے ؎

نہ مال فراواں کاں ترانیست تراگر دو چو در دادن شتابی
اگر خواہی بنہ تا باز یابند وگر خواہی بدہ تا باز یابی

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام کو فرمایا۔ "ایکم احب مالا من مال وارثہ" تم میں سے کون ایسا شخص ہے۔ جو اپنے مال کو اپنے وارث کے مال سے زیادہ دوست رکھتا ہے۔ سب نے عرض کی کہ ہم اپنے مال کو وارث کے مال کی نسبت اچھا سمجھتے ہیں۔ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تمہارا مال وہی ہے۔ جو آخرت کے لئے بھیجو۔ اور تمہارے وارث کا مال وہ ہے جو اس جگہ چھوڑ جاؤ ۔

ساتویں فراغت۔ "رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ" (ایسے لوگ بھی ہیں۔ جنکو خرید و فروخت ذکر الٰہی سے روک نہیں سکتی۔) فراغت اس بات کا نام ہے۔ کہ مال و ملک ہاتھ میں رکھے۔ نہ کہ دل میں بلکہ دل کو حقتعالیٰ کی یاد میں مشغول رکھے

تاکہ ایسا کرنے سے وہ حق سے دور نہ جا پڑے۔ "ماجعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ" "اللہ تعالیٰ نے انسانی قالب دو دل تو نہیں بنا رکھے"۔ ع

بہ دو دل کے دوست بتوانی داشت آنزا بگذار اگر مارا خواہی داشت

اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب" (جب تجھے فراغت ہو۔ تو محنت اٹھا اور اپنے پروردگار کی طرف مائل ہو) جن کو خرید و فروخت اور لوگوں کی بات چیت یاد الٰہی سے باز نہیں رہ سکتی۔ ان کو اللہ تعالےٰ رجال کے لفظ سے پکارتا ہے۔ رباعی

غیرت سلطان عشقش چون زسر علوم شد حجرۂ دل خاص با سودائے او پرداختند
در گذشتند از زمان و از مکان غان او در ہوائے بے نیازی آشیان ہا ساختند

اگر مال و دولت والا اس زندگی میں موت کے درجے کو بوجہ مشغولی نہیں پہنچ سکتا۔ تو اپنے مال و دولت سے ان لوگوں کی مدد اور تربیت کرے۔ جو اس درجے کو پہنچے ہوئے ہوں۔ اور ان کے لئے فراغت اور دلجمعی کے اسباب مہیا کرے۔ تاکہ اُس کی مدد سے جو درجہ وہ حاصل کریں۔ اس کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے۔ اور انکی محبت اور خدمت کی برکت سے اس کو انہیں کا کر دیں۔ اور انہیں کے ساتھ اس کا حشر کریں۔ کہ "المرء مع من احب" "مرد اُسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ زیادہ محبت کرتا ہے"۔

آٹھویں۔ تقویٰ۔ "ان اکرمکم عند اللہ اتقکم" (جو تم میں سے سب سے بڑھ کر متقی ہے۔ وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سب سے معزز ہے) تقویٰ کے یہ معنی ہیں۔ کہ حرام مال۔ مشتبہ لقمے۔ حرام شہوت۔ نفس کی رعونت۔ بد اخلاقی۔ اور فرمان حق کی مخالفت سے پرہیز کرے اور اوامر۔ واجبات اور فرائض کے بجا لانے میں بڑی کوشش کرے۔ اور نیک اخلاص کی کوشش کرے۔ تاکہ جو کچھ وہ کرے۔ ریا۔ مکر۔ حیلے اور لوگوں کی واہ واہ سے پاک ہو۔

نویں۔ قوام۔ "والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما" (اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں۔ تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں۔ نہ کنجوسی۔ ان کی درمیانی حالت کو قوام کہتے ہیں) قوام کے معنی ہیں اعتدال کو نگاہ رکھنا۔ تاکہ خرچ کرتے وقت فضول خرچی نہ کی جائے۔ اور نہ ہی قتر کیا جائے۔ اسراف کا یہ مطلب ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے برخلاف حظ نفس کی خاطر خرچ کیا جائے۔ خواہ ایک لقمہ ہی ہو۔ اور قتر کا یہ مطلب ہے۔ کہ

جہاں پر اللہ تعالیٰ کے فرمان اور رضاء کے مطابق خرچ کرنا چاہیئے - وہاں خرچ نہ کیا جائے - اور قوام و اعتدال کا یہ مطلب ہے - کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے مبالغہ کیا جائے - گویا خود مجسم مال ہے یہ سب راہِ خدا میں صرف کرے - جیسا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا - اور جو دے سکے اس میں تکلف اور رعونت نہ کرے - کھانے - پینے - رہنے - سواری - اسباب خانہ داری اور مال و متاع میں میانہ روی کا خیال رکھے - تاکہ ایسا نہ کرنے سے محجوب نہ ہو جائے +

دسویں تسلیم :- "الرضا باب اللہ الاعظم" (رضا اللہ تعالیٰ کا بڑا دروازہ ہے) - تسلیم کا یہ مطلب ہے - کہ جس طرح "الست بربکم" کے عہد کے وقت نفس اور مال کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بیچ کر بہشت خریدی تھی - آج تسلیم کرے - کیونکہ تسلیم کا وقت آج ہی ہے - تاکہ جب قیامت کو بہشت کی تسلیم کا موقع ہو - تو وہ بھی تسلیم کرے - کہ "ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنتہ" (بیشک اللہ تعالیٰ مومنوں سے ان کی جانیں اور مال اس واسطے خریدتا ہے - کہ ان کے واسطے بہشت ہے) نفس و مال تسلیم کرنے کا یہ مطلب ہے - کہ نفس و مال کو اپنی ملکیت نہ خیال کیا جائے - بلکہ اللہ تعالیٰ کو اس کا مالک جاننا چاہیئے - اپنے تئیں صرف خرچ کرنیوالا سمجھنا چاہیئے - اور خلقت کو اللہ تعالیٰ کے بندے جاننا چاہیئے - اور جہاں تک ہو سکے بذات خود خلق اللہ کی مصلحت اور بہتری کے لئے قول و فعل سے کوشش کرنی چاہیئے - اور فرمان حق کے مطابق ان پر خرچ کرنا چاہیئے اور کسی کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہیئے - اپنے تئیں ان کا تابعدار خیال کرنا چاہیئے اور روٹی کپڑا خود خرید کر انہیں دینا چاہیئے - اور اپنے تئیں ایک ادنیٰ بندۂ خدا خیال کرنا چاہیئے اور کسی پر احسان نہیں جتلانا چاہیئے - اور جو شخص احسان کو قبول کرے - سمجھے کہ ایسا کرنا مجھ پر واجب تھا - الٹا اس کا احسان مند ہو اس واسطے کہ وہ مدد کر کے اسے قیمت میں بہشت دلاتا ہے - تاکہ قیامت کے میدان میں لیجا کر اسکے ترازو میں رکھدے - اور اسے خدا کے سپرد کرے - اسی واسطے پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے - کہ اللہ تعالیٰ انسان کے نفس و مال پر جو حکم کرے - اس پر راضی رہے - اور اسکی نازل کردہ مصیبت پر صبر کرے - اور دل دنیا سے نہ لگائے - نفس کے فریب اور شیطانی غرور سے مغرور نہ ہو جائے - اور جان ہمیشہ تسلیم کے لئے آمادہ رکھے - تاکہ جس وقت طلب کی جائے - فوراً حاضر کر دے - کہ "الصدقہ تقع فی ید الرحمن قبل ان یقع فی ید الفقیر" (صدقہ فقیر کے ہاتھ پر

رکھنے سے پہلے خدا کے ہاتھ میں پہنچا دیتا ہے)۔ اور اس بات کی کوشش کرے۔ کہ چونکہ مال اور ملک اس سے چھوٹ جاتا ہے۔ اس لئے وہ اسے کار خیر کے لئے وقف کر دے۔ تاکہ اسکی وفات کے بعد جو طاعت اس جگہ میں ہو۔ اس کا ثواب اسکے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جائے۔ اور یہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ جیسا حالت زندگی میں ہوتا تھا۔ جو حالت زندگی میں طاعت نہیں کرتا۔ وہ مُردہ ہے۔ اور جس کی طاعت مرنیکے بعد بھی جاری ہے۔ وہ درصل زندہ ہی ہے۔ پس جب دولتمند اور نعمت والے دنیاوی مال و دولت کو ان ذلیل آفتوں سے جن کا بیان ہم نے اوپر کیا ہے۔ پاک کرینگے۔ اور اس میں یہ ذلیل خاصیتیں پیدا کرینگے۔ تو سعادت ابدی کی کیمیا حاصل کرینگے۔ اور دنیاوی اور فانی مال و دولت کو ایک سو نہیں بلکہ سات سو اور چند در چند آخرت کے باقی رہنے والے درجات اور قرب و جوار حق میں تبدیل کرلینگے۔ کہ "مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضاعف لمن یشاء واللہ سمیع علیم" (ان لوگوں کی مثال جو راہِ خدا میں مال خرچ کرتے ہیں۔ اس دانے کی سی ہے۔ جس سے سات خوشے پیدا ہوں۔ اور ہر خوشے میں سو دانے ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ جسکے لئے چاہتا ہے۔ اور بھی زیادہ کرتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے) اور اگر نیاز کے ہاتھ سے ارادت کا جال بچھاکر اس پر مال و جاہ کا دانہ بکھیرا ہے۔ تو ساری عمر میں بھی اگر کوئی اللہ تعالےٰ کا محبوب اور اس کا خاص بندہ اس جال سے دانہ لے۔ تو خواہ ایک ہی لقمہ بھر کیوں نہ ہو۔ پھر جو عبادت وہ کریگا۔ اس میں اس کا بھی حصہ ہوگا۔ اور یہ ان صاحب دولتوں کو کبھی کبھی جذبات الوہیت کے تصرف کی قابلیت آجاتی ہے۔ اس حالت میں ایک دم بھر کی عبادت اہل زمین آسمان کی طاعت کے برابر ہوتی ہے۔ کہ "جذبۃ من جذبات الحق توازی عمل الثقلین" (جذبات الٰہی میں کا ایک جذبہ دونوں جہان کے عمل کے برابر ہوتا ہے) اس حالت میں جو حصہ اس بکاری کو ملتا ہے۔ اس کا حساب اہل شرق و غرب بھی نہیں کر سکتے۔ اسواسطے کہ الطاف حق بے نہایتی کے عالم سے آتی ہیں۔ مگر ہر ایک کوتہ بیں کی نظر اس بات کی کمالیت کے جمال پر نہیں پڑتی +

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ اجمعین +

فصل-۶

{در اہلِ تجارت کے بیان میں}

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا ہے۔" رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوۃ.... الخ (بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کو خرید و فروخت ذکرِ الٰہی اور نماز سے روک نہیں سکتی.... الخ) اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔" التاجر الصدیق الامین فی الجنۃ مع الانبیاء والمرسلین یوم القیامۃ" (صادق اور امین سوداگر قیامت کے دن نبیوں اور رسولوں کے ہمراہ بہشت میں ہو گا)۔

واضح ہے۔ کہ تجارت دو قسم کی ہے۔ ایک دُنیا کی تجارت اور دوسری آخرت کی تجارت دنیاوی تجارت بھی دو قسم کی ہے۔ ایک وہ جو فقط دنیاوی فائدے کے لئے کی جائے۔ اور دوسری وہ جو آخرت کے فائدے کے لئے کی جائے۔ اور اس میں ضمناً دنیاوی فائدہ بھی آجائے۔ کہ" من کان یرید حرث الاخرۃ نزدلہ فی حرثہ" (جو آخرت کے لئے کھیتی کی کوشش کرتا ہے۔ ہم اُس کی کھیتی کو اَور بھی رونق بخشتے ہیں) مگر وہ تجارت جو محض دُنیاوی فائدے کے لئے کی جائے۔ بہت ہی بُری ہے۔ اور اس کا نتیجہ آخرت کا عذاب حساب۔ وبال۔ بوجھ اور بے حاصل ہے۔ یہ سراسر نقصان ہے اور وبالِ دین۔ اور اس کا فائدہ محض نقصان ہے ؎

زیادۃ المرء فی دنیاہ نقصان ۔۔۔ وربحًا دون محض الخیر خسران

(دنیاوی مال و دولت میں انسان کی ترقی اُسکے لئے باعث نقصان ہے۔ اور نیکی کے سوائے اور کسی قِسم کا فائدہ اُٹھانا سراسر ٹوٹا ہے)۔

اللہ تعالیٰ اس تجارت کو لہو کے قریب قریب فرماتا ہے۔" قل ماعند اللہ خیر من اللھو ومن تجارۃ" (کہدے کہ کھیل کود اور تجارت کی کوئی نیکی اللہ کے نزدیک نہیں) اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔" التجار تحشرون یوم القیامۃ فجارا الا منہ اتقی" (متقی تاجر کے سوا باقی سب تاجروں کا قیامت کے روز فاجروں کے ساتھ حشر ہو گا) ان دنیاوی تاجروں کو جن میں تقویٰ۔ نیکی اور صدق نہیں پایا جاتا۔ اللہ تعالیٰ فاجر کے نام سے پکارتا ہے" وان الفجار لفی جحیم یصلونھا یوم الدین" (بے شک فاجر دوزخ میں ڈالے جائینگے۔ اور قیامت کو وہ اُنکی

آگ میں جلینگے، جو تجارت آخرت کے نفع کی خاطر کی جائے۔ اسکی بابت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله" (ایسے لوگ بھی ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت ذکر الٰہی سے باز نہیں رکھ سکتی۔ مفسروں نے اس آیت کے دو معنے لئے ہیں۔ ایک وہ جو آخرت کی تجارت سے تعلق رکھتے ہیں یعنی ایسے لوگ بھی ہیں جو ظاہر میں دنیاوی خرید و فروخت میں مشغول نہیں ہوتے ہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہو جائیں۔ ایسے لوگ آخرت کی تجارت میں مشغول ہیں۔ اپنا مال و جان راہ خدا میں صرف کرتے ہیں۔ اور بالکل دنیا سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں جیسا کہ فرمایا ہے۔ هل ادلكم على تجارة تنجيكم من عذاب اليم تؤمنون بالله ورسوله وتجاهدون فى سبيل الله باموالكم وانفسكم ذالكم خير لكم ان كنتم تعلمون" (کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دلائے۔ وہ یہ ہے۔ کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ اور اپنے جان و مال سے اللہ کی راہ میں کوشش کرو۔ اگر تم سمجھو تو ایسا کرنا تمہارے لئے بہتر ہے)۔ دوسرے معنی جو دنیاوی تجارت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ہیں۔ تجارت جس میں آخرت کا نفع ہے یعنے ایسے مرد خدا بھی ہیں۔ کہ اگرچہ ظاہر میں خرید و فروخت کرتے ہیں۔ لیکن ان کا دل ذکر خدا سے خالی نہیں رہتا۔ اس آیت کی تفسیر ان معنوں کے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ فرماتا ہے۔ "واقام الصلوة وايتاء الزكوة" یعنی نماز ادا کرنے اور نہ زکوٰۃ دینے سے بھی باز نہیں رہتے۔ اور زکوٰۃ اسی وقت دے سکتے ہیں جب دنیاوی تجارت میں مشغول ہوں۔ نہیں تو جو شخص سارا مال خرچ کرے۔ اور دنیا سے کنارہ کش ہو جائے۔ وہ زکوٰۃ دے ہی کس طرح سکتا ہے۔ پس ضروری شرط یہ ہے۔ کہ آخرت کے نفع کے لئے تجارت کرے۔ نبیوں اور رسولوں کی صحبت سے یہ مراد ہے۔ کہ ظاہر و باطن پرہیزگاری اختیار کرے۔ اور مال کو اللہ تعالیٰ کا مال خیال کرے۔ اور نیت یہ کرے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال پر اسکے بندوں کے واسطے اس کی رضا اور امر کے مطابق تصرف کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ جو محنت سے کماؤں اسے بندگان خدا کو دوں۔ اور اپنے تئیں اور اپنے اہل و عیال کو انہیں بندوں میں سے خیال کرے۔ اور امانت اور دیانت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے۔ اور خرید و فروخت میں انصاف کو مدنظر رکھے۔ اور نرمی سے خرید و فروخت کرے۔ کیونکہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "رحم الله امرء سهل البيع والشرى" (اس مرد پر اللہ تعالیٰ رحم کرتا ہے جو خرید و فروخت میں نرمی کرے) خرید و فروخت میں قسم خواہ جھوٹی ہو خواہ سچی ہرگز نہ کھائے

کیونکہ اللہ تعالیٰ قسم کھانے والے فروخت کنندے کو دشمن خیال فرماتا ہے۔ انسان کو چاہیئے۔ کہ تھوڑے نفع پر قناعت کرے۔ اور برکت بھی قناعت ہی میں ہے۔ اور بدنصیبی لالچ میں ہے۔ کہ الحریص محروم " (لالچی ہمیشہ بے نصیب بنتا ہے) امانت کی کوشش کرے اور خیانت سے بچے۔ کیونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ " الامانۃ تجلب الرزق والخیانۃ تجر الفقر " (امانت رزق کو کھینچ لاتی ہے۔ اور خیانت مفلسی کو کھینچ لاتی ہے) مال کو جب خریدے تو بُرا نہ کہے۔ اور جس وقت بیچے اُسکی تعریف نہ کرے۔ اور اس کے عیب پوشیدہ نہ رکھے۔ اور جو عیب اس میں ہوں انہیں ظاہر کر دے۔ اور غلام کی خرید و فروخت نہ کرے۔ کیونکہ غلاموں کی خرید و فروخت ایک قسم کا فساد ہے۔ اور کہتے ہیں۔ " اتقوا من مواضع الاتہام" (تہمت کے موقعوں سے بچو) لیکن وہ غلام جو کسی خدمت کے لئے خریدا جائے۔ تو کچھ مضائقہ نہیں۔ کیونکہ انکی خرید و فروخت سہل ہوتی ہے۔ اور جس شہر میں جائے۔ وہاں کے متبرک مقامات اور مزاروں کی بڑے نیاز سے زیارت کرے۔ اور زاہدوں۔ عابدوں۔ مشائخ۔ امام۔ گوشہ نشین اور ہر شہر کے مردانِ خدا کی زیارت کرے۔ اور ان سے قربِ خدا کی جستجو کرے۔ اور جہاں جائے۔ ان کی خدمت میں صدق سے حاضر ہووے۔ اور ہر شخص کا تھوڑے بہت تبرک سے دلداری کرے۔ اور اسے غنیمت سمجھے۔ کیونکہ سفر میں مردانِ حق کی صحبت اور اُن کی خدمت کے پا لینے سے بڑھ کر کوئی غنیمت نہیں۔ اور ہر ایک شہر میں جہاں تک اس سے ہو سکے درویشوں اور کمزوروں کی مدد کرے۔ جو فائدہ اسے سفر سے حاصل ہووے یا یتیمی کی حالت میں معاملہ یا سعار ضہ کرے۔ وہ سب خیرات کے کاموں میں صرف کرے۔ مگر ہاں اس میں سے اہل و عیال کے خرچ کے واسطے رکھ لے۔ خزانوں اور مال کے جمع کرنے کے در پے نہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ " الذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون " (جو سونے چاندی کو جمع کرتے ہیں۔ اور راہِ خدا میں اسے صرف نہیں کرتے۔ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے جس دن دوزخ میں اسے جلایا جائیگا۔ اور اس سے انکی پیشانیوں۔ پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغ دیا جائیگا۔ اور ان سے کہا جائیگا کہ) یہ وہی مال ہے۔ جو تم اپنے لئے جمع کرتے تھے پس اب اپنے جمع کئے کا مزا چکھو +

مناسب تو یہ ہے۔ کہ انسان اس طرح زندگی بسر کرے۔ کہ جب آخرت کا سفر درپیش آئے۔ تو آخرت کا سرمایہ پہلے بھیج چکا ہو۔ اور خود اپنے مال کے پیچھے جائے۔ جیسا کہ۔ اگر لوگ جب کبھی سفر کو جاتے ہیں۔ تو مال پہلے بھیج دیتے ہیں۔ اور پھر انہیں شہر میں ٹھیرنا مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ مال آگے روانہ کیا ہوا ہوتا ہے۔ وہ پھر جلدی مال کے پیچھے چلتے ہیں۔ اور جب کوچ کا وقت ہوتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ اسی طرح انسان کو چلتے وقت صرف اہل و عیال کے خرچ کے واسطے کچھ چھوڑ کر باقی سب آگے بھیجنا چاہیئے یعنی اس سے کوئی وقف یا کار خیر کرنا چاہیئے۔ جو اس کی زندگی کے بعد جاری رہنے والا صدقہ ہو۔ نہیں تو بڑے افسوس کی بات ہوگی۔ کہ تو جمع کرے۔ اور مزے اڑائیں دوسرے۔

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے روز جو حسرت چار شخصوں کو ہوگی وہ اولین و آخرین میں سے کسی کو نہ ہوگی۔ اول وہ عالم جس کے علم پر لوگوں نے تو عمل کیا ہو۔ لیکن خود اس نے اپنے علم پر کام نہ کیا ہو۔ وہ قیامت کو میدان میں دیکھیگا۔ کہ عمل کرنیوالوں کو تو بہشت میں لئے جاتے ہیں۔ اور اسے دوزخ میں۔ اس وقت کہیگا۔ کہ افسوس جنہوں نے میرے علم پر عمل کیا انہیں تو بہشت ملی۔ اور میں نے چونکہ اپنے علم پر عمل نہ کیا۔ اس لئے مجھے دوزخ ملا۔ دوم وہ آقا جس کے پاس غلام ہو۔ اور آقا تو بری باتوں میں مشغول ہو۔ اور غلام نیک کاموں میں۔ وہ بھی میدان حشر میں دیکھیگا۔ کہ غلام کو تو بہشت میں لئے جاتے ہیں۔ اور اسے دوزخ میں۔ اس وقت وہ افسوس کریگا۔ کہ میرے غلام کو طاعت کی وجہ سے بہشت ملی۔ اور میری بدعملی سے مجھے دوزخ نصیب ہوا۔ سوم۔ وہ شخص جس نے ہر قسم کی عبادت تو بہت کی ہو۔ مگر کسی پر ظلم کیا ہو۔ کسی کو گالی دی ہو۔ کسی سے بے انصافی کی ہو۔ کسی کی غیبت کی ہو۔ کسی پر بہتان لگایا ہو۔ کسی کو مار پیٹ کی ہو۔ اور کسی کو دکھ دیا ہو۔ جب یہ میدان حشر میں آئیگا۔ تو یہ سب آکر کوئی تو اس کی نماز لیجائیگا۔ کوئی روزہ۔ کوئی زکوٰۃ اور کوئی حج یہانتک کہ وہ شخص بالکل مفلس رہجائیگا۔ اور ان دشمنوں کے گناہوں کا بوجھ اسکی گردن پر رکھا جائیگا۔ وہ تو بہشت میں جائینگے۔ اور یہ دوزخ میں۔ اس وقت افسوس سے کہیگا۔ کہ میں نے تو بہت طاعت کی اور انہوں نے گناہ۔ مجھے انکے گناہوں کے بدلے دوزخ میں لئے جا رہے ہیں۔ اور انہیں میری طاعت کے عوض بہشت میں۔ چہارم وہ صاحب مال۔ جس نے بڑی محنت سے مال جمع کیا۔ اور نہ کھایا۔ اور نہ ساتھ لیا۔ بلکہ وارثوں کے لئے یہیں کا یہیں چھوڑ دیا۔ اور اس وارث نے اس مال کو خیرات کے کاموں میں

صرف کیا۔ اور صدقے دیئے۔ حتےٰ کہ سب کا سب راہِ خدا میں صرف کیا۔ جب دونوں کو میدانِ حشر میں لائینگے۔ تو پہلے کو تو دوزخ میں لیجائینگے۔ اور دوسرے کو بہشت میں۔ اس وقت صاحبِ مال کہیگا۔ کہ افسوس! میں نے بڑی محنت سے حلال و حرام مال جمع کیا۔ اب مجھے اس کے وبال کے سبب دوزخ میں لئے جا رہے ہیں۔ کسی کو بھی ایسی حسرت نہ ہوگی جیسی مذکورہ بالا چار اشخاص کو ہوگی۔ اس واسطے کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان آفتوں سے محفوظ رکھے۔ اور امین سوداگر اپنی راستکاری۔ راست گفتاری اور راست کرداری کی وجہ سے نجات والوں کے درجوں کو پہنچے۔ جیسا کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "التاجر الصدوق الامین فی الجنۃ مع الانبیاء والمرسلین" (معاملے کا سچا اور امین سوداگر بہشت میں نبیوں اور رسولوں کے ہمراہ ہوگا) راستکاری کے یہ معنے ہیں کہ خلقت کے ساتھ سچ کہے اور سچ پر چلنے سے سلوک کرے۔ اور مکر، حیلہ اور فریب نہ کرے۔ راست کرداری کا یہ مطلب ہے۔ کہ شریعت کی راہ پر رہ کر طریقت کی چال سے بھی بیخبر نہ رہے۔ اور اِس بات کا دھیان رکھے۔ کہ کسی وقت بھی دنیاوی مصلحتوں کو دینی مصلحتوں پر ترجیح نہ دے۔ اور کسی حالت میں بھی دنیاوی شغلوں کی وجہ سے دینی امور کی بجاآوری سے باز نہ رہے۔ اور ہر حال میں ذکرِ الٰہی کرتا رہے۔ اور آخرت کا طالب رہے۔ تاکہ ان لوگوں میں سے ہو جائے جن کی بابت اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ "لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ" (انہیں تجارت اور خرید و فروخت ذکرِ الٰہی سے نہیں روک سکتی۔) اللہ تعالیٰ انہیں کو مرد کہتا ہے۔ اور جو ایسا نہیں وہ مرد نہیں جس میں عقل اور دین دونوں پائے جاتے ہوں۔ وہ مردی کے مقام پر ہی نہیں بیٹھا رہتا۔ اور دنیا کی چند روزہ زندگی پر فریفتہ نہیں ہوتا۔ رباعی

از دنیائے دوں اے دلِ غم خوارہ ببر | واز صحبت آں عجوزہ مکارہ ببر
تا چند ازیں بریدن و پیوستن | او دوزخ تست ازو یکبارہ ببر

رباعی

عاقل چو بسیرتِ جہاں بنگرد | اقبالِ زمانہ را بیک جو نخرد
پیوستہ دراں بود کہ تا آخر کار | زیں راہِ بلا چگونہ بیروں گذرد

فصل ۔ ۷

{دیہاتیوں ۔ دہقانوں اور مزارعوں کے سلوک کے بیان میں}

اللہ تعالیٰ جلشانہٗ نے فرمایا ہے " من کان یرید حرث الاٰخرۃ نزد لہ فی حرثہ و من کان یرید حرث الدنیا نؤتیہ منہا وما لہ فی الاٰخرۃ من نصیب " (جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے۔ ہم اسکی کھیتی کو زیادہ کرتے ہیں۔ اور جو دنیاوی کھیتی کا خواہشمند ہوتا ہے۔ ہم اُسے وہی دے تو دیتے ہیں۔ لیکن آخرت میں اسے اس سے کچھ نہیں ملیگا) اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ " من یزرع زرعًا او یغرس غرسًا فی اکل منہ الطیور والدواب یکتب فی دیوان حسناتہ " (جو شخص کھیتی بوتا ہے یا کوئی درخت لگاتا ہے۔ تو جو جو پرندہ یا چوپایہ اس سے کھاتا ہے۔ اس کی نیکی اس شخص کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہے) اور نیز فرماتے ہیں۔ " اطلبوا الرزق فی جنایا الارض " (زمین کے گڑھوں سے رزق طلب کرو) +

واضح ہے۔ کہ زراعت وغیرہ اللہ تعالیٰ سے سوداگری کرنا ہے۔ اور تمام صنعت و حرفت سے اعلیٰ ہے۔ اگر کوئی شخص اسے کرے یا جس کو معرفت صنائع کی نظر اللہ تعالےٰ نے بخشے۔ اسے معلوم ہوجائیگا کہ درحقیقت کھیتی باڑی کا کام اللہ تعالیٰ کی خلافت اور نیابت ہے۔ اور رزاقی کی صفت ہے جب کوئی شخص عقلمندی اور خلوص نیت سے اس کام کو شروع کرے۔ تو اس کے ثواب کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ اور اسے بڑے اعلیٰ مرتبے اور درجے ملتے ہیں۔ یہ لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ہر ایک کے آداب و شرائط الگ الگ ہیں۔ جب ان پر کاربند ہوں۔ تو صدیقوں۔ شہیدوں اور صالح مردوں کے درجے کو پہنچ جاتے ہیں +

پہلا گروہ دہقان (زمیندار) جو زمین کے مالک ہوتے ہیں۔ اور جنہیں مزارعوں شاگردوں اور مزدوروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ ان کے واسطے زراعت میں مشغول ہوں۔ ان کو آداب و شرائط حسب ذیل ہیں :۔

اپنے ملک اور مال پر مغرور نہ ہوں۔ اور نہ اس سے دل لگائیں۔ بلکہ اسے اپنے ہاتھ میں بطور مستعار اور امانت خیال کریں۔ اور جو کچھ ہے۔ سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت جانیں۔ کہ " وللہ ملک السمٰوات والارض " (آسمان و زمین کا مالک اللہ ہی ہے) مال جمع کرنے۔ ذخیرہ رکھنے اور اسے زیادہ کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اور شاگردوں۔ مزدوروں اور درویشوں کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے

اور اپنی زراعت اور زمینداری میں آخرت کی زراعت کو مدِنظر رکھے۔ کہ "الدنیا مزرعۃ الآخرۃ" (دُنیا آخرت کی کھیتی ہے) اور جب دہقان انبار میں سے بیج نکالے۔ تو اس نیت سے۔ کہ وہ آخرت کے لئے بیج بوتا ہے نہ کہ دُنیا کیلئے۔ اور یہ نیت ان معنوں کی کرے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ اس بیج کی پرورش کریگا۔ اور یہ ہری بھری ہوگی۔ تو جو انسان وغیرہ اس میں سے کھائینگے۔ ان سب کے لئے میں نے اسے حلال کیا۔ بلکہ یہ نیت کرے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق خوراک کی محتاج ہے۔ اور ہر شخص کھیتی باڑی نہیں کرسکتا۔ میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر ان کی خدمت میں مشغول ہوتا ہوں۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوسکیں۔ اس طور پر مخلوق خدا کی خدمت بجالائے۔ اور چاہیئے۔ کہ مزارع، شاگرد اور مزدور سے بخیلی نہ کرے۔ مزدور کی مزدوری پوری ادا کرے۔ اور جو باغ کھیتی وغیرہ کی آمدنی ہو۔ پہلے اس میں سے شرعی قانون کے مطابق زکوٰۃ دے۔ اور یہ زکوٰۃ خرمن میں سے جدا کرکے مستحقوں کو دیدے۔ کیونکہ اگر زکوٰۃ میں کا مال اس کے مال میں ملا رہیگا۔ تو سارا مال مشتبہ ہوگا۔ اور باقی جو کچھ ہے۔ اس میں سے دوسرے سال کے لئے نہ رکھے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرے کیونکہ دہقانی بجائے خود توکل ہے۔ اس واسطے آمدنی ہونا محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر منحصر ہے۔ کیونکہ اس معاملے میں کسی مخلوق کا دخل نہیں۔ اور چاہیئے کہ ہمیشہ گھر کا دروازہ آنے والوں کے لئے خواہ وہ امیر ہوں یا درویش کھلا رکھے۔ اور کشادہ دلی۔ خوش اعتقادی اور خلوص نیت سے مخلوق خدا کی خدمت اپنی آمدنی کے مطابق کرے۔ اور اس کو تکلیف خیال نہ کرے۔ اگر کسی سال آمدنی کم ہو یا قحط سالی ہو اور مینہ نہ برسے۔ تو گھبرائے نہ اور نہ ہی اپنی روزی کے لئے غمگین ہو۔ وے مال کے جاتے رہنے سے اللہ تعالیٰ کی ناشکرگذاری نہ کرے۔ اور اس کے کاموں پر دل و زبان سے انکار یا اعتراض نہ کرے۔ بلکہ یہی خیال کرے۔ کہ اس میں ضرور اس کی کوئی حکمت ہے۔ اور رضا اور تسلیم اختیار کرے۔ اور روزی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیال کرے ؎

زانکہ کرد سر بروں بنہفت کشتۂ خویش خشک دید و بگفت
اے جہان و جہاں جہانت کہن رزق بر تست ہر چہ خواہی کن

آخر بوڑھے سے کم تو نہ ہونا چاہیئے۔ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ اگر آسمان لوہے کا ہو جائے اور زمین ہشتانی اور مینہ آسمان سے نہ برسے۔ اور زمین پر پیداوار نہ ہو۔ اور تمام جہان کی خلقت میرا کنبہ ہو۔ تو بھی مجھے ذرہ بھر روزی کا کھٹکا نہ ہو۔ جب دہقان اپنا کام اس طرح پر کرے اور بیج اس نیت سے بوئے۔ اور درخت اس اخلاص سے لگائے۔ اور دوسروں کی زمین یا پانی میں

بیجا تصرف نہ کرے۔ اور شرعی احکام کے مطابق اس کی نگہداشت کرے۔ تو جو لقمہ دانہ یا پھل اُس کی ملکیت کھیت یا باغ میں سے کوئی چرند یا پرند کھائیگا۔ اس کا ثواب اُسکے نامۂ اعمال میں لکھا جائیگا۔ اور وہ لقمہ وغیرہ اُس کے لئے قرب حق اور درجات کا وسیلہ ہوگا۔ بلکہ جب اُس کی نیت یہ ہوگی۔ کہ میں یہ کام مسلمانوں کے لئے کرتا ہوں۔ تاکہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ تو جو پھل اور دانہ اس کی محنت کی کمائی کا خواہ قیمتاً خریدا جائے۔ اس کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائیگا۔ اور بزرگوں نے فرمایا ہے۔ کہ روٹی کا ایک لقمہ جب پکتا ہے۔ تو اس کے لئے تین سو ساٹھ آدمیوں کو کام کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً مزدور۔ کاٹنے والے۔ بونے والے۔ لوہار۔ بڑھئی۔ کمہار۔ وغیرہ جب وہ لقمہ کوئی ولی اللہ کھاتا ہے۔ تو اُس کی برکت سے وہ سارے کے سارے بخشے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اس ولی کے صدقے ان سب کے قصور معاف کر دیتا ہے ؛

دوسرے نمبردار اور مقدم ہیں۔ اُن کی شرائط حسب ذیل ہیں ؛

جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے۔ اس پر بھی عمل کریں۔ اور اس کے علاوہ رعیت کو مساوی نگاہ سے دیکھیں۔ اور طاقتور کو کمزور پر ترجیح دیں۔ نہ رشوت لیں۔ حق کے یار ہوں۔ دین اور اہل دین کو تقویت دیں۔ رعایا کو آسودہ اور مرفہ الحال رکھیں۔ ان سے ظلم کو دور کرنے کے لئے بڑی کوشش کریں رعیت کے ملک و مال اور اسباب وغیرہ کی طمع نہ کریں۔ کوتاہ دست اور قانع بنے رہیں۔ زندگی عمدہ طور پر نیکی کے ساتھ بسر کریں۔ فساد کے اسباب سے دور رہیں۔ مفسدوں کو تنبیہ کرتے رہیں۔ اور احکام شرعی کو اچھی طرح بجا لائیں۔ رعایا میں سے جو کسی قسم کی فضولی یا فساد کرے۔ اسے توبہ کرائیں • اور حکومت اور مقدمی کی شرائط پر قائم رہیں۔ اور یقیناً جان لیں۔ کہ جو کچھ دنیا میں ان کے اور اُن کی رعایا کے مابین ہو رہا ہے۔ سب کی بابت ان سے پوچھا جائیگا۔ کہ " کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ " (تم میں سے ہر ایک رعیت والا ہے۔ اور ہر ایک سے اُس کی رعیت کی بابت بازپرس ہوگی) جب مقدم اور رعایا دونوں ان شرائط پر قائم رہینگے۔ تو اللہ تعالیٰ اس طاعت نیکی۔ بہتری اور راحت کے بدلے جو اس سرزمین میں رعایا کو حاصل ہوگی۔ روستائیوں اور مقدموں کو ثواب اور درجہ عنایت فرمائے گا ؛

تیسرے مزدور اور مزارع جن کے پاس اپنی ملکیت تو ہوتی نہیں۔ دوسروں کی زمین کاشت کرتے ہیں۔ ان کے لئے بھی ضروری ہے۔ کہ پہلے گروہ (دہقان) کی شرائط پر کاربند رہیں۔ اور امانت اور دیانت کو کام میں لائیں۔ اور خیانت اور بیجا تصرف سے کنارہ کریں۔ شفقت اختیار کریں۔

مالکوں سے سامنے اور پیچھے پیچھے راستی اور پاکیزگی استعمال کریں۔ ان کے مال و ملک کی حفاظت کریں۔ زراعت اور آبادی کے لئے بڑی کوشش کریں۔ چار پایوں پر ظلم نہ کریں۔ ان پر بھاری بوجھ نہ لادیں۔ اور نہ ان سے حد سے زیادہ کام لیں۔ نہ زیادہ مار پیٹ کریں۔ کیونکہ جو کچھ اُن کی وسعت سے بڑھ کر ان سے کام لیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ اسکی بابت باز پرس کریگا۔ اور اس کا بدلہ لیگا۔ "واللہ عزیز ذو انتقام" (اور اللہ تعالیٰ زبردست بدلہ لینے والا ہے) جب ہل چلائے یا اور کوئی کھیتی باڑی کا کام کرے تو بہتر ہے کہ ذکر الٰہی میں مشغول ہے۔ اور جب نماز کا وقت ہو۔ تو فوراً نماز ادا کرے۔ اگر با جماعت میسر نہ ہو۔ تو اکیلا ہی ادا کرے۔ اسے با جماعت کا ثواب ملجائیگا۔ اور کسی طرح بھی نماز کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اور دوسری شرطیں جو بیان ہوئی ہیں۔ اُن پر قائم رہے کھیتی باڑی میں اپنے تئیں کچھ نہ خیال کرے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رکھے۔ جو فرماتا ہے۔ "وانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون" (تم اسے بوتے ہو یا ہم اسے بوتے ہیں) ہاتھ پاؤں۔ بینائی شنوائی۔ اور تمام قوت وقدرت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔ تاکہ مزارع ان سے کھیتی باڑی کا کام کرسکے۔ اور بیج میں سوائے بونے کے اور کسی قسم کا تصرف نہیں کرسکتا۔ کیونکہ وہاں خود اللہ تعالیٰ زمین سے دوبارہ اسے اگاتا ہے۔ اور سبز کرتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ بیج کو زمین میں نیست کرکے پھر شاخ پر لگاتا ہے۔ ایک ایک کے سو سے لیکر سات سو تک بلکہ اس سے بھی زیادہ کرتا ہے۔ پس درحقیقت اس سے بھی زیادہ کرتا ہے۔ پس درحقیقت سب سے زیادہ زراعت کرنیوالا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور اسی نے بندوں کے رزق کو زمین کے کونوں میں چھپا لیا ہے۔ اسی واسطے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خلقت کو رزق کے طلب کرنے کے لئے فرمایا ہے۔ کہ "اطلبوا الرزق فی خبایا الارض" (رزق کو زمین کی چھپی جگہ میں طلب کرو) پس جو مزارع اپنے تئیں کاشتکاری میں اللہ تعالیٰ کا نائب جانیگا۔ اور حقیقی کاشتکار اللہ تعالیٰ کو سمجھیگا۔ اور اپنا وقت ان اوراد و اوقات سے بسر کریگا جن کا ذکر گذشتہ فصلوں میں ہوچکا ہے۔ تو اس کی کاشت سے جو کچھ چرند پرند اور انسان کو ملیگا۔ اللہ تعالیٰ اُسکی نیکی اُسکے نامۂ اعمال میں درج فرمائے گا۔ اور اسے درجہ اور قرب عنایت فرمائے گا۔ جیسا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری دی ہے۔ "من یزرع زرعًا او یغرس غرسًا فاکل منہ الطیور والدواب یکتب فی دیوان حسناتہ" (جو شخص کھیتی بوئیگا یا درخت لگائیگا اور اسے چرند پرند کھائینگے۔ تو اُس کی نیکی اُس کے نامۂ اعمال میں لکھی جائیگی) وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ اجمعین +

فصل ۸

{ اہل صنعت وحرفت کے سلوک کے بیان میں }

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا ہے۔ "یا ایھا الذین اٰمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم" (اے ایمان والو! اس پاکیزہ آمدنی کو خرچ کرو۔ جو تم نے کمائی ہے) اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "ان اطیب مایاکل الرجل من کسب یدہ" (سب سے پاکیزہ وہ چیز ہے۔ جو انسان کے اپنے ہاتھ کی کمائی ہو) +

واضح رہے کہ صنعت وحرفت۔ رُوح کی شناخت۔ قدرت اور علم کا نتیجہ ہے۔ یہانتک اس میں تقویت تھی۔ اب جسمانی اوزاروں اور ہتھیاروں کے استعمال کے وسیلے عقل کی کارفرمائی سے جو روح کا وزیر ہے اور اس کا نائب۔ وہ قوت فعل میں تبدیل ہوتی ہے۔ اور غیب سے ظہور میں آتی ہے۔ صاحبِ بصیرت۔ دانا اس دریچہ میں صنعت الٰہی کو دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح روح کی ذات نے اپنے آپ کو ان صفات سے موصوف پاکر جانا۔ کہ اُسکی رُوح تھی۔ اگر نہ ہوتی۔ تو اس کا فعل صادر نہ ہوتا۔ اور نیز جان لیا۔ کہ عالم ہے۔ اگر عالم نہ ہوتا۔ تو اس قسم کی مناسب اور لطیف صنعتیں اس سے وجود میں نہ آتیں۔ اور نیز یہ بھی جانا کہ مرید ہے۔ کیونکہ فاعل سے بغیر ارادہ کے فعل صادر نہیں ہوتا۔ خاصکر کسی وقت میں۔ کسی خاص زمانے میں کسی خاص فعل کا صادر ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ وہ فعل فاعل سے اختیاراً اور ارادتاً صادر ہوا ہے۔ نہ جیسا کہ پژشیدہ عقل فلسفی کہتا ہے۔ کہ جہان کے بنانے والے کو ایجادِ فعل میں ارادہ یا اختیار نہیں۔ ایسا صریح کفر اس قسم کی جہالت اور اتنی بھاری دلیری اور گستاخی "لعاینَ اللہ تری وعلیٰ محبیہم ومتبعیھم الی یوم الدین" (تو قیامت تک ان پر اور ان کے پیرووں پر اللہ تعالیٰ کی لعنتیں دیکھیگا۔) اور نیز اسے معلوم ہوا۔ کہ روح سننے والی اور دیکھنے والی اور بات کرنیوالی ہے۔ نہیں تو اِن صفات کا اثر قالب میں ظاہر ہی نہ ہوتا۔ اور نیز جانا کہ قادر بھی ہے۔ کیونکہ بغیر قدرت کے فعل محال ہے۔ اور نیز جانا کہ باقی بھی ہے۔ کیونکہ قالب کی بقا روح کی بقا کا نتیجہ ہے۔ اور جب رُوح کو اِن آٹھ ذاتی صفات کی شناخت ہوئی۔ اور اپنے صفات کو اپنے قالب میں دیکھ لیا۔ اور ان صفات کے نتیجے سے اپنے قالب کو متحرک اور متصرف دیکھا۔ تو تبھی اس قسم کی لطیف حرفتیں اس سے ظہور میں آئیں۔ روح کا علم ہر روز بڑھتا جاتا ہے +

واضح رہے۔ کہ روح کے لئے کمال ہے جس سے اس کا وجود قائم نہیں۔ اور نہ ہی ہوتا ہے۔ پس اسکے لئے کوئی ایسا موجد چاہیئے۔ جو اسے عدم سے وجود میں لائے۔ وہ موجد خود اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ہی ہے۔ اب یہ آٹھوں اوصاف اس موجد حقیقی میں ہونے چاہئیں۔ تاکہ موجودات کی ایجاد کر سکے۔ اور اس کی ذات قائم ہونی چاہیئے۔ ورنہ تسلسل کی ضرورت پڑیگی۔ اور ان صفات کا اُس کی ذات میں قائم اور ازلی ابدی ہونا بھی ضروری ہے۔ نہیں تو یہ بمنزلہ عرض ہونگی۔ اور اس کی ذات حادث ہو جائیگی۔ اور تباہی لازم آئیگی۔ اور یہ جائز نہیں۔ پس فاعل قادر اور صانع مطلق اللہ تعالیٰ کو جانے۔ اور روح کو عالم صغرٰے یعنی قالب میں اس کا خلیفہ اور نائب سمجھے۔ اللہ تعالےٰ کے فعل دو قسم کے ہیں۔ ایک جو انسانی وجود کے وسیلے ظاہر ہوتے ہیں۔ جو اس کا خلیفہ ہے۔ اور ایک بے وسیلہ جو باوسیلہ ہیں۔ انکی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو عالم صغریٰ میں ہیں۔ دوسرے جو عالم کبرٰے میں ہیں۔ جو عالم صغرٰے میں ہیں۔ وہ انسانی قالب ہے۔ جو رُوح کے آلات نفسانی ہیں۔ جیسے نفس نامیہ، نفس حیوانی اور قوائے بشری کے وسیلے سے ہوتے ہیں۔ لیکن وہ جو عالم کبریٰ میں ہوتے ہیں۔ جسے جہان کہتے ہیں۔ وہ روح اور نفسانی آلات واوزاروں کے ذریعے ہوتا ہے۔ جیساکہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اور نیز جسمانی آلات کے ذریعے ہوتے ہیں۔ جیسے پانچوں حواس اور اعضاء وغیرہ۔ یہ صنعتیں اور حرفتیں جو انسان سے ظاہر ہوتی ہیں۔ وہ انہیں فعلوں کا نتیجہ ہے۔ لیکن جو کچھ انسانی کوشش سے ہوتا ہے۔ وہ بھی حقتعالیٰ ہی کا فعل ہے۔ جیساکہ جہان اور نفس میں ظاہر ہوتا ہے۔ آسمان میں یہ فعل ہیں۔ کہ اسے اتنی بلندی پر آراستہ کیا ہے۔ جس میں ستارے چمکتے ہیں۔ "وزینّٰہا للناظرین" (دیکھنے والوں کے لئے ہم نے اُسکی زینت کی) اور ان ستاروں کے عکس سے سیاہ مٹی میں طرح طرح پھول پودے۔ پانی۔ نباتات۔ حیوان مفرد اور مرکب اشیاء اور ان کی کانیں پیدا کیں۔ کہ "ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنہار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتہا وبث فیہا من کل دابۃ وتصریف الریٰح والسحاب المسخر بین السماء والارض لاٰیٰت لقوم یعقلون" بے شک آسمان سے مینہ وغیرہ کا اتارنا جس سے زمین مردہ ہونیکے بعد زندہ ہوتی ہے۔ اور زمین کا پیدا کرنا اور کشتی جو سمندر میں چلتی ہے اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور آسمان سے مینہ وغیرہ

کا اُتارنا جس سے زمین مُردہ ہونے کے بعد زندہ ہوتی ہے۔ اور زمین میں ہر قسم کے چوپائیوں دوپائیوں کا وغیرہ کا پیدا کرنا۔ اور ہواؤں کا چلانا اور بادل کو زمین اور آسمان کے مابین تسخیر کرنا یہ سب کچھ اس واسطے ہے۔ کہ لوگ انہیں دیکھ کر سوچیں سمجھیں۔ نفس میں یہ فعل ہیں۔ کہ اس نے پانی کے ایک قطرہ سے ایسا ظریف۔ بولتا۔ سنتا وجود اور ایسے لطیف اعضاء پیدا کئے ہیں کہ "انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتليه فجعلناه سميعًا بصيرا" ہم نے آدمی کو مرکب نطفے سے پیدا کیا۔ اور اس سے غرض یہ تھی۔ کہ اس کی نیکی بدی کو آزمائیں۔ پھر اسی لئے ہم نے اس کو سنتا دیکھتا مخلوق بنایا۔

جب صاحب بصیرت صاحب دولت آیات حق کے نور سے کہ "سنريهم اٰياتنا في الآفاق وفي انفسهم" (عنقریب ہم آسمان اور اُن کی جانوں میں اپنی نشانیاں انہیں دکھائینگے) آیاتِ حق کو جو اُس کے فعلوں کا نتیجہ ہیں۔ اپنے نفس کے آئینے میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اور اس قالب کو جو بجائے خود ایک چھوٹا سا جہان ہے۔ اور پہلے یہ نہ تھا۔ اور نہ ہی بعد میں ہوگا۔ اللہ کا ساختہ پرداختہ جانتا ہے۔ اور روح کو اُس کی خلافت میں برسرکار جانتا ہے۔ اور نیز اس بات کا خیال رکھے۔ کہ جس طرح روح کا تعلق ہٹ جانیسے جسم قائم نہیں رہتا۔ بلکہ گر کر خراب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عالم بزرگ میں جو جہان اکبر ہے۔ کوئی ایسا فاعل چاہئیے۔ جو برسرکار ہو۔ تاکہ اس کے فعلوں کے نیتجے سے اس قدر مختلف احوال اور آثار ظاہر ہوں۔ اور اس قسم کی لطیف صنعتیں نمودار ہوں۔ کیونکہ اگر کوئی نادر اور کامل حکیم اس میں کام نہ کرتا تو یہ جہان کبھی قائم نہ رہتا۔ اور جب اس سے قدرتِ قادر کا تصرف ہٹ جائیگا۔ تو اس کا نشان تک باقی نہیں رہیگا۔ اس موقعہ پر "من عرف نفسه فقد عرف ربه" (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا) کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ اور "وفی انفسكم افلا تبصرون" (خود تمہارے نفسوں میں ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے؟) کا بھید ظاہر ہوتا ہے۔ پس تحقیق ہو گیا۔ کہ جب اہل صنعت و معرفت کی بصیرت کی آنکھ کھلی ہوتی ہے۔ تو صنعت کے دریچے سے اپنے صانع کو دیکھتا ہے۔ اور حقیقی صنعت اور صانع کا جمال انہیں دکھائی دیتا ہے۔ جیسا کہ اس بزرگ نے فرمایا ہے۔ "ومانظرت في شيئ الاورايت الله فيه" (میں نے کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی۔ جس میں اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھا ہو۔ اور اُنکی بصیرت کی آنکھ اس وقت کھلتی ہے۔ جبکہ اُن کی نفسانی خواہشات کی آنکھ دُنیاوی زیب و زینت نفسانی

لذتوں اور حیوانی شہوتوں کی طرف سے بند ہو جاتی ہے ۔

دُنیا کی مثال تم ایسی سمجھو جیسی ایک خانقاہ ہے ۔جس میں اللہ تعالیٰ بذاتِ خود بمنزلہ شیخ ہے اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم بمنزلہ خادم ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ فرمایا ہے ۔" سید القوم خادمھم " (قوم کا سرداران کا خدمتگار ہوتا ہے ۔ باقی لوگ دو قسم کے ہیں ۔یا تو خانقاہ کے کارکن جنہیں شیخ نے کوئی خاص کام سپرد کیا ہو ۔یا محب طالبوں کی جماعت جو شوق اور محبت کی خواہش اور طلب کی درد کی وجہ سے کسی کام یا شغل کی پرواہ نہیں کرتے ۔ اور جنہوں نے نفسانی خواہشات اور خلقت سے مُنہ پھیر کر ریاضت اور مجاہدہ کی کا رُخ کیا ہے ۔ رباعی

ہر دل چو شگفتہ گشت اسرار غمش   نہ ہم بگلی ہمہ جہاں خار غمش
ما پشت سوئے جہانِ شادی کردیم   زیں پس من و پشت دست و دیوار غمش

ان دونوں گروہوں کو شیخ نے خادم کے سپرد کیا ہے ۔تا کہ ہر ایک کو اس کے مقام کے موافق کام بتلائے ۔ اور ان کی مدد کرے ۔ اور انکی رہنمائی ۔ ہدایت اور ارشاد کرے ۔تا کہ خانقاہ کا عملہ تو خدمت میں مشغول رہے ۔ اور طلبہ فراغت اور دلجمعی سے طاعت اور عبودیت میں مشغول رہیں ۔ اگر خانقاہ میں سب طلبہ ہوتے ۔ تو ہر ایک کو اپنی خدمت خود کرنی پڑتی ۔ اور سب کے سب اسی میں مشغول رہ کر طلب حق سے باز رہتے ۔ اس واسطے کہ طلب عارفوں کا کام ہے ۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے ۔" فاذا فرغت فانصب " (فارغ دل ہو کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہو ۔ ؎

درعشق تو برخاستہ ام از ہمہ کار   کایں کار کسے نیست کہ کارے دارد

پس دنیا کی خانقاہ میں خلقت کے دو گروہ ہیں ۔ ایک مجذوب جنہوں نے عالم آخرت اور خدمت حق کا رُخ کیا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو اس دنیاوی خانقاہ کا شیخ ہے ۔ دنیا و مافیہا کو انکی خدمت کے لئے مقرر کیا ہے ۔" یادنیائ اخدمی من خدمنی واتعبی من خدمتک واتخذ منی من خدمک " (اے میری دنیا اسکی خدمت کر جس نے میری خدمت کی ۔ اور اپنی خدمت کو جاری رکھ ۔ اور جس نے تیری خدمت کی ۔ اس نے میری خدمت کی) اور دوسرے دُنیا کے طالب ہیں ۔ جو بمنزلہ عملہ ہیں ۔ اس خانقاہ میں ہر ایک کے متعلق ایک خاص کام ہے ۔ بادشاہ سے لیکر ادنے تک سب کے سپرد ایک خاص کام ہے ۔ گروہ لوگ جو عبودیت خاص میں مشغول

اور خلاصۂ موجودات ہیں۔ کہ "وما خلقت الجن والانس الالیعبدون" اس آیت کے یہ معنی ہیں۔ کہ جن و انسان جو کام میں مشغول ہیں محض اس واسطے ہیں۔ کہ جن مخلصوں نے دُنیاوی محبت۔ نفسانی خواہش اور شیطانی تصرف سے خلاصی پائی ہے۔ وہ فراغدلی سے اللہ تعالیٰ کی عبودیت اور دین کی پرورش میں مشغول ہوں۔ "وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین له الدین" (ان کو یہی حکم دیا گیا ہے۔ کہ خالص اللہ ہی کی بندگی کی نیت سے یک رُخ ہو کر اس کی عبادت کریں) پس جس طرح خانقاہ میں عملہ طلبہ کی خدمت میں مشغول رہتا ہے۔ اور ان کو اللہ تعالیٰ کے قرب کا وسیلہ بناتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو ان خواص کو عنایت کرتا ہے۔ اس میں سے کچھ حصہ عنایت خداوندی سے اس عملے کو بھی عطا فرماتا ہے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے۔ کہ میں نے خراسان میں درویشوں کی ایک جماعت کو خلوت میں بٹھایا ہوا تھا۔ اور ایک درویش کو اُن کی خدمت سپرد کی تھی۔ اسے بعض مکاشفات میں ایسا دکھلائی دیتا تھا۔ کہ بارگاہ الہٰی سے جو عنایت ان درویشوں کے شامل حال ہوتی تھی۔ اس میں سے کچھ حصہ خادم کو بھی ملتا تھا۔ اسی طرح اہل دنیا جو بمنزلہ عملہ کے ہیں۔ اگر اپنی صنعت و حرفت میں ہر ایک یہ نیت کرے۔ کہ یہ کام میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خاطر کرتا ہوں۔ جو اس حرفت کے محتاج ہیں۔ تاکہ اس سے مُسلمانی حاجتیں پوری ہوں۔ اور بندگانِ خدا دِل جمعی سے یادِ حق میں مشغول ہوں۔ کیونکہ اگر ہر ایک شخص اپنی ضروریات خود مہیا کرنی چاہیئے۔ اور بذاتِ خود ہر ایک صنعت و حرفت کرے۔ تو دین و دُنیا کے سارے کام بند ہو جائیں۔ اور دُنیا خراب ہو جائے۔ کوئی بھی فراغدلی سے عبادت حق نہ کر سکے۔ اور نہ ہی مخلصوں کی جماعت رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ اور قدرتِ کاملہ سے ہر شخص کو ایک خاص حرفت پر لگایا ہے۔ جس میں وہ قریباً ڈیڑھ سو سال لگا رہتا ہے۔ اور اسے اس بات کی جرأت نہیں ہوتی۔ کہ دوسرا کام کرے۔ اور جب کوئی اہل صنعت و حرفت اس دنیاوی خانقاہ میں کوئی خدمت بجالاتا ہے تو اسے شیخ کی مرضی مطابق کارروائی کرنی پڑتی ہے۔ جو خود ذات باری تعالیٰ ہے۔ اور یہ سب کچھ اس خادم یعنی پیغمبر علیہ الصلیٰ اللہ علیہ وسلم کے ارشاد۔ ہدایت۔ اور دلالت سے ہو رہا ہے۔ اس کام میں امانت اور دیانت استعمال کرنی چاہیئے۔ اور ہر حالت میں شریعت کے طریق پر کاربند اور ثابت قدم رہنا چاہیئے۔ اور اپنی کمائی کو حلال بنانا چاہیئے۔ با شبہ مال سے محفوظ رہنا چاہیئے۔ یعنی نہ زیادہ لے اور نہ کم دے۔ اور جس کے پاس حرام کا مال ہو۔ اس سے لین دین نہ کرے۔

مگر اس حالت میں جبکہ اسے معلوم نہ ہو۔ جائز ہے۔ اپنی صنعت و حرفت میں کوئی معیوب کام نہیں کرنا چاہئے۔
اور نہ تلخ طبیعت ہونا چاہیئے۔ انصاف کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ اور جب کوئی انجان گاہک آجائے
جسے اس صنعت و حرفت کی واقفیت نہیں۔ تو اس سے زیادہ قیمت نہ لے۔ بلکہ اُسی قیمت پر فروخت
کرے جس قیمت پر وہ واقفکار گاہک کو دیتا ہے۔ اور کھوٹ وغیرہ سے قطعی پرہیز کرے کیونکہ
ایک روز جب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم بازار تشریف لے گئے۔ تو وہاں پر دیکھا۔ کہ کچھ گیہوں سستے
بھاؤ بک رہی ہے۔ جب جناب نے دست مبارک گیہوں کے اندر ڈالا۔ تو دست مبارک تر ہوا۔
پوچھا۔ کہ یہ کیا؟ گیہوں والے نے عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ! یہ گیہوں مینہ کی بھیگی ہوئی ہے۔ جناب
نے فرمایا۔ تو بھیگی ہوئی کیوں اوپر نہیں رکھی۔ تاکہ ہر شخص اسے دیکھ سکتا۔ اس وقت فرمایا "من
غشنا فلیس منا" یعنی جو میری اُمت سے خیانت کریگا۔ اور کھوٹ کریگا۔ وہ میری امت میں سے
نہیں۔ اس بات کی کوشش کرے۔ کہ میری کمائی اور محنت سے خدا کے کسی پیارے کو حصہ اور کسی
درویش کو آرام پہنچے۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ مہتر داؤد علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض
کی۔ کہ اے پروردگار! میں اپنے ہمنشین کو بہشت میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
کہ کل شہر کے باہر آنا۔ جو پہلا شخص تجھے ملیگا۔ وہ وہی شخص ہوگا۔ جب داؤد علیہ السلام باہر گئے۔ تو
دیکھا کہ ایک شخص لکڑیوں کا گٹھا اُٹھائے چلا آرہا ہے۔ اس نے سلام کیا۔ آپ نے پوچھا۔ کہ
اللہ تعالیٰ سے تیرا معاملہ کیا ہے۔ جس کے وسیلے سے تو نے بہشت میں انبیاء علیہم السلام کی مجالست
اور موافقت حاصل کی ہے۔ اس نے عرض کی۔ کہ میں ہر روز اپنے ہاتھ سے لکڑیوں کا گٹھا جمع
کرتا ہوں۔ اور پیٹھ پر اُٹھا کر شہر میں لاتا ہوں۔ اور آدھے درم کو بیچ ڈالتا ہوں جس میں سے
تیسرا حصہ اپنی والدہ کو دیتا ہوں۔ اور باقی کا آدھا اپنے اہل وعیال کے خرچ کے لئے رکھ کر
باقی کا درویشوں اور محتاجوں کو للہ بانٹ دیتا ہوں۔ پس مہتر داؤد علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ جا۔ واقعی
تو اسی بات کا مستحق ہے۔ کہ بہشت میں انبیاء کا رفیق ہووے۔ پھر داؤد علیہ السلام نے فرمایا
کہ اچھا آجا۔ تو مجھ سے ایک درم روز لیا کر۔ اور جس طرح تو بہشت میں میرے ساتھ ہوگا۔ یہاں
بھی رہ۔ اس نے عرض کی۔ کہ بہشت میں کی آپ کی رفاقت مجھے اس محنت اور کسب سے حاصل
ہوئی ہے۔ جب میں وہ کام ہی نہ کرونگا۔ تو پھر مجھے یہ مرتبہ کیسے ملیگا ؎

اے خواجہ من و تو بنشینیم بہ بازار ۔۔۔ شادی نفروشی تو و من غم نفروشم

میں اسی طریق پر بوجھ اُٹھاتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کے بندوں کی خدمت کرتا

ہوں۔ یہاں تک کہ مرتے دم تک میں اسی طرح کرتا رہوں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے فضل و کرم سے اسی مرتبہ کی ولالت کی ہے۔ اور یہی وظیفہ اُن کے پیش کیا ہے۔ کہ "یا ایہا الذین اٰمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم" (ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی سے خرچ کرو) یہاں پر نفقہ سے مراد صدقہ ہے۔ یعنی جو کچھ کماؤ۔ اس میں سے خود بھی خرچ کرو۔ اور درویشوں کو بھی صدقہ دو۔ اس بات کی تاکید ایک اور جگہ یوں فرماتا ہے۔ "فکلوا منہا واطعموا لبائس الفقیر" (اس میں سے خود بھی کھاؤ۔ اور تنگدست فقیر کو بھی کھلاؤ)۔

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کسب کو سب سے حلال مال فرمایا ہے۔ جیساکہ "ان اطیب ما یاکل الرجل من کسب یدہ" (سب سے پاکیزہ وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتا ہے) سے ظاہر ہے۔ جب اہل حرفہ جو اس دنیاوی خانقاہ میں بمنزلہ عملہ ہیں۔ ان شرائط پر جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے کاربند ہونگے۔ تو اللہ تعالیٰ جو ثواب۔ درجہ اور مقام اپنے خواصوں، مقربوں اور محبوبوں کو عنایت کریگا۔ اس میں سے انہیں بھی حصہ ملیگا۔ جو ان کے خدمتگار رہ چکے ہیں۔ اور قیامت کے دن ان کا حشر بزرگوں کے ساتھ ہوگا۔ جیساکہ فرمایا ہے "اولٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین وحسن اولٰئک رفیقا" (یہ ان لوگوں کے ہمراہ ہونگے جن کو اللہ تعالیٰ نے نعمت عطاء کی ہے۔ مثلاً نبی۔ صدیق۔ شہید اور صالح۔ ازروے رفاقت یہ کیسے ہی اچھے لوگ ہیں) اگر یہ لوگ جن کو اس باب میں ہم نے آٹھ قسموں پر تقسیم کیا ہے۔ اور ہر ایک کے احوال و سلوک کو الگ الگ فصل میں بیان کیا ہے۔ یہ چاہیں۔ کہ مردانِ حق کے مشارب سے ذوق اور مقربوں کے مقامات سے باہرہ ہوں۔ تو انہیں چاہیئے کہ طاعت کے وردوں۔ ذکر کے وظیفوں۔ مراقبہ دل۔ بیداری شب۔ تجرد باطنی۔ کم کھانا۔ کسر نفسی اور شہوتوں اور رعونتوں کے ترک کرنے کو ترقی دیں۔ اور تزکیہ نفس۔ تصفیہ دل اور تجلیہ روح کے بارے میں جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے۔ حتی الوسع اُس پر کاربند رہیں۔ اور اس بات کو یقیناً جان لیں۔ کہ جو محنت زیادہ کریگا۔ اسے اس کا پھل بھی زیادہ ملیگا۔ ؎

برنج اندر است اے خردمند گنج — نیابد کسے گنج نا بُردہ رنج

اگر اتفاق حسنہ سے یہ اقبال ہاتھ لگ جائے۔ کہ کسی ایسے شیخ کی خدمت میں پہنچ جائے۔ جس نے عنایت حق سے اس کا سلوک کیا ہو۔ اور اپنے زمانے کا طبیب حاذق ہو کر مشرف ہوا ہو۔ اور

دینی معالجہ اُس کی رائے اور صلاح کے مطابق کیا جاتا ہو ۔ تو اس کی دولت کی پناہ اور اُس کی ہمت کے شہپروں کے وسیلے نفس امارہ کے خونخوار جنگل کو طے کر جائیگا۔ جسکی ہر منزل اور ہر مقام پر لاکھوں صادق اور صدیق جب بغیر راہنما چلے۔ تو اپنی پیاری جانیں کھو گئے۔ اور انہیں کعبہ مقصود کا جمال بھی نصیب نہ ہُوا۔ اور ایسے مشائخ جو بمنزلہ حاذق طبیب کے ہیں۔ اور راہنمائی کے لائق ہیں۔ اگرچہ ہر زمانے میں خال خال ہوتے ہیں۔ لیکن اس زمانے میں تو خاصکر سُرخ گندھک کی طرح نایاب چیز ہیں۔ اِس موضع میں (وطن مصنف) میں تو اور بھی خاک در خاک ہوگئے۔ اور عنقا صفت ہو گئے ہیں۔ اہل زمانہ کی بے نظری لوگوں کے دنیا میں مستغرق ہونے اور موت۔ کار آخرت۔ حسنات۔ صراط۔ ثواب۔ عذاب اور مرجع و معاد سے بے خبر ہونے کی وجہ سے "یعلمون ظاهرا من الحیوٰة الدنیا وهم عن الآخرة هم غافلون" (وہ صرف دُنیا کی ظاہری زندگی کا خیال کرتے ہیں۔ اور آخرت کے کاموں سے بالکل غافل ہیں) اندھے کی آنکھ میں آنکھوں کے سرمے کی کیا قدر و قیمت ہے۔ اور سُورج کے جمال کی کیا وقعت۔ علاوہ ازیں اس غیرت کے سبب جو اللہ تعالیٰ کو اپنے خاص بندوں پر ہے۔ بارگاہ الٰہی کے پردے ان جھوٹے مُدعیوں کے سبب جو اس وقت اپنے تئیں تریاق کامل اور طبیب حاذق ظاہر کرتے ہیں۔ اپنے خواص کے چہرے پر چھوڑ رکھے ہیں۔ اور مدعی کو بے معنی غیرت کا قبلہ بنا رکھا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے وہ خاص بندے ان اشخاص کی نظروں سے اوجھل ہو رہے ہیں۔ جو "اولیائی تحت قبائی لا یعرفهم غیری" (میرے دوست میری قبا تلے ہیں۔ انہیں میرے سوا اور کوئی نہیں پہچانتا) کے معنوں کو نہیں سمجھتے ؎

مُدعی داری اندریں ولیک — زیرکاں دانند سیر از سوسن و خار از سمن

بی جمال یوسف و بی عشق یعقوب از گزاف — تو تیائے نا ید از ہر باد از ہر پیرہن

لیکن جس صاحبِ سعادت کی جان کی آنکھوں میں عنایت کے سُرمچو سے ہدایت کی سُرمہ دانی میں سے طلب کے درد کا سُرمہ لگاتے ہیں۔ اسکے لئے عاطفت کی ہوا مہربانی کی جائے وزیدنی (ہوا کا چلنا) سے حاجب کی طرف بھیجتے ہیں۔ تاکہ غیرت کا پردہ عزت کے خیمے سے اُٹھا دے۔ اور نیز اسے دین کے صادق طبیب اور عالم یقین کے راہبر کا جمال باکمال دکھلاتے ہیں۔ اس صُورت میں اگر صادق طالب مشرق میں ہو۔ اور حاذق طبیب مغرب میں ہو۔ تو بھی طالب کو مطلوب تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور مطلوب کو طالب کے پاس لے آتے ہیں۔ رُباعی

گر دولت درد دین ترا دست دہد — یا باو ارادت و طلب بر تو جہد
یا موئے کشاں ترا بر شیخ برد — یا او بدو اسپہ رو بسوئے تو نہد

"اللھم اجعلنا من عبادك الصالحین وخواصك المقربین الھادین المھتدین وانزلنا حظیرة قدسك مع اھل انسك من الانبیاء والمرسلین واختم لنا وللامتہ محمد علیہ الصلوٰة والسلام بخاتمة الفائزین وصلی اللہ علی محمد وآلہ واصحابہ وعترتہ اجمعین" (اے پروردگار! تو ہمیں اپنے نیک بندوں اور اپنے خواص اور مقرب اور راحت پانے والوں سے بنانا۔ اور اپنے انبیاء اور مرسلوں کے ساتھ جن کے دلوں میں تیری محبت ہے۔ اپنے پاک مقام میں اُتارنا۔ اور ہمارا اور امت محمدی کا خاتمہ بالخیر کرنا۔ وصلی اللہ علی محمد وآلہ واصحابہ وعترتہ اجمعین۔

یہ کتاب جس میں پوشیدہ علوم کے حقائق مندرج ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائید۔ قادر کن فیکون کے فضل کے فیض سے بادشاہ دین پرور اور سلطان عدل گستر خسرو جو کیخسرو کی روش اور کیقباد کی اصل والا ہے (اللہ تعالیٰ اُس کی سلطنت کے جھنڈے دونوں جہان میں بلند کرے اور مشرق سے لیکر مغرب تک اس کی قلمرو ہو جائے) اُس کی مبارک ہمت کے یمن اور یمین والی دولت کے زیر سایہ فقیر الی اللہ تعالیٰ ابوبکر بن عبداللہ بن محمد بن شاور الاسدی الرازی کے ہاتھ سے جو ان معانی کا لکھنے والا اور اس بناء کو مضبوط کرنے والا ہے۔ شہر شراس میں (خدا اسے محفوظ رکھے) ماہِ مبارک رجب کے شروع میں (اللہ تعالیٰ اس کی قدر و منزلت زیادہ کرے۔ اور اس کے ہلال اور بدر کو ہمارے لئے مبارک بنائے) سوموار کے روز سنہ ۶۲۰ ہجری میں ختم ہوئی۔ اب اللہ تعالیٰ کی عنایت بے علت سے امیدوار ہوں۔ کہ مجھے اس توسل اور تقرب کا اجر ملیگا۔ نہ کہ میں مہجور کیا جاؤں گا۔ اور یہ کتاب بارگاہ میں منظور ہوگی۔ نہ کہ دُور پھینکی جائیگی۔ کیونکہ حقائق کے اس خزانے کا سرسری مطالعہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور بڑی لمبی مدتوں میں بھی اس کے رموز اور دقائق پر مطلع نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ ان غیبی معانی کو اس سے زیادہ اور روشن اور واضح تر بیان نہیں کر سکتے۔ پھر بھی بعض رموز اور اشارات کی مشکلات کو اس طرح سمجھ سکتے ہیں۔ جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولیاں سمجھ لیا کرتے تھے۔ رباعی

ہر جاں بکشد بار بیانِ سخنم — ہر جاں بچشد ذوق زفانِ سخنم

زیں گونہ ہمانا کہ زبانِ سخن است　　　ہم من واثم کہ ترجمانِ سخنم

میری التماس یہ ہے۔ کہ اس کتاب کی تصنیف سے میری یہ خواہش نہیں۔ کہ بادشاہ مجھے دُنیاوی مال و مرتبہ عنایت کرے۔ یا یہ کہ ایسے خوفناک واقعہ کی وجہ سے وطن سے پردیس۔ خوشی سے مصیبت۔ کثرت سے قلت اور جمعیت سے تفرقہ میں پڑا ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ عزلت سے ذلت میں پڑا ہوں۔ کیونکہ جسے فقر کی عزت مل جاتی ہے۔ اسے دلی تمنا حاصل ہو جاتی ہے اور اس کے لئے فقر فخر کا باعث ہوتا ہے۔ کیونکہ پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "الفقر فخری" (فقر میرا فخر ہے) ؎

ملتمس و مامول من یعرفنا　　　انا کرام و لنا معالیس

(جو محتاج اور امیدوار ہمیں جانتا ہے اُسے معلوم ہے کہ ہم بزرگ ہیں۔ گو اس وقت ہمارے پاس کچھ نہیں)۔

اب میں ملتمس ہوں۔ کہ بادشاہ اس کتاب پر جس کے باب اور فصلیں حقائق مبین کے قیمتی موتیوں سے پُر ہیں نظر الطاف کرے اور بصیرت کی آنکھ سے خلوص عقیدت کے ساتھ نہ کہ غرور سے اس کا مطالعہ کرے۔ اور اسکی زکوٰۃ اعمال کے عامل اور استعمال کرنیوالے کو ملکے یا روحانی اور جسمانی مستحقوں پر جنہ زکوٰۃ اور صدقہ لینے کے لائق ہیں صرف کرے۔ تاکہ میں نے جو کچھ بعض مقامات پر لکھا ہے۔ وہ جہان اور اہل جہان کے عادل بادشاہ کو تحقیق ہو جائے۔ اور اسکے فائدے تمام اہل جہان کو پہنچیں۔ اور یہ بات میرے لئے بارگاہِ الٰہی میں باریاب ہونیکے لئے عمدہ وسیلہ بنجائے اور مجھے ندامت اور شرمندگی نہ اُٹھانی پڑے۔ نظم

شہا توقعم از خدمتے چنیں کردن　　　نہ جبہ بود نہ دستار و طیلسان و ردا
نہ جز منصب و نہ احتشام بود قبول　　　نہ مال و نعمت و دولت نہ حرمتِ دنیا
نہ شیر و شکر و مے و انگبین نہ میوہ و مرغ　　　نہ خلد و حور و قصور و نہ سایۂ طوبا
یکے دو چیز تمنائے داعیت بود است　　　کہ باز حاصل ہر دو نمے شود یک جا
یکے تمتع شاہِ جہاں کہ دائم باد　　　دوم بیانِ مقاماتِ کشفِ دینِ ہدیٰ
کہ تا بدیں دو وسیلت رسم بمقعدِ صدق　　　کہ ہست مقصد و مقصود حضرت مولیٰ
اگر زکوٰۃ دہد شاہ بعامل اعمال　　　ازیں خزانہ شوم سرخ روئے در عقبیٰ
غرامتے نکشم زانکہ در قلم آید　　　خجالتے نبرم زانچہ کردہ ام اینجا
ادیب صابر زین باب آشہ عادل　　　چہ سخت خوب یکے کردہ ایم من یکجا
بصد قصیدہ ترا خواندہ ام کریم و حلیم　　　چناں بکن کہ شود ساختہ ہمیں معنی

(تمام شد)